ہندوستان میں وہابی تحریک

مصنف
ڈاکٹر قیام الدین احمد
ایم، اے-پی، ایچ، ڈی
پروفیسر تاریخ پٹنہ یونیورسٹی

مترجم
پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی
ایم - اے

نفیس اکیڈیمی
سٹریچن روڈ، کراچی

Marfat.com

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

Marfat.com

ہندوستان میں وہابی تحریک

مُصنّف
ڈاکٹر قیام الدین احمد
ایم، اے - پی، ایچ، ڈی
پروفیسر تاریخ پٹنہ یونیورسٹی

مترجم
پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی
ایم - اے

نفیس اکیڈمی
سٹریچن روڈ ——— کراچی

قیمت اٹھارہ روپے مجلد
(۱۸/۰۰)

Marfat.com

جملہ حقوق اشاعت وطباعت اردو ترجمہ

بحق

137184

چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری

مالک

نفیس اکیڈمی و مسعود پبلشنگ ہاؤس

اسٹریچن روڈ کراچی۔ محفوظ ہیں

باہتمام ——— خالد اقبال گاہندری

اشاعت اول ——— دسمبر ۱۹۷۲ء

ٹیلیفون ——— ۵۱۳۳۴

مطبوعہ

(انٹرنیشنل پریس، کراچی)

Marfat.com

فہرستِ مضامین

وہابی تحریک حصہ اوّل

تمہید ۲۳

تعارف (ماخذ کا جائزہ) ۲۶

باب ۱

وہابی تحریک کی بنا اور اس کے خاص پہلو ۳۵

(الف) پس منظر ۳۵

مغل سلطنت کا زوال ۳۵

جنگ پلاسی ۳۶

تجارت پر انگریزوں کی اجارہ داری ۳۷

اخلاقی انحطاط ۳۸

اشاعت اسلام میں صوفیائے کرام کا حصہ ۳۹

مذہبی بے راہ روی ۴۰

مکروہ رسم و رواج ۴۳

(ب) ہندوستان میں وہابیت کی بنا و ارتقاء ۴۴

ایرانی اور ترک اثرات ۴۴

مغل حکمرانوں کی دین سے بے نیازی ۴۵

حضرتِ مجدد الف ثانیؒ کی دینی خدمات ۴۶

حضرت شاہ ولی اللہؒ ۴۸

میر قاسم و ٹیپو سلطان ۴۸

(ج) وہابیت کی کچھ نمایاں خصوصیتیں ۵۰

سید احمد کا طریقۂ محمدی ۵۰

اصلاحی تحریک ۵۰

وہابی تحریک کی تعلیمات ۵۱

نجدی اور ہندوستانی تحریکات ۵۳

وہابیہ کا تقابلی موازنہ

وہابیت کا اہتمام ۵۳

محمد بن عبدالوہاب ۵۴

محمد بن مسعود ۵۴

وہابی تحریک کا عروج ۵۴

عثمانی خلیفہ کی مخالفت ۵۵

وہابیوں کی سیاسی طاقت کا خاتمہ ۵۵

ہندوستانی اور عربی وہابیت کا موازنہ ۵۶

نقطۂ مماثلت ۵۷

نقطۂ اختلاف ۵۷

باب ۲

سید احمد بریلوی کی زندگی اور کارنامے ۵۹

(الف) ابتدائی زندگی اور تبلیغی کام ۵۹

فوج میں ملازمت ۶۰

فوج میں شمولیت کا مقصد ۶۰

شاہ اسمٰعیل و عبدالحئی کی بیعت ۶۱

تبلیغی دورے۔

بیوگان کا عقد ثانی ۶۳

سید احمد کا سفر حج ۶۴

خاندان صادق پور کی شمولیت تحریک ۶۵

ولایت علی کی بیعت ۶۶

مظہر علی کی بیعت ۶۶

مذہبی مذاکرے ۶۷

معتقدین میں اضافہ ۶۷

بکسر میں قیام ۶۷

پھلواری شریف میں مذہبی مباحثہ ۶۸

پٹنہ میں قیام

تبت کے کچھ مسلمانوں سے ملاقات ۷۱

قصبہ باڑھ اور سورنج گڑھ میں قیام ۷۲

Marfat.com

راج محل میں قیام ۷۲
کلکتہ میں قیام و روانگی ۷۳
مراجعت ہند ۷۳
احمد اللہ کا عقد ۷۴
خاندان صادقپور کی اہمیت ۷۴
شاہ محمد حسین خلیفہ اول ۷۴
سند خلافت ۷۵
سند خلافت کی مہر کی تاریخ میں اختلاف ۷۷
شاہ محمد حسین کی خدمات ۷۷
ہجرت کی تیاری ۷۸
(ب) مہاجرت اور شمالی مغربی سرحد کی جنگی مہمیں ۷۹
مجاہدین کی روانگی ۷۹
شمالی مغربی سرحدی صوبہ کے سیاسی حالات ۷۹
پنجاب کے سیاسی حالات ۸۰
سرحدی سرداروں کے نام خطوط ۸۲
جنرل بدھ سنگھ کی پیشقدمی ۸۲
سکھوں سے پہلی جھڑپ ۸۳
حریص زر قبائل ۸۳
امامت کا اعلان ۸۴
قبائلیوں کی بیعت ۸۵
سرداران پشاور کی علیحدگی ۸۵
قبائلی علاقوں میں تبلیغی دورے ۸۶
کشمیر پر قبضہ کرنے کا منصوبہ ۸۶
درانی سرداروں کا منافقانہ رویہ ۸۷
پنجتار میں دینی اجتماع ۸۸
فتح ہنڈ ۸۸
یار محمد کا خاتمہ ۸۹
تسخیر کشمیر کے منصوبہ کی ناکامی ۹۰
سرداران ستھانہ کا ایثار ۹۰
پائندہ خاں کی شکست و اطاعت ۹۱
رنجیت سنگھ کی پیشکش ۹۲
فتح پشاور ۹۳
سلطان محمد سے حسن سلوک ۹۳
پشاور میں دینی حکومت کا قیام ۹۴
مجاہدین کے خلاف سازش ۹۴
مظفر آباد پر حملہ ۹۵

باب ۳

جنگ بالاکوٹ اور فرائضی تحریک ۹۶
(ا) جنگ بالاکوٹ ۹۶
جنگ بالاکوٹ کے متعلق اہم دستاویز ۹۶
بالاکوٹ کا محل وقوع ۹۷
سید احمد کی فوجی حکمت عملی ۹۷
سید احمد کی شہادت ۹۸
تواریخ ہزارہ کی روایت ۹۸
سکھوں کی بدحواسی ۹۹
شیر سنگھ کی گڑھی حبیب اللہ کی جانب پیش قدمی ۱۰۰
سید احمد کی ایک جنگی چال ۱۰۰
سکھ فوج کا ماٹی کوٹ پر قیام ۱۰۱
آغاز جنگ ۱۰۲
سکھوں کی پسپائی ۱۰۲
مجاہدین کی شہادت ۱۰۲
سید احمد کی لاش کی شناخت ۱۰۳
ویڈ کی روایت ۱۰۵
وقائع نویس کی رپورٹ ۱۰۵
(ب) سید احمد کی سرحدی جنگوں کے سیاسی نتائج ۱۰۸
سید احمد کی شہادت پر رنجیت سنگھ کا اظہار مسرت ۱۰۹
نظریہ غیوبیت سید احمد ۱۱۰
عقیدہ ظہور ثانی ۱۱۱
شیخ محمد پھولتی کی قیادت ۱۱۱
وہابیوں کو پائندہ خاں کی پیشکش ۱۱۲
وہابیوں کا ستھانہ میں قیام ۱۱۳
وہابیوں اور فتح خاں کی لڑائی ۱۱۳
(ج) نصیر الدین دہلوی کے زیر قیادت سندھ کی فوج ۱۱۵
سندھ مرکز جہاد ۱۱۶
سندھ کے سیاسی حالات ۱۱۶
رنجیت سنگھ کا امرائے سندھ سے خراج کا مطالبہ ۱۱۷
مزاری قبیلہ ۱۱۷
سندھ پر انگریزوں کی نظر ۱۱۸
برنس کے مشن کی مخالفت ۱۱۹
روس اور برطانیہ کی سندھ پر نظر ۱۱۹
نصیر الدین اور مزاری قبیلہ ۱۲۰
مزاریوں کی سکھوں سے صلح ۱۲۰
نصیر الدین کی روانگی افغانستان ۱۲۱
انگریز افغان جنگ میں

Marfat.com

نصیر الدین کی شکست ۱۲۱
خلفائے عظیم آباد ۱۲۲
فرائضی تحریک ۱۲۳
حاجی شریف اللہ ۱۲۳
بنگالی مسلمانوں پر جبر وستم ۱۲۳
دادو میاں ۱۲۳
تیتو میر ۱۲۳
تیتو میر کی اصلاحی سرگرمیاں ۱۲۴
اجتماعی جرمانے کے خلاف ۱۲۵
بنگالی مسلمانوں کا عملی اقدام
پورنا گاؤں پر حملہ ۱۲۶
فرائضیوں کا خروج ۱۲۶
انگریزی دستہ کی شکست ۱۲۷
غلام معصوم کی شکست وخاتمہ ۱۲۸
فرائضیوں کی سرفروشی پر ۱۲۹
اظہار تعجب
فرائضی اور وہابی تحریک پر ۱۳۰
اوکنیلی کی رائے
فرائضی خروج کی اصل وجہ ۱۳۰

باب ۴

ولایت علی وعنایت علی ۱۳۳
(ا) ولایت علی اور عنایت علی ۱۳۳
کے کردار اور جدوجہد
ولایت علی کے ابتدائی حالات ۱۳۳
ولایت علی کی بیوہ سے شادی ۱۳۴
عنایت علی کے ابتدائی حالات ۱۳۴
ولایت علی اور عنایت علی کی ۱۳۵
مراجعت ہند
ہند میں تبلیغی وتنظیمی سرگرمیاں ۱۳۶
پٹنہ میں وہابی تحریک کی تنظیم نو ۱۳۷
عنایت علی کا دورہ بنگال ۱۳۷
عنایت علی کے متعلق سپرنٹنڈنٹ ۱۳۸
پولیس کی رپورٹ
انگریزی حکومت کی پولس کو ۱۳۹
ہدایت
بنگال میں عنایت علی کی ۱۴۰
حکمت عملی
ولایت علی کا دورۂ بنگال ۱۴۱
سکھوں کے مقبوضات کی ۱۴۲
انگریزوں کو منتقلی
ولایت علی کی روانگی سرحد ۱۴۳
فتح خاں کی شرانگیزی ۱۴۴
بالاکوٹ سے سکھوں کا ۱۴۴
اخراج
رضاکاروں کو تحریک میں ۱۴۵
شرکت کی دعوت
امارت عنایت علی ۱۴۵
معرکہ نوشہرہ ۱۴۶
منافق سرداروں کو معافی ۱۴۷
امارت ولایت علی ۱۴۸
وہابی ریاست کا دارالخلافہ ۱۴۸
اسلام گڑھ
ہندوستانی مسلمانوں کو ۱۴۹
سرحد آنے کی دعوت
معرکہ درہ دوب ۱۴۹
سکھوں کی انگریزوں سے ۱۵۱
امداد طلبی
عبد الرحیم کے بیان پر تنقید ۱۵۲
عبد اللہ کا چشم دید بیان ۱۵۳
مسٹر ایبٹ اور ولایت علی ۱۵۴
کی گفتگو
ولایت علی وعنایت علی ۱۵۵
کی مراجعت پٹنہ
ولایت علی وعنایت علی ۱۵۶
پر پابندی
عنایت علی کی بنگال سے طلبی ۱۵۷
آغاز سفر ۱۵۹
بہادر شاہ دوم اور ولایت علی ۱۵۹
کی ملاقات
ولایت علی کی دہلی سے روانگی ۱۶۰
ولایت علی عنایت علی میں ۱۶۱
اختلاف رائے
عنایت علی کی مزاجی کیفیت ۱۶۲
اختلاف کا بنیادی سبب ۱۶۳
ولایت علی کا انتقال ۱۶۴
عنایت علی کی دفات ۱۶۴
رفقائے عنایت علی کی ۱۶۴
مراجعت پٹنہ
(ب) حیدرآباد میں وہابی ۱۶۵
سازش
ولایت علی کی دکن میں تبلیغی ۱۶۵
سرگرمیاں
مبارز الدولہ کے خلاف ۱۶۶
رزیڈنٹ فریزر کی رپورٹ
منصوبہ کا انکشاف ۱۶۷
مبارز الدولہ کے بارے میں تحقیقات ۱۶۸

Marfat.com

مبارز الدولہ کو حبس دوام کی سزا	۱۶۸
(ج) سرحد پر وہابی امارت	۱۷۰
وہابی ریاست کا حدود اربعہ	۱۷۰
سپاہیوں کی تنخواہیں	۱۷۱
سرکاری ملازمین	۱۷۱
عدلیہ	۱۷۲
دربار کی روداد	۱۷۲
خراج	۱۷۳
صدر ریاست کی شان و شکوہ کی دھبہ	۱۷۳
جدید انتظامی تجربہ کے حامی	۱۷۴
وہابی ریاست کا نظم و نسق	۱۷۴
باب ۵	
(الف) وہابی تحریک کی اندرونی تنظیم	۱۷۶
(۱) پٹنہ کی مرکزی تنظیم	۱۷۷
قافلہ	۱۷۷
رنگروٹوں کی تعلیم و تربیت	۱۷۸
خلفاء کا تقرر	۱۷۹
مجلس اعلیٰ	۱۸۰
خلیفہ یحییٰ علی	۱۸۰
دورہ کرنے والے مبلغین	۱۸۱
وہابی مبلغین کی اہمیت	۱۸۱
مبلغین کا محتاط رویہ	۱۸۲
مبلغین کی کارگزاریاں	۱۸۳
ضلع دار مراکز	۱۸۴
مبلغین کا طریقہ کار	۱۸۴
مال کی تحصیل	۱۸۵
وہابی فنڈ کے چندے	۱۸۶
زکواۃ	۱۸۶
صدقات	۱۸۶
عمومی لگان	۱۸۷
عطیات	۱۸۷
مال کی ترسیل	۱۸۸
تحریک کے خفیہ کارکن	۱۸۹
خفیہ کارکنوں کا طریقہ عمل	۱۸۹
امینوں کی دیانت	۱۹۰
ترسیل زر کا طریقہ کار	۱۹۱
خفیہ اور مرموز پیغامات	۱۹۲
وہابیوں کے متعلق جیمس البوٹ کی رپورٹ	۱۹۲
جیمس البوٹ کی سبکدوشی	۱۹۳
وہابیوں کی نقل و حرکت پر نظر	۱۹۳
جنگ امیبہ کے بعد انگریزوں کی کارروائیاں	۱۹۴
وہابیوں کا ہندوستانی فوج میں تداخل	۱۹۵
ایسٹ انڈیا کمپنی کی جنگی چالیں	۱۹۵
ڈوپلے کی حکمت عملی	۱۹۶
وہابی قائدین کا عسکری تدبر	۱۹۷
دکن میں وہابیوں کی کارگزاری	۱۹۸
وہابیوں کی بہار میں سرگرمیاں	۱۹۹
خواجہ حسن علی کی انگریزوں کے خلاف کارروائیاں	۲۰۰
فوجیوں کو پیشکش	۲۰۱
منشی پیر بخش کی گرفتاری	۲۰۲
خواجہ حسن علی کی رہائی	۲۰۳
وہابی تحریک میں پٹنہ کی اہمیت	۲۰۴
کمشنر پٹنہ کی رپورٹ	۲۰۵
سیف علی	۲۰۶
راحت علی	۲۰۷
سازش ۱۸۴۵ء کے بانی	۲۰۸
اہم خطوط کی ضبطی	۲۰۹
عباسی علی کی گرفتاری	۲۰۹
حسین علی کی خانہ تلاشی	۲۱۰
احمد اللہ کی دھمکی	۲۱۰
شمالی ہند میں وہابی تحریک	۲۱۱
پشاور میں وہابیوں کے خطوط کی ضبطی	۲۱۱
ہزارہ کے سیاسی حالات	۲۱۲
جنگ ۱۸۵۷ء	۲۱۲
برطانوی وقائع نویسوں کا بیان	۲۱۳
اکبر شاہ کا انتقال	۲۱۴
دوسرا حصہ	
باب ۶	
معرکہ سرحد (۱۸۵۲ء تا ۱۸۶۳ء)	۲۱۵
معرکہ ۱۸۵۲ء	۲۱۵
ہزارہ پر انگریزوں کا قبضہ	۲۱۵
وادی کاغان پر انگریزوں کا قبضہ	۲۱۶
حسن زئی قبائلیوں کا سرحدی چوکیوں پر قبضہ	۲۱۶

Marfat.com

کوہ سیاہ کی پہلی مہم ۲۱۷
انگریزوں کے خلاف عنایت علی کی کوششیں ۲۱۸
قلعہ کوٹلا پر انگریزوں کا قبضہ ۲۱۹
سرجن لائل کا وہابیوں کو خراج تحسین ۲۲۰
اخوند کی وہابیوں سے سرد مہری ۲۲۱
عنایت علی کا منگل تھانہ میں قیام ۲۲۲
انگریزوں کی وہابیوں کو تنبیہ ۲۲۲
مبارک شاہ کا سوات سے اخراج ۲۲۳
انگریزی علاقے پر حملے ۲۲۴
عنایت علی کا نارنجی پر قبضہ ۲۲۴
عنایت علی کی شکست و پسپائی ۲۲۵
نارنجی کی تباہی ۲۲۶
احمد اللہ اور محمد حسین کی نظربندی ۲۲۶
انگریزوں سے عنایت علی کا آخری محاربہ ۲۲۶
وہابیوں کا دور ابتلا ۲۲۷
مجلس ارباب ثلاثہ ۲۲۷
وہابیوں کے خلاف لارنس کی جد و جہد ۲۲۸
معرکہ ۱۸۵۸ء ۲۲۸
پنجتار اور چنگلائی کی تاراجی ۲۲۸
منگل تھانہ کی تباہی ۲۲۹
ستھانہ ۲۳۰
معرکہ ستھانہ ۲۳۱
وہابیوں کی سرفروشی ۲۳۲
ستھانہ کی تباہی ۲۳۲
نور اللہ کی وفات ۲۳۲
معرکہ امبیلا ۱۸۶۳ء ۲۳۳
اسباب جنگ ۲۳۳
محمود شاہ ۲۳۴
محمود شاہ کی ستھانہ میں آمد ۲۳۵
وہابیوں کے خلاف افواہیں ۲۳۵
مبارک شاہ ۲۳۶
وہابیوں کا اعلیٰ کردار ۲۳۶
سادات کا ستھانہ پر قبضہ ۲۳۷
وہابیوں کے فوجی دستے ۲۳۸
وہابیوں پر حملہ کا منصوبہ ۲۳۹
انگریزوں کی پیش قدمی ۲۳۹
ٹیلر کا قبیلہ بنیر کو پروانہ ۲۴۰
انگریزی فوج محصور ۲۴۰
جنرل چیمبرلین کی امداد طلبی ۲۴۱
عظیم سرحدی جنگ ۲۴۲
وہابیوں کی داد شجاعت ۲۴۲
سڑک کی تعمیر و انہدام ۲۴۳
انگریزی سپاہ کی بدحالی ۲۴۴
برطانوی حکام کا قبائلیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ ۲۴۴
وہابیوں کا جذبۂ شہادت ۲۴۵
ملکہ کی تباہی ۲۴۵
انگریزی سپاہ کو بھاری نقصان ۲۴۷
جنگ امبیلہ انگریزوں کی نظر میں ۲۴۷
وہابی تحریک کا مقصد ۲۴۸

باب

وہابی ۱۸۵۷-۵۹ء کی تحریکیں ۲۴۹
تحریک ۱۸۵۷ء اور وہابی تحریک کا موازنہ ۲۵۰
تحریک ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے اسباب ۲۵۰
وہابی تحریک کا عقیدۂ ہجرت ۲۵۱
۱۸۵۷ء کی تحریک پر وہابی تحریک کا اثر ۲۵۲
پٹنہ کی مرکزی حیثیت ۲۵۲
ولیم ٹیلر کی وہابیوں کے متعلق رپورٹ ۲۵۲
پیر علی کی خدمات ۲۵۳
وہابیوں کی غیر معمولی تنظیم و اطاعت ۲۵۴
قائدین وہابی تحریک کی گرفتاری ۲۵۵
ٹیلر کا غلط دعویٰ ۲۵۵
وہابیوں کی غیر آئینی نظربندی ۲۵۶
اصلی مخبر ۲۵۶
سرکاری گوئندوں کی حرکات قبیحہ ۲۵۷
خاندان صادق پور کا ایثار ۲۵۸
وہابیوں کی سیاسی بصیرت ۲۵۹
۱۸۵۷ء کی تحریک میں وہابیوں کی حکمت عملی ۲۶۰
۱۸۵۷ء کی تحریک میں اہل پنجاب کی عدم شمولیت ۲۶۱
وہابی تحریک کے متعلق ایک غلط خیال ۲۶۲

Marfat.com

قائدین پٹنہ کا ایثار و استقامت — ۲۶۳

باب ۵

۱۸۶۳-۶۵ء میں کچھ وہابیوں پر سرکاری مقدمات — ۲۶۴
۱۸۶۴ء کا مقدمہ انبالہ — ۲۶۴
جعفر تھانیسری — ۲۶۶
جعفر تھانیسری کی گرفتاری — ۲۶۷
الٰہی بخش اور محی الدین — ۲۶۷
الٰہی بخش کی خانہ تلاشی
خاندان صادق پور کی خانہ تلاشی — ۲۶۸
عبدالرحیم اور عبدالغفار کی گرفتاری — ۲۶۸
یحیٰی علی کی گرفتاری — ۲۶۹
قیدیوں سے انسانیت سوز سلوک — ۲۶۹
قیدیوں کے اسمائے گرامی — ۲۶۹
مقدمہ کا آغاز — ۲۷۰
قیدیوں کے وکلاء — ۲۷۰
عدالت کا فیصلہ — ۲۷۱
عدالتی فیصلہ کی توثیق — ۲۷۳
ہنٹر کا قیدیوں کو خراج تحسین — ۲۷۳
قیدیوں پر ظلم و تعدی — ۲۷۴
(ب) ۱۸۶۵ء کا مقدمہ پٹنہ — ۲۷۵
احمد اللہ — ۲۷۵
احمد اللہ پر الزامات — ۲۷۵
احمد اللہ کے خلاف شکایات — ۲۷۶
احمد اللہ کا وہابی تحریک میں حصہ — ۲۷۶
احمد اللہ کی گرفتاری — ۲۷۷
احمد اللہ کے خلاف جرائم کی فہرست — ۲۷۸
احمد اللہ کے خلاف عدالت کا فیصلہ — ۲۷۹
احمد اللہ کو حبس دوام کی سزا — ۲۸۰
احمد اللہ کی جزائر انڈمان روانگی — ۲۸۰
مقدمہ انبالہ کے نمایاں پہلو — ۲۸۱
قیدیوں کے خاندانوں کو دھمکیاں — ۲۸۲
سرکاری گواہوں پر نوازشات — ۲۸۲
ایک گواہ سے بہیمانہ سلوک — ۲۸۳
جج کا انتقامی رویہ — ۲۸۳
جعفر تھانیسری کی صاف گوئی — ۲۸۴
الٰہی بخش پر غیر معمولی نگرانی — ۲۸۴
(ج) سزا رسیدگان کی زندگی جزائر انڈمان میں — ۲۸۵
قیدیوں کے لئے قواعد وضوابط — ۲۸۵
غیر انسانی رواج کا خاتمہ — ۲۸۶
یورپی قیدیوں کے ساتھ ترجیحی سلوک — ۲۸۶
احمد اللہ کی پورٹ بلیر میں آمد — ۲۸۶
یحیٰی علی کی وفات — ۲۸۷
لارڈ میو کے قتل کا وہابیوں پر الزام — ۲۸۷
ایشری پرشاد کی روانگی انڈمان — ۲۸۸
جنرل اسٹیوارٹ کا غیر جانبدارانہ رویہ — ۲۸۸
احمد اللہ کی حالت زار — ۲۸۸
احمد اللہ کی حسرتناک موت — ۲۸۹
وہابیوں کی جائیداد کی ضبطی — ۲۹۰
وہابیوں کا سماجی رتبہ — ۲۹۰
خاندان صادق پور کی املاک کی ضبطی — ۲۹۱
خاندان پٹنہ کی املاک کا حشر — ۲۹۲
احمد اللہ کے خاندان کی تباہی — ۲۹۳
وہابی فنڈ کا مصرف — ۲۹۵
قبروں کا انہدام — ۲۹۵
خاندان صادق پور کی نشاۃ ثانیہ — ۲۹۶
وہابی قیدیوں کی رہائی — ۲۹۷

Marfat.com

وہابیوں کی رہائی اور پابندیاں ۲۹۹

عبدالرحیم کی مراجعت پٹنہ ۲۹۹

جعفر تھانیسری کی رہائی ۳۰۰

باب ۹

تحریک کا آخری منظر ۳۰۱

وہابی جدوجہد ہندوستان میں ۱۸۶۸-۸۲ء ۳۰۱

احمداللہ کی گرفتاری پر وہابیوں میں بے چینی ۳۰۲

راج محل کے ابراہیم منڈل ۳۰۲

ابراہیم منڈل کی گرفتاری ۳۰۳

وہابی تحریک کے متعلق شہادتیں ۳۰۴

گرے کی تحقیقات ۳۰۴

وہابی تحریک کے متعلق مسائل ۳۰۵

مقدمہ قائم کرنے میں حکومت کی بے بسی ۳۰۵

ابراہیم منڈل سے ناروا سلوک ۳۰۶

عنایت اللہ ولد فیض اللہ کی شہادت ۳۰۷

الیشری پرشاد کی پٹنہ میں تقرری ۳۰۸

الیشری پرشاد کی تحقیقات ۳۰۸

وہابیوں کی کاروائیاں ۳۰۸

مدراس اور بمبئی کے صوبوں میں وہابی مبلغ اسمٰعیل کی مدراس میں خدمات ۳۰۹

وہابی مبلغ احمداللہ کی بنگال میں کاروائیاں ۳۱۰

احمداللہ مبلغ کی رائے پور میں گرفتاری ۳۱۰

صوبہ بمبئی کے پولیس کمشنر کی کی رپورٹیں ۳۱۲

خورشید علی اور مبارک علی کی گرفتاری ۳۱۳

شاہزادہ فیروز شاہ ۳۱۴

نذیر حسین محدث دہلوی ۳۱۵

امید علی کی گرفتاری ۳۱۵

امیرالدین ساکن مالدہ ۳۱۶

پٹنہ اور دانا پور میں تحقیقات ۳۱۷

امیر خاں اور حشمت داد خاں ۳۱۸

ترسیل زر کے لئے وہابیوں کا طریقہ کار ۳۱۸

وہابی منصوبوں کی دلچسپ رجحانوں کا کردار ۳۱۹

داناپور۔ مالدہ اور کلکتہ میں گرفتاریاں ۳۱۹

کرامت علی کے نام خطوط کی جانچ پڑتال ۳۱۹

واعظ الحق کی گرفتاری ۳۲۰

دہلی کی روانگی پنجاب ۳۲۰

مرتضیٰ کی نشان دہی ۳۲۱

پشاور میں وہابیوں کی گرفتاری ۳۲۱

عبداللہ کی گواہی ۳۲۱

پنجاب میں وہابی کارکنوں کی گرفتاری ۳۲۲

غلام شاہ حاجی کی گرفتاری ۳۲۳

دہلی کی راج محل کے وہابیوں کے متعلق رپورٹ ۳۲۳

موضع ہنس پوکھر کے متعلق رپورٹ ۳۲۴

مشتبہ وہابیوں کی نظربندی ۳۲۴

بکسر میں وہابیوں کے متعلق تحقیقات ۳۲۵

محمد اسحاق کی مخبری محمد عمر کی گرفتاری و رہائی ۳۲۶

ہند میں وہابیوں کی وسیع ۳۲۷

Marfat.com

پیمانے پر گرفتاریاں

امیر خاں اور حشمت داد خاں کا حکومت سے مطالبہ ۳۲۷

امیر خاں اور حشمت داد خاں کے مقدمے کا آغاز ۳۲۸

جسٹس نارمن کے قتل کا واقعہ ۳۲۹

امیر الدین اور ابراہیم منڈل کو سزائیں ۳۲۹

ملزمان پٹنہ کے مقدمہ کا آغاز ۳۳۰

وہابیوں کے املاک کی ضبطی و سزائیں ۳۳۱

امیر خاں و حشمت داد خاں کا انتقال ۳۳۲

۱۸۷۵ء وہابی بھوپال اور رنگون میں ۳۳۲

۱۸۸۲ء وہابیوں کی جدو جہد شاہ آباد میں ۳۳۳

کلکتہ پولس کی وہابیوں کے متعلق رپورٹ ۳۳۴

وہابیوں کے خفیہ اجلاس پر پولس کا چھاپہ ۳۳۴

ابراہیم آردی کی تبلیغی مہم ۳۳۵

ابراہیم آردی کے خلاف تحقیقات ۳۳۶

وہابی تحریک کے خلاف موثر کارروائی ۳۳۷

سرحد پر وہابی ریاست ۱۹۰۲ - ۱۸۶۳ء ۳۳۷

آخوند سوات ۳۳۷

وہابیوں کا بج کٹّا سے اخراج ۳۳۸

وہابیوں کا پلوسی میں قیام ۳۳۹

وہابی نوآبادی ۳۴۰

حسن زئیوں کی وہابیوں کو پیشکش ۳۴۱

فیض اللہ کی وہابیوں کے متعلق رپورٹ ۳۴۱

وہابیوں کا حکومت سے مطالبہ ۳۴۲

ایشری پرشاد کی مخالفت ۳۴۲

امیر عبداللہ ۳۴۳

کوہ سیاہ کی مہمات میں وہابیوں کا کردار ۳۴۴

امیر عبداللہ کی فیروز شاہ سے درخواست ۳۴۵

امیر عبداللہ کی عظیم قیادت ۳۴۵

باب ۱۰

وہابی تحریک کا جائزہ ۳۴۷

(۱) وہابی تحریک کی نوعیت ۳۴۷

عقیدہ ہجرت کی توضیح ۳۴۸

شمال مغربی سرحد کو مرکز بنانے کی وجہ ۳۴۸

وہابی تحریک کا بنیادی مقصد ۳۴۹

وہابی تحریک کا دینی پہلو ۳۵۱

وہابی تحریک کے متعلق ہنٹر کا نظریہ ۳۵۱

ہنٹر کے نظریہ کی تردید ۳۵۲

سرسید احمد خاں کا طرز اصلاح ۳۵۳

Marfat.com

ریف سکھ تھے یا انگریز؟	۳۵۳	قبائلیوں کی غداری	۳۶۲	عبدالعلی	۳۷۲
واقعات کے متعلق عمداً	۳۵۴	امدادی مراکز سے دوری	۳۶۳	مظہر علی	۳۷۳
تحریف		قدیم اسلحہ سے جدید	۳۶۴	(۲) سید احمد کا ایک نایاب	۳۷۴
سید احمد کا خلوص اور	۳۵۵	آلات حرب کا مقابلہ		غیر مطبوعہ مکتوب	
جاں نثاری		(۱) بعض اہم ارکانِ صادق پور	۳۶۶	(۳) وہابی مراسلات میں مستعمل	۳۷۷
وہابی تحریک کا سیاسی پہلو	۳۵۶	کے سوانحی خاکے		اصطلاحات و عرفی نام	
غیر وہابی عناصر کی شمولیت	۳۵۷	الٰہی بخش	۳۶۶	(۴) غزوہ امبیلہ کے موقع	۳۷۸
وہابی تحریک کا قومی رنگ	۳۵۸	احمد اللہ	۳۶۷	پر عبداللہ اور سید عمران کا	
(ب) وہابی تحریک کی کچھ	۳۵۹	فیاض علی	۳۶۷	مشترک مکتوب	
خدمات اور اس کی ناکامی		یحییٰ علی	۳۶۸	(۵) جے، ایچ، ریلی، این گھوش	۳۷۹
کے اسباب		ولی اللہ	۳۶۹	اور اسپیشل ڈپارٹمنٹ کے	
سماجی و مذہبی اصلاح	۳۵۹	فتح علی	۳۶۹	طریق کار کی روداد	
اردو کی خدمت	۳۶۰	طالب علی	۳۷۰	سید احمد کے بعض مکتوب	۳۸۲
سیاسی تنظیم کا نمونہ	۳۶۰	فرحت حسین	۳۷۰	وہابی نگارشات	۳۸۳
سر سید کی اصلاحات	۳۶۰	عبداللہ	۳۷۱	وہابی اور خانقاہ پھلواری شریف	۳۸۸
وہابی تحریک کا سر سید پر اثر	۳۶۱	عبدالرحیم	۳۷۱	وہابیوں کے خلاف نگارشات	۳۸۹
انگریزوں کا سیاسی تفوق	۳۶۱	باقر علی	۳۷۲	مکتوب سید احمد بنام راجہ ہندو راؤ	۳۹۱
اسباب ناکامی	۳۶۱	قمر الدین حسین	۳۷۲	ماخذ	۳۹۳

Marfat.com

حیات اور مکتوبات سید احمد شہید کے بعد

ہندوستان میں وہابی تحریک

از:- چوھدری محمد اقبال سلیم گاھندری

یہ کتاب جو اس وقت آپ کے سامنے پیش ہے، ڈاکٹر قیام الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی کی گراں قدر اور بے مثال تصنیف "ہندوستان میں وہابی تحریک" (انگریزی) کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ پروفیسر محمد مسلم صاحب ایم اے نے کیا ہے۔ اور خود پروفیسر صاحب کا نام نامی ترجمہ کی خوبی، سلاست اور عمدگی کے لئے ضمانت ہے۔ پروفیسر صاحب حضرت شاد کے شاگرد رشید اور پختہ مشق ادیب و شاعر ہونے کے علاوہ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں کے اداشناس ہیں۔ ان کے ترجمہ کی خوبیوں کا کیا کہنا۔

مصنف کتاب ڈاکٹر قیام الدین صاحب نے یہ کتاب اس وقت لکھی ہے جب کہ "ہندوستان میں وہابی تحریک" سے متعلقہ مواد بہت کچھ ظاہر ہو چکا تھا اور جو ابھی تک عام نظروں سے پوشیدہ تھا ڈاکٹر صاحب نے بڑی جستجو سے حاصل کیا ہے۔ اردو میں اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری کی تواریخ عجیبہ۔ کالا پانی، غلام رسول مہر مرحوم کی تین ضخیم کتابیں۔ تحریک مجاہدین۔ سرگذشت مجاہدین۔ اور سید احمد شہید بریلوی کے علاوہ مرحوم مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب ہندوستان کی پہلی سیاسی تحریک اور مولانا ابو الحسن سید علی ندوی کی کتاب سید احمد شہید، اس سلسلہ کی مشہور کتابیں ہیں۔ ڈاکٹر قیام الدین صاحب کی اس کتاب میں مذکورہ بالا تمام کتابوں کے علاوہ دوسرے متعدد ذرائع اور کاغذات سے حاصل شدہ اور بہت سا مواد موجود ہے جو کسی اور کتاب میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے بلا خوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر دنیا میں سب سے زیادہ مکمل کتاب ہے اور جدید ترین معلومات پوری طرح اس میں موجود ہیں۔

وہابی تحریک حقیقۃً اس تحریک کا نام ہے جو شیخ محمد بن عبد الوہاب النجدی المتوفی ۱۲۰۶ھ/۱۷۹۲ء نے نجد میں چلائی تھی۔ یہ ایک اصلاحی تحریک تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں جو غیر ضروری اوہام اور غیر شرعی اعمال و رسوم پیدا ہو گئے ہیں انھیں ختم کر کے دین کو اپنی قدیم سادگی پر واپس لایا جائے۔ اور دین پر مرمٹنے کی جو تمنا صحابہ کرام میں موجود تھی اسے پھر سے زندہ کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد

Marfat.com

میں وہابیوں کو مختلف طاقتوں سے ٹکرانا پڑا اور وہ ٹکرائے۔

ہندوستان کی وہابی تحریک کا اس سے حقیقۃً کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر چونکہ یہ لوگ بھی دینی جذبات سے لبریز تھے، ان میں بھی روح جہاد کارفرما تھی اور یہ بھی دین کو عہد اول کی سادگی پر لانا چاہتے تھے اس لئے یہ لوگ بھی وہابی مشہور ہو گئے یا دوسروں نے انکی تحریک کو وہابی تحریک کے نام سے موسوم کر دیا۔

ہندوستان کی وہابی تحریک جسکی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تعلیمات سے ہوئی۔ انکی اولاد انکے شاگردوں نے اس درخت کی آبیاری کی اور حضرت سید احمد شہید بریلوی۔ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید اور ان کے جاں نثار رفیقوں نے اسے اپنے خون سے سینچا۔ یہ ایک عوامی سیاسی تحریک تھی اور یقیناً پہلی عوامی تحریک تھی۔ اس کا مقصد کسی کو تخت و تاج دلوانا نہیں تھا۔ بلکہ غیر مسلموں کے اقتدار اور ان کے بے پناہ مظالم سے مسلمانوں کو نجات دلانا تھا۔ اگرچہ سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہید اپنے چھ سو رفقاء کے ساتھ ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ میں شہید ہو گئے ؎

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

لیکن اس تحریک نے مظلوموں کے قلوب میں وہ آگ روشن کر دی جو بار بار بھڑکتی رہی اور وہ وقت بھی آ ہی گیا کہ ؎

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را

چندان امان نہ داد کہ شب را سحر کند

کہاں تو یہ حال تھا کہ سکھوں کے تسلط میں اذان دینا بھی جرم تھا۔ شاہی مسجد رنجیت سنگھ کے گھوڑوں کا اصطبل بنی ہوئی تھی، اور کہاں یہ وقت کہ ڈھونڈنے پر بھی ہزارہ اور لاہور میں کوئی سکھ نظر نہیں آتا۔ سکھوں کے بعد انگریز جو دشمن ہوئے تو ایسے ہوئے کہ ہر پابند شرع آدمی پر وہابی ہونے کا الزام لگا کر کالا پانی بھیجتے رہے۔ کتنی ہی بار پنجتار اور ستھانہ پر جو مجاہدین کے مرکز تھے۔ انگریزی فوجوں نے آگ برسائی اور ایسے ایسے مظالم کئے کہ ان کا ذکر بھی غصہ اور نفرت کی آگ بھڑکانے کے لئے کافی ہے لیکن اس سے کیا نتیجہ نکلا ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے قیام تک ان کا مرکز بھی قائم رہا اور انکی تنظیم بھی موجود رہی انگریز کبھی ان کو سرنگوں کرنے پر قادر نہ ہو سکے۔ البتہ ۱۹۴۷ء میں جب مسلمانوں کی ایک مملکت پاکستان قائم ہو گئی تو آخری امیر المجاہدین نے یہ اعلان کر دیا کہ اب اس تنظیم اور مرکز مجاہدین کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس کا جواب پوری کتاب کو پوری توجہ سے پڑھ کر خود اپنے دل سے پوچھئے۔

سید احمد شہید کے حالات کو پڑھ کر جہاں اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ آج سے صرف سو سوا سو سال پہلے ہم میں اتنے مخلص بے خوف اور جفاکش مجاہدین موجود تھے وہاں یہ بات کچھ کم حیرت افزا نہیں کہ اس تحریک کے مقاصد میں کس قدر جاذبیت اور اس کے مقدس و محترم رہنما میں کس بلا کی مقناطیسی قوت موجود تھی کہ اسکی آواز پر مسلمان جنگل و صحراء کو عبور کر کے اور بھوک پیاس کی شدت کو برداشت

Marfat.com

کرتے ہوئے۔ خطرات کو جھیلتے ہوئے، کفن بردوش اور سربکف انتہائی تکلیف دہ اور غیر دلچسپ پہاڑی علاقے میں کھنچے ہوئے چلے آتے تھے، اور کیا حاصل کرنے کے لئے چلے آتے تھے، دولت دنیا۔ محلات والعزازات، وزیری و مشیری، شہرت و ناموری ؟ نہیں ان میں سے کچھ بھی نہیں۔ خالق ارض و سماء کی رضامندی کے لئے۔ اور

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

سوچتا ہوں اور شرم سے سر جھکا کر خود اپنے دل سے پوچھتا ہوں کہ اب ہمارے علماء اور زعماء کی آوازوں میں وہ جاذبیت کیوں نہیں موجود ہے۔ کون دے اس کا جواب، اور کہاں سے ملے جواب۔ سچ ہے کہ

"قومیں جب تباہ ہونے لگتی ہیں تو سب سے پہلے اس قوم کے
اربابِ اقتدار اور اربابِ علم بگڑ جاتے ہیں"

اس کتاب کی اشاعت سے ہمارا مقصد صرف کاروباری ہی نہیں بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ ہمارے بوڑھے اور جوان، مرد اور عورت سب اس کو پڑھیں اور دیکھیں کہ کتنے حوصلہ شکن حالات میں دل والے ایمان اور یقین والے اور جوش و عمل رکھنے والے کام کیا کرتے ہیں اور کتنے موانع اور رکاوٹوں کے باوجود دین و شریعت سے وابستگی کو قائم رکھتے ہیں۔

لیجئے یہ کتاب آپ کے سامنے پیش ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مطالعہ سے ہمارے سیاست والوں اور عوام کو فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

وما توفیقی الا باللہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلی نظر

نام کتاب میں نے جب اس کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو پہلے "وہابی موومنٹ" کے نام سے بدخط ہوا۔ مگر تمہید میں ان کا یہ عذر دیکھکر مطمئن ہو گیا کہ وہ جماعت مجاہدین ہند کے انگریزوں کے تھوپے ہوئے خطاب "وہابی" کے اختیار کرنے پر اس لئے مجبور ہو گئے کہ ان کے شاطرانہ پروپگنڈے سے ایک طرف مسلمانانِ ہند فریب کھا کر ان کو نجدی وہابیوں کا پیرو سمجھے اور اسی نام سے پکارنے لگے، دوسری طرف انگریزوں اور ہندوستانیوں نے بھی اس موضوع پر جو کتابیں اور رسالے لکھے، یا سرکاری دفاتر میں ان سے متعلق جو رپورٹیں، دستاویزیں اور جتنے ماخذ ہیں سب میں ان کو اسی لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ داغ ان کی پیشانی پر ایسا چپکا ہے کہ چھڑائے نہ چھوٹا۔

اس سلسلہ میں کچھ مزید توضیح مناسب سمجھتا ہوں۔ حضرت سید احمد شہید کا کوئی واسطہ بانی وہابیت محمد بن عبدالوہاب سے نہ تھا، نہ یہ دونوں معاصر تھے۔ محمد ۱۷۹۲ء میں وفات پا چکے تھے اور حضرت سید احمد ۱۸۲۱ء میں حج کو حجاز تشریف لے گئے تھے، اس لئے ان میں باہم ملاقات کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ پھر محمد بن عبدالوہاب کے پیرو وہابیوں کی کشمکش مسلمانوں سے تھی اور مجاہدین ہند کی کفار سے یہ بہت بڑا اصولی فرق تھا۔

مجاہدین کی سکھوں اور انگریزوں کے ساتھ آویزش سے لیکر آخری مجاہد امیر عبداللہ تک سرحدی قبائل اور سکھ بھی ان کو "ہندوستانی" کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

رہا بعض عقائد میں وہابیانِ نجد اور مجاہدین ہند کا اشتراک یا مماثلت، توسیعی اصلاحِ عقائد میں یہ قدرتی اور اتفاقی ہے، جسے سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں۔

Marfat.com

وہابیان نجد سے انگریزوں کی عداوت کی وجہ یہ تھی کہ وہابیوں کی آویزش صرف ترکوں سے نہیں ہوتی خلیج فارس میں وہابیوں کی مدافعانہ سرگرمی سے انگریزوں کے نوآبادیاتی مفاد اور جوع الارضی سے تصادم ہوا اور خونریز جھڑپیں ہوئیں۔ اسی لئے وہ وہابیوں سے سخت عناد رکھتے تھے اور مزید جھڑپوں کا اندیشہ رہتا تھا۔ انگریزوں نے اپنی فطری عیارانہ حکمت عملی سے مجاہدین کو مسلمانان ہندوستان میں مبغوض و مردود کرنے کا یہ زبردست حربہ استعمال کیا کہ ان کو وہابی بنا دیا۔

یہ انگریزوں کا پرانا آزمودہ حربہ تھا جسے علمائے سوء کے ہاتھوں میں دیکر دور سے ہی اپنا کام نکالتے تھے۔ علمائے سوء کی کمی نہ تھی۔ یہ ہمیشہ حکام وقت کے آلۂ کار بنے رہے۔ ٹیپو سلطان شہید نے جب انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور شمالی ہند کے مسلمانوں کو بھی دعوت جہاد دی تو انگریزوں نے نام نہاد خلیفۃ المسلمین سلطان سلیم سے درخواست کی کہ وہ شیخ الاسلام سے ایک فتویٰ لکھوا دے کہ انگریز مسلمانوں کے فرائض و شعائر اسلامی میں دخل انداز نہیں ہوتے اس لئے ان کے خلاف جہاد جائز نہیں۔ سلطان ٹیپو دکن میں فرانسیسی افواج سے مدد لینے اور ان کے افواج کی عسکری تربیت بھی فرانسیسی سپہ سالاروں کے ہاتھ میں تھی اور فرانس نپولین کے ماتحت ترکی کا حریف تھا۔ اس نے فرانسیسیوں سے ٹیپو سلطان کا گٹھ جوڑ سلطان سلیم کو سخت ناگوار تھا۔ اس نے انگریزوں کی خواہش پوری کر دی اور مطلوبہ فتویٰ مہیا کر دیا۔ انگریزوں نے علمائے ہند کی وساطت سے اس کی خوب تشہیر کی۔ ان سے جہاد کے خلاف رسالے لکھوائے اور وعظ کہلوائے۔ ٹیپو سلطان لڑتے لڑتے شہید ہو گئے مگر شمالی ہند کے مسلمانوں نے انگلی بھی نہ اٹھائی۔

مجاہدین شمالی ہند کے ساتھ بھی یہ حربہ کامیابی کے ساتھ استعمال کیا گیا۔ اس موقع پر بھی انگریزوں نے اپنے اور ترکی کے مشترک دشمن کے ساتھ مجاہدین ہند کو آسانی سے وہابی یا بے دین مشہور کر دیا، ورنہ اصلیت کچھ نہیں۔

رہا عقائد میں کچھ اختلافات یا اجتہادات تو یہ دوسری ہی صدی میں معتزلہ کے ہاتھوں شدت سے رونما ہو چکے تھے۔ ان سے قطع نظر اب سے سات صدی پیشتر امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم نے استمداد بغیر اللہ، سمع موتیٰ، ایصال ثواب، پیر پرستی تعظیم قبور، نذر و نیاز سے

Marfat.com

متعلق مدلل بحثیں اور آواز بلند کی۔ بے شک ابن تیمیہ نے ان کی پاداش میں قید و بند میں زندگی گزار دی اور زندان میں ہی وفات پائی مگر مرتے ہی قوم نے اُن کو ہیرو بنا لیا اور ان کے خلاف نفاذ نے کا سلسلہ ختم کر دیا۔ پھر عہد اکبری میں حضرت سید احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے بھی حق گوئی کی پاداش میں ہی قید زنداں میں زندگی گزار دی۔ اس کے دو صدی کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی عام نفاذ پر بحث کی۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی بھی ان کے شریک رہے مگر آج یہ سب مجتہد اور فقہا تسلیم کئے جاتے ہیں، مگر ایسے ہی فروعی اختلافات کی بدولت مجاہدین ہند وہابی اور بے دین ٹھہرائے گئے۔ یہ امتیاز خاص اور وہابی کا لقب ان کو صرف جہاد کے انعام میں انگریزوں سے ویسے ہی عنایت ہوا جیسے جزیرہ انڈمان کی مہمانی۔

وہابی تحریک اصلاً مذہبی تھی یا سیاسی؟ اس سوال پر ہمارے مورخین تحریک بہت اُلجھے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اسلام میں دین و سیاست کا چولی دامن کا ساتھ ہے ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں یہ اجتماع و اختلاط کس طرح ممکن ہے؟ اسلام نے ایمان کے زور سے کر دکھایا۔ اُسی عہد سے جب مسلمانوں کو پیٹ بھر روٹی بھی نصیب نہ تھی اپنی زنگ خوردہ تلواروں تیر کمانوں اور معدودے چند لاغر اور بے زین کے گھوڑوں پر ہزاروں بکتر بند گھوڑوں ہاتھیوں پر آزمودہ کار رومی اور ایرانی سورماؤں کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ نہ جان و مال کی پروا کی، نہ ہزیمتوں سے بیدل ہوئے۔ آخر قیصریت و خسرویت کا خاتمہ کر دیا۔ کیا یہ سیاست نہ تھی، ضرور تھی مگر دین کا جزو لازمی اور ایمان کا کرشمہ۔

ہندوستان میں شجر جہاد نظر تو صرف زمین کے اوپر آتا ہے مگر اس کی جڑیں شاہ عبد العزیز اور شاہ ولی اللہ سے اور گہری ہوتی ہوئی حضرت مجدد الف ثانی تک پہنچتی ہیں۔ ہندوستان میں اکبر کی الحاد پروری کے مقابلے میں جب سارے علما خاموش تماشائی تھے، حضرت مجدد نے صبر سے قید و بند کی مشقتیں جھیلیں اور

Marfat.com

اکبر کی سیاسی طاقت کا مقابلہ نہ کر سکے۔ بالفعل ان کی آرزو دل میں گھٹ کر رہ گئی مگر یہ آرزو ان کے ارادتمندوں کے دلوں میں کلبلاتی رہی اور عمل میں نہ آ سکی، یہاں تک کہ دو صدی کے اندر اٹھارہویں صدی میں شاہ ولی اللہ نے بھی انگریزوں کی قہرمانیت اور مسلمانوں کی محکومیت و بیچارگی محسوس کی۔ وہ مسلمانوں کی عام ذہنی و اقتصادی حالت دیکھکر زبان ہلانے اور سیاست میں الجھنے کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ علوم کلام اور اسلامی نظریات پر انھوں نے مجتہدانہ مضامین لکھکر اصلاح عقائد کی انتہائی کوشش کی۔ علمائے وقت کے علی الرغم قرآن شریف کا فارسی ترجمہ کر دیا اور ان کے بیٹوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے اردو ترجمے بھی کر دیئے۔ اس طرح نظریات و اعتقادات کی اصلاح کی بنیاد ڈال دی اور سیاسی جدوجہد کے لئے بھی میدان کچھ صاف کر دیا۔ مگر سیاسی کانٹے کی کھٹک نے بے چین رکھا۔ اپنے بیٹے شاہ عبدالعزیز کو یہ کانٹا امانتہً سونپ گئے۔ وہ بھی اکیلے اپنے آپ میں اس بار کے اُٹھانے کی طاقت نہ پاتے تھے ؎

کہاں یہ تاب وطاقت ہے کہ ہم قفل دہن کھولیں خزانے کی طرح دل میں لئے بیٹھے ہیں راز اُس کا

شاہ عبدالعزیز تمام عُمر اس تاک میں رہے کہ کوئی ایسا مرد مومن ہاتھ آئے جو اس (رشاد) تحریک اصلاح کا بار اُٹھانے کی طاقت رکھتا ہو۔ اپنے بھتیجے اور شاگرد شاہ اسمٰعیل کو تیار کیا۔ وہ بڑے جیالے منچلے جید عالم نکلے پھر بھی ان کے معیار پر پورے نہیں اترتے تھے۔ اُن کے داماد شاہ عبدالحی بھی نہایت قابل صاحب بصیرت، پرہیزگار عالم تھے، مگر وہ کسی کو اپنے مشن کے لائق نہ سمجھے۔ اُسی زمانے میں سید احمد پھرتے پھراتے تحصیل علم کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے شاگرد بھی ہوئے اور مرید بھی۔ پیر نے مرید کی بعض باتیں (جیسے مسئلہ تصور شیخ پر اختلاف) سنکر اور درویشانہ اطوار دیکھکر بھانپ لیا کہ "آخر آمد از پس پردۂ تقدیر پدید"۔ سید احمد ٹونک میں سپاہیانہ تجربہ بھی حاصل کر چکے تھے دین میں ان کی بصیرت کے قائل ہو گئے سب سے بڑھکر ایک چیز اور تھی "بسیار شیوہ ہاست بتاں راکہ نام نیست"۔ وہ شیوہ جس کی تلاش تھی

Marfat.com

سید احمد میں دیکھ لیا۔ وہ تھی ان کی روحانیت۔ وما دہ وہبی جسے ہم آپ تمیز نہیں کر سکتے۔

جہاں تک علم و دانش کا تعلق ہے سید احمد کو شاہ اسمٰعیل سے کوئی نسبت نہ تھی، مگر شاہ عبدالعزیز نے شاہ اسمٰعیل اور شاہ عبدالحی کے ہاتھ سید احمد کے ہاتھ میں دیدئے۔ شاہ اسمٰعیل ایسے مرید ہوئے کہ تادمِ آخر مرشد کا دامن نہ چھوڑا اور مرکر بھی میدان بالاکوٹ میں ان کا خون مرشد کے خون سے مل گیا۔

علماء و فقہا نے دین کی جو خدمتیں کی ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں مگر ان میں سے امام ابن تیمیہ کے سوا شاید کسی نے جہاد کے لئے تلوار اٹھا کر جانبازی نہیں دکھائی۔ تیرھویں صدی ہجری میں یہ سعادت سید احمد شہید، شاہ اسمٰعیل شہید اور ان کی جماعت کے لئے مقدر تھی [۱]

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر شخص کے نصیب میں دار و رسن کہاں

خیر یہ تو بعد کی باتیں تھیں جو برسبیلِ تذکرہ پہلے زبانِ قلم سے نکل گئیں۔ شروع میں شاہ عبدالعزیز کی تعلیمات کی روشنی میں ان کے شاگردوں اور مریدوں، شاہ اسمٰعیل، شاہ عبدالحی، سید احمد وغیرہ نے اس مسئلہ پر غور و فکر کیا کہ کفار اور بالفعل سکھوں کے مسلمانوں پر آئے دن لرزہ خیز مظالم و خونخواریوں کا مقابلہ اس بے سروسامانی میں کس طرح کیا جاسکتا ہے؟ مسئلہ ان کا سمجھا بوجھا ہوا تھا آسانی سے طے پا گیا کہ یہ مقابلہ و مدافعہ اسی طرح کیا جائے جس طرح قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے ہم سے زیادہ بے سروسامانی کے باوجود کفار سے کیا اور کامیاب ہوئے۔ مسلمانوں کو غیر اسلامی زندگی سے روک کر اسلامی زندگی اختیار کرنے پر تیار کیا جائے۔ ان کو غیر اسلامی رسوم سے جو اسلامی بنالی گئی ہیں آگاہ و محترز کیا جائے۔ جیسے شادی غمی کی مختلف خود ساختہ تقریبات پر جبری اخراجات، اسراف و تبذیر، یہاں تک کہ بھاری قرضوں سے ان کا انجام۔ ان کو

---

[۱] گروہ صوفیہ میں سے طرابلس میں سنوسیہ تحریک اور سمالیہ میں مہدی سوڈانی کی قربانیاں بھی ناقابلِ فراموش ہیں لیکن ان کا ظہور وہابی تحریک کے بعد ہوا اور دونوں کا حشر وہی ہوا جو وہابی تحریک کا لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً ط

Marfat.com

ترک کر کے کفایت شعاری و سادہ زندگی . . . . سے بچائی ہوئی دولت اور بہت تبلیغ دین اور جہاد پر صرف کی جاسکتی ہے۔

جہاد کا بھولا ہوا سبق پھر یاد کرایا جائے۔ ہر مسلمان عمر بھر اپنے آپ کو سپاہی سمجھے، مرنے مارنے کو تیار رہے۔ سپاہیانہ زندگی کے لئے نکاح بیوگان اور تعداد ازدواج بھی جاری کیا جائے۔ کیونکہ نکاح محض نفسانی و جنسی تقاضا نہیں، بلکہ گوناگوں اقتصادی، سماجی سیاسی و فوجی مسائل کا حل بھی ہے خصوصاً اُس زمانے میں جب کہ مجاہدین کی کثرتِ تعداد فوجی کامیابی کا بہت قوی عنصر تھی۔

اسی طرح پیروں کی لوٹ کھسوٹ اور اس کے نتائج پر غور کیا گیا۔ اور طے پایا کہ قبروں کی آرائش، روضوں کی تعمیر، بزرگوں کے مزاروں کی جاترا، عرس، نذر و نیاز پر ضائع ہونے والی رقمیں بچائی جائیں۔ ازیں قبیل اپنی اور مُردوں کی سکونت (مقبرے) مساجد مدارس کے لئے عالی شان عمارات کی تعمیر سے اجتناب کا فیصلہ کیا گیا۔ ایسے افعال کا نتیجہ مسلمانوں نے پاکستان کو ہجرت کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ نیز مسلمانوں کے ذہن نشین کیا جائے کہ انکا کوئی ایک وطن نہیں "مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا" اور مدفن کے لئے بھی مردہ عزیزوں اور بزرگوں کے قرب کی تلاش بھی خام خیالی ہے۔

ان تمام اصلاحات کو آپ مذہبی کہیں گے یا سیاسی؟ کچھ بھی نہیں اور سب کچھ۔ اسلام میں سیاست جدید معنوں میں کوئی اصطلاح ہی نہیں۔ مسلم لغت میں یہ لفظ موجود نہیں۔

تعارف ڈاکٹر قیام الدین احمد پروفیسر تاریخ پٹنہ یونیورسٹی کی یہ تالیف درحقیقت ان کی پی ایچ۔ ڈی کا تحقیقاتی مقالہ ہے۔ ہر چند اس موضوع پر کئی تالیف انگریزی اور اُردو میں موجود ہیں جن میں مولانا غلام رسول مہر کی تالیف سید احمد شہید، جماعت مجاہدین و سرگذشت مجاہدین پر مشتمل چار جلدوں میں اتنی شرح و بسط، تحقیق و تدقیق اور ساتھ ہی انشا پردازانہ قدرت سے لکھی گئی ہیں کہ اب تک وہ اس موضوع پر حرف آخر سمجھی جاتی ہیں۔ مگر تاریخ میں کوئی حرف آخر مشکل سے ہوتا ہے۔ یہ جنگل ناپیدا کنار ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو اس تحقیقات کے دوران میں بہت سے ایسے مواد مل گئے جن تک اوروں

Marfat.com

کی رسائی نہ تھی، علاوہ بریں وہ خاندان صادقپور کے چشم و چراغ بھی ہیں۔ تحریک کے ایک عظیم قائد مولانا احمد اللہ کے بیٹے حکیم عبدالحمید کے نواسے ڈاکٹر عظیم الدین احمد صدر شعبہ عربی پٹنہ کالج) کے پوتے ہیں۔ اسی طرح ان کو اپنی خاندانی روایات پر بھی بہت کچھ دسترس ہے۔ ان سہولتوں سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے تحریک سے متعلق مزید تحقیق اور بعض غلط فہمیوں کی اصلاح بھی کی ہے۔ اب اس موضوع پر ان کی کتاب کم سے کم انگریزی میں، حرف آخر ہے۔

اس لئے میں نے باوجود کبر سنی وضعف بصارت اس کا ہو بہو مکمل ترجمہ پیش کر دیا۔ خاکسار مترجم بھی اسی خاندان کا ایک "بدنام کنندۂ نکو نامے چند" ہے اور تحریک کے دوسرے بزرگتر قائد، سید احمد شہید کے خلیفہ ثانی مولانا عنایت علی کا پوتا ہے اس جہت سے اس کا تعلق قدیم تر ہے اور روایات خاندانی سے واقفیت میں کسی سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں۔ اس لئے میں نے اتنی جسارت کی کہ جابجا ذیلی حاشیہ (فوٹ نوٹ) میں مولف کے بعض تسامح یا غلط فہمی کی توضیح بھی کردی۔ امید ہے کہ اب اردو میں یہ کتاب وہابی تحریک کی مکمل روداد، اور موجودہ اور آیندہ نسلوں کے لئے چراغ راہ ثابت ہوگی۔

مولف کے بعض ذیلی حواشی، خصوصاً دستاویزات کے کچھ حوالے میں نے ترک کر دئے ہیں، اس لئے کہ ان حوالہ جات تک عام قارئین کی رسائی مشکل ہے۔ باقی تمام حوالے مع فہرست ماخذ اُردو فارسی بھی نقل کر دئے ہیں۔

اکثر مقامات ایسے ہیں جن سے اب اکثر قارئین کو شاید کوئی دلچسپی نہ ہو۔ مگر میں نے کسی کو نہیں چھوڑا۔ ان ناموں میں سے کچھ مجاہدین و معاونین جہاد کی اولاد ہیں جو اپنے اسلاف کے کارناموں سے ناواقف یا غافل و بے پرواہ کر بے فکر زندگی گذار رہے ہیں ان کے لئے اپنے فراموش کردہ اسلاف کے کارناموں کا ذکر تازیانۂ عبرت ہوگا ان کی آواز اب بھی سن لینگے۔

Marfat.com

"دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو   میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہو"

ہر مسلمان کو ہر زمانہ اور ہر زمین میں مجاہد رہنا ہے۔

تعظیمی خطاب مولفِ کتاب نے تمام مجاہدین و اکابر کے نام جن میں اکثر جلیل القدر علماء ہیں کسی تعظیمی خطاب مثلاً شہید، مولانا، مولوی یا حضرت کے بغیر لکھے ہیں۔ یہی انگریزی تاریخوں کا دستور بھی ہے۔ میں نے بھی ترجمہ بعینہ کر دیا ہے۔ اپنی طرف سے تعظیمی الفاظ نہیں بڑھائے۔ واقعہ بھی یہ ہے کہ یہ بزرگوار ہر تعظیمی توصیف سے مستغنی تھے۔

ز عشقِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی ست
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

محمد مسلم عظیم آبادی (پروفیسر)
کراچی ۳۱ جنوری ۱۹۷۱ء

137184

Marfat.com

تمہید

ڈاکٹر قیام الدین احمد

۱۹۵۲ء میں کے پی جیسوال انجمن تحقیقات پٹنہ میں ایک تحقیقاتی طالب علم کی حیثیت سے میرے تقرر کے فوراً بعد حکومت بہار نے مجھے ڈاکٹر کے کے دتا کے زیر نگرانی جو انجمن کے اعزازی جائنٹ ڈائرکٹر تھے، کنور سنگھ اور امر سنگھ کے سوانح حیات مرتب کرنے کے لئے مامور کیا۔ اس کام میں مجھے صرف بہار کے تقریباً تمام ضلعی اور ڈویزنل محافظ خانے ہی نہیں بلکہ پٹنہ، کلکتہ، الہ آباد اور دہلی کے محافظ خانے کھنگالنا پڑے۔ اُس وقت میری تحقیقات کا خاص موضوع بہار میں ۱۸۵۷ء-۵۹ء کی تحریک تھا۔ لیکن اکثر دستاویزات جو میرے ہاتھ آئے اُس فساد کے زمانے میں وہابیوں اور ان کی جدوجہد سے بھی متعلق تھے۔ وہابیوں کے متعلق جزواً جزواً جو معلومات مجھے حاصل ہوئیں ان سے اسی موضوع پر میرا شوق تجسس بھڑک اُٹھا۔

وہابی تحریک کی تاریخ کی تالیف و ترتیب ایک کٹھن اور بڑا محنت طلب کام تھا۔ مختلف سرکاری محافظ خانوں سے اہم معلومات جمع کرنا اور کاغذات، پرانی کتابوں اور مسودوں کی جانچ پڑتال اور مطالعہ کرنا تھا۔ ان کے علاوہ تحریک کی مکمل تصویر کشی کے لئے کچھ نادر و نایاب ممنوع الاشاعت وہابی رسالے گوشۂ گمنامی سے کھود کر باہر نکالنے تھے۔ اگرچہ لفظ وہابی غلط تسمیہ ہے مگر اس کی تشہیر و استعمال عام کی وجہ سے میرے لئے اس کتاب کے نام میں اسے اختیار کرنا ناگزیر سا ہو گیا۔ سید احمد بریلوی کے متبعین کو اہل حدیث، یا موحدین یا مصلحین سے تعبیر کرنا اور ہر جگہ قوسین میں "وہابی" کے لفظ کا اضافہ کرنا اور کچھ نہیں تو جھنجھٹ ضرور تھا۔ انگریزوں اور اکثر ہندوستانی

Marfat.com

مصنفوں کا اس خطاب کے استعمال پر اصرار و ابرام عمداً اور بدنیتی پر محمول معلوم ہوتا ہے۔ (اب) نجدی وہابیوں نے شروع میں عوام کے بعض اعمال کو جن کو وہ غیر اسلامی تصور کرتے تھے روکنے کے لئے فرطِ جوش میں جن حرکات کا ارتکاب کیا ان کی بدولت یہ جمہور مسلمانانِ ہند اور دوسری جگہوں میں بہت بدنام اور انگشت نما رہے۔ حکومت برطانیہ کی نظر میں تو لفظ وہابی غدار اور باغی کا مترادف تھا۔ اس طرح سید احمد کے متبعین کو وہابی سے تعبیر کر کے اُس وقت کے سرکاری حکام ایک تیر سے دو چڑیوں کا شکار کرنے کا ارادہ رکھتے تھے ایک تو اعلیٰ حکام کے طبقے میں ان پر باغی ہونے کا داغ لگانا دوسرے عام مسلمانوں میں انتہا پسند متعصب اور مآثر کا غارتگر قرار دینا۔ یہ لفظ ایک مذہبی سیاسی دشنام بن گیا۔ بہرحال اس کتاب میں وہابی کا خطاب برقرار رکھا گیا۔ اس لفظ کے غلط مفہوم سے جو اس میں پنہاں ہے مولف کو قطعاً کوئی سروکار نہیں۔

یہ کتاب دراصل پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے میرے اُس مقالے پر مبنی ہے جو میں نے ۱۹۶۱ء میں پٹنہ یونیورسٹی میں پیش کیا تھا اس کے بعد بعض نئے مواد جو باہر سے دستیاب ہوئے اُن کی مدد سے اس کی نظرثانی کی گئی، نئی ترتیب دی گئی اور توسیع کی گئی۔ یہ ایک حد تک اس تاخیر اشاعت کا عذر ہے۔

یہ کتاب کئی اصحاب کے زیر بار منت ہے۔ میرے لئے اپنے دو واجب التعظیم استاد ڈاکٹر کے کے دتا وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی اور پروفیسر سید حسن عسکری کے شکریہ کے کماحقہ احساس کا اظہار ناممکن ہے۔ ڈاکٹر دتا کی عالمانہ رہنمائی، ترغیب اور دلچسپی کے بغیر میرا مقالہ اور یہ کتاب شاید تکمیل نہ پاسکتی۔ موضوع کے وسیع مطالعہ کے ساتھ پروفیسر عسکری کا مشورہ اور مدد نہایت گراں بہا ثابت ہوئی جو ہر وقت مجھے حاصل رہی اور کام میں سہولت کا باعث ہوئی۔ میرے دوسرے واجب التعظیم استاد ڈاکٹر آر ایس شرما نے میرا مسودہ مطالعہ فرما کر عام قیمتی مشوروں سے نوازا۔ شعبہ مسودات فارسی کتب خانہ پٹنہ یونیورسٹی سے متعلق مرحوم فصیح الدین بلخی بھی ایک قیمتی ذریعہ اعانت تھے۔ کے پی جیسوال کی تحقیقاتی انجمن کے ایک رکن (فیلو) ڈاکٹر جے ایس جھا نے اس موضوع

Marfat.com

پر کچھ دستاویزات کی نشان دہی کر کے میری مدد کی۔

سنٹرل ریکارڈز آفس پٹنہ، کلکتہ، الہ آباد، پٹیالہ کے قومی محافظ خانوں اور ڈویژنل کمشنر پٹنہ کے دفتر کے محافظین دستاویزات کے افسروں کا بھی شکر گزار ہوں۔ کلکتہ کے محافظ دستاویزات مسٹر جے سی گوسوامی بھی بالخصوص ہمیشہ اعانت کے لئے آمادہ رہے۔ میں نیشنل لیبریری، بہار ریسرچ سوسائٹی اور پٹنہ کالج کے کتب خانوں کا بھی تحقیقات کے دوران مختلف سہولتیں مہیا کرنے کے لئے ممنون ہوں۔

میرے بھائی ہشام نے ٹائپ شدہ مسودہ کی تصحیح اور تیاری میں میری مدد کی۔ میں خاص طور پر اپنی بیگم کا شکر گزار ہوں جنھوں نے ہمیشہ خاموشی کے ساتھ میری مدد کی اور اس کتاب کی تیاری کی طویل المدت اور کبھی کبھی کٹھن گھڑیوں میں میرا ہاتھ بٹایا۔ میں مسٹر کے ایل موکوپادھیا کی اس توجہ اور صبر و استقلال کا اعتراف کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا جو انھوں نے کتاب کی طباعت میں دکھائی۔

قیام الدین احمد

۹ ستمبر ۱۹۶۶ء - خواجہ کلاں - پٹنہ سٹی

تعارف

(ماٰخذ کا جائزہ)

وہابی تحریک انگریزوں کے خلاف اُن شدید ترین قدیم ترین اور ممتد ترین تحریکوں میں سے تھی جو اٹھارہویں صدی کے نصف آخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا ایک مہتم بالشان عنصر ہے۔ تاہم یہ افسوسناک امر ہے کہ اگرچہ اس عظیم تحریک پر ابھی ایک صدی بھی نہیں گزری مگر اب تک کسی تاریخی تالیف میں اس پر کماحقہ بحث کی گئی نہ صحیح نقطۂ نگاہ سے نظر کی گئی ہے۔ آج تک وہابیوں پر ایک سر ولیم ہنٹر کی کتاب مطبوعہ ۱۸۷۱ء کے سوا کوئی جامع تصنیف موجود نہ تھی۔ انیسویں صدی میں ہندوستان کی سماجی بیداری اور اصلاحات پر فی الحال بھی جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں وہابی تحریک کا کوئی تذکرہ نہیں آتا۔ حالانکہ سیاسی حیثیت سے قطع نظر یہ تحریک ہندوستانی مسلم معاشرہ کی سماجی مذہبی اصلاح کی نہایت اہم جد وجہد کی نشان دہی کرتی ہے۔

تحریک کی ابتدائی تاریخ بالخصوص سید احمد کی وفات تک کے زمانے سے متعلق جستہ جستہ معلومات مخطوطات، مسودات، پرانی اور نایاب کتابوں اور فارسی اردو انگریزی رسالوں میں اِدھر اُدھر بکھری پڑی ہیں۔ ان بچے بچائے ذرائع معلومات کا جائزہ یہاں بے محل نہ ہوگا۔

سید احمد کے سوانح حیات پر قدیم ترین تالیف حضرت شہید کے بھانجے، شاگرد اور قریب ترین رفیق سید محمد علی کی مخزن احمدی[1] ہے اس میں اُن کی عرب سے مراجعت تک کا ایک عام بیان ہے اور بعد کے تمام تذکرہ نویسوں نے اسی سے استفادہ کیا ہے، یہ

[1] اورینٹل پبلک لائبریری (کتب خانہ شرقیہ پٹنہ) کا مخطوط مورخہ ۱۲۶۲ھ بقلم احسان علی۔ یہ اس تالیف کا قدیم ترین موجودہ نسخہ ہے جو سب سے پہلے ۱۲۶۱ھ میں لکھا گیا تھا۔ غلام رسول مہر کا یہ خیال (مذکورہ جلد ۱ صفحہ ۱۶) غلط معلوم ہوتا ہے کہ یہ تالیف ۱۲۸۳ھ میں مکمل ہوئی۔

Marfat.com

نواب وزیر الدولہ (۱۸۳۴ء-۱۸۶۴ء) والی ٹونک کی فرمائش سے لکھی گئی اور انہیں کے نام پر معنون ہے۔ وزیر الدولہ اپنے والد نواب امیر خاں کے ساتھ وہابی تحریک کے ایک اہم سرپرست رہے در اصل ٹونک وہابیوں کا ایک اہم مرکز رہا ہے، اور ریاست ٹونک کے قدیم کتب خانے میں اس موضوع پر مواد کا ایک قیمتی ذخیرہ موجود تھا۔ وزیر الدولہ خود بھی ایک کتاب مسمی وصایائے وزیری کے مصنف تھے جس میں سید احمد اور اُن کے بعض رفقا کا تذکرہ ہے۔ اسے نواب محمد علی خاں نے ۱۸۸۱-۸۲ء میں مفید عام پریس آگرہ سے شائع کیا۔

سید احمد کا ایک اور سوانحی تذکرہ جعفر علی نقوی کی تاریخ احمدیہ ہے۔ مؤلف ایک اچھے کاتب تھے اور سید احمد نے ان کو اپنا صدر منشی اور دفتری کاغذات کا ناظم مقرر کیا تھا۔ اس حیثیت سے اُن کو وہابیوں پر لکھنے کا ایک مناسب موقع حاصل تھا۔ بہت سے واقعات میں جو انھوں نے بیان کئے ہیں انھوں نے خود حصہ لیا تھا۔ وہ سید احمد کے ساتھ شمالی مغربی سرحد پر رہے ان کی شہادت کے بعد ہندوستان لوٹ آئے اور ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۵ء) میں یہ کتاب تالیف کی۔ مہر اس کتاب کے ایک مخطوطے کی پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں نشان دہی کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اس میں بنگال میں ٹیٹو میر کی شورش کا ذکر بھی ہے، جو کسی اور فارسی تذکرے میں مذکور نہیں۔ بد قسمتی سے اس قیمتی مخطوطہ کا کوئی نسخہ مجھے دستیاب نہ ہوا۔

وقائع احمدی یا تاریخ کبیر ایک ضخیم تذکرہ ہے جس میں سید احمد کے بعض رُفقا کی متعدد سرگذشتیں جمع کی گئی ہیں۔ یہ کتاب بھی نواب وزیر الدولہ کی سرپرستی میں تالیف ہوئی جنھوں نے سید احمد کے بہت سے رفقاء کو جمع کیا اور ان کے بیانات قلمبند کئے اس کتاب کی پہلی جلد ۱۲۷۶ھ (۱۸۵۹ء) میں تمام ہوئی۔ اس کتاب کے کئی نسخے مختلف مقامات میں موجود ہیں، جن میں کتب خانہ ریاست رامپور بھی ہے۔ اس میں سید احمد کی زندگی کی اور سرحد کے معرکوں کی کچھ قیمتی تفصیلات ملتی ہیں، لیکن در اصل یہ روایات کا مجموعہ ہے اور خوش اعتقادی کے عناصر سے خالی نہیں۔

"تاریخ ہزارہ" میں ہزارہ اور اس سے ملحق علاقہ جات جموں و کشمیر میں سکھ حکومت

Marfat.com

کے قیام سے لیکر گلاب سنگھ کی تخت نشینی تک کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب ضلع کانپور کے ایک کالیستھ مہتاب سنگھ نے علاقہ ہزارہ کے پہلے انگریز ناظم الامور جیمس ایبوٹ کی فرمائش سے لکھی۔ مہتاب سنگھ نوکری کی تلاش میں سرحد شمالی و مغربی کو گیا تھا۔ اور کچھ عرصہ تک کنور کھڑک سنگھ، فتح سنگھ مان اور ہری سنگھ کے تحت خدمت کی تھی سموت ۱۸۸۱ء (۱۸۲۴ء) میں ہزارہ سرکار کے دفتر میں اُس کا تقرر ہوگیا، ۱۸۵۴ء تک تیس سال اس عہدے پر رہا۔ اسی زمانے میں ایبوٹ نے اُسے علاقہ ہزارہ کے حالات لکھنے پر مامور کیا۔ موجودہ نسخہ لندن کے تعلقاتِ ریاستہائے جمہوریہ کے دفتر کے کتب خانہ کی ملکیت ہے اور اس پر تاریخ ۱۸۵۴ء درج ہے۔ اس میں سید احمد اور سکھ جنرل شیر سنگھ کے درمیان اہم معرکۂ بالاکوٹ کا تفصیلی بیان ہے۔ اس کی وقعت اس حقیقت سے بڑھ جاتی ہے کہ یہ اُس شخص کی تحریر ہے جسے ۱۸۲۴ء سے ۱۸۵۴ء تک کی پوری مدت میں جائے وقوع پر موجود ہونے کا نادر موقع حاصل ہوا، اور جسے مالگذاری سے متعلق تمام کاغذات دستیاب تھے۔ مؤلف کا دعویٰ ہے کہ اس نے تمام واقعات جو بیان کئے ہیں ان میں سے اکثر اس کے چشم دید ہیں۔ چونکہ یہ کتاب . . . . ایک انگریز کی سرپرستی میں لکھی گئی اس لئے مؤلف کے لئے آسانی سے ممکن ہوا کہ وہ اُس وقت تک اپنے آقاؤں کے دو دشمنوں کے درمیان جنگ کے متعلق غیر متعصبانہ رائے کا اظہار کرسکے۔ اب تک اس کتاب کی طرف کسی نے اعتنا نہیں کی تھی مہر نے سید احمد کے سرحدی محاذات پر تمام ممکن معلومات کا جائزہ لینے پر بہت محنت صرف کی ہے اس ماخذ سے اُن کی نظر بھی چوک گئی۔

صراط مستقیم سید احمد کے اقوال و افکار کی بنیاد پر شاہ اسمٰعیل اور عبدالحی کی مشترک تالیف ہے بعض لوگوں نے اسے وہابیوں کے قرآن کا نام دیا ہے۔ یہ سید احمد کی اساسی تعلیمات پر مشتمل ہے اور اس میں مسلمانوں میں مروجہ سماجی مذہبی اعمال و رسوم کا بیان بھی ہے۔ اسے تحریک کا سماجی مذہبی منصوبوں کا منشور تصور کیا جاسکتا ہے۔ بہت سے مطبوعہ نسخے اور اردو ترجمے بھی موجود ہیں۔ میں نے ایک نایاب نسخے سے استفادہ

Marfat.com

کیا ہے جو سید احمد کے پہلے خلیفہ شاہ محمد حسین کے ذاتی مطالعہ کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ اس نسخے کے آخر میں شاہ صاحب موصوف کو سید احمد کی بخشی ہوئی نایاب سندِ خلافت بھی موجود ہے۔ حوالے کے لئے میں نے اس کتاب کا ایک مطبوعہ نسخہ استعمال کیا ہے۔

سید احمد اور ان کے بعض رفقا کے مکتوبات کے کئی مجموعے ہیں۔ یہ مختلف مقامات میں موجود ہیں۔ سید احمد کے مکتوبات کا ایک بہت اہم نسخہ پٹنہ یونیورسٹی لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں موجود ہے۔ اس میں ایک تتمہ بھی ہے جس میں سرحد پر وہابیوں کی قائم کی ہوئی آزاد ریاست کا حال بھی مذکور ہے۔

اُردو میں مطبوعہ نسخوں میں مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں۔

تواریخ عجیبہ یا سوانح احمدی مولفہ محمد جعفر تھانیسری۔ وہ ایک دقیع وہابی تھے اور انبالہ کے مقدمے میں بغاوت کے الزام میں سزایاب ہوئے۔ ان کو جزائر انڈمان میں حبس دوام کی سزا ملی تھی۔ لیکن اٹھارہ سال قید میں گذارنے کے بعد وطن واپس آکر انھوں نے یہ کتاب لکھی۔ اسی میں سید احمد اور ان کے بعض رفقا کی جائے سرگذشت بیان کی گئی ہے۔ اس میں سید احمد کے بہت سے مکتوب کے متن بھی نقل کئے گئے ہیں جو مختلف اشخاص کو لکھے گئے تھے۔

محمد جعفر نے دو اور کتابیں بھی لکھیں: تاریخ عجیب معروف بہ کالا پانی اور تواریخ عجیب۔ ناموں میں یہ خفیف فرق قابلِ توجہ ہے۔ اصل میں یہ مادۂ تاریخ اشاعت اول الذکر جو ۱۸۸۴ء میں لکھی گئی۔ اس میں مقدمہ انبالہ کی روداد اور جزائر انڈمان تک کے سفر میں قیدیوں پر مظالم کے واقعات درج ہیں جن کا کسی اور ذریعہ سے زیادہ علم دستیاب نہیں۔ آخر الذکر کتاب مولف نے دوران قید میں لکھی تھی اور یہ جزائر انڈمان کی جغرافیائی تصویر کشی کرتی ہے۔

سیرۃ سید احمد شہید مولف ابوالحسن علی ندوی۔ مہر کی جامع بسیط الذیل کتاب کی اشاعت سے قبل تک سید احمد کے سوانح حیات پر یہی ایک مفصل ترین تالیف تھی۔

Marfat.com

یہ زیادہ تر فارسی ماخذ پر مبنی ہے اور وقت کی سیاسی حالت کی طرف اعتنا نہیں کی گئی ہے۔

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک مولفہ سید مسعود عالم ندوی۔ یہ زیادہ تر پٹنہ کے وہابیوں کے کرداروں سے متعلق ہے۔ مولف نے فارسی و عربی ماخذ کے علاوہ کچھ انگریزی تصنیفوں اور سرکاری دستاویزوں سے بھی کام لیا ہے۔ موضوع کا طرز نگارش منطقی اور تاریخی ہے۔ اور سید احمد کے ساتھ وہ مفرط تعظیمی اسلوب جو بد قسمتی سے بعض اور تالیفات متذکرہ بالا کی تاریخی قدر و قیمت کو بہت گھٹا دیتا ہے بہت کم اختیار کیا گیا ہے۔ اُن دو مسئلوں پر بھی بحث کی گئی ہے جن سے بالعموم غفلت برتی گئی ہے۔ ایک تو ۱۸۵۷-۵۹ء کی تحریک میں وہابیوں کا دخل۔ دوسرا نجدی وہابیوں کا ہندوستانی وہابیوں پر مفروضہ اثر۔

کئی تالیفات خاندان صادقپور کے ارکان کی ہیں۔ ان میں سب سے اہم تذکرہ صادقہ مولفہ عبدالرحیم ہے۔ جو جعفر تھانیسری کے ساتھ قید ہوئے اور انہیں کی طرح قید سے رہا ہونے کے بعد یہ کتاب لکھی۔ قائدین پٹنہ خصوصًا ولایت علی عنایت علی یحییٰ علی اور احمداللہ کے کارناموں پر مشتمل خاندان کا یہ سوانحی تذکرہ بہت کارآمد ہے۔ خاندان کی روایت کے مطابق اس کتاب کے پہلے مسودہ میں زیادہ مواد جمع تھے مگر مصلحت وقت اور بعض احباب کے مشورے سے مولف نے اشاعت سے پہلے حکومت کے خلاف اجزا خارج کر دیئے۔ سب سے پہلے اسے مولف کے چھوٹے بیٹے نور الہدیٰ نے ۱۹۰۱ء میں شائع کیا۔ میں نے طبع دوم کا نسخہ استعمال کیا ہے جو عبدالغفار صاحب مرحوم صادقپوری کے پاس تھا۔ وہ مولف کے قریبی قرابتمند تھے اور تحریک کی تاریخ سے خاندان میں سب سے زیادہ باخبر تھے۔ ان کے مملوکہ نسخے میں ان کے ہاتھ کے بہت سے حواشی لکھے ہوئے ہیں[1] جن میں ارکان خاندان اور مرکز پٹنہ کے نظم سے متعلق بہت ہی اہم تفصیلات ہیں۔ تیسرا اڈیشن عبدالرحیم کے نواسے حکیم عبدالخبیر صاحب نے ۱۹۶۴ء میں شائع کیا۔ اس اڈیشن کے تتمے میں

---

[1] اس اڈیشن میں کثرت سے الحاقات ہیں جو قیاسی اور غیر مصدّق ہیں۔ اس کتاب میں مترجم نے ذیلی حواشی میں مناسب مقامات پر نشان دہی کر دی ہے۔

Marfat.com

حکیم عبد الخبیر نے بعض امور پر مزید اطلاعات ضم کی ہیں[۵]

"رسالہ تعزیہ" یہ ولایت علی، عنایت علی اور فیاض علی کی کچھ تحریرات کا مجموعہ ہے جس میں کچھ دینی سماجی مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ صراط مستقیم کی طرح یہ رسالہ بعض سماجی اور دینی مباحث پر وہابیوں کے نظریات کی توضیح کرتا ہے۔

مثنوی شہر آشوب از حکیم عبد الحمید۔ اس کے مصنف احمد اللہ کے بڑے بیٹے ہیں۔ اور خاندان کے سردار کی حیثیت سے ۱۸۶۵ء میں گھروں سے نکالے جانے کے بعد نظم کا سارا بار انھیں کے سر تھا۔ انھوں نے احمد اللہ کی سزایابی کے بعد خاندان کے مصائب کی داستان فارسی میں نظم کی۔ یہ یونانی دواخانہ پریس آلہ آباد میں طبع ہوئی۔ میرے پاس اس نظم کا وہ قلمی مسودہ بھی موجود ہے جو مصنف کے زیر مطالعہ تھا۔

دُرِّ مقال از عبد الحق آردی۔ یہ فارسی میں غزوۂ امبیلہ کی منظوم داستان ہے۔ مصنف نے کئی سال شمالی مشرقی سرحد کے مرکز پر بسر کئے تھے۔ اس کے بعد ستھانہ کے سردار جبار شاہ کے ماتحت کسی عہدے پر مامور ہوئے، اس کے بعد وہیں پیوند خاک ہوئے۔ یہ ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) میں تصنیف ہوئی۔ مہر (جلد ۱ صفحہ ۲۵-۲۶) سید جبار شاہ کے مملوکہ ایک نسخہ کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ اس کتاب کی اشاعت کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ لیکن اس کا ایک مطبوعہ نسخہ پروفیسر محمد مسلم استاد سینٹ کولمباز کالج ہزاری باغ کا مملوکہ پٹنہ کالج لائبریری کے شعبہ مسودات میں محفوظ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حکیم عبد الحمید کے مساعی سے طبع ہوا جن کو اس کتاب کا ایک کرم خوردہ مخطوطہ مل گیا تھا۔ چونکہ بہت سا حصہ ضائع ہو چکا تھا اور خالی حصے صحیح طور پر پُر نہیں کئے جا سکے اس لئے جیسا ناقص تھا ویسا ہی طبع کر دیا گیا[۶]

---

[۵] یہ دوسرے ایڈیشن کا بالکل چربہ ہے اور اسی کے نقائص سے مملو ہے۔ اور پہلے ایڈیشن سے ویسا ہی مختلف۔ افسوس ہے کہ پہلا ایڈیشن ڈاکٹر قیام الدین احمد کو دستیاب نہیں ہوا۔ مترجم کے پاس موجود ہے۔]

[۶] اصل یہ ہے کہ یہ ناقص مخطوطہ اوکبلی کو کہیں سے مل گیا تھا۔ اس کی اشاعت کے لئے اُس نے ۱۸۹۹ء کے قریب اسے صادق پور پریس میں اس درخواست کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ صادق پور کے کسی عالم سے اس کے خلاؤں کو پُر کرا کے مخصوص حلقہ میں اشاعت کے لئے معدودہ چند نسخے طبع کئے جائیں یہ کام حکیم عبد الحمید کے ذمہ کیا گیا تھا۔ اپنی طباعی سے انھوں نے جا بجا خلا پر کر دیا مگر زیادہ حصہ خالی رہ گیا وہی شائع کر دیا گیا۔ مالک مطبع میرے خالو تھے گو میں طفل مکتب تھا ایک نسخہ میں نے خلاف ہدایت انسے لیکر رکھ لیا تھا] مترجم۔

Marfat.com

سید احمد اور وہابی تحریک پر غلام رسول مہر کی چار جلدیں جدید ترین اور اس موضوع پر سب سے زیادہ جامع تالیف ہے۔ یہ چار جلدیں جو دو ہزار سے زائد صفحات پر محیط ہیں ان کے مطالعہ سے مولف کی صبر آزما اور جانفشاں محنت اور خلوص ظاہر ہے۔ پہلی دو جلدیں مسمّٰی سید احمد شہید ایک ساتھ مجلد ہیں۔ باقی دو جلدیں جماعت مجاہدین و سرگذشت مجاہدین کے ناموں سے موسوم ہیں۔ مولف نے جن ماخذ کو استعمال کیا ہے۔ ان میں سے مواد کی ایک کثیر مقدار سے (جن میں سے بعض پر پہلی بار نظر ڈالی گئی ہے) استفادہ کیا گیا ہے۔ مگر معاصر سرکاری دستاویزات پوری طرح کھنگالی نہیں گئیں۔ ۱۸۵۷-۵۹ء کی تحریک سے متعلق وہابی تحریک پر بحث نہیں کی گئی ہے۔ مولف نے ۱۸۱۸ء سے ۱۸۴۷ء تک وہابی تحریک کا پورا جائزہ لیا ہے اُس زمانے میں ۱۸۵۷-۵۹ء کی تحریک ایک مہتم بالشان واقعہ تھا اور دوسری تحریک کے پہلو بہ پہلو اس پر بھی بحث کرنا تھی۔ پھر وہابی تحریک کی ناکامی کے اسباب یا مختلف میدانوں میں اس کی خدمات و اعانت کا کوئی ذکر نہیں۔

ایک پرانے اردو ماہنامہ اشاعۃ سنتِ نبویہ (جلد ۴ نمبر ۱۱ مورخہ نومبر ۱۸۸۱ء) میں جو مطبع ریاض ہند امرتسر سے طبع ہوتا تھا وہابیت پر کسی گمنام اہل قلم کے تین مقالے شائع ہوئے تھے۔ پہلے دو میں اس دعوے پر کہ سید احمد کے پیرو وہابی ہیں قانونی دلائل سے بحث کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ لوگ فی الحقیقت حنفی مسلمان تھے۔ تیسرے مقالے میں ہندوستان میں وہابی تحریک کی مختصر تاریخ لکھی ہے جو مندرجہ ذیل چار حصوں میں تقسیم کی گئی ہے: (۱) ۱۸۲۳-۳۰ء سید احمد کے ابتدائی معرکے۔ (۲) ۱۸۳۱-۴۷ء ولایت علی اور عنایت علی کی کارروائیاں، پنجاب میں ان کی گرفتاری اور پٹنہ میں ان کے اخراج تک (۳) سرحد شمالی و مغربی کو اُن کی مراجعت اور مابعد کی کارروائیاں۔

معارف کے پرانے شماروں میں بھی تحریک کے کئی پہلوؤں پر کارآمد مقالے بالخصوص مسعود عالم ندوی کے شائع ہوئے۔

انگریزی مطبوعہ ماخذ میں سے ہنٹر کی آور انڈین مسلمانس ایک تنہا قیمتی تصنیف ہے۔ تالیف ہذا میں اس پر علیحدہ بحث کی گئی ہے۔ جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن بمبئی

Marfat.com

کلکتہ کی ابتدائی جلدیں بھی قابل ذکر ہیں۔ کلکتہ ریویو میں ادکنیلی کے طویل معلوماتی مقالے بھی اس موضوع کے طالب علموں کے لئے گراں قدر ہیں۔ جرنل اف رایل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی میں رہانسیک نے عرب اور ہندوستان میں وہابیت کا ایک عام جائزہ پیش کیا ہے۔ شمالی مغربی سرحد پر وہابی مرکز کے خلاف فوجی معرکوں سے متعلق متعدد تحریریں ہیں، مثلاً ایچ ڈبلیو پیگٹ (کلکتہ ۱۸۷۴ء) کی شمالی مغربی سرحد کی قبائل کے خلاف مہموں کی روداد، ایچ ڈبلیو بیلیو (لاہور ۱۸۶۴ء) یوسف زیئوں پر ایک عام رپورٹ، اور کرنل ایڈائی (لندن ۱۸۶۷ء) کی ستھانہ ان کے علاوہ کچھ فوجی حکام کی جنہوں نے وہابیوں کے خلاف مہمیں چلائیں، یادداشتیں اور سرگزشتیں ہیں یہ ساری تحریریں زیادہ تر وہابیوں کے خلاف کش مکش کے عسکری پہلو پر بحث کرتی ہیں۔

اُس زمانے کے انگریزی اور دیسی زبانوں کے اخبارات اور رسائل بھی تحریک کے بعض پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ہنٹر نے ۱۸۶۴ء میں انگلش مین اور پایونیر میں عام "محمدنزم" (مسلمانی) اور انگریزی حکومت میں مسلمانوں کی معاشرتی حالت پر کئی مقالے شائع کئے۔ انگلش مین نے ۲ مئی ۱۸۶۴ء کو مقدمہ انبالہ پر ہربرٹ ایڈورڈز کے فیصلے پر ایک طویل تبصرہ کیا۔ وہابیوں کے خلاف مختلف فوجی مہموں کی روز بروز کی کارروائیوں پر اخبار بنگال ہرکارو میں مضامین شائع ہوتے رہے۔

ماخذ متذکرہ بالا کے جائزے[۵] سے ظاہر ہوگا کہ ان کا تعلق زیادہ تر تحریک کی ابتدائی تاریخ (۱۸۳۱ء تک) اور سرحد پر جنگوں سے ہے۔ لیکن یہ کتاب زیادہ تر حکومت ہند اور حکومت بنگال کی اُس وقت کی سرکاری رپورٹوں اور دستاویزوں پر مبنی ہے، جو اس تحریک کے تمام پہلوؤں، اس کے قائدوں، ان کی کارروائیوں اور ان کے خلاف حکومت کے طریق کار اور اقدامات سے متعلق قیمتی معلومات مہیا کرتی ہیں۔ اگرچہ جابجا ان میں تعصب کی آمیزش بھی ہے، پھر بھی وہ اس موضوع پر نہایت کارآمد اور ٹھوس دستیاب مواد

---

۵ یہ فہرست جامع نہیں یہ دکھانے کے لئے کہ ان سے جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کی نوعیت کیا ہے اور ان کا تعلق کس زمانے سے ہے، صرف چند اہم تحریرات سے اعتنا کی گئی ہے۔

Marfat.com

ہیں۔ یہ دستاویزات چھوٹے چھوٹے پرزوں پر یا حواشی پر نسپل سے لکھے ہوئے نوٹوں اور ہاتھ سے لکھے ہوئے مسوّدات سے لیکر طویل، موثّق اور مطبوعہ یادداشتوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ دراصل یہ ایک طرف مقامی افسروں جیسے مجسٹریٹوں، پولیس سپرنٹنڈنٹوں اور کمشنروں اور دوسری طرف صوبائی اور مرکزی حکومتوں کے درمیان مراسلات ہیں۔ ان میں کہیں فارسی اور اردو تحریرات یا رسائل کے ترجمے اور اقتباسات ہیں اور کہیں پولیس کے چھپنے ہوئے وہابیوں کے نجی مراسلے۔ ۱۸۵۹ء تک یہ ساری دستاویزیں دست نوشتہ پائی جاتی ہیں جو یا تو پلندوں کی شکل میں محفوظ ہیں یا مجلّد رجسٹر ہیں لیکن اس تاریخ کے بعد سے وہ حکومت بنگال کی مطبوعہ روداودں کی جلدوں میں شامل ہیں [1]

کاغذات کے نجی ذخیرے بھی خصوصًا خاندان صادقپور کے بعض ارکان کے، کارآمد ثابت ہوئے۔ احمداللہ کی گراں لائبریری ۱۸۶۵ء میں خاندان کی اور املاک کے ساتھ ضبط کرلی گئی۔ مگر کچھ کاغذات بچ گئے۔ ان ژولیدہ و بوسیدہ کاغذات کے کریدنے سے کچھ اہم قیمتی دستاویزات کا نشان مل گیا، انھیں میں سے ایک شاہ محمد حسین کی سند خلافت ہے۔ اس سے اہم تر نشانی سید احمد کا ایک مکتوب ہے جو انہوں نے خاندان صادقپور کے کئی ارکان کے نام مشترک طور پر لکھا ہے اور آدمی ۱۰۰۰ روپے کی وصولی پر شکریہ ادا کیا ہے۔ اسی میں یہ ہدایت بھی ہے کہ کس طرح روپے سرحد شمالی مغربی کو دہلی کے راستے سے بھیجے جائیں جہاں ان کے ضبط ہونے کا کوئی خطرہ نہیں۔ اس امر کا سید احمد کے کسی اور مکتوب میں ذکر نہیں۔

---

[1] ان دستاویزات کا مفصل ذکر اس کتاب میں جابجا کر دیا گیا ہے۔ اور فہرست مآخذ میں بھی ان کو درج کر دیا گیا ہے (مترجم)

Marfat.com

باب ا

وہابی تحریک کی بنا اور اس کے خاص پہلو

پس منظر : عہدِ تحریک میں ہندوستان کے سیاسی سماجی اور مذہبی حالات

مغل سلطنت کا زوال اٹھارہویں صدی میں ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں سب سے بڑا سانحہ سلطنتِ مغلیہ کا تدریجی انتشار اور پراگندگی تھا۔ آخری باقاعدہ زوال ابھی باقی تھا مگر گزشتہ دو صدیوں سے جو روشنی چمک رہی تھی وہ جھلملانے لگی تھی اور نحوست کے بادل منڈلا رہے تھے۔ اس اختلال و انتشار کی رفتار صدی کے اختتام تک بہت تیز ہو چکی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ اصل مرکز سے تین جدا جدا اور بظاہر آزاد ریاستیں پیدا ہو گئیں۔ ۱۷۱۳ء میں دکن میں آصف جاہ نظام الملک نے، ۱۷۲۳ء میں اودھ میں سعادت علی برہان الملک نے اور ۱۷۴۰ء میں بنگال میں علی وردی مہابت جنگ نے اپنی علیحدہ علیحدہ ریاستوں کی بنیادیں ڈالیں۔ ان صوبائی ریاستوں کی بنا اور استحکام سے مغلی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس صورت حال نے ملک کے سیاسی میدان میں ایک خلا پیدا کر دیا جس کو پُر کرنے کے لئے تین مختلف متنازع طاقتیں مجتمع ہونے لگیں۔ مرہٹہ، سکھ اور انگریز، جو قابلِ اعتناد تھیں۔ اس وقت تک یورپ کی اور طاقتیں سیاسی زور آزمائی کے میدان سے پسپا ہو چکی تھیں اور کم و بیش انگریزوں کی برتری تسلیم کر لی تھی۔ اب انگریزوں کو باقی دو ملکی مدعیوں سے نمٹنا تھا۔ اٹھارویں صدی کے دوسرے نصف اور انیسویں صدی کے پہلے نصف میں ہندوستان میں سیاست کی ہیئت کذائی یہی تھی۔

Marfat.com

جنگ پلاسی دوسرا نہایت نمایاں سیاسی پہلو انگریزوں کے بڑھتے ہوئے سیاسی عزائم اور طاقت تھا یا مخصوص مشرقی صوبہ جات بنگال اور بہار میں۔ دلّی اور اس کے اطراف میں تاراج اور بدامنی کے ساتھ سیاسی ترکتاز کا مرکز دھیرے دھیرے مگر باقاعدگی کے ساتھ اس مشرقی حصہ ملک میں منتقل ہوتا جاتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کی آئندہ سیاسی برتری کی بنیاد یہیں رکھی جا رہی تھی۔

نواب علی وردی خاں کی لائق اور نیم خود مختارانہ نوابی کے زیر اثر ان دونوں صوبوں کو مقابلۃً بہت کچھ صلح و امن دور خوشحالی نصیب تھی۔ بنگال سے مالگذار کی معتد بہ باقاعدہ ترسیل گنتی کے ان دقیع ذرائع آمدنی میں سے تھی جو متنزلزل مغلیہ سلطنت کے لئے رہ گئی تھی۔ لیکن بعض سیاسی حوادث نے جو ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی پر منتج ہوئے مالی طاقت کا یہ تنہا ذریعہ بھی معرض خطر میں پڑ گیا۔

اس جنگ کو بجا طور پر تاریخ ہند کا ایک یادگار واقعہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کا ایک واضح نتیجہ انگریزوں کا ملک میں ایک اہم سیاسی طاقت بن جانا تھا۔ میر جعفر ان کے ہاتھ میں عملاً ایک کاٹھ کا پتلا بنکر رہ گیا۔ اس جنگ کے فوراً بعد نواب کی ریاست کی لوٹ شروع ہوگئی۔ فاتح انگریز بے بس نواب پر ہر قسم کے ناقابل برداشت مالی مطالبات عائد کرنے لگے اور اس کا خزانہ قریب قریب خالی ہوگیا۔ میر قاسم کو مسند پر بٹھایا گیا، زیادہ تر اس لئے کہ اس سے امید تھی کہ سابق نواب سے جس مال و دولت کے فراہم کرنے کا بجبر وعدہ لیا گیا تھا اور جسے وہ پورا نہ کر سکا تھا، یہ اسے پورا کر دیگا۔ مگر یہ نیا نواب کسی اور خمیر کا بنا ہوا تھا اور انگریز سرپرست کی خواہشات کا ویسا غلام نہ تھا جیسا اُس کا سسرا تھا۔ گہری سازشوں اور ڈپلومیٹک گفتگو و شنید کا ایک سلسلہ جاری ہو گیا جو آخر ۱۷۶۴ء میں بکسر کی جنگ میں اور ۱۷۶۵ء میں دیوانی حوالہ کرنے پر تمام ہوا۔ اس طرح ایک بار پھر اقتصادی بے چینی اور استحصال کا ایک نیا دور شروع ہوگیا۔

Marfat.com

تجارت پر انگریزوں کی اجارہ داری تجارت کے متفرق اقسام کو ایسٹ انڈیا کمپنی اور بالعموم انگریز تاجروں کے حق میں مخصوص کردیا اس زمانہ کی اقتصادی پالیسی کی نمایاں اقتصادی استحصال سے نہایت مہیب و شدید غربت و افلاس پھیل گیا۔ اٹھارہویں صدی کی مشہور تاریخ بہار و بنگال مظفر نامہ کے مؤلف کرم علی نے اس کے تباہ کن نتائج کو جامع طور پر بیان کیا ہے:۔

"انگریزوں نے جمہور رعایا کے ایک اور اہم ذریعہ معاش یعنی مختلف اقسام کی اراضی پر بھی ضرب لگائی۔ یہ اراضی کی بازیابی کے لئے مسلسل کاروائیوں سے انجام دی گئی۔ یہ کاروائیاں تدریجی اور ممتد تھیں جو پورے صوبے پر حاوی تھیں اور جن کا مقصد تھا مالگذاری سے مبرا حقِ تصرف کی بازیابی اور دوبارہ لگان عائد کرنا۔ مغل شاہنشاہوں اور صوبائی گورنروں اور دوسرے حکام اعلیٰ نے بہت سی معافیاں دے رکھی تھیں۔ صلے انعامات اور اعلیٰ عہدہ داروں کو تنخواہیں ادا کرنے کا یہ طریقہ عام تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ رعایتیں ایسے وسیع پیمانے پر بخشی گئی تھیں کہ جب انگریزوں نے بہار و بنگال کے مالیانہ کا نظم اپنے ہاتھ میں لیا تو پورے علاقہ کی مالگذاری ریاست سے منتقل کرلی گئی۔ بے شبہ اس کے نتیجے میں بڑا انتشار اور پراگندگی پھیلی۔ بہت سے لوگ جعلی وثیقوں اور سندوں سے معافیوں سے مستفید تھے۔" تاہم انگریز افسران بندوبست نے ایسی اراضی پر لگان لگانے کے جو طریقے اختیار کئے تھے وہ نہایت بے رحمانہ اور بے باکانہ تھے خود ہنٹر کو تسلیم کرنا پڑا ہے کہ "معافیوں کے لئے ہم نے ثبوت طلب کئے مگر جائدادوں کے قبضہ و تصرف سے متعلق کسی واضح قانون کی غیر موجودگی میں وہ اپنی جاگیروں کے حق میں ثبوت پیش نہ کرسکے۔ ان کے وثیقوں اور سندوں کو موسم کی خرابی اور دیمکوں نے غارت کردیا ہے" [1]

قوانین بازیابی اراضی کے تحت بعض رودادوں کے معائنہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ بعض حالات میں جعلی معافیوں کو بجا طور پر قبضہ کرلیا گیا،

لہ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی کتاب "اور انڈین مسلمان" OUR INDIAN MUSALMAN ۔ لندن ۱۸۷۱ء ص ۱۸۲

Marfat.com

تھا، مگر بیشتر صورتوں میں کارروائیوں کا مقصد قانون کے ہلکے سے نقاب میں معافی داروں کو بے دخل کرنا ہوتا تھا۔ ایسی کارروائیاں ملک گیر معاشی مصیبت، سماجی انتشار اور سیاسی بے چینی کا باعث ہوئیں۔ ہنٹر نے نہایت رنج و افسوس کے ساتھ تبصرہ کیا کہ ان کے نتیجے میں جو گھبراہٹ اور نفرت پھیلی اس کا نقش دیہی دفتر تاریخ پر ہمیشہ کے لئے قائم ہو گیا۔[1] اُس نے اُس زمانہ میں وہابیوں کے خلاف مقدمات کے ذمہ دار افسر جیمس اوکنیلی کی رائے نقل کر کے ظاہر کیا ہے کہ یہ صورت حال مسلم قوم کے تنزل اور بے چینی کا دوسرا سبب تھی، اور بعد میں اسی نے ۱۸۵۷ء کی آتش فساد میں بہار میں ایندھن کا کام کیا۔[2]

یورپ کی تجارتی کمپنیوں کی آمد نے ملک کے قدیم اقتصادی نظام اور اقتدار کی جڑوں پر کاری ضرب لگائی۔ ان کے ورود نے تجارت کے نت نئے دروازے کھولے۔ پھر اس نے ایک جدید تاجر طبقے کو جنم دیا۔ اس مالدار، حریص اور ڈھیٹ طبقہ نے پرانے طبقہ شرفا (جو سماج کے مختلف طبقات میں ایک مدت سے عزت آبرو کے مالک تھے) کے اخلاف و ورثا کا مقابلہ کیا۔ سماجی امتیاز کا معیار خاندان نہیں بلکہ دولت پایا۔ اس نئے تجارتی طبقہ کے مفاد انگریزوں سے وابستہ اور اکثر و بیشتر انھیں پر دار و مدار رکھتے تھے اس لئے وہ اپنے محسنوں کے مفاد میں کام کرتے تھے یہاں تک کہ اپنے قومی مفاد کو بھی ان کے مفاد پر قربان کر دیتے۔ بنگال کے سیٹھوں کا خاندان اس حقیقت کی ایک مثال ہے۔ اس زمانہ میں یہ صورت حال ملک کی تاریخ پر بدنما دھبوں میں سے ایک ہے۔

اخلاقی انحطاط: یہ ایک تکلیف اور قلب ہیئت کا زمانہ تھا جب کہ وسطی معاشرہ مر رہا تھا اور جدید عہد اس کی جگہ لینے والا تھا۔ اس زمانہ میں وہ تمام معاشرتی زوال و تخریبات رونما ہوئیں جو اس حالت کا لازمہ ہوتے ہیں، تمام اخلاقی اقدار پاؤں تلے کچل دیئے

---

[1] ایضاً صفحہ ۱۸۳
[2] کے کے دتا کی کتاب سیرۃ کنور سنگھ و امر سنگھ۔ پٹنہ ۱۹۵۷ء۔ صفحہ ۹۱-۹۲

Marfat.com

گئے۔ ذاتی عیش و عشرت اور مقامی اعزاز کی خاطر عظیم قومی مصالح ٹھکرا دیے جاتے۔ مستقبل تاریک اور بُرے شگونوں میں آلودہ نظر آتا تھا اس لئے ہر شخص اس فکر میں رہتا تھا کہ جہاں تک اس کے بس میں ہو وقت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائے۔ ایک اوسط درجہ کے شریف آدمی کی زندگی کے لئے تعیش، مینوشی اور رقص و سرود کی محفلیں لازمی جزو بن گئی تھیں، اور ان سے ادنیٰ تر طبقوں میں بھی ان سے لسبتہ پست تر پیمانے پر ان کی تقلید کی جاتی تھی۔ اُس زمانہ کی ادبیات بھی جن کی کثیر مثالیں ہمارے سامنے ہیں کاہلی اور عیاشی کے مروجہ عواطف و میلانات مہیا کرتی تھیں۔ ہاں یہ یاس انگیز تصویر ذرا مدھم پڑ جاتی تھی تو اس حقیقت سے کہ اگلے زمانے کے کچھ لطیف جذبات جیسے جرأت و دلیری، وفا شعاری اور شعور عزت و آبرو اب بھی لوگوں میں موجود تھے اگرچہ اُن کا نشو و نما غلط طریقوں پر ہوتا تھا۔ چنانچہ دلیری معمولی معمولی جھگڑوں، خانہ جنگیوں پر، وفاداری چھوٹے چھوٹے مقامی معاملوں پر، استقلال و استقامت فرسودہ اور تباہ کن رسم و رواج سے چمٹے رہنے پر، سیر چشمی اسراف پر اور علم و دانش قدیم ذخیروں میں جدید معلومات کا اضافہ کرنے کی بجائے پرانے پرانے متنوں کی طویل الذیل شرحیں لکھنے پر صرف کی جاتی تھی۔

اشاعتِ اسلام میں صوفیائے کرام کا حصہ: اس زمانے کی مذہبی زندگی اور بھی حسرتناک تھی۔ ہندوستان میں اسلام کا نشو و نما زیادہ تر اگلے صوفی درویشوں کی جانفشانیوں کا نتیجہ تھا۔ ان کی جد و جہد کا سنہرا زمانہ چودھویں اور پندرھویں صدی تھا جب کہ ان خود فراموش بے غرض پُرجوش مبلغوں کے گروہ اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت کے لئے تمام ملک میں مارے مارے پھرتے۔ ان کے اخلاقی اور زاہدانہ طرز معاشرت، ان کی وسعت قلبی، انسان دوستی، خدمت خلق اور عوام کے مفت معالجہ و اعانت نے دلوں پر قبضہ کر لیا اور مقامی باشندوں کی ایک کثیر تعداد کو ان کا معتقد بنا دیا۔ یہ مبلغین بڑے وسیع النظر تھے جن کی مثالی زندگی اور مخلصانہ خدمات ان کے دین کے اختیار کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ کرنے میں بڑا حصہ رکھتی تھیں۔

Marfat.com

امتدادِ زمانہ کے ساتھ وہ بھی رخصت ہو گئے۔ ان میں سے بعض کے نام پر صوفیانہ طریقے اور خانقاہیں قائم ہو گئیں۔ بیش قرار فیاضانہ عطیات سے یہ مرکز مالدار ہو گئے اور صوفیوں کا سابق مبلّغانہ جوش اور خدمتِ خلق کی سرگرمی بہت کچھ ٹھنڈی پڑ گئی۔ یہ خانقاہیں ہی تھیں جو اپنے ساتھ سامان اور رسومات کے ساتھ زیرِ نظر عہد میں ملک کی دینی زندگی پر حاوی تھیں۔

مذہبی بے راہروی مختلف صوفیانہ طریقوں اور خانقاہوں کی تعلیمات کا ایک لازمی جزو معرفت و وصالِ حق کے لئے بیعت و ارادت کا اصول ہے۔ کسی پیرِ طریقت کے بغیر ان میں سے کوئی مطلوب حاصل نہیں ہو سکتا۔ مرشد پر کامل توکّل اور تکیہ بجائے خود کوئی بری بات تو نہیں مگر یہ اکثر غیر معقول حد تک عمل میں لائی جاتی تھی۔ وہابی نے اسے روحِ اسلام کے منافی قرار دیا جو پیغامِ الٰہی کو براہِ راست سمجھنے کے اصول پر زور دیتی ہے جو ارشاد قرآنی پر مبنی ہے اور جس کی توضیح و تکمیل احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ اسلام کے یہ دونوں ستون، حدیث اور قرآن عربی میں تھے۔ جمہور اہلِ ہند اس زبان سے ناواقف تھے۔ اس صورتِ حال نے عوام الناس کو علمائے کا محتاج بنا رکھا تھا۔ ہندوستان میں قرآن مجید کا پہلا فارسی ترجمہ مشہور حضرت شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۶ھ) نے کیا۔ حدیث اگرچہ ہندوستان میں اس سے بہت پہلے رونما ہو چکی تھی۔ لیکن حضرت عبدالحق (محدث دہلوی) نے سولھویں صدی ہی میں اسے روشناس کر دیا تھا۔

قوم کی دینی سماجی زندگی کے بعض حالات جو اُس وقت صورت پذیر تھے کتاب صراطِ مستقیم میں ادر احوال کے ساتھ یوں واضح کئے گئے اور ان پر سختی سے تنقید کی گئی ہے:۔

(۱) "صوفی لباس میں ملاحدہ کی بدعات میں جو اس زمانہ میں جاری ہو گئی ہیں ایک خدا کی شان اور اس کے احکام سے متعلق کلمات کفر کا استعمال ہے۔ طالبِ حق کو

Marfat.com

ان کے زبان پر لانے اور سننے سے پرہیز کرنا چاہئے اگرچہ ان کا کہنے والا نیکو کار آدمی سمجھا جاتا ہو اور خود بھی ایسے کلمات زبان پر نہ لانا چاہئیں۔ ایسی بے لگامی کبھی کوئی اچھا نتیجہ نہیں دکھا سکتی"

(۲) "طریقۂ وجودیہ[1] کے ملاحدہ کی دوسری بدعت جو لوگوں میں پھیل گئی ہے اور جو صوفی طریقوں کے بڑے بڑے مرشدوں کے اقوال کے مطابق بتائی جاتی ہے وہ توحید وجودی یعنی وحدۃ الوجود کا ملحدانہ قول ہے۔ یہ صوفیہ اپنے آپ کو خدا کا جزو لاینفک یا داصل بخدا سمجھتے ہیں اور اس اتحاد و وسائل سے لذت کا احساس کرتے ہیں۔ وہ شیطان کے فریب یا خود فریبی سے اپنے آپ کو حقیقت آلہیہ کے باطنی علم کا امرشناس سمجھتے ہیں اور بیہودہ بکواس میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں"۔

(۳) ملحد صوفیوں کی ایک اور بدعت جو عام طور پر مسلمانوں میں پھیل گئی ہے وہ قضا وقدر کے مسئلہ پر بحث ہے۔ تقدیر پر اعتقاد دین اسلام کے اہم اعتقادات میں سے ہے اور شریعت کی رو سے واجب التسلیم ہے۔ اس لئے اس مسئلہ پر بحث وتمحیص ناواجب ہے۔ شریعت نے اس باریک اور عمیق موضوع پر مباحثہ سے منع کیا ہے، اس لئے تمام مسلمانوں پر اس کو کلیتہً مان لینے پر اکتفا کرنا اور اس سوال کی کرید میں طوفانی موجوں میں کودنے سے پرہیز کرنا لازم قرار دیا گیا ہے۔

(۴) صوفی مشرکوں کی بدعات میں سے جو ہمارے زمانہ میں بالخصوص ہندوستان

---

[1] صوفیوں میں وجودیہ اور شہودیہ دو نمایاں گروہ ہیں۔ ہندوستان کے زیادہ تر صوفیہ وجودیہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ خدا کے وحدۃ الوجودی عقیدہ سے کسی قدر ملتا جلتا عقیدہ ہے۔ یہ ہمہ اوست کے قائل ہیں یعنی ہر شے خدا ہی ہے۔ دوسرے گروہ کا عقیدہ ہمہ از دست ہے۔ اول الذکر کا عقیدہ ہے کہ خدا جزواً ہر شے میں موجود ہے۔ آخر الذکر خالق ومخلوق کے وجود میں امتیاز کرتا ہے۔

Marfat.com

ہیں، رائج ہیں وہ انتہائی تعظیم ہے جو مرشد کے لئے اس حد تک بجالائی جاتی ہے، کہ اسے درجہ خدائی یا نبوت تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس بارے میں معتدل حدود کو سمجھنا ضرور ہے۔ ایک مرشد بے شک راہِ خدا کو پہچاننے کا ذریعہ ہوتا ہے .... اور کسی رہبر و مرشد کے بغیر اس راہِ حق کی دریافت مشکل سے ممکن ہوتی ہے۔ مگر مرشد ایسا ہونا چاہئے جو شریعت کے خلاف کوئی کام نہ کرے یعنی قرآن و حدیث پر پختہ ایمان کے ساتھ راہِ حق پر گامزن ہو۔ [۱]"

(وہابی عقائد کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل فریضہ قرآن حدیث اور شرع کا اتباع ہے۔ مرشد کا اتباع اسی حد تک کرنا چاہئے کہ اس کے اعمال شرع کے مطابق ہوں)

(۵) صوفی مشرکوں کی بدعات جو عوام کی نظروں میں خیر معلوم ہوتی ہیں، ان میں سے ایک پرہیزگار اور نیکوکار بزرگوں کی قبروں پر بیہودہ رسوم ادا کرنا ہے..... اسی سلسلہ میں مُردوں سے اعانت اور مرادیں مانگنا ہے....... ایسی التجاؤں سے لوگ شرک میں آلودہ ہو جاتے ہیں...... اللہ تعالیٰ نے واجب کر دیا ہے کہ ہدایت وارشاد کا سلسلہ جاری رہے اور فیض انھیں سے حاصل کرنا چاہئے جو زندہ ہیں۔ اگر ایسا اتفاق ہو کہ کسی کو اپنے مقصد کے لئے کوئی زندہ شخص نہ ملے اُسے مزارات کی جاترا کے عوض قرآن و حدیث کی پیروی کرنا چاہئے جو تمام باریک مسائل کی کنجی ہیں"۔

(۶) "صوفی مشرکوں کی بدعات میں سے جو مسلمانوں کے ہر طبقے اور عوام الناس میں جاری ہیں نذر و نیاز بھی ہے (یعنی مُردوں کی روحوں کو آرام دینے کے لئے اشعار خوانی اور کھانے کی چیزیں چڑھانا)۔ یہ شرک و الحاد کی ایک بدلی ہوئی شکل ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ اصولاً یہ جائز ہے اور اس کی صحیح بجا آوری شریعت پر مبنی ہے، عوام الناس نے اپنے تصورات و تعصبات اس میں ملا جلا دئے ہیں، اور اخلاف نے نہ

---

[۱] صراط مستقیم صفحہ ۵۲-۵۳ ، ۵۷ تا ۶۱

Marfat.com

صرف اسلاف کی پیروی کی ہے بلکہ جو چیزیں پہلے سے موجود تھیں ان پر اضافہ کر کے حدود سے تجاویز کیا ہے۔ اس طرح اصول حسنہ پس پشت ڈال دئے گئے اور ان کی مذموم فردعات جو کاوش سے گھڑ لی گئی ہیں چل پڑیں"

مکروہ رسوم ورواج کچھ سماجی رسوم ورواج بھی جو اُس وقت جاری تھے بیان کئے گئے اور ان پر تنقید و تعریض کی گئی ہے۔

"شادی اور غمی کے مواقع پر جو مکروہ رسوم ہندوستان میں جاری ہیں ان کی جڑیں اتنی گہری اور مضبوط ہیں کہ طنز و تشنیع اور دشنام طرازی کے خوف سے ان کا اکھیڑنا انتہائی دشوار کام سمجھا جاتا ہے۔ جہاں ان رسوم کو فرائض کی ادائگی سے زیادہ اہم اور ان کے ترک کو شریعت کے ممنوعات و محرّمات سے زیادہ دشوار سمجھتے ہیں۔ مثلاً ختنہ کے موقع پر جو دھوم دھام منائی جاتی ہے۔ اس پر اتنا کثیر روپیہ صرف ہوتا ہے۔ کہ اکثر ختنے ملتوی کر دیئے جاتے ہیں اور جب ختنہ ہوتا ہے تو بچہ کافی بڑا ہو جاتا ہے۔ یہ ایک شرمناک اور بیہودہ بات ہے۔ اسی طرح منگنی اور شادیوں میں التواء ہوتا رہتا ہے۔ شادی میں زیادہ تاخیر سے ایک نوجوان کے لئے گناہ میں ملوث ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ غمی میں تو زیادہ التواء کی گنجائش نہیں ہوا کرتی لیکن قبروں کی تیاری اور تجہیز و تدفین کے رسمی افعال میں اتنی تاخیر ہو جاتی ہے کہ دوسرے ضروری کاموں میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ مرنے کے تیسرے اور چوتھے دن کے رسوم میں زر کثیر صرف کیا جاتا ہے۔ معاشرہ کے طنز و تشنیع اور دشنام کے خوف سے عوام اس حد تک مجبور ہو جاتے ہیں کہ ان رسوم کی بجا آوری کی خاطر ان کو اپنی جائداد فروخت کرنا پڑتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص نماز میں غیر حاضری سے اتنا ملزم نہیں ٹھہرایا جاتا جتنا کسی عرس کی غیر حاضری سے یا کسی شادی کی محفل رقص و سرود سے"

Marfat.com

(ب) ہندوستان میں وہابیت کی بنا و ارتقا

وہابیت کی بنا اور ارتقا کو صحیح عینک سے دیکھنے کے لئے ہمیں ذرا پیچھے ہٹنا اور اسلام کے بعض نمایاں پہلوؤں، عہد بعہد ان کے ارتقا اور اٹھارویں صدی میں اسلامی دنیا پر ایک سرسری نگاہ ڈالنا ہوگی۔

اسلام ایک طرز زندگی ہے جو ایک فرد اور جماعت کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ وہ محض رسوم و عقائد کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک طرز معاشرت پیش کرتا ہے اسلام قبول کرنے کے معنی ہیں اپنی روح اور روزمرہ زندگی کی تربیت و تہذیب۔ لفظ اسلام کے معنی ہیں (خدا کی مرضی پر) سر جھکا دینا اور فرمان بجالانا۔ شروع شروع میں حصول اسلام ڈھیلی اور سہل زندگی میں جس سے قبل اسلام کے عرب خوگر تھے ایک عظیم تغیر رونما ہوا اور اس میں ایک حد تک اندرونی ضبط اور قوت برداشت شامل تھی، مگر جن لوگوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب تھی اور آپ کے مقرب صحابہ نے جو آپ کے اسوۂ حسنہ کے سرچشمہ سے سیراب ہوئے یہ تغیر پورا پورا قبول و اختیار کر لیا۔ جن لوگوں نے آپ کی پیروی کی ان میں بدقسمتی سے یہ تغیر اتنا کامل نہ تھا۔ کچھ قبل اسلام کے اور غیر اسلامی میلانات ان کے اندر کشمکش کرتے رہے اور آخر میں سطح پر آ گئے۔ یہ میلانات طرح طرح سے ظہور پذیر ہوتے رہے اور سلطانی طرز حکومت کی آرزو یا عربوں کے خلاف جو قرون اولی میں اسلام کے مشعل بردار تھے نسلی و قبائلی ردعمل کی شکلوں میں ابل پڑے۔

ایرانی اور ترک اثرات اسلام کی سیاسی سرحدوں کی حیرت انگیز وسعت کے ساتھ عربوں کی مڈبھیر غیر عرب اقوام اور مختلف نئی تہذیب و تمدن سے ہوئی۔ نئی نئی تہذیبی روایات کے انجذاب سے اس ابتدائی عہد میں اسلام کی روح اور ترقی پر

Marfat.com

ایک گہرا اثر پڑا۔ اس لحاظ سے عربوں پر، مادی طور پر خوشحال اور تمدنی طور پر ترقی یافتہ ایرانیوں کا اثر نہایت مہتم بالشان ہے۔ خلافت عباسی کے دور میں بہت سی ترقیات میں ایرانی اثر کے نشانات صاف نمایاں ہیں۔ ایک مکتبہ فکر کے مطابق تصوف جو ہندوستان کی دینی زندگی پر بھی چھایا رہا ہے ایرانی اثرات کے باعث تھا۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ میں ایک اور اہم حادثہ سیاسی اقتدار کا عربوں سے ترکوں میں منتقل ہونا تھا۔ آٹھویں اور نویں صدی میں جب اسلام ترکوں کے وطن وسطی ایشیا تک جا پہنچا تو انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کا قبول اسلام نسبتہً تازہ تھا۔ اسلامی حکومت کے صدیوں کے دور میں عربوں میں جو کامل تغیر عادات و کردار پیدا ہو گیا تھا وہ ترکوں کے لئے ناممکن تھا۔ ایک زبردست نسلی ملت کی حیثیت سے ترکوں نے سیاست اسلام کی ڈوبتی ہوئی ناؤ تو منجدھار سے نکال دی لیکن اسلام کا روحانی و اخلاقی زخم ویسا کا ویسا ہی رہا اور مندمل نہ ہوا۔

اسلام ہندوستان میں ترکوں ہی کے ذریعے سے پہنچا۔ ان سے پہلے سندھ پر عربوں کے حملے جو بالکل بے نتیجہ تو نہ تھے ہندوستان کی مغربی سرحدوں تک ہی پہنچ کر رک رہے تھے۔ ان سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو اسلام کے سیاسی فاتحین عرب نہ تھے بلکہ نومسلم ترک ہی تھے۔ اس لئے جو اسلام ہندوستان میں داخل ہوا وہ صرف یہی نہیں کہ غیر عرب اثرات سے متاثر ہو چکا تھا بلکہ اس سے بڑھ کر یہ تھا کہ ہندوستان میں اس کا مقابلہ ایک ایسی مستحکم و مستقل تہذیب و تمدن سے ہوا جو نمایاں طور پر اس سے مختلف و متضاد اور بہت زیادہ قدیم تھا۔ جب جنگوں کی گرد بیٹھ گئی تو ہندی و اسلامی تہذیب و تمدن کے درمیان باہمی تاثیر و تأثر عمل میں آنا شروع ہو گیا۔ اس لین دین کا صحیح گوشوارہ تیار کرنا تو دشوار ہے مگر اتنا واضح ہے کہ ہندوستان میں اسلام نئے ماحول سے بہت متاثر ہوا۔

مغل حکمرانوں کی دین سے بے نیازی: یہ خیال عام طور پر پھیلا ہوا ہے اگرچہ اس کی کوئی معقول بنیاد نہیں، کہ ہندوستان کے مسلم حکمران اسلام کے حامی تھے اور اس کی اشاعت میں ان کا بہت کچھ ہاتھ تھا۔ مگر اس حقیقت کو نظرانداز کر دیا

Marfat.com

جاتا ہے کہ ایک دینی حکومت کی کچھ رسمی نمائش اور ٹیم ٹام اور کسی فوجی یا دوسری مصلحت سے کبھی کبھار اس پہلو کو نمایاں کر دینے کے باوجود درحقیقت سلطنت کی پالیسی خالصتہً سیاسی، لشکری یا دوسرے مصالح سے بنتی اور چلتی تھی۔ مغل سلطنت کے عروج وعلو کے زمانے میں بھی مغل سلاطین خصوصاً اکبر کی مذہبی پالیسی کے بعض پہلوؤں سے نمایاں نارضامندی اور بے چینی کا احساس عام تھا۔ یہ بے چینی تنگ نظری کی بنا پر ہو سکتی ہے مگر تھی ضرور۔ یہ محسوس کیا جاتا تھا کہ اسلام اپنی اصلی لنگر گاہ سے بہت کھسک گیا ہے اور اس کے اصلاح واحیاء کی ضرورت ہے۔ اور مذاہب کی طرح اسلام بھی ہندوستان میں اور ہندوستان سے باہر بھی احیائی و اصلاحی تحریکوں میں اپنا حصہ رکھتا تھا۔ احیائی حرکت میں سب سے پہلے مسیح موعود کے ظہور کا عقیدہ شامل تھا جو زمانہ کے موجودہ سیاسی، معاشرتی اور مذہبی مفسدات کا قلع قمع کر دیگا اور اسلام کو اس کی اصلی شان و شوکت پر لوٹا لائیگا۔ ایسی بعض تحریکوں میں اکثر سیاسی مقاصد بھی ملے جلے ہوتے تھے۔

حضرت مجدّد الف ثانی کی دینی خدمات پہلا شخص جس نے اصلاح واحیائے دین کا جھنڈا ہندوستان میں بلند کیا سید احمد سرہندی تھا یہ مجدد الف ثانی کے لقب سے مشہور ہیں اور اکبر کے معاصر تھے۔ ہمیں ان کے دینی خیالات و نظریات کی تفصیلات سے یہاں بحث نہیں۔ پھر بھی ان کے بعض خیالات کا محض خاکہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

اس زمانے میں ہندوستان کی مذہبی زندگی کا مرکزی حلیہ تصوّف تھا جس کا لوگوں کی زندگیوں اور دماغوں پر انتہائی تسلّط تھا۔ تصوف ایک مشرب ہے جو خدا سے رابطہ اور اس کی معرفت کے لئے باطنی جذبات کو بیدار کرنے کے عقیدے سے پر مبنی ہے شریعت کے باطنی اور اندرونی پہلو پر زور دیتا ہے۔ خدا سے ربط و وصل طریقت پر چلکر کیا جا سکتا ہے جو روحانی ہدایت کے کئی مقامات پر مشتمل ہوتی ہے رفتہ رفتہ طریقت نے شریعت سے زیادہ وقعت حاصل کر لی اور ہمہ اوست کا عقیدہ جو وحدۃ الوجود کے مشہور نظریہ کی شکل میں ہوا زیادہ نمایاں

Marfat.com

ہونے لگا۔ حضرت مجددؒ نے اس حقیقت پر زور دیا کہ باری تعالیٰ اپنی ذات سے موجود اور ظاہر و ثابت ہے۔ باقی تمام کائنات اس کی پیدا کردہ مخلوق ہے اور یہ کہ نجات، خدا سے رابطہ پیدا کرنے کے باطنی طریقوں کی بجائے شریعت کی پیروی سے حاصل ہوتی ہے۔ ان کا خیال یہ بھی تھا کہ شریعت سے عام بے اعتنائی اور روگردانی علماء کی چشم پوشی و غفلت کا نتیجہ ہے۔ ان کے ایمان و اعتقاد میں زور اور ہمت نہیں، اور اپنے سیاسی آقاؤں کو ان معاملات میں جن سے ان کی ذاتی راحت و عافیت کا تعلق ہے بہت کچھ ڈھیل اور آزادی دے رکھی ہے۔ اور یہ فعل قرآن و حدیث کے الفاظ کو نئے معنی پہنا کر، اور بدعت حسنہ کے نام سے نئی قسم کی بدعات جاری کر کے ممکن بنایا گیا ہے، جو بدعت ہوتے ہوئے بھی معصیت نہیں اس لئے جائز قرار دی گئیں۔ حضرت مجددؒ کی نظر میں بدعت بدعت ہی ہے۔ اس میں مدارج قائم کرنے کی گنجائش نہیں۔ حضرت مجددؒ اس معاملہ میں بہت متشدد تھے اور ان کے مکتوبات میں اس کا بہت ذکر ہے۔

سید احمد سرہندیؒ کا طریقہ کار ان کے زمانہ کے حالات سے متاثر و محدود تھا ان کی جدوجہد انفرادی تھی۔ انھوں نے اپنی تمام تر طاقت مذہبی رسالوں کے لکھنے اور اپنے زمانہ کے سربرآوردہ معاصرین سے مراسلت تک مرکوز رکھی۔ جدید ذرائع آمد و رفت و مراسلت کے فقدان اور غالباً وسیع تر مخالفت عوام کے عدم احساس نے ان کو بڑے پیمانے پر کسی عوامی تحریک کے قائم کرنے اور چلانے سے باز رکھا۔ مگر ایسے موانع کے باوجود ان کی تحریک نہایت معنی خیز تھی۔ اس نے پہلی بار طوفانی بہاؤ کو روک دیا اور ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے سیاسی عروج و سربلندی کے زمانے میں بھی جب کہ اس کی رگوں میں جوانی کی تیز نبض تڑپ رہی تھی اسلام کے احیاء و اصلاح کی ضرورت کا اعلان کر دیا۔

حضرت مجددؒ کے خیالات اور مساعی کو کسی قدر بسط سے بیان کیا گیا اس لئے کہ وہ بہت حد تک اس تحریک سے مماثل ہیں جس کی دو صدی بعد ان کے ہمنام سید احمد بریلوی

Marfat.com

نے بنیاد رکھی۔حضرت مجدد کے کاموں اور مساعی کو ان کے بیٹے اور خلفاء نے جاری رکھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ: بہر حال ان کے اصلی مشن کو شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنے ہاتھ میں لیا جو اٹھارہویں صدی میں ہندوستان کے ذہنی سورماؤں میں سے تھے۔اس صدی میں دو عظیم معاصر سلطنتوں، عثمانیہ اور مغلیہ، کا عام زوال شروع ہو چکا تھا۔اس زوال نے زمانہ کے بعض مسلم حقیقت شناس علما کے دماغوں کو اس مرض کے اسباب کی جستجو کی طرف مائل کر دیا۔ان میں عرب کے محمد بن عبدالوہاب اور ہندوستان کے شاہ ولی اللہ نمایاں تھے۔حضرت شاہ ولی اللہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ابتدائی جمہوری روایت اسلامی کے برخلاف شہنشاہی طرز حکومت کا نفاذ اور اجتہاد کا اختتام اس افسوس ناک صورت حال کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔انہیں دو علتوں نے مسلمانوں میں من حیث القوم خیالات کی آزادی اور نکتہ پردازی کو ماؤف کیا۔اسلام بنی نوع انسان کو طرح طرح کی عدم مساوات سے نجات دلانے کی ایک انقلابی تحریک کے عوض کچھ بندھے ٹکے عقائد و رسوم میں منتقل و پابند ہو کر رہ گیا۔ان کے خیال کے مطابق اسلام کی پوری عمارت کی تعمیر تو ہوئی تھی اس کے پیرودں کے کردار و صفات پر جو آگے چلکر قرآن و احادیث پر مبنی اخلاقی و روحانی اصول کے تابع ہو گئی۔یہ عالی خیال بلند نظر شستہ و شایستہ افراد بنی نوع انسان کی ایک اخوت کے لئے ایک زبردست اور مضبوط نظام میں متحدو مجتمع ہو گئے۔اعضائے رئیسہ میں جب فتور ہو گیا تو سارا جسم مضمحل اور ضعیف ہو گیا تھا۔ان حالات میں سیاسی انحطاط اور معاشرتی تنزل لازمی تھا۔اس لئے صرف اعلیٰ طبقہ کے چند افراد پر زور دینا کافی نہ تھا بلکہ من حیث المجموع پوری ملت کی اصلاح پر زور لگانا تھا، اسی لئے ایک ہمہ گیر عمومی تحریک کی ضرورت پیش آئی۔فکر و خیال کی اہم پرواز و حرکت معنی خیز اور قابل غور ہے۔اُس زمانہ کے اور حالات سے بھی اس احساس کی تائید ہوئی۔

میر قاسم و ٹیپو سلطان: اسی زمانہ میں سیاسی سمندر میں مسلم سیاسی عمائدین در ؤسا

Marfat.com

کی ڈوبتی ہوئی کشتیوں کو پھر ابھارنے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ بہار میں میر قاسم اور دکن میں ٹیپو سلطان اپنی اور فرو گذاشتوں کے باوجود اس سیاسی احیاء کے زندہ نمونے تھے۔ ان دونوں نے متفق الرائے ہوکر انگریزوں سے ان کے اعلیٰ فوجی نظام کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی اپنی فوجوں کو مغربی طرز پر تربیت دلانے اور آراستہ کرنے پر زور دیا۔ مگر انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ کوئی فرد خواہ کیسا ہی ہمتور مگر ایک ایسے گروہ کا سردار ہو جو نامنظم ہو اور کسی فرد کا وفادار ہو نہ کہ کسی اعلیٰ مقصد کا، اُس قوم کے مقابلے میں جو اعلیٰ تنظیم رکھتی ہو اور ایک قومی مقصد کے جوش سے سرشار ہو، اس کی ناکامی لازمی ہے۔ ان کی ناکامی ان کی ذاتی کوتاہیوں کے سبب سے نہیں تھی۔ اصلی اسباب بہت گہرے اور دور رس تھے، اور وہ تھے ہندی مسلم معاشرہ کی تمام معاشری دینی جڑوں کو گھن لگ جانا۔ سیاسی کشمکش کی جو شاہی طبقہ کی سربراہی میں چل رہی تھی، ناکامی نے عوام کی توجہ شاہی سرداری سے ہٹا کر دینی احیاء واصلاح اور ملت کی تنظیم نو کی طرف منعطف کردی۔

یہ تھا اس تحریک کا سیاسی، سماجی اور دینی پس منظر۔ اس تحریک کے پیچھے عام معاشرتی مذہبی زوال اور سیاسی طاقت کا غیر مسلموں کے ہاتھوں میں چلا جانا اس تحریک کے سر اٹھانے کے وہ اسباب تھے۔ دراصل اس تحریک کے لازمی پہلو معاشرہ کا سدھار اور یورپی کفار سے آزادی کی بازیابی تھے [1] ان میں سے ایک کے حصول کے لئے مضرت رساں مذہبی بدعات سے احتراز اور دوسرے کے لئے جہاد کی طرف رجوع کرنا ضروری تھا جس کے فوائد اور برکات کا بار بار اعلان کیا گیا۔ اس جہاد کو بہر حال عام کشمکش اور جدوجہد کے وسیع مفہوم میں سمجھنا چاہیے نہ کہ دینی مفہوم میں۔

---

[1] مکتوب سید احمد شہید از مخطوطات پٹنہ یونیورسٹی ص ۱۲۹

Marfat.com

(۷) وہابیت کی کچھ نمایاں خصوصیتیں

سید احمد کا طریقہ محمدی: اس زمانہ میں تصوف کے چار متعارف و مستقل طریقے رائج تھے۔ چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ[1]۔ سید احمد بریلوی بیعت لینے کی ایک جدید ترکیب پر کاربند تھے۔ پہلے مذکورہ طریقوں پر پھر محمدی طریقے پر جو انہوں نے خود مقرر کیا تھا بیعت لیا کرتے۔ وہ اس کی تشریح یوں کیا کرتے کہ شریعت کے دو پہلو ہیں۔ ظاہری اور باطنی۔ باطنی پہلو روحانی راحت کے حصول کے لئے روح کی تربیت و تادیب سے تعلق رکھتا ہے، اور مذکورہ صوفی طریقے ہی اس مقصد کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ ظاہری پہلو انسان کی روزمرہ کی زندگی میں صحیح اور دینی کردار بجالاتا ۔اور محمدی طریقہ اسی کی نگہداشت کرتا ہے۔ اس طرح ان دونوں طریقوں میں بیعت لینا روح کی باطنی تربیت اور روزمرہ کے کام کاج، دونوں پر محیط و مشتمل تھا۔ اس انوکھے طریقہ بیعت کی تشریح یوں بھی ہو سکتی ہے کہ صوفیانہ طریقے اگرچہ ابتدا ء کی سرمستی و سرشاری سے معرا ہو چکے تھے پھر بھی عام دماغوں میں ان کی جڑیں گہری تھیں۔ لوگ انھیں طریقوں پر بیعت کے خوگر تھے۔ ان کا یک بیک ترک کامل ایک غیر عملی یا ان ہوتی سی بات ہوتی۔ طریق محمدی میں جو صحیح طرز معاشرت ملحوظ رکھا گیا تھا اس کی تفصیلات خود صراط مستقیم اور مختلف وہابی تحریروں میں کافی شرح و بسط سے درج ہیں۔ ان میں سے دو اصول بہت نمایاں ہیں۔ باری تعالیٰ پر جس کی صفات اشارۃً بھی کسی مخلوق سے منسوب نہیں کی جا سکتی ہیں، سختی سے بلا شرط و قید ایمان رکھنا اور اپنی شخصی زندگی میں عملی اخلاق پر کاربند رہنا۔

اصلاحی تحریک: یہ بات خاص طور پر ذہن میں رکھنے کے لائق ہے کہ سید احمد شہید نے جس وہابیت کا پرچار کیا تھا وہ کوئی علیحدہ مذہب نہ تھا جیسا کہ بعض انگریز

---

[1] نقشبندیہ کی ایک شاخ حضرت مجدد کی نسبت سے مجددیہ کہلاتی تھی

Marfat.com

مصنفوں بالخصوص ہنٹر[ل۵] نے اشارہ کیا ہے۔ وہ بار بار وہابی تحریک کو ایک مذہب بتاتا ہے جس کا پیغمبر سید احمد اور جس کا نیا قرآن صراط مستقیم ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ وہابیت دین اسلام میں خرابیوں کی اصلاح اور اس کی اگلی شان وعظمت کی بازیابی کی کوشش کے عوض ایک نیا مذہب ہے۔ جیسا کہ نابیور[ل۲] NIEBUHR اور ہنٹر نے غلط اشارہ کیا ہے۔ سید احمد بریلوی اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کوئی بھی پیغمبری کا مدعی نہ تھا۔ یہاں عرب وہابیت پر اس کے بانی کے کردار سے متعلق ایک مستند مورخ ایچ بی فلبی کی ARABIA مطبوعہ لندن ۱۹۳۰ء کے صفحہ ۵۴ سے) کے تبصرہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ "محمد بن عبدالوہاب کی یاد اب تک ایک عرفی نام سے زندہ ہے جو اول اول اس کے مخالفین نے تحقیراً مشہور کیا اور بعد میں اس کے متبعین نے قبول کر لیا گو آج تک وہ اپنے آپ کو اس نام سے موسوم نہیں کرتے، وہ اس مقصد کے لئے جس کی اُس نے بنا ڈالی تھی اور اب تک زندہ ہے پچاس سال کی انتھک محنت وجان فشانی کے بعد وفات پا گیا۔ اُس نے جس مشرب کی تعلیم دی اسے ۔۔۔۔۔۔ اسلام کی کوئی نئی تاویل قرار نہیں دیا۔ اس معلم نے کبھی پیغمبری کے رتبہ کا دعویٰ نہیں کیا۔" اگر محمد بن عبدالوہاب پیغمبر نہ تھا تو سید احمد تو اور بھی یہ رتبہ نہ رکھتے تھے۔

وہابی تحریک کی تعلیمات: وہابی اور مسلمانوں سے حقیقۃً مختلف نہیں سوا اس کے کہ وہ بعض چیزوں پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

(۱) توحید۔ خدا موجود بالذات اور تمام کائنات کا خالق ہے۔ وہ اپنی صفات

ل۵ OUR INDIAN MUSALMANS مولفہ ڈبلو ڈبلو ہنٹر ص ۵۱ - ۵۲

ل۲ CARSTEN NIEBUHR ڈنمارک کے ایک سائنسی مشن کا جدہ اور یمن میں سربراہ تھا۔ ۱۷۶۴ء میں یورپ واپس آکر "تشریح" کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ یہ پہلا یورپی ہے جس نے وہابیوں کے ظہور اور ترقی کی خبریں شائع کیں۔

Marfat.com

میں لاشریک ہے۔ روحانی بلندی اور نجات قرآن اور شریعت کے احکام کی پوری پوری بجا آوری میں مضمر ہے نہ کہ خدا کے وجود میں مخلوط ہوجانے کے منصوفانہ جذبات کے اُبھارنے میں۔

(۲) اجتہاد۔ مسلم کو جو حقِ تاویل دیا گیا ہے وہابی اس کے قائل ہیں اور اس حق پر عمل کرنے کی مصلحت پر اصرار کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ چاروں بزرگ اماموں (امام مالک امام شافعی، امام حنبل اور امام ابوحنیفہ) کے پیرو عملاً اس حق سے دستبردار ہوگئے ہیں۔ محمد بن عبدالوہاب نے اس موضوع پر کئی رسالے لکھے ہیں جن میں اندھی تقلید کے حامیوں پر نکتہ چینی کی ہے۔

(۳) شفاعت۔ وہابی کسی کے لئے کسی درمیانی وسطہ کی خواہ وہ کتنا ہی بلند پایہ پرہیزگار ہو اور مقرب الٰہی سمجھا جاتا ہو شفاعت کے عقیدہ کے قائل نہیں۔ انسان خود خدا سے اپنی رگِ گردن سے زیادہ قریب ہے اور ہر شخص مختار ہے کہ وہ کسی واسطہ کے بغیر اللہ کی عبادت کرے۔ وہ عمل پر زور دیتے ہیں۔ اصول اسلام پر زبانی اعتقاد کافی نہیں۔

(۴) بدعت وہابی دورِ حاضر کے اُن تمام مذہبی اور سماجی اعمال و رسوم کی مذمت کرتے ہیں جن کی شریعت میں کوئی نظیر یا جواز موجود نہیں۔ ان میں سب سے زیادہ قبر پرستی، پیروں کی تعظیم میں مبالغہ وافراط۔ شادیوں میں مہر کی انتہائی گراں رقوم تقریبات جیسے ختنہ اور میلاد نبوی میں زیادہ دھوم دھام اور بیوہ کے نکاح ثانی کا امتناع وغیرہ وغیرہ۔

کچھ عمدہ اخلاق و عادات پر بھی زور دیا گیا ہے۔ اسلام کے پانچ ارکان، نماز روزہ، حج زکوٰۃ اور جہاد کی پابندی پر سختی سے عمل کرنے کی تاکید تو ہے ہی ان کے ساتھ اور نیکیاں بھی حاصل کرنا ہیں جیسے انکساری قناعت اور صبر و استقلال،

ل سر حافظ وہبہ نے اپنے مقالہ "اسلامک کلچر" دسمبر ۱۹۲۸ء میں وہابیت کی خصوصیات پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

Marfat.com

اور حرص و طمع، حسد اور غرور کی بیخ کنی۔ سید احمد کی تعلیمات میں آغاز کار سے ہی جہاد بھی، جب دین و معاشرہ کی حفاظت کے لئے کوئی اور صورت باقی نہ رہ جائے، ایک اہم رکن ہے۔[1]

(د) نجدی اور ہندوستانی تحریکاتِ وہابیہ کا تقابلی موازنہ

وہابیت کا انہام: حضرت سید احمد کا شاندار سفرحج ان کی زندگی کا ایک اہم اور فیصلہ کن واقعہ تھا۔ بعض انگریز مصنفوں نے زور دیا ہے کہ سید احمد کا سفر حج ان کی زندگی کا ایک انقلابی واقعہ تھا۔ ان کے خیال میں اسی دورانِ سفر میں ان کو عربی وہابیت سے زیادہ قریب کا رابطہ ہوا۔ اس کے عقائد سے بہت متاثر ہوئے اور ہندوستان میں ان کی اشاعت کی۔ ایسا ہی ایک مصنف (زلبی) لکھتا ہے۔ "یہی زمانہ تھا جب کہ ایک شخص سید احمد بریلوی مکہ کے سفر سے ہندوستان کو دو بیج لے گیا جس نے . . . . . ۱۸۳۲ء میں ان کی شہادت کے بعد وہابیوں کو کوہ سیاہ کا ردعمل بخشا اور اطراف تک اس کی گونج یا جھٹکا پہنچا دیا"۔ ہندوستانی وہابیت پر ایک اور مشہور تر مصنف (ہنٹر) لکھتا ہے۔ سید احمد کے قیام مکہ کے دوران میں وہاں کے حکام کی توجہ ان کی تعلیمات کی ان بدو قبائلیوں کے خیالات سے مماثلت کی طرف منعطف ہوئی جن کے ہاتھوں مکہ کے مقدس شہر نے اتنے مصائب اٹھائے تھے۔ علانیہ طور پر ان کی تحقیر کی گئی اور شہر بدر کر دیے گئے۔ اس جور و تعدی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہندوستانی آئے تو ایک مذہبی خواب بین اور مشرکانہ بداعمالیوں کے مصلح کی حیثیت سے نہیں بلکہ محمد بن عبدالوہاب کے معتقد و مرید کی حیثیت سے"۔

---

[1] صراط مستقیم ص ۱۱۵ تا ۱۱۷

محمد بن عبدالوہاب: ان بیانات کی صداقت کے جانچنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ عرب میں وہابیت کی رفتار کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے۔ عرب میں وہابیت کا بانی محمد بن عبدالوہاب تھا جو ۱۷۰۳ء میں اعینہ میں پیدا ہوا[1] اس نے ابتدائی تعلیم بصرہ اور مدینہ میں پائی۔ اُس زمانہ کا عرب معاشرہ سماجی و معاشی بداعمالیوں میں اس سے زیادہ نمایاں طور پر مبتلا تھا جتنا ہندوستان کا معاشرہ۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ عرب اسلام کا مولد تھا جس نے عربی معاشرہ کو زمانہ جاہلیت کے معاشرہ سے پاک کیا تھا یہ حالت زیادہ افسوسناک تھی۔ عہد قبل اسلام میں اور تقصیروں کے باوجود عربوں کے پاس ایک منظم تہذیب اور پختہ لٹریچر تھا۔ لیکن اب تو یہ چیز بھی باقی نہ رہی تھی۔

محمد بن سعود: محمد بن عبدالوہاب کی معاشرہ کی اصلاح کی ابتدائی کوششوں نے اُس کو مقامی حکام کی خفگی اور عداوت کا مورد بنا دیا جو اُس کی جلاوطنی پر منتج ہوا۔ اُس نے داریہ (نجد) کے ایک ہمسایہ حکمران امیر محمد بن سعود کے دربار میں پناہ لی ۱۷۶۵ء تک سعود نے نجد کا ایک بڑا حصہ فتح کرلیا تھا جس کا وہ دنیاوی حاکم بن گیا جب کہ محمد بن عبدالوہاب دینی پہلو کا نگران بنا۔ ان دونوں نے ملکر جو نظام حکومت قائم کیا وہ قرآن و حدیث کے احکام کی سخت اطاعت پر مبنی تھا۔ امیر محمد سعود نے اسی سال وفات پائی اور اس کا بیٹا عبدالعزیز اس کا جانشین ہوا۔ اس کے عہد میں بھی نظام حکومت محمد بن عبدالوہاب کی براہ راست نگرانی میں ۱۷۹۲ء میں اس کی وفات تک چلتا رہا۔

وہابی تحریک کا عروج: اس اثنا میں عبدالعزیز کی سرپرستی میں سیاسی توسیع جاری رہی۔ یہاں تک کہ پورے نجد پر قبضہ ہوگیا۔ حجاز پر بھی حملہ کیا گیا اور اپریل ۱۸۰۳ء میں مکہ کے مقدس شہر پر بھی قبضہ ہوگیا۔

---

[1] جے بی فلبی مذکور الصدر صفحہ ۸

اسی زمانہ میں وہابیوں نے ان بلاد مقدسہ کو شرک و کفر کی بعض گندگیوں سے پاک کرنے کا تہیہ کرلیا اور اصلاح کی بعض حد سے بڑھی ہوئی پرجوش حرکات کا ارتکاب کیا . . . . جنھوں نے جمہور مسلمانان ہند میں ان کو بدنام کردیا۔ خلافت ترکیہ نے عرب کے بیشتر حصہ پر اُن کی بڑھتی ہوئی بالادستی کو تشویشناک نظر سے دیکھا اور اپنے متصل ترکی صوبہ جات بغداد و بصرہ کے لئے ایک سیاسی خطرہ تصور کیا۔ ۱۸۰۳ء میں ایک ایرانی شیعہ نے عبدالعزیز کو قتل کردیا۔ اُس کا بیٹا سعود بن عبدالعزیز اس کا جانشیں ہوا ۱۸۰۶ء میں ایک بار پھر اُس نے مکہ اور مدینہ پر قبضہ کرلیا جو پہلے ترک حکام نے اس کے قبضے سے نکال لیا تھا۔ سعود نے حجاز میں اپنی طاقت مستحکم کرکے اپنے دائرہ اثر کو شام، عراق اور خلیج فارس کے علاقوں تک وسعت دینے کی کوشش شروع کردی

عثمانی خلیفہ کی مخالفت: اس وقت تک ترک حکام عرب طاقت کے اس احیا کے سیاسی خطرے سے پوری طرح متنبہ ہوچکے تھے۔ عثمانی شہنشاہ نظری طور پر ملت مسلمہ کا دینی سردار اور خلیفہ اور بلاد مقدسہ مکہ مدینہ کا محافظ و فرماں روا تھا۔ ان کا نکل کر وہابیوں کے قبضے میں چلا جانا خلیفہ کے دینی و دنیوی اقتدار پر ایک ضرب تھی۔ ہندوستان میں انگریز حکام کے نزدیک بھی خلیج فارس میں وہابی اقتدار ایک شدید سیاسی خطرہ تھا۔ چنانچہ ۱۸۰۹ء میں حکومت بمبئی کپتان وین رائٹ اور کرنل (بعد میں جرنیل) سرلیونل اسمتھ کے ماتحت ایک بیڑا بھیجا جنھوں نے امام مسقط سے ملکر کارروائی کی اور وہابیوں کو شکست دی۔ ترکوں نے وہابیوں کی سرکوبی کے لئے مصر کے محمد علی پاشا سے بھی مدد لی۔ یہ ترکوں کی ایک باریک دو رُخی چال تھی۔ کیونکہ وہابیوں کو شکست دینے میں خود پاشا کی طاقت کے گھٹ جانے کا احتمال تھا۔

وہابیوں کی سیاسی طاقت کا خاتمہ: محمد علی پاشا نے ۱۸۰۹ء میں اپنی تیاریاں شروع کردیں۔ حجاز کو اصلی مہم محمد علی کے بیٹے ابراہیم پاشا کے زیر کمان بھیجی گئی جو ۱۸۱۶ء میں سوئیز سے روانہ ہوا۔ اس اثنا میں ۱۸۱۴ء سعود کا بیٹا عبداللہ باپ

Marfat.com

کا جانشین ہوا۔ ۱۸۱۸ء میں اس نے ابراہیم پاشا سے شکست کھائی، گرفتار ہوا اور قسطنطنیہ بھیج دیا گیا جہاں سخت عذاب دینے کے بعد قتل کر دیا گیا، وہابی دارالحکومت لوٹ لیا گیا اور آگ لگادی گئی[۱] حکومت ہند نے اس موقع پر ابراہیم پاشا کو مبارکباد دینے کے لئے ایک خاص قاصد بھیجا۔ تاہم حکومت برطانیہ کو اُس علاقہ میں جہاں مصریوں نے وہابیوں کو برقرار کر دیا تھا، مصریوں کے منصوبوں سے خدشہ پیدا ہو گیا اور کپتان جی ایف سیڈلر کو فوراً بذریعہ DARIA جانے اور عرب کے نئے حکمرانوں سے اُن کے منصوبوں پر گفتگو کرنے کے لئے تعینات کیا تاکہ ان کو خلیج فارس کے سواحل پر قدم جمانے کے کسی نئے عزم سے باز رکھا جائے[۲]

اس طرح وہابیوں کی سیاسی طاقت تو ٹوٹ گئی مگر جن اخلاقی اور سماجی اصلاحات کی انھوں نے بنا ڈالی تھی وہ زندہ و پائندہ رہ گئی۔ یہاں ان کی تفصیل سے ہمیں بحث نہیں۔

ہندوستانی اور عربی وہابیت کا موازنہ: رہا ہندوستانی وہابیت پر عربی وہابیت کے اثرات کا سوال۔ تو اس کی کوئی دستاویزی دلیل یا موثق ثبوت نہیں حضرت سید احمدؒ کی ابتدائی زندگی اُس زمانہ میں گذری جب کہ عرب وہابیوں کی جدوجہد نجد تک محدود تھی۔ یہ لوگ عالمگیر روشنی میں بہت بعد میں نمایاں ہوئے۔ سید احمدؒ کے سفر مکہ کو اکثر وہی موقع بتایا جاتا ہے جبکہ عربی اثر سے ان کا سابقہ ہوا اور متاثر ہوئے۔ اس سلسلہ میں ہنٹر کا قول اوپر نقل ہو چکا۔ لیکن اس امر سے قطع نظر کہ وہ بیان کو کسی دلیل سے ثابت نہ کر سکا، اس کے خلاف سید احمدؒ کے دوران قیام مکہ میں عرب کے بعض علماء میں ان کی کیا عزت اور احترام تھا، مثبت دلیل موجود ہے[۳] مولوی عبدالحی نے وہاں کے بہت سے مقامی علما کی درخواست پر صراط مستقیم کا

---

[۱] فلبی مذکورالصدر صفحہ ۱۰۲-۱۰۳ [۲] ایضاً صفحہ ۱۰۳

[۳] غلام رسول مہر صفحہ ۲۳۲۔ سیرہ سید احمد شہید صفحہ ۲۶۶-۲۶۷

عربی میں ترجمہ کیا اور اس کے نسخے تقسیم کئے گئے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ سید احمدؒ کے سفرحج کے زمانے میں بلاد مقدسہ ترکوں کے قبضے میں تھا۔ تمام نجدی وہابی شبہہ کی نظر سے دیکھے جاتے اور ان کی موجودگی گوارا نہ کی جاتی تھی۔ اس لئے ان سے ملنے جلنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ سید احمدؒ مروجہ سماجی دینی صورت حال کا مقابلہ کرنے اور غیر ملکیوں سے جہاد کرنے کی ضرورت کا احساس سفرحج سے پہلے کر چکے تھے۔ صراط مستقیم اس مسئلہ پر واضح دلیل ہے۔

نقطۂ مماثلت: حقیقت یہ ہے کہ چونکہ دونوں تحریکوں کا مخرج و مبدا ایک ہی ہے قرآن و حدیث، دلوں کے درمیان کچھ مماثلتیں ضرور ہیں۔ ان دونوں تحریکوں کے ظہور کے وقت دونوں ملکوں میں ایک قسم کے حالات و کوائف درپیش تھے اور دونوں اسلام کے اصل اصول کو دوبارہ رائج و شائع کرنے کی ضرورت پر مصر تھے جن میں بنیادی چیز توحید اور ترکِ بدعات پر زور دینا تھا۔ محمد بن عبدالوہاب کی التوحید اور شاہ اسمٰعیل کی تقویۃ الایمان ان بنیادی امور پر زور دینے میں متفق الخیال ہیں۔

نقطۂ اختلاف: مگر ساتھ ہی ان دونوں کے درمیان کچھ اہم نقاطِ اختلاف بھی موجود ہیں۔ ان میں سے ایک نمایاں طور پر ہندوستانی تحریک کا سیاسی پہلو ہے[۱] جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ملک کی سیاسی آزادی کے لئے جدوجہد پر زیادہ زور تھا۔ عرب میں دوسری صورت حال کی بنا پر یہ پہلو موجود نہ تھا۔ عرب میں سیاسی اقتدار ختم نہیں ہوا تھا اس لئے عرب کے وہابی زیادہ تر سماجی و مذہبی اصلاحات کے علم بردار تھے۔ ہندوستانی وہابیت کا دوسرا طرۂ امتیاز ایک مرحلہ پر مہدوی تحریک سے اس کا اتفاق تھا۔ مہدی موعود کے ظہور کے عقیدے پر ہندوستانی وہابیوں نے کثیر لٹریچر فراہم کر لیا تھا اسی کے بعد سید احمد نے رحلت کی۔ مہدوی تحریکات سے یہ اتفاق و تماثل عرب میں کبھی رونما نہ ہوا۔

---

[۱] آئندہ ابواب میں اس نقطہ پر زیادہ وضاحت سے روشنی ڈالی گئی ہے

Marfat.com

لہذا ظاہر ہے کہ دونوں تحریکوں میں ظاہری تشابہ ایک مشترک ماخذِ استفاضہ اور یکساں حالات وکوائف کی موجودگی کا نتیجہ تھا نہ کہ ایک دوسرے کے تتبع و تقلید کا۔

Marfat.com

باب ۲

سید احمدؒ بریلوی کی زندگی اور کارنامے

(۱) ابتدائی زندگی اور تبلیغی کام

سید احمدؒ بریلی کے سکونت گزیں ایک معزز و معروف مقدس خاندان کے فرد تھے۔ وہ سید محمد عرفان کے فرزند تھے اور صفر ۱۲۰۱ھ (نومبر ۱۷۸۶ء) کو پیدا ہوئے۔ سوانح نگاروں کے بیان کے مطابق وہ دراز قامت، گورے چٹے، اور قوی الجثہ تھے۔ بھنویں ملی ہوئی، پیشانی کشادہ، ڈاڑھی گھنی اور بشرہ بشاش تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی میں پائی۔ یہ خیال غلط ہے کہ انھوں نے متداول تعلیم زیادہ نہیں پائی۔ صراط مستقیم کے علاوہ جو انھیں کے افکار و اقوال پر مبنی ہے ہمیں ان کے لکھے ہوئے متعدد رسائل کا پتہ ہے۔ ان کے مکتوبات کا موجودہ مجموعہ جن میں سے کچھ ان کے املا کرائے ہوئے ہیں ان کے علم اور قدرتِ زبان کا واضح ثبوت ہیں۔

سید احمدؒ کے والد کا انتقال ۱۸۰۰ء کے لگ بھگ ہوا۔ اس کے فوراً بعد وہ روزگار کی تلاش میں لکھنؤ گئے، وہاں سے دلی چلے گئے۔ جہاں شاہ ولی اللہ کے فرزند اور جانشین شاہ عبدالعزیز سے ملے اور ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۶ء) کے قریب ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ وہابی تحریک کی بعض ممتاز خصوصیات اس زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

مخزن کی کے مولف سید احمد کی ابتدائی زندگی کے متعدد واقعات بیان کرتے

Marfat.com

جن سے بعض مروجہ رسوم وعادات مثلاً اولیاء پرستی، ان کے مزارات پر مراد طلبی اور پیروں کی غیر معتدل تعظیم وتکریم وغیرہ سے ان کا اکراہ اور اختلاف ظاہر ہوتا ہے۔ وہ ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ء) کے شروع میں دہلی سے بریلی لوٹے اور وہاں دو برس مقیم رہے۔ اسی زمانہ میں ان کی شادی ہوگئی اور ایک لڑکی مسماۃ سارہ پیدا ہوئی۔ مختصر پیمانے پر وعظ وتبلیغ بھی شروع کردی۔

فوج میں ملازمت: بریلی کے دو سال کے قیام میں سید احمدؒ نے زیادہ وقت اپنے مشن اور اس کی کامیابی کے طریقوں پر غور وفکر میں صرف کیا۔ شروع ہی سے غیر ملکوں کے اجنبی لوگوں کو شکست دینے اور مسلمانوں میں پھیلی ہوئی بدعات کی غلاظتوں کو صاف کرنے کیلئے ایک نظام کے قیام کی (جو فوجی ہو تو مرجح ہے) کی ضرورت محسوس کی[۵]۔ یہ احساس ہی ان کو ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ء) میں دوبارہ دہلی لے گیا اور اسی نے پھر کچھ ہی بعد ٹونک میں نواب امیر خاں کی فوج میں شامل ہونے پر آمادہ کیا۔

سید احمدؒ کے بڑے بھائی سید ابراہیم پہلے سے نواب کی فوج میں تھے۔ سید احمدؒ کی پرہیزگاری اور علم وفضل کی بنا پر ان کو (فوج میں) پیش امام کے عہدے پر تعینات کیا گیا۔ اس عہدے نے ضمناً ان کو یہ موقع بھی دیا کہ اپنے اخلاقی اثر سے کام لیں، فوجیوں تک اپنی تعلیمات پھیلائیں اور اس طرح ان کے اعمال وکردار میں ایک انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ مولف مخزن نے اس زمانہ میں اُن کی زندگی کے بہت سے واقعات اور سپاہیوں کی زندگی اور اعمال پر ان کی تاثیرات کا ذکر کیا ہے۔ اس زمانہ میں کئی فوجی آویزشوں کے دوران ان کے محاربات کی بسم اللہ ہوئی۔

فوج میں شمولیت کا مقصد: امیر خاں کی فوج میں ان کی شمولیت کی ان کے بعض معترضین نے غلط تعبیر کی اور نامنصفانہ رائے زنی کی ہے۔ امیر خاں کی فوج

---

[۵] مکتوب سید احمد۔ از مخطوطات پٹنہ یونیورسٹی صفحہ ۱۰۲-۱۰۳

Marfat.com

میں ان کے داخل ہونے کو ان کی مالی منفعت کی غرض پر محمول کیا اور الزام لگایا ہے مگر یہ بہر حال یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے مشن کے لئے ایک فوجی نظام کی ضرورت کا فیصلہ کر چکے تھے۔ وہ امیر خاں کی فوج میں اس لئے شریک ہوئے تھے کہ یوں یہ نظام ایک مسلح اور تربیت یافتہ تنظیم بن سکتا تھا، اور اگر ان کے طرز فکر کے مطابق اس کا آغاز ہوتا تو یہ معمولی جھڑپوں اور خاص اپنی فوج کے قیام سے بہت بہتر تھا۔ اس طرز عمل کی تصدیق اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ انھوں نے امیر خاں کے انگریزوں سے مجوزہ اتحاد و ائتلاف سے اختلاف کیا اور آخرکار انگریزوں سے ان کے ائتلاف کے بعد کنارہ کش ہو گئے۔ اگر سید احمدؒ کی نیت صرف مالی منفعت ہوتی تو وہ امیر خاں کی نوکری سے علیحدہ نہ ہوتے۔ انگریزوں کا حلیف ہو جانے کے بعد امیر خاں سے سید احمدؒ کی امید منقطع ہوگئی اور وہ پھر دلی لوٹ گئے۔ وہاں کے قیام میں انھوں نے تبلیغ اور بیعت لینا شروع کر دی۔

شاہ اسمٰعیل و عبدالحی کی بیعت:

اُس زمانے کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز کے داماد شاہ عبدالحی اور بھتیجے شاہ اسمٰعیل نے سید احمدؒ سے بیعت کی۔ سید احمد کے بعد یہ دونوں بزرگ اس تحریک کے نہایت اہم سربراہ تھے۔ دونوں بڑے پائے کے علماء تھے اور اُس زمانے کے سب سے بڑے صاحب ارشاد و تقویٰ خاندان سے متعلق تھے۔ ان کے شمول نے تحریک کی وقعت کو بہت بلند کر دیا اور اس کی بعد کی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا۔ سید احمدؒ کے ساتھ ان کی عدیم المثال محبت و رفاقت اور ان کے ساتھ روز افزوں وفاداری اور تحریک میں جد و جہد ان کے مرتے دم تک جاری رہی۔ ان کے سوانح حیات علیحدہ و مفصل تذکرہ کے متقاضی ہیں۔[1] شاہ اسمٰعیل معروف بہ شہید نے ۱۸۳۱ء میں جنگ بالاکوٹ

---

[1] تنہا تالیف جو شاہ اسمٰعیل کی زندگی کا تفصیلی بیان دیتی ہے وہ مرزا حیرت دہلوی کی حیات طیبہ ہے مگر یہ زیادہ معتبر نہیں۔

Marfat.com

میں سید احمد کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ شاہ عبدالحی ان سے پہلے ۱۸۲۸ء میں وفات پا چکے تھے۔ یہ دونوں مشہور صراط مستقیم کے مشترک مؤلف تھے۔ شاہ اسمٰعیل بڑے کثیر التصنیف تھے، اور ان کے رسائل اور مکتوبات تحریک کے اغراض و مقاصد کی بہت واضح اور زور دار ترجمانی کرتے ہیں۔ تحریک کی مدافعت میں وہ قلم کے ویسے ہی مرد میدان تھے جیسے مصافِ جنگ میں تلوار کے سورما۔ جنگ شنکھیاری میں جہاں انہوں نے صرف ایک درجن فاقہ زدہ مجاہدوں کے ساتھ ایک بہت بڑی سکھ فوج کا مقابلہ کیا اور بے مثال شجاعت کے کارنامے دکھلائے، اس کی ایک دلیل ہے۔ شاہ اسمٰعیل مذہبی عقائد میں انتہا پسندی کا رجحان رکھتے اور ایک غیر مقلد تھے۔ شاہ عبدالحی نسبتاً اعتدال پسند اور مقلد تھے یہ دونوں ایک دلچسپ تقابلی مطالعہ کے موضوع تھے۔ ایک جوشیلا زبردست دوسرا خاموش سادہ مزاج۔

تبلیغی دورے: دہلی میں مختصر قیام کے بعد سید احمد نے اپنے مرشد شاہ عبدالعزیز سے اجازت طلب کی کہ باہر کے لوگوں کی درخواست کی تعمیل میں جو بیعت کے خواہاں تھے مگر دلّی نہ آسکتے تھے سفر کو نکلیں۔ ان کی سیاحت زیادہ تر گنگا اور جمنا کے درمیان دوآبہ کے علاقہ اور سہارنپور، شاہجہاں پور، پھلیت، رامپور مکھتیشور اور بہت سے دوسرے مقامات پر مشتمل تھی۔ یہ سفر جو دراصل ایک تبلیغی دورہ تھا۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ ان کے ہاتھ پر ایک انبوہ کثیر نے بیعت کی اور ان کے متبعین میں ایک عظیم الشان اضافہ ہوا۔

سید احمدؒ اپنا سفر تمام کر کے دہلی واپس آئے، اور اس کے فوراً بعد اپنے وطن بریلی چلے گئے اور سفر حج کو روانگی تک وہیں مقیم رہے۔ وہاں ان کے ساتھ ان کے خاص رفقاء جیسے شاہ اسمٰعیل، عبدالحی اور یوسف پھولتی بھی تھے۔ بعد کے چند سالوں میں شمالی ہند کے بعض شہروں کی ویسی ہی سیاحت کی۔ ایسے ہی مختصر دورے میں ریاست اودھ کے وزیر نصیر الدولہ کی دعوت پر وہ لکھنؤ بھی گئے۔ عظیم آباد پٹنہ کے ولایت علی اُس زمانے میں اشرف علی کے زیر

Marfat.com

نگرانی لکھنؤ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ دونوں صاحب بیعت کے ارادے سے نہیں بلکہ زیادہ تر استعجاباً و امتحاناً سید احمدؒ سے ملے۔ مگر وہ ان کی شخصیت سے پہلے ایسے متاثر ہوئے کہ اسی وقت وہیں ان سے بیعت کرلی۔ ولایت علی کا یہ فعل بعد میں عظیم آباد پٹنہ کے خاندان صادقپور کی بیعتوں کا پیش خیمہ تھا۔ اور آگے چلکر تحریک کی تاریخ پر اتنا دور رس اثر ڈالا۔

بیوگان کا عقد ثانی: اس زمانے میں سید احمد نے مسلمانوں میں بیوگان کے نکاح ثانی کی مروجہ سماجی پابندی سے لاپروائی برت کر ذاتی مثال قائم کی۔ کچھ دن ہوئے تھے۔ ان کے بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا تھا۔ انھوں نے انکی بیوہ سے نکاح کرلیا۔ ہندوستانی مسلمانوں کے اعلیٰ طبقوں میں یہ پہلا فعل تھا اور یہ ان کی جرأت ایمانی کا نتیجہ تھا۔ بعد میں سید احمد کی اس مثال کی خاندان صادقپور کے ارکان نے پیروی کی اور گرمجوشی سے رائج کردیا۔ وہ بہار میں اس سماجی اصلاح کے سرگرم حامی رہے۔ اس زمانہ کی کارگذاریوں میں ایک اور مہتم بالشان کارنامہ صراط مستقیم کی تالیف تھا۔ جو اس تحریک کا سماجی و دینی منشور کہا جاسکتا ہے۔ اس تالیف سے سید احمد کے خیالات منظم نظریوں میں صاف نمایاں ہوگئے۔

سید احمدؒ کے تبلیغی سفر بظاہر دوسرے پیروں کے مروجہ سفر دن کے مانند تھے جن میں بیعتیں لی جاتیں اور مذہبی اذکار ہوتے۔ مگر ان کے سفروں کی نوعیت اور تھی۔ ان سے ان کو عوام الناس سے میل جول کا موقع ملتا تھا۔ اور اُن برائیوں کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملتا تھا جن میں مسلم معاشرہ مبتلا تھا۔ یہ چند سال خاموش مگر ٹھوس منظم تبلیغی کام کے تھے۔ متبعین کے ایک منتخب گروہ کو آنے والی کشمکش کے لئے فوجی تربیت بھی دی جاتی تھی۔

اسی موقع پر سید احمدؒ نے سفر حج میں نکلنے کا عزم کیا۔ یہ فیصلہ کچھ غیر متوقع تھا، کیونکہ وہ دوسرے سفر کے لئے کافی تیاریاں کرچکے تھے، اور وہ تھا ہندوستان کے برطانوی علاقے سے ہجرت[1] اس عزم کا ایک سبب شاید یہ تھا

---

[1] غلام رسول مہر جلد ا صفحہ ۱۸

Marfat.com

کہ اُس زمانے میں دین سے سرتابی کے جو واقعات رونما ہو رہے تھے ان میں سے سفرِ حج کی راہ میں ڈاکہ زنوں کے ہاتھوں جان کے خطرے سے تنسیخِ حج کا فتویٰ تھا۔ سید احمدؒ شاید چاہتے تھے کہ جیسے انھوں نے بیوگان کے نکاحِ ثانی کے لئے کیا تھا اسی طرح اس بدعت کو توڑنے کے لئے بھی ذاتی مثال قائم کریں۔

سید احمدؒ کا سفرِ حج: انہوں نے مجوزہ قافلہ میں شرکت کے لئے تمام ملک سے رضا کار طلب کئے۔ ان رضا کاروں کو بریلی میں جمع ہونا اور وہاں سے کشتیوں پر گنگا ندی سے کلکتہ جانا قرار پایا تھا۔ پورا گروہ چار سو افراد پر مشتمل تھا جو چھوٹے چھوٹے دستوں میں منقسم تھا۔ قافلہ آہستہ آہستہ گنگا سے سفر کرتا ہوا، اس کے ساحلوں پر اہم شہروں میں ٹھہرتا ہوا جہاں لوگوں کا بڑھتا ہوا ہجوم بیعت کے لئے جمع ہو جاتا، آگے بڑھتا گیا۔ راستے میں بہت سے عازمینِ حج آملے۔

یہ سفر شوال ۱۲۳۶ھ (۳۰ جولائی ۱۸۲۱ء) کی آخری تاریخ میں بریلی سے شروع ہوا[۵۱]۔ افسوس ہے کہ ہمیں سید احمدؒ کے راہ میں مختلف مقامات میں قیام کی تاریخوں اور وقت کا علم نہیں۔ صرف بعض اہم مقامات مثلاً بنارس پٹنہ اور کلکتہ کی اقامتوں کی تاریخیں معلوم ہیں۔

چنانچہ ہمیں اتنا معلوم ہے کہ بریلی سے روانگی اور بعض معمولی اقامتوں کے بعد قافلہ بنارس پہنچا (۹۔۱۱ ستمبر ۱۸۲۱ء کے لگ بھگ ۱۰۔۱۲ ۱۲۳۶ھ کو) بقر عید کا تہوار منایا گیا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ بھری برسات تھی اس لئے وہ پورے ایک مہینہ ٹھہر گئے۔ بنارس سے روانہ ہو کر وہ اسی روز زمانیہ پہنچے، وہاں ایک رات ٹھہر کر غازی پور پہنچے جہاں کئی روز رہے۔ اسی جگہ سے وہ بہار میں داخل ہوئے۔

سید احمدؒ کی کلکتہ کی دوبارہ آمد و رفت میں بہار سے گذرنے کے دوران کے

---

۵۱ ایضاً صفحہ ۱۷۹۔ ۱۸۰

Marfat.com

واقعات کسی قدر شرح و بسط سے بیان کئے گئے ہیں، اولاً اس لئے کہ تحریک کی تاریخِ مابعد میں ان کی بڑی اہمیت ہے، ثانیاً اس لئے کہ سید احمدؒ کے مستند سوانح نگاروں نے ان میں سے بعض واقعات کے متعلق متضاد بیانات کے استقصا کی کوشش کی ہے۔

خاندان صادقپور کی شمولیتِ تحریک: اسی سفر اور اسی زمانے میں پٹنہ کے مشہور خاندان صادقپور کی بیعت ہوئی، یہ وہ خاندان ہے جس کی جدوجہد سید احمدؒ کی شہادت کے بعد اس تحریک کی تاریخ پر حاوی و غالب ہے اور جس نے اپنی بے مثال تبلیغی جوش سے اس تحریک کو بنگال بہار اور دکن تک پھیلا دیا۔ اور یہ پٹنہ عظیم آباد ہی تھا جہاں سب سے پہلے آیندہ کش مکش اور آویزشوں کے لئے مجاہدوں کو بھرتی کرنے اور سرمایہ جمع کرنے کی غرض سے مستقل تنظیم کی داغ بیل ڈالی گئی۔ پٹنہ کے ورود سے پہلے سید احمدؒ نے گنگا کے دوآبہ کے علاقے میں کئی تبلیغی سفر کئے تھے اور بہت سے لوگوں نے ان سے بیعت کی تھی لیکن اس وقت تک سید احمدؒ کی طرف سے کام آگے بڑھانے کے لئے کسی شخص کو باقاعدہ نائب یا خلیفہ مقرر کرنے کے متعلق کوئی واقعہ کسی تحریر میں مذکور نہیں۔ یہ واقعہ اوّل اوّل پٹنہ ہی میں ظہور پذیر ہوا جہاں ایک سند کے ذریعے سے محمد حسین خلیفہ یا نائب مقرر کئے گئے۔ یہ سند اس قسم کی تنہا دستاویز ہے جو موجود ہے، جس نے خاص طور پر ان کو مجاز و مختار کیا کہ نئے آدمی بھرتی کریں اور اس تحریک کو عام طور پر بہار میں منظم کریں۔ اس تحریک کی تاریخ کے ایک باریک بیں مبصر نے ایک معنی خیز تبصرہ کیا ہے "سید احمدؒ سے لوٹ کر پٹنہ میں سید محمد حسین اور مشتاقان جہاد کی ایک بڑی جماعت سے ملے۔ ان کے نائبین یا خلفا کی ایک عام مجلس منعقد ہوئی اور ایک عرصہ سے سوچی ہوئی مہم (سرحد میں جنگ)

Marfat.com

میں مدافعت واعانت میں آدمی اور روپے کی ترسیل کا ایک منتقل انتظام کیا گیا[۱] اس تحریک کے ایک اور تذکرہ نگار[۲] نے بھی سید احمدؒ کے سفر پٹنہ کے دوران میں ان کے انتظامی کام کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "سید احمدؒ پٹنہ میں ایک مرکزی تنظیم قائم کر کے گنگا کے کنارے کنارے چلکر کلکتہ پہنچے۔ اس طرح یہ امر واضح ہے کہ سرحد پر عملاً جنگ چھڑنے سے بہت پہلے خود سید احمدؒ نے پٹنہ کو تحریک کا پہلا منظم مرکز منتخب کر کے غیر معمولی امتیاز دے رکھا تھا۔ بعد کے چند سالوں میں پٹنہ کے وہابیوں نے اس اعتماد کی توثیق کردی جو سید احمدؒ کو اُن پر تھا۔ اور انھوں نے تحریک کی تاریخ میں زبردست حصہ لیا۔"

ولایت علی کی بیعت: خاندان صادقپور کے ایک رکن ولایت علی سید احمدؒ کے قیام لکھنو ہی کے زمانے میں ان سے بیعت کر چکے تھے۔ انھوں نے بیعت پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس نے ان کے طرز زندگی کو بالکل بدلکر رکھ دیا۔ وہ ایک کھاتے پیتے خاندان کے فرد اور اعلیٰ معیار معاشرت کے پروردہ تھے۔ مگر اس بیعت کے بعد وہ سید احمدؒ کے ساتھ بریلی جارہے جہاں وہ ایک ادنیٰ اور معمولی رضاکار کی حیثیت سے کام کرتے تھے[۳] خاندان کا ایک پرانا ملازم پٹنہ سے ان کی خیریت دریافت کرنے کے لئے بھیجا گیا، اپنے آقا کو ایک کچے مکان کی تعمیر میں مزدور کی طرح مصروف دیکھکر پہچان نہ سکا اور حیرت زدہ رہ گیا۔

مظہر علی کی بیعت! ایک اور معزز شخص جو سید احمدؒ کے دورۂ پٹنہ سے پہلے سے ان کے شناسا تھے شہر پٹنہ کے مظہر علی تھے۔ انکے قیام پٹنہ کے دوران میں سید احمدؒ ان کے گھر گئے جہاں ان کے اور افراد خاندان نے بیعت حاصل کی

---

۱ کلکتہ ریویو جلد ۵۱ ۱۸۷۰ء صفحہ ۸۲-۸۳ ۲ جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی۔ جلد ۱۴ ۱۸۸۰ صفحہ صفحہ ۳۵۳ ۳ غلام رسول مہر جلد ۱ صفحہ ۱۶۹-۱۷۰ و تذکرہ صادقہ صفحہ ۱۱۱-۱۱۲

Marfat.com

وہ بھی سید احمدؒ کے ایک نائب مقرر ہوئے۔ بیعت کے ان دو مخصوص واقعات کے سوا سید احمدؒ کا پیام اب تک بنگال اور بہار کے کسی اور حصے تک نہیں پہنچا تھا اور شمالی ہند کے بیشتر کے سفروں میں یہ حصے شامل نہ تھے۔

مذہبی مذاکرے: سید احمدؒ کا اپنے دوروں میں بہار سے گذرنے اور وہاں قیام کرنے میں ایک ہی قسم کے حالات پیش آئے۔ مختلف مقامات میں مقامی لوگ ایک کثیر تعداد میں حاضر خدمت ہوئے اور بیعت سے مشرف ہوئے بعض مقامات پر مذہبی مذاکرے اور خطبے قائم ہوئے۔ بعض جوشیلے اور وفا شعار، مقامی اور ذی اثر اصحاب منتخب ہوے اور خلیفہ مقرر کئے گئے جنھیں سید احمدؒ کی طرف سے بیعت لینے کا مجاز بنایا گیا، قافلہ آگے بڑھتا رہا اور یہ مقامی مرید نئے پیغامات پھیلاتے پھرے اور نئے نئے ممبر بناتے رہے۔

معتقدین میں اضافہ: اُس وقت کے حالات میں سید احمدؒ کے سامنے یہی ایک راستہ تھا۔ وہ کسی ایک جگہ زیادہ عرصہ تک ٹھہر نہ سکتے تھے اس لئے وہ اپنا پیغام عوام الناس کے وسیع ترحلقوں میں جو ان کے دورے کی راہ سے دور واقع تھے، یہ کام مقامی خلیفوں کے سپرد کر دیا گیا تھا جو کافی احتیاط اور توجہ سے منتخب کئے جاتے تھے۔ یہ امر تحریک کو پھیلانے اور معتقدوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو ہمخیال بنانے میں مقامی خلیفوں کی بے خطا اور کامیاب کوششوں سے عیاں ہے۔ یہ گویا گنگا کی تمام وادی میں بیج بوئے گئے تھے جو چند سالوں میں ایسے حیرتناک طور سے پنپنے والے تھے۔

بکسر میں قیام: بہار کے اندر سید احمدؒ کی جماعت کا پہلا پڑاو بکسر میں ہوا جہاں مقامی قاضی نے کچھ دن قیام کرنے کی درخواست کی۔ آس پاس کے گاؤں خصوصاً چوسا بڑا سے لوگ کثیر تعداد میں آئے اور بیعت کی۔ بعد میں یہ مقام تحریک کا ایک اہم مرکز بن گیا۔ ایک رات بکسر میں ٹھہر کر وہ چھپرہ چلے گئے۔ وہاں بھی مختصر قیام رہا۔ دوسرا پڑاو دانا پور میں ہوا

Marfat.com

جہاں بہت سے مقامی لوگ اور ایسے لوگ بھی جو چھاونی کے علاقے میں ملازم تھے ان کے ورود کے منتظر تھے۔ ان کی ایک ٹولی سید احمدؒ کے استقبال اور دانا پور تک لانے کے لئے بنارس جا پہنچی تھی۔ یہاں وہ نسبتہً زیادہ عرصہ تک، ایک ہفتہ، ٹھہر گئے۔ دو معزز مقامی اشخاص شیخ علی جان اور محمد صدرالدین نے اپنے خاندان کے ساتھ بیعت کی۔ مولانا اسمعیل و عبدالحی نے کئی خطبے دیئے جن کی تاثیر سے بہت لوگوں نے راہ ہدایت اختیار کی۔

پھلواری شریف میں مذہبی مباحثہ: اسی دانا پور کے قیام کے دوران میں سید احمدؒ نزدیک کی ایک مشہور خانقاہ پھلواری شریف میں تشریف لے گئے۔ اس وقت اس کے سجادہ نشین شاہ نعمتہ اللہ تھے۔ پہلے شاہ اسمعیل اور بعض دوسرے اصحاب ملنے گئے۔ ان کے بعد سید احمد، عبدالحی، عبدالحق اور کچھ دوسرے اصحاب پہنچے۔ شاہ ابوالحسن فرد خلف رشید و جانشین نعمتہ اللہ نے ان کی پر تکلف ضیافت کی۔ دوسرے دن عبدالحی شاہ اسمعیل کے ہمراہ پھر خانقاہ آئے اور مذہبی مباحثہ منعقد ہوا۔ سید احمد اور شاہ اسمعیل علمائے پھلواری شریف کے علم و دانش سے متاثر ہوئے اور اس خانقاہ کو اکثر مروجہ بدعات سے پاک پایا۔

پھلواری شریف کے اس ورود کی تاریخ میں کچھ اختلاف آرا ہے۔ سیرۃ سید احمدؒ شہید کے مؤلف اس ملاقات کو حج سے مراجعت کے دوران میں بتاتے ہیں۔ غلام رسول مہر کا بھی کہنا ہے کہ انھیں سید احمدؒ کے پھلواری شریف جانے کی کوئی شہادت نہیں ملی ہے سوائے ان کی مراجعت حج کے دوران کے۔ مگر وہ سید احمد کے بیرونی سفر سے متعلق کچھ خاندان کے کاغذات اور روایات کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ آخرالذکر بیان صحیح معلوم ہوتا ہے۔ سید احمدؒ کی ملاقات سے متعلق اصلی کاغذات اور اس موقع پر جو مذہبی مذاکرے ہوئے وہ خانقاہ کے کتب خانے میں محفوظ ہیں اور دیوا

Marfat.com

ابوالحسن فرد کے مرتب نے ان سے کام لیا تھا۔ اس دیوان کے تتمہ میں فرد کے سوانح حیات درج ہیں اور سید احمدؒ کے ورود پھلواری کے واقعات کے ساتھ عبدالحق کا نام بھی مذکور ہے جو سید احمد کے ہمرکاب تھے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ عبدالحق مدینہ سے یمن چلے گئے اور سید احمدؒ کے ساتھ نہیں لوٹے، اس لئے بظاہر یہ ورود سفر میں جاتے ہوئے ہوا[۵۱] (نہ کہ واپسی میں)۔

پھلواری کے بعد دوسرا پڑاؤ پٹنہ میں ہوا جہاں قافلہ دو ہفتے ٹھہرا وہ مدرسہ گھاٹ پر اترا جو شہر پٹنہ کے مشہور مدرسہ سیف خاں کے سامنے ہے۔ نذیر حسین محدث کے سوانح نگار[۵۲] انھیں سے روایت کرتے ہیں کہ قافلہ گول گھر کے قریب شہر کی مغربی سرحد پر اترا تھا اور اس کے قریب کے میدان (لان) میں نماز پڑھی گئی۔ اس جماعت میں ایک جم غفیر شریک نماز تھا جس میں نذیر حسین بھی شریک تھے۔ بہر حال اس مسئلہ پر مؤلف مخزن احمدی کی شہادت زیادہ معتبر ہے کیونکہ وہ خود اس قافلہ کا ایک فرد تھا اور اس کی کتاب اس واقعہ کے صرف بیس سال بعد تالیف ہوئی، حالانکہ دوسری کتاب اس کے بہت بعد تالیف ہوئی۔ اس کے علاوہ مدرسہ گھاٹ شہر کے مرکز میں واقع ہے اور گول گھر شہر کی اصلی حدود سے باہر مغربی حد پر ہے۔ شہر کی بیشتر آبادی مشرقی حصہ میں آباد تھی جسے اب پٹنہ سٹی کہتے ہیں۔ شہر کا مغربی اضافہ بہت بعد کی توسیع ہے۔ سید احمد زیادہ تر اسی مشرقی حصہ میں ٹھہرتے اور کام کرتے تھے۔ اس لئے یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ قافلہ مدرسہ گھاٹ پر اترا ہوگا جہاں شہر کے علاقے میں جانا مخالف سمت گول گھر سے جانے سے سہلتر اور قریب تر تھا۔ بہر حال یہ بالکل

---

[۵۱] غلام رسول مہر۔ جلد۔ صفحہ ۲۰۷۔ [۵۲] فضل حسین مولف حیات بعد الممات۔ آگرہ ۱۹۰۸ء ص ۲۵–۲۸

ممکن ہے کہ پٹنہ کے قیام کے دوران میں لاآن میں نماز باجماعت ہوئی ہو۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قافلہ گول گھر ہی میں کشتیوں سے اُترا ہو۔

پٹنہ میں سید احمدؒ کے پہلے ورود کے حالات میں جو ایک طرف سید احمدؒ کے دو معتبر تذکرہ نگاروں، اے ایچ ندوی اور غلام رسول مہر نے اور دوسری طرف جعفر تھانیسری اور عبدالرحیم نے بیان کئے ہیں نمایاں اختلاف ہے۔

خاص نقطۂ اختلاف یہ ہے ایا سید احمدؒ سے خاندان صادقپور کی بیعت اُن کے پہلے ورود میں ہوئی یا ان کے مکہ معظمہ سے واپس آنے کے بعد دوسرے ورود میں۔ اس نقطے پر سید احمدؒ کا معاصر اور معتبر تذکرہ نگار مولف مخزن خاموش ہے۔ ندوی اور مہر دونوں اس وقوع کو پہلے ورود میں بتاتے ہیں۔ مگر جعفر تھانیسوری اور عبدالرحیم کا بیان ہے کہ اگرچہ خاندان صادقپور کے دو معمر افراد شاہ محمد حسین اور فتح علی سید احمدؒ کے پہلے ورود میں ان سے ملے مگر ان کے مختصر قیام کی وجہ سے بیعت نہیں کی تھی یہ بعد واپسی سفر حج انجام پائی۔ ان دونوں مولفوں نے جو وجہ بتائی ہے وہ کچھ عجیب سی ہے، کیونکہ سید احمدؒ وہاں دو ہفتے قیام پذیر رہے اتنے عرصے میں آسانی سے بیعت ہوسکتی تھی۔ ایک ممکن تاویل خود ولایت علی کی اُس وقت پٹنہ میں غیر موجودگی ہوسکتی ہے۔ مولف تذکرہ صادقہ کے بیان کے مطابق ولایت علی اس سے پہلے سید احمدؒ کے عظیم مشن اور پٹنہ کو مجوزہ روانگی کے بارے میں اپنے خاندان کو لکھ چکے تھے اور ان سے بیعت کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر جب سید احمدؒ پہنچے تو ولایت علی پٹنہ میں نہ تھے[1]، شاید اسی لئے اس معاملہ کو بہت زیادہ

---

[1] ولایت علی کی سید احمدؒ کے قافلے اور اپنے گھر سے غیر حاضری بجائے خود ایک معمّہ ہے۔ تذکرہ صادقہ کے بیان کے مطابق لکھنؤ میں بیعت کرنے کے بعد وہ سید احمد کے ہمراہ بریلی جارہے ہیں۔ بہرحال وہ سید احمد کے اس قافلے میں موجود نہ تھے جو بریلی سے چلا تھا، نہ اس وقت پٹنہ ہی میں تھے۔ اس لئے قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ بریلی میں رہنے کے بعد وہ اپنی تعلیم کی تکمیل کے لئے لکھنؤ واپس چلے گئے جہاں سے وہ سید احمد سے ملاقات کے بعد یک بیک رخصت ہوگئے تھے۔

Marfat.com

اہمیت نہیں دی گئی۔ جب ولایت علی کو یہ معلوم ہوا تو ان کو بڑی مایوسی ہوئی۔ سید احمدؒ کی مراجعت کے وقت تک ولایت علی پٹنہ واپس آچکے تھے اور انھوں نے اور شاہ محمد حسین نے پٹنہ سے آگے بڑھکر مونگیر میں ان کا استقبال کیا اور اپنے صادقپور کے مکان میں ان کو ملنے آئے جہاں ان دونوں نے اور مولوی الٰہی بخش نے علیحدہ علیحدہ ان کی ضیافت کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید احمدؒ کے پہلے ورود کے وقت ولایت علی کی غیر موجودگی ہی اُس وقت بیعت کے عدم وقوع کا باعث ہوئی۔

اس کے علاوہ اس امر خاص میں عبدالرحیم کی شہادت زیادہ وقیع معلوم ہوتی ہے۔ وہ اسی خاندان کے فرد تھے اور اگرچہ وہ اس واقعہ کے سولہ سال بعد پیدا ہوئے تھے لیکن ان کے تعلقات ان اصحاب سے بہت قریب کے تھے جنھوں نے سید احمدؒ سے بیعت کی تھی۔ اپنے خاندان کے افراد کی جو اس تحریک کی تاریخ میں سربرآوردہ تھے تذکرہ نگاری میں ایسے مسئلہ پر غلطی نہیں کی ہوگی۔ اس کے علاوہ مہربانندوی نے اپنے دعوے کے ثبوت میں نہ کوئی خاص سبب بتایا ہے نہ ذریعۂ واقفیت کا اظہار کیا ہے۔

تبت کے کچھ مسلمانوں سے ملاقات: سید احمدؒ کے پٹنہ میں اقامت کے دوران ایک دلچسپ واقعہ یہ پیش آیا کہ تبت کے کچھ باشندوں کی ایک ٹولی سے ملاقات ہوئی جس میں چھ مرد اور تین عورتیں تھیں۔ یہ سب عازم سفر حج تھے مگر خرچ کے ختم ہو جانے سے پٹنہ میں رکے ہوئے تھے۔ سید احمدؒ نے ان کو سمجھا دیا کہ حج اُن پر واجب ہے جو اس کے سفر کی استطاعت رکھتے ہوں اور چونکہ ان کو مالی تنگی لاحق ہے وہ اپنے وطن واپس جائیں۔ انھوں نے ان کو یہ صلاح بھی دی کہ ان کی

Marfat.com

(سید احمدؒ کی) تعلیمات اپنے ملک میں شائع کریں۔ انھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کی مراجعت وطن کے لئے روپے دیئے گئے۔[۵۱] انھوں نے اُن کو تبت میں اپنے مشن کی تبلیغ کا مجاز بھی کیا۔

قصبہ باڑھ اور سورج گڑھ میں قیام: پٹنہ کے بعد دوسرا پڑاؤ قصبۂ باڑھ میں ہوا۔ آس پاس سے بہت لوگوں نے آکر بیعت کی، ان میں سے جن کے نام لئے گئے ہیں خواجہ مولا بخش، خواجہ افضل علی، واجد علی خاں۔ شیخ سوہن اور اکرم الحق تھے۔

سید احمدؒ باڑھ کے بعد سورج گڈھ (ضلع مونگیر) پہنچے جہاں سید اور پٹھان خاندان کے بہت سے افراد سکونت رکھتے تھے۔ دہاں بہت سے سربرآوردہ لوگوں نے بیعت کی۔ ان میں سے ایک عنایت حسین[۵۲] تھے جو بہت بعد کے زمانوں تک وہابی فنڈ میں چندہ دیتے رہے۔ آس پاس کے گاؤں اکبر نگر، اُدین اور ببلھو کے بہت سے لوگوں نے بیعت کی۔

راج محل میں قیام: سید احمدؒ سورج گڈھ سے مونگیر آئے اور وہاں ایک روز ٹھہرے۔ وہاں کے ایک معزز مختار زکی الدین نے بھی بیعت کی۔ پھر قافلہ بھاگلپور آیا[۵۳] اور وہاں سامان اور رسد کی خریداری کے لئے ایک روز ٹھہرا۔ بہار میں آخری پڑاؤ راج محل میں ہوا۔ ایک شخص محمدی انصاری جس

---

۵۱ مہر جلد ص ۲۰۹ - ۲۱۰ ۔ سیرۃ ص ۲۱۸ - ۲۱۹

۵۲ مخزن: بھاگلپور میں ملا شہباز کے مشہور مزار کے موجودہ سجادہ نشین کے ماموں صادق صاحب کی شہادت کے مطابق سید احمد کی جماعت براری گھاٹ پر ٹھہری رہی۔ صرف مولانا اسمٰعیل سجادہ نشین سے ملنے خانقاہ آئے کہ اپنے مشن کی تبلیغ کریں۔ مگر شاہ صاحب راضی نہ ہوئے اور قافلہ آگے بڑھ گیا۔ خانقاہ کے کاغذات میں ذکر موجود ہے۔

۵۳ ان کشتیوں میں دوسرے مسافر بھی تھے۔ ـــ آئندہ صفحہ کا فوٹ نوٹ ملاحظہ ہو

Marfat.com

نے پہلے میرٹھ میں بیعت کی تھی سید احمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے گاؤں جانے کے لئے آمادہ کیا جو راج محل سے کچھ فاصلے پر تھا۔ وہاں اسکے تمام افراد خاندان نے بیعت کی۔ ان میں سربرآوردہ منشی شاہ محمد منشی رؤف الدین مخدوم بخش، حسن علی، فضل الرحمٰن اور عزیز الرحمٰن تھے۔ شاہ محمد سفر حج میں سید احمد کے ساتھ ہوگئے۔

کلکتہ میں قیام و روانگی: سید احمدؒ راج محل سے چلکر (صفر ۱۲۳۷ھ مطابق ستمبر ۱۸۲۱ء کو) مرشد آباد اور کٹوا (ضلع بردوان) میں مختصر قیام کرتے ہوئے کلکتہ پہنچے کلکتہ میں ان کا قیام سب سے طویل تھا، تین ماہ سے زیادہ۔ وہاں بھی مضافاتی گاؤں اور دور دراز مقامات جیسے سلہٹ اور چاٹگام سے لوگ بیعت کے لئے حاضر ہوئے۔

کلکتہ سے روانگی کے وقت قافلہ ۷۵۰ افراد تک پہنچ چکا تھا۔ یہ دس ٹولیوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ہر ایک ٹولی ایک ایک سردار کے ماتحت کر دی گئی تھی۔ متفرق ٹولیاں علیحدہ علیحدہ کشتیوں پر سوار ہوئیں۔ پوری جماعت گیارہ کشتیوں میں پھیل گئی۔ سید احمدؒ نے ان کا صرف کرایہ تیرہ ہزار روپے ادا کیا۔ اس میں سے زیادہ تر مختلف مداحوں اور متبعین نے بطور تحفہ عطیہ پیش کیا تھا۔

مراجعت ہند: حج ادا کرنے کے بعد سید احمد ہندوستان لوٹے۔ وہ بمبئی میں اترے اور چند دن وہاں مقام کرکے اسی جہاز سے صفر ۱۲۳۹ھ (مطابق اکتوبر ۱۸۲۳ء) کو کلکتہ پہنچے جہاں دو ماہ سے زیادہ ٹھہرے۔ ۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ کو وہ اپنے وطن بریلی پہنچے۔ واپسی میں وہ پھر ان جگہوں میں ٹھہرے

۵۵؎ یہ بزرگ ڈاکٹر اختر احمد اورینوی پروفیسر پٹنہ یونیورسٹی کے پردادا تھے۔

۵۶؎ ملحوظ رہے کہ محمد بن عبدالوہاب ۱۷۹۲ء میں وفات پا چکے تھے۔ سید احمد کی ان سے ملاقات با استقصاء خارج از بحث ہے (مترجم)

Marfat.com

جہاں پہلے جا چکے تھے۔ ان میں مونگیر بھی تھا جہاں کی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی۔ مقامی بندوق ساز کارخانے توپ بندوق اور آتشیں اسلحہ کے لئے مشہور تھے۔ وہاں سے متعدد بندوقیں طمنچے اور چار نالی توپیں خریدیں۔ ولایت علی اور محمد حسین جو سید احمدؒ کے استقبال کے لئے وہاں منتظر تھے اُن کو پٹنہ لے آئے۔

احمد اللہ کا عقد! پٹنہ میں ولایت علی نے سید احمدؒ کو اپنے گھر مدعو کیا۔ وہاں بھی خاندان کے تمام افراد نے بیعت کی۔ تیسرے روز احمد اللہ کے والد الٰہی بخش نے اپنے بیٹے کی تقریب میں شادی میں سید احمدؒ کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ خود سید احمدؒ نے نکاح پڑھایا۔ اس تقریب میں ایک عظیم الشان ضیافت کی گئی جس میں آٹھ سو سے نو سو آدمیوں نے حصہ لیا۔ احمد اللہ کا اصلی نام احمد بخش تھا مگر سید احمدؒ نے دوبارہ ان کا نام احمد اللہ رکھا اور اسی نام سے وہ ہمیشہ مشہور رہے۔ ان کے چھوٹے بھائی کا اصل نام ولی بخش تھا۔ انھوں نے بھی بیعت کی اور نیا نام ولی اللہ رکھا گیا۔

خاندان صادق پور کی اہمیت: خاندان صادقپور کے ارکان کی بیعت ان کے انفرادی اور خاندانی مستقبل کے لئے ایک نقطۂ انقلاب تھا۔ تحریک کے مقاصد کی تکمیل اب اُن کی تمام توجہات اور طاقتوں کا مرکز بن گئی۔ وہ شمالی و مغربی سرحد کے دور دراز سنگلاخ علاقوں میں فوجی خدمات بجالانے کے جرأت طلب خطرناک جدوجہد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس تحریک کے بعض اوّلین اور اہم متبعین کے مختصر سوانح حیات علیحدہ علیحدہ بیان کئے گئے ہیں۔ اس مقام پر سید احمد کے اول خلیفہ یا نائب شاہ محمد حسین کے حالات ایک باقاعدہ سند یا فرمان کی بنا پر جو اس قسم کی تنہا دستاویز ہے۔ اب تک موجود ہے۔

شاہ محمد حسین خلیفہ اول: شاہ محمد حسین شہر پٹنہ کے شاہ محمد معز کے بیٹے تھے اور ۱۲۰۳ھ (۸۹-۱۷۸۸ء) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے

Marfat.com

چچا شاہ محمد کریم سے حاصل کی اور ان سے بیعت بھی کی۔ بعد میں اپنے پہلے مرشد کی اجازت سے سید احمد کے ہاتھ پر بھی بیعت کی۔ ان کی شادی دیورہ (ضلع گیا) کے غلام مجتبیٰ کی دختر سے ہوئی۔ اس شادی کے ذریعے سے وہ بھاگلپور کے مشہور و معروف بزرگ ملا شہباز[1] کے خاندان سے بھی مربوط ہو گئے۔ وہ سید احمدؒ کے اوّلین خلفا میں سے تھے۔

سند خلافت: وہ نایاب سند جو سید احمدؒ نے ان کو دی تھی اس کی ایک نقل اب بھی موجود ہے۔

اس کے کچھ ضروری اجزا کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اُن لوگوں کو جو راہ خدا کے جویاں ہیں بالعموم، اور اُن لوگوں کو جو حاضر و غائب سید احمدؒ کے دوست ہیں بالخصوص، معلوم ہو کہ جو لوگ بیعت کے ذریعے سے مقدس نفوس کے ہاتھوں پر بیعت کر کے مرید ہو جاتے ہیں ان کا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے اور یہ موقوف ہے اس کے رسول کے احکام کی پیروی پر۔ جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ رضائے الٰہی کا راستہ شریعت رسول کے اتباع کے بغیر بھی مل سکتا ہے وہ باطل پر ہے اور فریب خوردہ ہے۔ اس کا دعوی غلط اور ناقابل التفات ہے۔ شریعت نبوی دو باتوں پر قائم ہے۔

اول کسی مخلوق سے خالق کی صفات منسوب نہ کرنا۔

دوم۔ ایسے رسوم و اطوار سے احتراز جو رسول اللہؐ اور ان کے خلفا کے زمانے میں رائج نہ تھے۔

پہلی شرط کے معنی ہیں (۱) عدم اعتقاد اس بات پر کہ فرشتے، ارواح پیر و مرشد، استاد، طالب علم، پیغمبر یا ولی کسی مشکل کو رفع کر سکتے ہیں (۲) ان ہستیوں میں سے کسی کو کسی خواہش یا مراد کے حاصل کرنے کے لئے مدد طلب

---

[1] بھاگلپور کے ایک مشہور ولی اللہ، شاہ جہاں کے معاصر تھے۔ ان کا بنا کردہ مدرسہ آج تک موجود ہے۔

Marfat.com

کرنے سے اجتناب (۳) اس بات سے انکار کہ ان میں سے کسی کو مدد دینے یا ضرر کو دفع کرنے کا اختیار ہے (۴) خدا کی قدرت میں ان کو ایسا ہی مجبور و بے خبر سمجھنا جیسا اپنے آپ کو..... بلکہ ان کو محض اللہ کا حبیب سمجھنا اور ان کو رضائے حق کی راہ کا محض راہنما سمجھنا۔

دوسری شرط یعنی بدعت مذہب میں کسی جدت طرازی کو دخل نہ دینے کے معنی میں (۱) معاشرت میں ان تمام عبادات اور رسوم و عادات پر سختی سے پابند رہنا جو عہد نبوی کے معمولات تھے (۲) ایسی بدعات سے احتراز کرنا جیسے رسوم شادی، تعظیم قبور، قبروں پر بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرنا، مُردوں کی برسیوں میں صرف کثیر، تعزیہ سازی وغیرہ (۳) جہاں تک ممکن العمل ہو ان رسوم کو بند کرنا...

"وہ سب لوگ جو اللہ کے طالب ہیں ان کے لئے مناسب ہے کہ ان باتوں کو اپنے سامنے رکھیں اور ایک دوسرے سے ملکر ان پر عمل کریں۔ اور یہ عمل ...... بالخصوص شاہ محمد حسین کے تعاون سے کریں جنھوں نے مجھ سے بیعت کر کے اس کا اقرار کیا ہے اور جن کو میں نے یہ ساری باتیں پوری طرح بتادی ہیں۔ اور ان کو اختیار دیا ہے کہ وہ تم سے بھی ایسے اقرار لیں اور میری جگہ یہ پاکیزہ عادات و اطوار تمھیں سکھائیں۔ اس لئے شاہ محمد حسین موصوف کو مناسب ہے کہ ان احکام کو اختیار کریں جو ان کو بتادئے گئے ہیں، اپنے جسم وجان سے خدا کی طرف رجوع کریں، اور ان احکام کے ظاہر و باطن پر عمل کر کے شرک و بدعات کی ہر گرد کو جھاڑ دیں جو اُن کے دامن پر پڑی ہو۔ اور لوگوں کو راغب کریں کہ ان سے بیعت کر کے عہد و اقرار کریں۔ خدا کرے میں اور میرے سارے رفقا اس گروہ میں شامل ہوجائیں جو توحید کے معتقد اور شریعت کے متبع ہیں"

مہر

اسمہ احمد ۱۲۳۵ھ

Marfat.com

سندِ خلافت کی مہر کی تاریخ میں اختلاف: متذکرہ مہر میں جو تاریخ درج ہے وہ سید احمدؒ کی مراجعت حج کے دوران پٹنہ کے ورود کی عام تسلیم کردہ تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتی۔ وہ شوال ۱۲۳۶ھ میں بریلی سے روانہ ہوئے تھے۔ پٹنہ کے اس ورود سے پہلے کبھی ان کا محمد حسین سے ملنا کہیں مذکور نہیں۔ اس لیے (۱۲۳۶ھ ۱۸۲۰-۲۱ء) کے اختتام سے پہلے ان کے بیعت لینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں یہ ذکر بھی بے موقع نہ ہوگا کہ سید احمدؒ کے پھلواری شریف جانے کی تاریخ بھی مولانا فرد کے سوانح نگار نے[1] ۱۲۳۳ھ تحریر کی ہے۔ اگر یہ تاریخ صحیح ہے تو یہ سند کی تاریخ سے مطابقت رکھتی ہے، کیونکہ اگر سید احمدؒ اپنے بیرونی سفر میں ۱۲۳۳ھ میں پھلواری شریف گئے تو مراجعت جب کہ محمد حسین نے بیعت لی ۱۲۳۵ھ میں ہوئی ہوگی۔ مخزن کے زیادہ معتبر بیان کے مقابلے میں اس تاریخ کو قبول کرنے میں دشواری یہ ہے کہ فرد کے سوانح حیات بہت بعد کی تالیف ہے اور اس میں سید احمد کے ورود کی جو تاریخ مولف نے درج کی ہے اس کی کوئی سند نہیں لکھی۔ بہرحال مخزن اور وقائع میں جو تاریخ مذکور ہے اسے زیادہ معتبر ماننا ہوگا۔ اس صورت میں سندِ خلافت کی تاریخ ۱۲۳۵ھ کی تاویل و توثیق کس طرح ہو؟

تاریخوں کی اس نامطابقت کی ایک ممکن تعبیر یہ حقیقت ہے کہ بعض ذاتی مہروں میں تاریخ کندہ ہوا کرتی تھی اور یہ کندہ تاریخیں دوسرے سال کے شروع ہوتے ہی اور اکثر کئی سال بعد تک بدلی نہ جاتی تھیں۔ اس طرح مہر اور متن کی تاریخوں میں فرق ہوجایا کرتا تھا۔

شاہ محمد حسین کی خدمات: شاہ محمد حسین نے تحریک کی تنظیم نو کا کام نہایت تن دہی سے شروع کر دیا۔ انھوں نے شہر کی متعدد مساجد میں نماز جماعت اور خطبہ باقاعدہ جاری کر دیا۔ انھوں نے شہر کی بہت سی غیر آباد مساجد

---

[1] حکیم شعیب ص۱۸

Marfat.com

مسجد نمو ہیاں کو آباد کر دیا[1] وہ سید احمدؒ کی تعلیمات کے خاص خاص پہلوؤں کی تبلیغ وتوضیح کیا کرتے اور ان میں سے بعض پر عمل کر کے ذاتی مثالیں قائم کرتے۔

۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ء) میں ساٹھ سال کی عمر میں حج کو گئے اور دو برس میں واپس آئے انھوں نے ۷۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ان کی بیوی کا انتقال ہوا۔ ان کے چھ بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے چار الٰہی بخش کے بیٹوں سے اور دو دوسروں سے بیاہی گئیں۔ دینیات میں عالم فاضل ہونے کے علاوہ انھیں فوجی تربیت بھی حاصل تھی۔ وہ ممتاز شہسوار اور قادرانداز سپاہی تھے۔ وہ شاعر بھی تھے (ہاشمی تخلص کرتے تھے) فارسی اور اردو میں شاعری کی تھی۔

پٹنہ سے چلکر سید احمدؒ نے مرزاپور بنارس اور آلہ آباد کے مختصر دورے کئے آخر اپریل ۱۸۲۴ء میں وہ بریلی واپس آئے۔ اس طرح سفر حج اور مراجعت وطن تک تین سال صرف ہوئے اور مجموعی صرفہ ایک لاکھ روپے کے قریب ہوا[2]

ہجرت کی تیاری: سید احمدؒ اپنی مراجعت کے بعد تقریباً دو سال اپنی زندگی کے ایک سخت ترین سفر کی تیاریوں میں دل وجان سے مصروف رہے۔ یعنی برطانوی ہندوستان کی حدود سے نکلکر شمالی مغربی سرحد کے آزاد قبائلی علاقوں کو مہاجرت، جہاں سے ان کو اپنی کشمکش اور آویزش کا آغاز کرنا تھا۔ درمیانی وقفہ سید احمدؒ کے بعض ممتاز نائبین کے تبلیغی دوروں پر صرف ہوا۔ وہ آس پاس کے علاقوں میں دورے کرتے اور اپنے مشن کے اغراض و مقاصد بیان کرتے اور ہجرت میں شرکت کے لئے رضاکار تلاش کرتے۔ رضاکاروں کی ایک کثیر تعداد جو سید احمدؒ سے بریلی میں آملی اور بعد میں شمالی مغربی سرحد میں رضاکاروں کی مسلسل آمد سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کی مساعی بہت کامیاب ہوئیں۔

---

[1] مقامی وہابی اب تک وہاں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ [2] مہر جلد ۱ صفحہ ۲۴۱

Marfat.com

(ب) مہاجرت اور شمالی مغربی سرحد کی جنگی مہمیں

مجاہدین کی روانگی: حج سے واپسی کے بعد سید احمدؒ کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو ان کی سرحد کی ہجرت سے شروع ہوتا ہے۔ اس بخت آزما سفر کے لئے تمام سامان مکمل کر لینے کے بعد وہ جنوری ۱۸۲۶ء (جمادی الثانی ۱۲۳۱ھ) کو بریلی سے روانہ ہوئے۔ وہ دلماؤ، فتحپور، گوالیار اور ٹونک کے راستے سے چلے۔ گوالیار کے دوران قیام میں مہاراجہ دولت رام سندھیا نے اپنے محل پر مدعو کر کے ان کی ضیافت کی۔ سندھیا کے نسبتی بھائی ہندو راؤ سے طویل گفتگو رہی۔ پھر سرحد سے بھی سید احمدؒ نے ہندو راؤ کو ایک معنی خیز خط بھیجا۔ نوابانِ ٹونک امیر خاں اور ان کے صاحبزادے وزیر الدولہ سید احمدؒ کے سرگرم متبع تھے۔ اور تحریک کی مختلف جہت سے مدد کی تھی۔ سید احمدؒ ٹونک سے نکل کر راجپوتانہ، سندھ اور بلوچستان کے ریگزاروں سے ہوتے ہوئے نومبر ۱۸۲۶ء میں پشاور پہنچے۔

شمالی مغربی سرحدی صوبہ کے سیاسی حالات: احمد شاہ ابدالی کے تسلط کے بعد شمالی مغربی سرحد پر نزاع کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس کے بیٹے اور پوتے تیمور شاہ اور زمان شاہ کی پے در پے حکومتیں اندرونی نااتفاقیوں بغاوتوں اور فنا و زوال کی نشاندہی کر رہی تھیں۔ پلیندا خاں بارک زئی کے زمان شاہ کے ہاتھ سے قتل نے طاقتور اور با اثر بارک زئی کو دشمن بنا لیا تھا۔ مقتول سردار کا بیٹا فتح خاں زماں شاہ کے بھائی محمود شاہ سے جا ملا جو کابل پر حکمرانی کر رہا تھا۔ دونوں ملکر زماں شاہ پر حملہ آور ہوئے اور اُسے شکست دی۔ اُس کے بھائی شاہ شجاع نے محمود شاہ سے کچھ دن جنگ جاری رکھی۔ آخر کار انگریزوں کے پاس پناہ لی۔ انگریزوں نے اس کو پنجاب میں بسا دیا جہاں اسے اُس کا بھائی زماں شاہ

Marfat.com

بھی مل گیا۔ دونوں کو انگریزوں نے سیاسی پناہ اس لئے دی تھی کہ مناسب وقت آنے پر افغانستان میں قدم جمانے کیلئے ان کے اثر سے کام لیا جاسکے۔ محمود شاہ کی کامیابیاں زیادہ تر فتح خاں کی مدد اور تعاون کی بدولت تھیں اس لئے فتح خاں کو حکومت کے معاملات میں زبردست اثر حاصل تھا۔ محمود کے بیٹے کامران کو جس نے فتح خاں کو قتل کرایا تھا یہ بات ناپسند تھی۔ فتح خاں کے بھائی جو برادران بارک زئی کے نام سے مشہور تھے اور حکومت کے مختلف علاقے جن کے سپرد تھے باغی ہو گئے اور اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ صرف ہرات اور اس کے کچھ مضافات محمود شاہ کے قبضے میں رہ گئے۔ ان بارک زئی سرداروں میں سب سے مشہور یار محمد خاں، پیر محمد خاں، سلطان محمد خان اور عظیم خاں تھے۔ سید احمد کے ساتھ ان کا متحدہ تعاون اور بعد میں مخاصمت آگے چلکر بیان کی جائیگی۔ ان سرداروں میں یار محمد اور سلطان محمود علاقہ پشاور کے حکمراں اور رنجیت سنگھ کے باجگذار تھے۔ دل سے سکھوں کے علاقہ سرحد پر قبضے کے خلاف تھے لیکن ان کی اندرونی رقابتیں اور باہمی حسد و کینہ سکھوں کے خلاف مل جل کر کام کرنے میں مانع تھے۔

پنجاب کے سیاسی حالات: کپتان الکزینڈر برنس کی سفارتِ کابل کے دوران اس کے سیاسی مراسلات، پنجاب کی سیاسی حالت اور اس زمانے میں سندھ کے مغرب سکھوں کی حالت سے متعلق قیمتی اطلاعات بہم پہنچاتے ہیں۔

باہمی قبائلی جنگ وجدال کے سبب سے ایک مدت کے انتشار، بدنظمی اور کمزوری کے بعد پنجاب کا زیادہ تر حصہ رنجیت سنگھ کے مضبوط قبضے میں آگیا تھا۔ انگریزوں سے اس کے تعلقات دوستانہ تھے اور باہمی سیاسی مفادات کے رشتوں سے منسلک تھے۔ موٹی اور صاف بات یہ تھی کہ ہندوستان کے شمالی

لہ جے ڈی کننگھم کی تاریخ سکھ صفحہ ۲۱۴ - ۲۵۶

مشرقی سرحدوں پر روس کی چڑھائی کے خطرے سے رنجیت سنگھ کے ماتحت ایک مضبوط اور پائیدار حکومت اس خطرے کی تنہا روک تھی۔ رنجیت سنگھ بھی اس فرضی خطرے کے عمل میں آنے سے اپنے قرار و قیام کے خطرے سے واقف تھا اور اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ انگریزوں[1] کی مدد کے بغیر اس خطرے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ معاہدہ امرتسر مورخہ ۲۵ اپریل ۱۸۰۹ء کی رو سے رنجیت سنگھ نے انگریزوں سے صلح و ائتلاف قائم رکھنا اور ستلج کے بائیں کنارے پر زیادہ لشکر نہ رکھنا اور سس ستلج کے امان دادہ سرداروں کے خلاف یورش نہ کرنا منظور کر لیا تھا۔ اس کے صلے میں اس کو ستلج کے پار علاقے میں توسیع کا کھلا میدان دیا گیا تھا۔ رنجیت سنگھ انگریزوں سے کھلی آمیزش کے خطرات سے واقف تھا اس لئے زندگی بھر معاہدات کی دفعات کا احتیاط سے پابند رہا، اگرچہ فریقین کے اپنے اپنے حلقۂ اثر کی توسیع کے لئے دونوں میں بہت کچھ بدگمانیاں موجود تھیں۔

ماورائے ستلج کا علاقہ متفرق پٹھان سرداروں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بٹا ہوا تھا جن کا حلقۂ اثر اور وفاداری ہمیشہ بدلتی رہتی اور نہایت پیچیدہ، وقتی و عارضی ہوا کرتی۔ ان میں سب سے زیادہ طاقتور برادران بارک زئی مذکور الصدر تھے۔ باقی اگرچہ برائے نام سکھوں کے ماتحت یا زیر دست تھے لیکن ہمیشہ ان کے ساتھ "مارو اور بھاگو۔ بھاؤ" (گوریلا) کی چال چلا کرتے تھے۔ اس علاقے پر سکھوں کا قابو کسی پائدار سول (ملکی) حکومت سے زیادہ فوجی قبضے کی قسم کا تھا۔ جب جب قبائلیوں سے ٹیکسوں یا جرمانوں کی تحصیل کے لئے کوئی مہم بھیجی جاتی تو یہ قبائل اپنی مخفی پناہگاہوں میں جا رہتے، اور سکھ ان کے گاؤں کو آگ لگا کر اور برباد کر کے انتقام لیتے۔ ان جفاکش جنگ آزمودہ قبائلیوں کی جنگی صلاحیت بہت اچھی تھی اور شاید سید احمد کا اس علاقے کو اپنی جدوجہد کا صدر مقام منتخب کرنے کا ایک سبب یہ بھی تھا۔ اس علاقے میں مع کثیر سکھوں

---

[1] ایم گریگور کی تاریخ سکھ صفحہ ۲۰۳ - ۲۰۴

کی سیاسی طاقت کی توسیع کا راستہ پیچ در پیچ اور لڑائیوں اور سازشوں سے مملو تھا۔

سرحدی سرداروں کے نام خطوط: سید احمدؒ نے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے کئی سرداروں کے نام مسلسل خطوط لکھکر اپنے مشن میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ ان خطوط کے مضامین اور منشا پر جو بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور تحریک کے اس رُخ کی اطلاع کے اوّلین ذریعے ہیں علیحدہ نظر و بحث کی جائیگی۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ بعض سرداروں کے پاس خاص قاصدوں کے وفد کے ساتھ ساتھ وقتاً فوقتاً مراسلات کے سلسلہ کا یہ نتیجہ ہوتا تھا کہ ان سرداروں میں حسب خواہ دلچسپی پیدا ہوجاتی تھی۔ ایک نظام عمومی سے وابستہ ہوکر سکھوں کے دستبرد سے اپنے وطن اور زمین کی بازیافت بے شبہہ ایک دل خوش کن خیال تھا

سید احمدؒ کی لڑائیاں زیادہ تر اُن علاقوں میں جواب اضلاع ہزارہ، پشاور پر مشتمل تھے اور سوات اور بُنیر کے ملحقہ قبائلی علاقوں میں لڑی گئیں۔ یہ لڑائیاں دو قسموں پر تقسیم کی جاسکتی ہیں (۱) سکھوں کے خلاف (۲) ان مقامی سرداروں کے خلاف جو غدّار ہو گئے تھے۔ آسانی کے لئے ان پر ترتیب زمانی سے بحث کی گئی ہے۔

جنرل بدھ سنگھ کی پیشقدمی: پشاور میں مختصر قیام کے بعد سید احمد پڑوسی علاقے یوسف[۱] زئی جارہے اور ہشت نگر[۲] میں ٹھہر گئے۔ اس علاقے میں ان کی آمد نے بڑا سیاسی جوش و خروش پیدا کردیا جس نے سکھ دربار کو چونکا دیا۔ جنرل بدھ سنگھ کے ماتحت جو رنجیت سنگھ کا چچازاد بھائی اور بہترین سکھ جنرلوں

---

[۱] یوسف زئی کا رقبہ پشاور اور آمب کی شمالی پہاڑیوں کی وادیوں تک وسیع تھا اور ان میں طاقتور افغان قبائل سکونت پذیر تھے۔ ان میں سے قبیلہ خود خیل کا سردار فتح خاں پنجتاری رقبہ میں اور سکھ حکومت کی مخالفت میں سب سے نمایاں تھا۔ سکھ اپنی فوج کا ایک باقاعدہ دستہ اٹک کے شمال میں متعین کر کے اس علاقے کو قابو میں رکھتے تھے۔ [۲] ضلع پشاور کا یہ پرگنہ آٹھ گاؤں پر مشتمل ہے، جس گاؤں میں سید احمد نے اقامت کی وہ چارسدہ تھا۔

Marfat.com

...ے تھا۔ یں دس ہزار فوج کے ساتھ حالات کے جائزہ کے لئے روانہ کیا گیا۔ یہ سکھ جنرل دریائے سندھ پار کر کے دریائے کابل تک جا پہنچا۔ اگر اسے پار کر لیتا اور سیما (وادی) کے رقبہ میں داخل ہو جاتا تو قبائل میں عام گھبراہٹ پیدا ہو جاتی۔ اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ اُس سے دریا کے اُس پار ہی الجھا جائے۔

سکھوں سے پہلی جھڑپ: سکھوں سے پہلی جھڑپ نوشہرہ کے قریب ایک مقام اکورا پر ہوئی۔ بدھ سنگھ کی کمان میں سکھ فوج کی بہت کثیر تعداد تھی اس لئے شبخون مارنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ حملہ ۲۰ ردسمبر ۱۸۲۶ء کو ہوا جس میں سکھوں کے ۵۰۰ سپاہی کام آئے[1] مگر وہابیوں کی اس ابتدائی کامیابی کے باوجود سکھوں نے پھر دھاوا کر دیا اور وہابی پسپا ہوئے۔

حربیص زر قبائل: اس کے کچھ ہی بعد ہنڈ کا سردار کھادے خاں سید احمدؒ سے آملا، بیعت کی، اور اُن کو ہنڈ آنے کی دعوت دی جہاں ان کی جماعت کے قیام کے تمام انتظامات کر دینے کا وعدہ کیا۔ اُس وقت تک سید احمدؒ نے اپنی جدوجہد کے لئے کسی مستقل مرکز کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ معرکہ اکورا کے بعد سے وہ نوشہرہ میں اقامت گزیں تھے۔ چنانچہ انھوں نے کھادے خاں کی درخواست مان لی اور ہنڈ کو چلے گئے جو اُس علاقے میں ان کی جدوجہد کا پہلا منظم مرکز بنا۔ کھادے خاں نے اور سرداروں کے ساتھ حضرو پر شبخون مارنے کے لئے مشورہ کیا، یہ سکھوں کی ایک اہم تجارتی منڈی تھی۔ ان سرداروں کا اصل مقصد جیسا کہ بعد میں ظاہر ہو گیا لوٹ مار اور لالچ تھا۔ سید احمدؒ کے مقاصد اور تھے اور اعلیٰ دارفع تھے۔ وہ اور ان کے متبعین مجوزہ حملہ سے بے تعلق ہو گئے۔ بہرحال قبائل اپنے منصوبے کے ساتھ آگے بڑھے اور قبائلی طرز کا ایک دھاوا منظم کیا۔ سکھوں نے ان کا مقابلہ کر کے بھگا دیا۔ یہ پسپائی ایک ناقابل تلافی تباہی

---

[1] ایل گریفن کی تالیف "رنجیت سنگھ" آکسفرڈ ۱۸۹۲ء صہ ۲۱۱

Marfat.com

ہوتی اگر سید احمدؒ کے متبعین اس پسپائی میں سہارا نہ دیتے اور ان قبائلیوں کو بہت زیادہ جانوں کے اتلاف سے نہ بچاتے۔ یہ وقوعہ سید احمدؒ کی سرگزشت سے براہ راست تعلق تو نہیں رکھتا مگر اس لئے یہاں اس کا ذکر کیا گیا کہ یہ سید احمدؒ کی جنگی مہمات کے منصوبے میں نقطۂ انقلاب کا حکم رکھتا ہے۔ انہوں نے بڑے دُکھ اور مایوسی کے ساتھ اس حقیقت کو سمجھ لیا کہ یہ قبائلی جوان جو آملے تھے ان کی نیّت نہ اتنی صاف تھی نہ مطمح نظر میں وسعت و خلوص تھا۔ ان میں سے اکثر کا مقصد حقیر اور ذلیل تھا۔ وہ صرف تاخت و تاراج اور لوٹ مار کے خواہاں تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ سید احمدؒ کی تمام جد و جہد میں یہ ایک زہر ثابت ہوا۔ سید احمدؒ کے جاں نثار متبعین کے گروہ جنھیں "ہندوستانی مجنون" کا لقب دیا گیا اور ان حریص زر قبائلیوں کے مطمح نظر اور نیتوں کے فرق نے ہمیشہ سید احمد کے فوجی موازنہ و مقائسہ کو نحس نحس کر کے رکھ دیا۔ ناچار وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ تحریک کی پوری سیاسی اور فوجی نگرانی اور اختیار خود سنبھال لیں۔ اس کے معنی تھے ایک غایت درجے کا فنی مذہبی و سیاسی فیصلہ، یعنی امامت کا اعلان۔

امامت کا اعلان: اسلامی قانون کی رو سے جہاد کی نگرانی و رہنمائی کے لئے ایک امام کا انتخاب ضروری تھا۔ امام کو چند صفات سے متصف ہونا چاہئے جن کی تفصیلات سے ہمیں یہاں کوئی بحث نہیں۔ سرحد کی فوجی صورت حال ایک ایسے ہادی کی متقاضی تھی جسے کامل اور مطلق اختیارات حاصل ہوں۔ چنانچہ ۱۲ جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ ہجری (فروری ۱۸۲۷ء) کو سید احمد امام منتخب کئے گئے۔ مسلمانان ہندوستان کے نام ایک گشتی چھٹی شائع کی گئی جس میں جنگ حضرو تک کے تمام واقعات کا خلاصہ اور ان حالات کی شرح تھی جو امام کے انتخاب کے متقاضی تھے۔ یہ چھٹی[۵۱] ہندوستان

---

[۵۱] مکتوبات سید احمد منقولہ سوانح صفحہ ۲۵۰ و ۲۴۸ - ۲۵۰

Marfat.com

کے مختلف مراکز میں روانہ کی گئی۔ اس مکتوب میں سید احمدؒ نے لکھا تھا "اس صورتِ حال میں سب سے عجیب بات یہ تھی کہ ان دونوں مواقع (اکوڑہ و حضرو) پر مجاہدین نے ایک بے سر کی فوج کا سا برتاؤ کیا اور کوچ کرنے اور لڑنے میں بھی غیر منظم طریقہ برتا۔ اس لئے اُس وقت وفادار متبعین، سادات، علمائے شریعت، شرفا و عمائدین اور جمہور مسلمانان میں سے جو لوگ حاضر تھے سب نے فیصلہ کیا کہ امام کے انتخاب کے بغیر جہاد کی کامیاب تنظیم اور بے اعتقادی و پراگندگی کا دفعیہ ناممکن ہے" بعض علما اس تحریک کی تنقیص پر آمادہ ہو گئے اور گھر واپس جاکر اس فیصلے کو خود مختارانہ اقتدار پر قبضہ کرنے سے تعبیر کیا۔ لیکن جیسا کہ بیان ہوا تحریک کی اصل غرض کے لئے یہ ضروری تھا، ورنہ یہ غرض معمولی فروعی جھگڑوں کی کھینچ تان میں کھو کر رہ جاتی۔

قبائلیوں کی بیعت: امامت کے اعلان کے ساتھ متعدد معتمد سرداروں اور اسّی ہزار قبائلیوں نے بیعت کی۔ پشاور علاقے کے کماندار برادران بارک زئی نے بھی خطوط کے ذریعے بیعت کی اور اطاعت و تعاون کے پیغام بھیجے سید احمدؒ کے بعض متبعین شروع سے ہی ان دونوں بھائیوں کے خلوص نیت پر شبہہ کرتے تھے۔ مگر سید احمدؒ نے ان کی زبان پر اعتماد کر لیا۔ انہوں نے تصور کیا کہ یہ سردار برسوں کے داخلی جھگڑوں اور سکھوں کے ہاتھوں شکستیں کھا کھا کر احساس کمتری اور کسی معین مقصد کے عام فقدان کے احساس میں مبتلا تھے۔ اپنے دشمنوں کے خلاف فتحیابی حاصل کرنے کے لئے آپس میں متحد و منظم ہو جانے کے بعد ان میں عام خود اعتمادی پیدا ہو جائے گی اور ان کی متزلزل اطاعت مضبوط ہو جائیگی۔

سردارانِ پشاور کی علیحدگی: پشاور کے سردار اور دوسرے قبائلی سرداروں کے ایک جلسے میں طے پایا کہ قبائلیوں اور ہندوستانیوں کی متحدہ فوج کے ساتھ سکھوں کے خلاف اقدام کیا جائے۔ چنانچہ وہ نوشہرہ کی طرف چل پڑے جہاں

Marfat.com

اُس وقت تک بُدھ سنگھ نے اپنی چھاؤنی لگا رکھی تھی پھر شیدو کی جنگ میں پشاور کے سرداروں نے جن کو بدھ سنگھ نے ورغلا کر اپنی طرف ملا لیا تھا، سید احمدؒ کے ساتھ غداری کی اور ان کو چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ اس کے بعد ہندوستان سے آدمیوں اور سامان کی آمد میں زیادہ وقفہ ہو جانے سے فاقہ اور پریشانیوں کی نوبت آ گئی۔ سید احمدؒ نے اپنا پہلا صدر مقام "ہنڈ" ترک کر دیا اور کچھ عرصہ تک ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ آخر میں وہ پنجتار میں[1] جا ٹھہرے۔ اسی ابتلا کے زمانے میں ولایت علی کے چھوٹے بھائی طالب علی نے جنھوں نے شیدو کی جنگ میں حصہ لیا تھا اور اٹھارہ سال کے نوجوان تھے چنگلائی میں وفات پائی۔

قبائلی علاقوں میں تبلیغی دورے: جنگ کے بعد سید احمدؒ نے آس پاس کے قبائلی علاقے بنیر اور سوات کے تبلیغی دورے کئے۔ انہوں نے لوگوں کو رغبت دلائی کہ ان کے مشن میں شریک ہوں اور اس علاقے میں جو سماجی و مذہبی بدعات پھیلی ہوئی ہیں ان سے تائب ہو جائیں۔ انھوں نے چترال، کشمیر، بخارا اور دوسرے ہمسایہ علاقوں کے حکمرانوں کو بھی خطوط لکھے۔ ان کو ہزارہ کے علاقے کے سردار کی طرف سے بھی تعاون کی سلسلہ جنبانی اور پیغام وصول ہوا جس میں مشہور سکھ جنرل ہری سنگھ نلوا اور گورنر ہزارہ کی ظالمانہ حکومت سے بے چینی کا اظہار تھا۔ ہزارہ کشمیر کی سرحد پر واقع ہے اور اگر اُس پر قبضہ کر لیا جائے تو کشمیر کا راستہ کھل جائے۔

کشمیر پر قبضہ کرنے کا منصوبہ سید احمدؒ کے نقشۂ جنگ میں کشمیر کو نمایاں جگہ تھی۔ اس پر قبضہ ہو جانے سے ان کو کثیر سامان، مسلمانوں کی جمہوری آبادی اور قدرتی مدافعت کا ایک مضبوط خطہ ہاتھ آ جائیگا۔ جو سکھوں کی تاخت و تاراج سے محفوظ ہوگا، اور بعد کی فوجی کارروائیوں کے لئے ایک پائیدار بنیاد

---

[1] یہ مردان کے شمال مغرب میں خدو خیل قبائلی علاقے کا صدر مقام اور فتح خاں کا مستقر تھا۔ پرانے شہر کو انگریزوں نے ۱۸۵۸ء کی مہم میں کاملاً تباہ کر دیا تھا۔ موجودہ شہر بعد میں آباد ہوا۔

Marfat.com

ہوگی۔ اس سے پہلے ہی کاشغر کے شاہ سلیمان کے نام ایک خط میں اشارہ کیا تھا کہ وہ پشاور کے سرداروں کو ٹٹولنے کے بعد کشمیر کی طرف بڑھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے اُس اعانت کے وعدے کا بھی ذکر کیا تھا جو انھیں اُس طرف بڑھنے کی صورت میں چترال کے حاکم اور دوسرے سرداروں سے وصول ہوئے تھے، چنانچہ انھوں نے پکھلی کے علاقے میں شاہ اسمٰعیل کے زیر کمان ایک دستہ بھیج دیا اور خود پنج تار میں ٹھیر گئے۔ شاہ اسمٰعیل نے اس علاقے میں کامیابی کے ساتھ تبلیغ و نشر اور فوجی معاینہ و تجسس کے کام انجام دئے، اور اس سلسلے میں امب اور ستھانہ کا دورہ بھی کیا۔ انھوں نے سکھوں کی بعض فوجی چوکیوں پر بھی کئی اچانک دھاوے کئے۔ ان میں سے تنکباری کی وہ جھڑپ جس میں اپنے مختصر سے فاقہ زدہ دستے سے سکھوں کی زیادہ زبردست فوج کو شکست دیکر تتر بتر کر دیا بہت مشہور ہے۔ اس زمانے میں ان کی جدو جہد ۱۸۲۷ء کے ربع آخر تک جاری رہی۔

درانی سرداروں کا مخاصمانہ رویہ: مگر اسکے فوراً بعد سید احمدؒ نے ان کو واپس بلا لیا۔ اس واپس طلبی کا سبب واضح نہیں۔ شاید سید احمدؒ چاہتے تھے کہ درانی سرداروں کے خطرے سے نمٹا جائے جو ہندوستان سے آنے والے رضا کاروں کے قافلوں کو دق کیا کرتے اور عام طور پر قبائل کو ان کے خلاف اُکساتے رہتے۔ اس کے فوراً بعد سید احمدؒ (دسمبر ۱۸۲۷ء کو) خاہار منتقل ہو گئے۔ یہ زیریں سوات میں دریائے سوات کے مشرقی کنارے پر ایک اہم شہر ہے یہیں ۲۴ فروری ۱۸۲۸ء کو عبدالحی کی وفات واقع ہوئی۔

اس درمیان میں درانی سرداروں کی مخاصمت بڑھتی گئی۔ سید احمدؒ سے ائتلاف کے معاہدے میں یہ لوگ مخلص ثابت نہ ہوئے۔ سید احمدؒ کو ان سے معاملہ کرنے میں ایک نازک صورت پیش آئی جو قسمت کی افسوسناک ستم ظریفی سے خالی نہیں۔ انھیں لوگوں سے لڑنا جن سے تعاون کی امید تھی اور

Marfat.com

جن کی خوش حالی اور ترقی کے وہ خواہشمند تھے ان کو بہت ناپسند تھا مگر درانی سرداروں کے عثمان زئی کی طرف بڑھنے سے اُن کا ہاتھ قوی تر ہوگیا۔ انہوں نے اس متوقع خطرے کا مقابلہ کرنے اور آئے دن کی شرارتوں کی اس بنیاد کے ہمیشہ کے لئے استیصال کیلئے خیبر کے علاقے کے بعض قبائل کے تعاون سے درانی سرداروں کے مرکز پشاور پر قبضہ کر لیا۔ کچھ قاصد جن میں پٹنہ کے مظہر علی بھی شامل تھے ان کے پاس ان کا تعاون حاصل کرنے کے لئے روانہ کئے گئے۔ عثمان زئی کی جنگ (مئی ۱۸۲۸ء) میں درانی سرداروں کو شکست ہوئی۔ مگر پشاور کی طرف پیش قدمی قبائلیوں کی بدعہدی کے سبب سے جن سے اعانت کی امید تھی ایک بار پھر ملتوی کرنا پڑی۔

پنجتار میں دینی اجتماع۔ قبائلی سرداروں کی بار بار بدعہدی اور سماجی مذہبی مفسدات کے جاری رہنے کے پیش نظر سید احمدؒ کو یقینی ہوگیا کہ مقامی لوگوں کے چال چلن میں اخلاقی و مذہبی اصلاح جاری کرنا لازمی ہے۔ اس کے بغیر یہ لوگ تحریک کے صحیح معنی کبھی نہیں سمجھ سکتے، چہ جائیکہ تحریک کے مخلص وفادار ہوں۔ چنانچہ پنج تار میں (فروری ۱۸۲۹ء) ایک عظیم مذہبی مجمع منعقد ہوا جس میں اور دن کے ساتھ فتح خاں پنجتاری، زیدا کے اشرف خاں اور کھادے خاں بھی موجود تھے۔ تمام حاضرین سے از سر نو اس مضمون کا عہد لیا گیا کہ وہ اپنی اپنی قلمرو کو شریعت کے مطابق چلائیں گے اور مروجہ رسوم و عادات جیسے شراب نوشی، خاندانی جھگڑے، سود خواری کثرت از دواج، متوفی مورث کی بیوی اور بچوں کی اس کے بھائیوں میں تقسیم وغیرہ ختم کر دینگے۔ اسلام کے فرض احکام جیسے صوم و صلوٰۃ پر بھی بہت زور دیا گیا۔ مگر اس خصوص میں کامیابی کی وسعت محدود رہی۔

فتح ہنڈ: اب پنج تار سید احمدؒ کی جد و جہد کا صدر مقام ہوگیا تھا ہنڈ کے کھادے خان کو یہ ناگوار ہوا۔ اس انتقال مکانی کو اس نے اپنی تحقیر تصور

Marfat.com

کیا۔ وہ سید احمدؒ کے بعض اور کاموں سے غیر مطمئن تھا۔ ہندوستان سے آنے والی رضاکاروں کی جماعت کو جس کو اسکی قلمرو سے گذرنا پڑتا تھا، ستانا شروع کیا۔ اس نے سید احمدؒ کے دو اہم اور زبردست حامیوں اشرف خاں اور فتح خاں سے بھی چھیڑ خانی شروع کی۔ آخر میں اس نے جنرل ونیٹورا سے نامہ و پیام شروع کیا جو سکھ دربار کی طرف سے مالگذاریاں وصول کرنے کو سرحد بھیجا گیا تھا۔ کھادے خاں نے اُس کو پنجتار پر حملہ کرنے پر بھی آمادہ کیا۔ مگر یہ حملہ کامیاب نہ ہوا۔ اس کے فوراً بعد سید احمدؒ نے بالآخر کھادے خاں سے نبٹنے کا پختہ ارادہ کر لیا بعد میں ہونے والی ہنڈ کی جنگ (اگست ۱۸۲۹ء) کھادے خاں نے شکست کھائی اور مارا گیا۔

یار محمد کا خاتمہ: یہ شدید اقدام سید احمدؒ کی مرضی کے خلاف کیا گیا۔ مگر کھادے خاں کی مسلسل زیادتیوں اور سینہ زوریوں اور دشمنوں کے ساتھ اس کے ساز باز نے کوئی اور چارۂ کار باقی نہ چھوڑا تھا۔ چونکہ اسے دو سال بعد پشاور کی فتح کے وقت وقوع پذیر ہونا تھا، اس لئے سید احمدؒ نے ہنڈ کا نظام حکومت اپنے ہاتھ میں لینے سے انکار کیا۔ اس کے برخلاف ان کی خواہش تھی کہ یہ نظام کھادے خاں کے کسی قرابتمند کو منتقل کر دیا جائے۔ مگر ان قرابتمندوں نے یار محمد خاں کے ساتھ الحاق کی کوشش کی مگر وہ بھی سید احمدؒ کی پالیسیوں سے رضامند نہ تھا۔ اُس نے وہابیوں کی موجودگی سے جسے وہ ان وادیوں کو سید احمدؒ کے زیر اثر آجانے کا موجب سمجھتا تھا نجات حاصل کرنے کا ایک عمدہ موقع تصور کیا۔ یار محمد نے ہنڈ کے غیر مطمئن سرداروں سے ملکر سید احمدؒ کے خلاف چڑھائی کی۔ مگر ان حلیفوں نے شکست کھائی اور یار محمد جنگ زیدہ (ستمبر ۱۸۲۹ء) میں مارا گیا[۵]۔ پشاور میں ونتورا کا

---

[۵] مہر جلد ۲ صفحہ ۴۵ - ۴۶ - ۵۳ - ۱۱۲ - ۱۳۶

Marfat.com

مایانہ اور مشہور گھوڑی بیلی کے جس کا رنجیت سنگھ سخت دلدادہ تھا۔ مطالبہ کے مشن پر ناگہانی آمد نے اسے وہابیوں کے ہونے والے حملے سے بچا لیا[۵۱]

تسخیر کشمیر کے منصوبہ کی ناکامی: سید احمدؒ کا ایک منصوبہ یہ بھی تھا کہ کشمیر کو آزاد کرا کے اسے اپنا مستقل مستقر بنا دیں۔ اس منصوبے کی تکمیل کے لئے شاہ اسمٰعیل کو جائزہ کی مہم پر ۱۸۲۷ء میں ہزارہ تعینات کیا گیا مگر سیما (وادی) کے علاقے کے سرداروں کی مخالفت نے ان کو فی الوقت اس مہم کو ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا۔ یار محمد کی شکست کے بعد سید احمدؒ کے قدم وادیوں میں ایک حد تک مضبوط ہو گئے تو انھوں نے کشمیر کی طرف پھر توجہ مبذول کی۔ جنگ زیدہ کے فوراً بعد ہی ان کو کشمیر کے ایک مقامی سردار سے یہ پیغام موصول ہوا کہ تربیلا میں سکھوں کی فوجی چوکی میں کوئی فوج موجود نہیں اور آسانی سے اس پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ سید احمد کھابل کی طرف بڑھے جہاں کے مقامی سردار نے ان سے آملنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر سکھ کماندار ہری سنگھ کو مجوّزہ حملے کی بو مل گئی اور فوراً تربیلا واپس آ گیا، اس طرح حملہ کی تجویز دھری کی دھری رہ گئی۔

سردارانِ ستھانہ کا ایثار: کھابل کی اقامت کے دوران میں سید احمدؒ کی ملاقات ستھانہ[۵۲] کے سید سرداروں سے ہوئی۔ اس مقام کو سرحد پر وہابیوں کا اہم ترین مرکز ہونا مقدّر تھا۔ سید خاندان وہابیوں کی محبت اور وفاداری میں ثابت قدم رہا اور اپنی تمام مادّی املاک ان پر سے قربان کر دی۔ خود غرضی اور تعصب و تنگ نظری کی پھیلی ہوئی فضا میں ان کی یہ وفاداری اور

---

۵۱ ایم گریگور جلد ا صفحہ ۱۹۰
۵۲ ستھانہ بنیر کے علاقے میں دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ یہ سادات کے ایک مقدس خاندان کا مقام تھا یہ لوگ سرحد پر وہابیوں کے بڑے سرگرم معاون سرپرست تھے۔ بعد میں یہ وہابی جدوجہد کا صدر مقام بن گیا۔

Marfat.com

اور جان نثاری ایک روشن مثال تھی۔ سید اکبر شاہ جس سے سید احمدؒ کی پہلے سے خط وکتابت بھی آپ سے ملنے کھابل آیا اور ستھانہ میں آپ کو مدعو کیا، جہاں پہنچ کر اس کے خاندان والوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس نے سید احمدؒ کو مقامی سرداروں کے تعصب و تنگ نظری اور تلون مزاجی سے مطلع کر دیا اور مشورہ دیا کہ ان پر اعتماد نہ کریں۔

پائندہ خاں کی شکست واطاعت: اس اثنا میں آمب کے سردار پایندہ خاں تناولی کی طرف سے پیغامات وصول ہوئے جن میں سید احمد سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا گیا تھا۔ اس کا کردار بھی انقلابی حوادث سے تعمیر ہوا تھا۔ اس کی گدی نشینی بھی اس علاقے میں سکھوں کی آمد کے ساتھ ہی عمل میں آئی، اور ان کے مقابل اپنی گدی پر مضبوطی سے جما رہا۔ وہ بہادر اور جری تھا مگر ایک چالاک موقع شناس دشمن کے مقابلے میں برسوں مسلسل اور غیر مساوی جنگوں نے اس کے لطیف پہلوؤں کو بہت مدھم کر دیا تھا، اور اسے ہر چیز اور ہر شخص سے مشتبہ بنا دیا تھا۔ اس کی ریاست کشمیر کے ایک فوجی اہمیت کے راستے پر واقع تھی، اس لئے سید احمدؒ کشمیر کی طرف مجوزہ پیشقدمی میں اس کی حمایت حاصل کرنے کے خیال سے اُس سے ملے، شاہ اسمٰعیلؒ کے زیر کمان پہلے ایک ہراول دستہ بھیج دیا گیا۔ پائندہ خاں نے بہر حال امب کے راستے سے کشمیر پر دھاوا کرنے کی تجویز سے اس لئے اختلاف کیا کہ ایسا کرنے سے سکھ خلاف ہو جائیگے۔ ایسے شخص کی طرف سے جس نے ساری زندگی سکھوں سے علانیہ لڑنے میں گذاری ہو یہ عذر سخت حیرتناک تھا۔ آخر سید احمدؒ نے زبردستی ادھر ہی سے گذرنے کا فیصلہ کر لیا، اور آمب کی جنگ میں پائندہ خاں کو شکست ہوئی۔ تو ایک عہدنامہ مورخہ مارچ ۱۸۳۰ء کی رو سے وہ صرف راستہ دینے ہی پر نہیں بلکہ ان کے ساتھ تعاون پر بھی راضی ہو گیا۔ دریائے سندھ کا مشرقی

Marfat.com

علاقہ اسی کے قبضے میں چھوڑ دیا گیا اور کشمیر اور پشاور کی فتح کے بعد جاگیریں دینے کا وعدہ بھی کر لیا گیا۔ آمب کے سردار سے یہ شرائط قبول کرا کے سید احمدؒ نے کشمیر کی طرف بڑھنے کی تیاریاں شروع کر دیں کشمیر سے متصل وادی کاغان میں کوئی کے ضامن شاہ سے بھی مدد اور تعاون کی پیشکشیں موصول ہوئیں۔ پکھلیرا کی طرف بڑھنے کی رائے ٹھہری۔ یہ دستہ سید احمدؒ کے بھتیجے سید احمد علی کی کمان میں تھا۔ سکھوں نے اس پر اچانک حملہ کر دیا۔ بھاری نقصان ہوا جس میں دستہ کے سردار بھی شامل تھے (۱۸۲۹ء)

رنجیت سنگھ کی پیشکش: بتعین سید احمدؒ کی کاروائیاں اس وقت تک لاہور دربار میں خاصی پریشانی کا باعث ہو چکی تھیں چنانچہ رنجیت سنگھ نے شیر سنگھ الارڈ اور ونیچورا[۱] کے ماتحت ایک فوج روانہ کی ساتھ ہی سید احمدؒ کے پاس ایک وزیر سنگھ اور عزیز الدین[۲] شامل تھے۔ اس نے دریائے سندھ کے پار کا علاقہ سید احمدؒ کو پیش کیا۔ اس شرط پر کہ وہ دریا کے جنوب و مشرق اپنی ترکتاز موقوف کر دیں۔ مگر سید احمدؒ نے یہ پیشکش نامنظور کر دی، کیونکہ اس کی رو سے ان کو اپنے اصل ارادہ یعنی انگریزوں کے خلاف اقدام میں تعدیل و تخفیف سے کام لینا پڑتا۔

اُس وقت تک پنج تار سے آمب تک سارا علاقہ سید احمدؒ کی حلیفی میں تھا یا ان کے قبضے میں محفوظ تھا۔ مگر مذہبی و سماجی اصلاح کے اقدامات نے سرداروں اور جاگیرداروں

۱۔ یہ دونوں بھاڑ سے کے یورپی سپاہی ۱۸۲۲ء میں رنجیت سنگھ کی ملازمت میں داخل ہوئے اول الذکر کو رسالے کی کمان دی گئی اور آخر الذکر کو پیدل فوج کی ان کی تنخواہ پچاس ہزار سالانہ مقرر ہوئی۔ یہ ماہر سپاہی تھے اور سکھ فوج میں حربی تربیت اور نمایاں مہارت کا ذریعہ و آلہ ہی تھے۔ ونیچورا VENTURA کی ملازمت الارڈ ALLARD کی علیحدگی کے بعد تک جاری رہی انگریزوں اور سکھوں کی پہلی جنگ کے بعد معاہدہ میں یہ شرط بھی داخل کی گئی کہ انگریزوں کی اجازت کے بغیر کوئی یورپی یا امریکی سکھ فوج میں نہیں رہیگا (ایم گریگور جلد ا ص ۱۹۰-۱۹۱)

۲۔ فقیر عزیز الدین رنجیت سنگھ کے وقیع ترین درباریوں اور مشیروں میں سے تھے۔ اور اکثر اہم خفیہ مشن پر بحیثیت سفیر بھیجے جاتے تھے۔

Marfat.com

میں بے چینی پیدا کردی۔ وادیوں کے بعض سرداروں نے عُشر (۱/۱۰ دہ یک) کی موجودہ رقم بھی ارسال نہیں کی۔ لہذا بقایا عُشر کی تحصیل اور احکام شریعت کی پابندی عائد کرنے کے لئے ایک مہم روانہ کی گئی۔ یہ بہت حد تک کامیاب رہی۔ مگر ہوتی مردان کے احمد نے مخالفت کی لیکن جب اس کو قلعہ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا تو پشاور بھاگ گیا جہاں سلطان محمد خاں سردار پشاور اور یار محمد کے بھائی کے ساتھ سید احمدؒ کے خلاف فوج کشی کے لئے سازباز شروع کی۔

سلطان محمد کے دل میں اپنے بھائی یار محمد کی موت کے بعد سے اس کے فاتح کے خلاف ایک تلخی مخفی تھی۔ اس سے کچھ دن پہلے وہابیوں کے ایک چھوٹے سے دستہ پر جو قلعہ ہنڈ پر قابض تھا حملہ کردیا تھا۔ پھر اس نے سید احمدؒ کے منتشر تار پر جو اس وقت غیر محفوظ تھا حملہ کرنے کی دھمکی دی۔ بہرحال سید احمدؒ ہزارہ واپس آئے اور سلطان محمد واپس چلا گیا۔ احمد کے بہکانے سے وہ ایک بار اور سید احمدؒ کے خلاف نکلا۔ چنانچہ مایر کی جنگ، سلطان محمد کی شکست اور بعد میں پشاور پر دھاوا اور قبضہ یہ تمام واقعات یکے بعد دیگرے وقوع میں آئے (اکتوبر ۱۸۳۰ء)

سلطان محمد سے حسن سلوک: فتح پشاور کے موقع پر سید احمدؒ کا کردار بے غرضانہ بلند نظری کی ایک روشن مثال ہے وہ پشاور پر قبضہ کرکے اپنی چھوٹی سی فرماں روائی کی بنیاد ڈال سکتے تھے۔ مگر ان کا مقصد مختلف اور بلند تر تھا۔ اس نے پشاور کی حکومت سلطان محمد کو واپس کردی۔ اس فیصلہ نے ان کے رفقا میں اُس وقت بھی بے اطمینانی پیدا کی اور اس کے بعد سے دوسرے بھی اس پر نکتہ چینی کرتے آئے۔ اگرچہ بعد کے واقعات نے سید احمدؒ کے متبعین کی بے اطمینانی کا استصواب کیا، مگر ان کا فیصلہ ماحول اور حالت وقت کے لحاظ سے بالکل درست اور ان کے اعلیٰ اغراض و مقاصد کے مطابق تھا۔

Marfat.com

کوئی اور طریق عمل سلطان محمد کے ساتھ طویل عداوت پر منتج ہوتا اور ایسی تباہ کن اور دیرپا جنگ کا سلسلہ چھڑ جاتا جو اصل مقصد کو پس پشت ڈال دیتا۔

پشاور میں دینی حکومت کا قیام: حکومت پشاور پھر قائم ہوگئی۔ سید احمدؒ کے متبعین میں سے چند اشخاص حکومت کو احکام شرع کے مطابق چلانے کے لئے پشاور میں متعین کے گئے۔ مظہر علی پشاور کے قاضی مقرر ہوئے اور بہار کے چند اور اشخاص کا ایک گروہ جس میں قمرالدین بھی تھے ان کے ساتھ متعین ہوا۔ مایر کی جنگ اور پشاور کی تسخیر وہابیوں کے اثر اور سید احمدؒ کے حین حیات میں سیاسی توسیع کی نشان دہی کرتی ہے۔ بڑے بڑے عالی مرتبت مقامی سرداروں کی سرکوبی کی گئی، اور اب سید احمدؒ اطمینان سے سکھوں کی طرف اپنی توجہ مبذول کر سکتے تھے۔

مجاہدین کے خلاف سازش: مگر وہابیوں پر ایک سخت مصیبت نازل ہونے والی تھی۔ رقبۂ اثر کی وسعت کے سبب سے وہابیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں مختلف جگہوں میں جن میں پشاور بھی تھا، تعینات کر دی گئی تھیں۔ سلطان احمد اور بعض اور قبائلی سردار اپنی فطرت کے مطابق خفیہ طور پر انھیں لوگوں پر حملہ کرنے کی سازش کر رہے تھے جنھوں نے اپنی عالی حوصلگی اور سیر چشمی سے انھیں ان کا اقتدار واپس دلایا تھا۔ عوام الناس کو وہابیوں کے خلاف اکسانے کے لئے بعض سماجی اصلاحات جو نافذ کی گئی تھیں اور ان کے خلاف بعض بے بنیاد بناوٹی الزامات سے کام لیا گیا۔ تمام جگہوں میں جہاں جہاں وہابیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں منفرد تھیں ایک خفیہ، ناگہانی انقلاب کا انتظام کیا گیا۔ ابتدا پشاور سے کی گئی جہاں مظہر علی قاضی شہر اور دوسروں کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح اور ٹولیوں پر حملہ کر کے فریب سے قتل کر دیا گیا۔ چند آدمی جو بچ گئے تھے یہ داستان غم سنانے کو پنج تار پہنچے۔ سید احمدؒ اس سے پہلے اسی قسم کی حرکات سے اپنی بے نفسی سے ہمیشہ اس امید پر چشم پوشی کرنے اور

Marfat.com

معاف کر دینے کی کوشش کرتے رہے کہ شاید وہ ان کو راہ راست پر لے آ سکیں گے اور اخلاقی ترغیب اور مذہبی تعلیمات سے برضا و رغبت ان کا تعاون حاصل کر سکیں گے۔ مگر یہ انتہائی دغا بازی ان کے لئے بھی برداشت سے زیادہ ثابت ہوئی۔

مظفر آباد پر حملہ: ۱۸۳۰ء کے آخر میں سید احمدؒ آخری بار پنج تار سے رخصت ہو کر وادی کاغان کے شمال کو چلے گئے۔ دوسرے سال اوائل جنوری میں وہ راج دواری پہنچے۔ یہ حربی نقطۂ نظر سے ایک اہم جگہ تھی۔ پکھلی کی وادی کے تمام درّے نظر آتے تھے۔ اس کے فوراً ہی بعد تنگیاری سے کچھ بالاتر ایک درّہ بھوگرمنگ جو سکھوں کی ایک فوجی چوکی تھی فتح ہو گیا۔ اس جگہ کے ایک برخاست کردہ سردار زبردست خان کی اطلاع پر کہ وہ غیر محفوظ ہے ایک اور دستہ مظفر آباد بھیج دیا گیا۔ اس دستہ نے چھاونی کے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور سکھوں کی چھوٹی سی ٹولی پر بھی جو بھاگم بھاگ مظفر آباد واپس پہنچی تھی اور گڑھی میں پناہ لے رکھی تھی، حملہ کیا گیا مگر قبضہ نہ ہو سکا کیونکہ مقامی حلیف زبردست خان اوروں کی طرح آخری گھڑی میں ڈگمگانے لگا۔ سید احمدؒ نے اس دستے کو بالاکوٹ بلوا لیا جہاں وہ اپریل ۱۸۳۱ء کو آ گئے تھے۔

شیر سنگھ مظفر آباد پر حملہ کی خبر سنکر فوراً پشاور سے واپس آ گیا۔ لیکن یہ سنکر کہ وہابیوں نے اُسے چھوڑ دیا ہے اس نے پہلے گڑھی حبیب اللہ پر مورچہ سنبھالا، پھر بالاکوٹ کی طرف بڑھ گیا جہاں سید احمدؒ خود موجود تھے۔ بظاہر وہ پوری وہابی طاقت کا جو وہاں موجود تھی مظاہرہ کرنا چاہتے تھے۔ سید احمدؒ نے بھوگرمنگ، راج دواری، مظفر آباد وغیرہ سے اپنے تمام منتشر دستے بالاکوٹ بلوائے تھے جو ان کی زندگی کی آخری جنگ کا منظر بننے والا تھا۔

Marfat.com

باب ۳

جنگ بالاکوٹ اور فرائضی تحریک

(۱) جنگ بالاکوٹ

منظورہ[1] اور وقائع کے بیانات کی بنیاد پر غلام رسول مہر نے اس مشہور جنگ کے مفصل حالات مرتب کئے ہیں۔ یہ حالات اس وقوعہ سے متعلق مکمل ترین اور معتبر ترین ہیں۔ پھر بھی یہ دونوں ماخذ بعض جزئیات خصوصاً جنگ کے آخری چند گھنٹوں کے وقوعات، سید احمدؒ کی شہادت، ان کی نعش کی شناخت اور تدفین وغیرہ کے متعلق کچھ نہیں بتاتے۔ اور یہ خاموشی قدرتی بھی ہے۔ اس لئے کہ اُن کے اکثر رفقا جو ان کے ہمدوش لڑ رہے تھے شہید ہو چکے تھے۔ جو چند افراد بچ رہے تھے اپنے اپنے مشاہدات کو ذہن میں تازہ و مجتمع کرنے کو جمع ہوئے وہ بہت بعد ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں سے کسی کا بیان چشم دید نہیں۔

جنگ بالاکوٹ کے متعلق اہم دستاویز: خوش قسمتی سے اس واقعہ کی سکھوں کی ایک غیر شائع شدہ روایت ہمیں دستیاب ہو گئی ہے۔ یہ رنجیت سنگھ کے دربار کے ایک وقائع نویس کی رپورٹ میں شامل ہے لودھیانہ کے پولیٹیکل اسسٹنٹ ماسی آر ویڈ نے ان رپورٹوں کے اقتباسات حکومت ہند کو بھیجے تھے۔ اور آخر میں اس واقعہ کا نہایت

---

[1] منظورہ اور وقائع کے مختصر نام گذشتہ اوراق کے حواشی میں بار بار آئے ہیں منظورہ سے مراد ہے منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء مرتبہ سید جعفر علی ساکن مجھولا میر ضلع گورکھپور۔ یہ بالاکوٹ کے مجاہدین میں سے تھے ۱۲۸۹ھ (مطابق ۱۸۷۲ء) میں وفات پائی وقائع سے مراد وقائع احمدی ہے جو ۱۲۷۶ھ کی تالیف ہے۔ اس کے ناقص مخطوطات سے مہر صاحب نے اپنی کتاب سید احمد شہید میں استفادہ کیا ہے۔ مولف کا نام مذکور یا موجود نہیں] (مترجم)

Marfat.com

بتی بیان جو تواریخ کے مولف مہتاب سنگھ نے دیا ہے، اور پھر ۱۸۵۴ء میں تالیف
وئی اور جو ۱۸۲۴ء سے ۱۸۵۴ء تک ریونیوافسر کی حیثیت سے ہزارہ میں متعین
ھا، ہمارے ہاتھ آگیا ہے۔

سطور ذیل میں میں نے پہلے وقائع اور منظورہ کی بنیاد پر مہر نے جو حالات
کھے ہیں ان کی تلخیص کی ہے پھر تواریخ ہزارہ اور وقائع نویس کی رپورٹ میں مندرج
دایات کا پورا خلاصہ درج کر دیا ہے۔ ان تینوں ذرائع کے تقابلی مطالعہ سے
ن اہم واقعات کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد ملیگی۔

بالاکوٹ کا محل وقوع: شیر سنگھ اور سید احمدؒ کی فوجیں دریائے کُنہار کے
ے پار ایک دوسرے سے متقابل ہوئیں۔ بالاکوٹ کا گاؤں دریا کے مغربی
نارے پر ایک ٹیلے پر واقع تھا۔ شیر سنگھ کی فوج کا پڑاؤ بالاکوٹ سے تھوڑی
ر مشرقی کنارے پر تھا۔ شیر سنگھ دو راستوں سے بالاکوٹ پر حملہ آور ہو سکتا
ھا۔ بالاکوٹ کے بالمقابل مشرقی کنارے سے، دریا پار کر کے (۲) پچھلی کی طرف سے
اکوٹ کے مغربی پہاڑ پر چڑھکر بالاکوٹ پر چڑھائی کر کے۔ اس نے پہلا
ستہ اختیار کیا۔

سید احمد کی فوجی حکمت عملی: مٹی کوٹ پہاڑی کے دامن اور بالاکوٹ کے
بادحصہ کے درمیان کھیتوں کا ایک نشیبی علاقہ تھا۔ سکھوں کے اقدام کو روکنے
ے لئے اس نشیبی علاقہ میں بہت پانی چھوڑ دیا گیا تھا اور اسے دلدلی بنا دیا
یا تھا، سید احمدؒ نے پہاڑی پر جانے والی پوشیدہ پگڈنڈیوں کی نگرانی کے
ے ایک مختصر سا دستہ تعینات کر دیا تھا۔ مگر یہاں بھی غداری اپنا کام کر گئی۔
شیدہ پگڈنڈیوں کا پتہ سکھوں کو بتایا گیا اور کسی کمک کے پہنچنے سے پہلے محافظ
ستہ کو اچانک زیر کر لیا گیا۔ وہابیوں کے نقشۂ جنگ پر یہ بہت بڑی مصائبانی
رب تھی، کیونکہ اس کے فوراً بعد سکھ تمام پہاڑی پر چڑھ دوڑے جو بالاکوٹ
سایہ افگن تھی۔ جب جنگ کی صبح طلوع ہوئی سید احمد نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا

Marfat.com

کہ سکھوں کو پہاڑی سے نیچے اترنے اور دلدلی کھیتوں سے گذرنے دیں۔ جب سنگھ ہانپتے ہوئے بلندی پر پہنچے جہاں مکانات واقع تھے اُس وقت وہابی فایر شروع کرنے والے تھے۔ اُس وقت کے حالات کے پیش نظر یہ بہترین تدبیر تھی جو اختیار کی جاسکتی تھی۔ جب سکھ پہاڑی سے اترنے لگے تو وہابی، منصوبہ کے مطابق اپنی جگہ پر جمے رہے۔ اس کے بعد سید احمدؒ خود ابتدا کر کے اپنے رفیقوں کے ساتھ پہاڑی کے دامن کی طرف جھپٹ پڑے۔ اب جنگ شروع ہوئی۔ وہابیوں کی مختصر فوج چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم اور ایک دوسرے سے بے تعلق ہوگئی۔ جنگ جمکر ہوئی اور دست بدست۔ سید احمدؒ پہاڑی کے دامن میں بہادری سے لڑتے ہوئے گر گئے۔ کسی نے اُن کو گرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ جو مجاہدین ان کے ساتھ لڑ رہے تھے وہ ان کے ساتھ شہید ہوگئے۔

جنگ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بروز جمعہ واقع ہوئی۔

سید احمد کی شہادت: جنگ کے بعد شیر سنگھ نے اپنے دشمن کی لاش کی تلاش کی۔ اس کے سامنے ایک بے سر کی لاش لائی گئی جو سید احمد کی بتائی گئی۔ اس نے اس کی شناخت کرانے کی کوشش کی۔ بعد میں سر بھی مل گیا اور شیر سنگھ نے ان کی لاش کو دریا کے کنارے دفن کرادیا۔ دوسرے دن لوٹتے ہوئے اس نے دریا کو عبور کیا۔ اس کے دوسرے دن بعض اکالیوں نے جو پیچھے رہ گئے تھے لاش کو قبر سے نکال لیا اور دریا میں پھینک دیا۔ سر اور دھڑ بعد میں دریا کے اُلٹے رُخ پر دو مختلف جگہوں پر پائے گئے اور سر گڑھی حبیب اللہ میں اور دھڑ تیلہٹا میں دفن کر دئے گئے۔ اُس منحوس دن کے واقعات کی پوری پوری تحقیقات کے بعد بالاکوٹ میں موجودہ قبر کی دوبارہ تعمیر ہوئی۔ مگر یہ متیقن نہیں کہ یہ قبر ٹھیک اسی مقام پر واقع ہے جہاں سے دھڑ کھود کر نکالا گیا تھا۔

تواریخ ہزارہ کی روایت: تواریخ ہزارہ میں یہ واقعات یوں بیان کئے گئے ہیں:-

"غدارانہ قتل کے بعد سید احمدؒ نے پنج تار چھوڑ دیا، اور حبیب اللہ خاں گڑھی والا اُن کو راج دواری لے گیا جو سکھوں سے بیزار تھا۔ سید احمدؒ پہلے بھوگرمنگ پھر

Marfat.com

کاغان چلے گئے۔ انھوں نے ظاہر کیا کہ وہ کشمیر کی طرف بڑھنا چاہتے ہیں اور کشمیر کے علاقے میں حبیب اللہ خاں اور دوسرے مقامی سرداروں کو جاگیریں بھی بانٹنا شروع کر دیں۔

سید احمدؒ کے کشمیر کی طرف بڑھنے کی خبر سنکر رنجیت سنگھ گھبرایا اور شیر سنگھ کو آٹھ ہزار فوج اور توپوں کے ساتھ سید احمدؒ کے اقدام کو روکنے کے لئے متعین کیا۔ شیر سنگھ کی فوج میں اور سردار یہ تھے! سردار اتار سنگھ کالیاں والا، سردار شیام سنگھ سردار پرتاب سنگھ اٹاری والا، سردار رتن سنگھ گرجاکھیا، سادھو سنگھ کنہال، رتن سنگھ کونگلو، وزیر سنگھ رنگھری کلیا، گورمکھ سنگھ لہنا، اور جوالا سنگھ بھدانا (لمبر علیہ؟) کا چچا لکھمیر سنگھ۔ یہ فوج یوسف زئی علاقہ کا معاملہ سربراہ کرنے میں مصروف ہوئی۔ مالگزاری اور گھوڑوں کی تحصیل کے بعد شیر سنگھ ہزارہ سے گزر کر پکھلی کے گاؤں۔ شنکیاری میں خیمہ زن ہوا۔ سید احمدؒ اُس وقت شنکیاری سے ۳۰-۱۶ میل پر بھوگر منگ میں تھے۔ سکھ سرداروں نے فیصلہ کیا کہ ان کی ذمہ داری سید احمدؒ کو دربار کے علاقے میں فساد پھیلانے سے روکنا ہے۔ وہ اُس وقت بھوگرمنگ میں تھے جو سردار ہری سنگھ کی جاگیر تھا اور وہیں ان سے نپٹیگا اور خود وہ ان کو مظفر آباد جانے سے روکیگا چاہیئے۔ سردار ماہن سنگھ نے اس تجویز سے اختلاف کیا اور بتایا کہ پہلے سید احمدؒ سے نپٹے بغیر مظفر آباد کی روانگی ایک غلطی ہوگی۔ مگر اُس کی رائے مسترد کر دی گئی چنانچہ شیر سنگھ مظفر آباد چلا گیا اور محصور قلعہ کو آزاد کرا لیا۔ نجف گدون گھوڑی والا شیر سنگھ سے مل گیا اور مظفر آباد کا تنہا حاکم بنا دیا گیا۔"

سکھوں کی بدحواسی: اسی اثنا میں سید احمدؒ بالاکوٹ پہنچے گئے جو درہ کنہار میں ایک اہم گاؤں تھا۔ مقامی لوگ آئے اور اُن کے مرید ہوئے۔ مہان سنگھ نے جو ایک چھوٹے سے دستے کے ساتھ پیچھے رہ گیا تھا شیر سنگھ کو لکھا کہ سید احمدؒ کے لوگ مالیانہ وصول کر رہے ہیں اور مقامی لوگ ان کے ساتھ ہیں، پھر وہ (مہان سنگھ) اس دستے کی مدد کیسے کرے؟ اس پر شیر سنگھ نے مہان سنگھ کو حکم دیا کہ وہ پنے

Marfat.com

وزیر سنگھ رنگھرتی کلیا، سادھو سنگھ کنہال اور رتن سنگھ کو نگلو کے دستے بیکر گڑھی حبیب اللہ کی طرف پیچھے ہٹ جائے۔ ان سب کی مجموعی تعداد آٹھ سو کے قریب تھی۔ بالاکوٹ سے مغرب چند میل پر گڑھی پہنچ کر مہان سنگھ نے قلعہ فتح گڑھ کی مرمت شروع کردی۔ مرمت جاری ہی تھی کہ ایک افواہ پہنچی کہ سید احمدؒ کے لوگ دریا عبور کر کے اچانک حملہ کرنے والے ہیں۔ سکھ بدحواس ہوگئے۔ انھوں نے خندقیں کھود یں اور اُن کو خاردار جھاڑیوں سے گھیر لیا اور توپیں چھوڑ چھوڑ کر نرسنگھے پھونک پھونک کر اور آگے پیچھے دوڑ دوڑ کر شور غل مچا دیا۔

شیر سنگھ کی گڑھی حبیب اللہ کی جانب پیشقدمی: اسی وقت انھوں نے ایک تیز رو قاصد بھیجکر اپنی حالت زار کی خبر دی اور اسی رات کمک طلب کی شیر سنگھ نے فوراً اپنی فوجوں کو گڑھی حبیب اللہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ دوسری صبح کو پریشان حال لوگوں نے جنھوں نے رات سخت اضطراب میں گذاری تھی کمک کی صفوں کو دیکھا تو جان میں جان آئی۔

آئندہ سولہ دنوں میں قلعہ کی پوری مرمت ہو چکی تھی۔ اس کے بعد سکھوں نے اپنا ڈیرا بالاکوٹ سے چھ میل پرے دریا کے مشرقی کنارے پر منتقل کر دیا۔

دونوں فوجوں کے کمانڈر اپنی اپنی چھاؤنیوں سے جن کے درمیان ندی بہ رہی تھی ایک دوسرے کا بغور نظارہ کر رہے تھے۔ شیر شاہ وقتاً فوقتاً اپنے افسروں کے ساتھ گھوڑے پر بالاکوٹ کے مقابل جاکر دوربین سے دشمن کا ملاحظہ کرتا۔

سید احمد کی ایک جنگی چال: ایک روز سید احمدؒ ایک چال چل گئے۔ انھوں نے اپنی جائے قیام کے سامنے کچھ غلّے کے دانے بکھروا دئے جن کے چگنے کو چڑیوں کا ایک بڑا جھنڈ اُس جگہ جمع ہوگیا۔ ساتھ ہی انھوں نے سکھوں کی چھاؤنی کے پاس ندی کے پار پانسو سپاہی بھیج دئے کہ جنگلوں میں جا چھپیں۔ جب شیر سنگھ نے دشمن کے کیمپ کے روزانہ ملاحظہ کے دوران دوربین سے دوسری طرف چڑیوں کے ایک بڑے جھنڈ کو منڈلاتے دیکھا تو سمجھا کہ وہاں شاید اُس جگہ کو

Marfat.com

چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہو گئے۔ اُس نے ایک نگراں ٹولی کو دوسری طرف دیکھنے اور رپورٹ کرنے کو بھیج دیا۔ سید احمد نے جن سپاہیوں کو اُدھر گھات لگانے کو بھیجا تھا انھوں نے اُس ٹولی کو گھیر لیا۔ اس میں سے صرف دو آدمی ندی تیر کر پار ہوئے اور اپنی دُرگت سنائی۔

سکھ فوج کا ماٹی کوٹ پر قیام: شیر سنگھ نے پھر مشورہ کیا کہ سید احمدؒ پر کس طرح حملہ کیا جائے۔ طے پایا کہ فوج کا ایک حصہ تو اپنی جگہ پر رہے اور ایک ہزار توپچیوں کا محفوظ دستہ قلعہ اُڑی کے تھانیدار ٹیک سنگھ کے ساتھ کیمپ کی حفاظت کرے۔ بقیہ فوج نے ایک محفوظ مقام پر ندی پار کی اور باسیان سے گذر کر ماٹی کوٹ کی پہاڑی پر جم گئی۔

ہزارہ اور شنکیاری کے محفوظ دستے بھی ایک اور دستے سے ٹمری ہوکر پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ وہابیوں کی وہ چھوٹی سی ٹولی جو چوٹی کو جانے والے پوشیدہ راستے کی حفاظت کے لئے تعینات تھی مغلوب کر لی گئی اور اس میں سے تین چار شہید ہو گئے، باقی بھاگ نکلے۔ سید احمد نے ایک امدادی ٹولی بھیجی جو اتنی دیر سے پہنچی کہ اس چھوٹی سی حفاظتی ٹولی کی کوئی مدد نہ کر سکی، وہ لوٹ آئی۔ سکھوں نے پہاڑی کی چھوٹی پر رات گذاری۔

چوٹی پر پہنچکر سکھوں کو ایک سخت پریشانی کا سامنا ہوا۔ کہیں پانی دستیاب نہ تھا۔ مگر ان کی خوش قسمتی سے بادل کڑکا اور اُن کے کیمپ پر اولے برسے۔

دوسری صبح کو حملہ شروع ہوا۔ پہلے فیصلہ ہوا کہ ایک چھوٹے سے دستے سے چوٹی کی حفاظت کی جائے چنانچہ ہزارہ کی فوج کے ساتھ نہان سنگھ اور جوالا سنگھ پھدانا کے چچا لکھمیر سنگھ وہابیوں پر حملہ کرنے کے لئے بھیجے گئے، بقیہ فوج چوٹی پر رہے اور حالات کے مطابق کمک بھیجتی رہے۔ جب حملہ آور ٹولی نیچے اُتری شیام سنگھ اٹری والا نے کہا کہ فتح کی (اگر حاصل ہوئی) رپورٹ کرتے ہوئے یہ اچھا نہیں معلوم ہوگا کہ صرف یہی دو سردار لڑے تھے، نہ شکست کی

Marfat.com

رپورٹ میں یہ اچھا معلوم ہوگا۔ علاوہ بریں اگر انھوں نے شکست کھائی تو بچے ہوئے آدمیوں کا دشمنوں کے مقبوضہ علاقے سے ہوکر لاہور تک پہنچنا ناممکن ہے اس لیئے ان کا ایک ساتھ حملہ کرنا ہی بہتر ہوگا۔

آغازِ جنگ: مائی کوٹ پہاڑی کے دامن میں کچھ نشیبی زمین تھی، اس کے بعد ایک بلندی پر بالاکوٹ کا گاؤں واقع تھا جس میں سید احمدؒ اور ان کے رفقا تیر کمان اور زنبورک لئے تیار بیٹھے تھے۔ فریقین کے درمیان توپ اندازی کا تبادلہ شروع ہوا سکھ کشمیر سے ایک توپ اٹھا لائے تھے۔ انھوں نے اسے نصب کر کے گولے برسانے شروع کر دئے۔ صبح سے دوپہر تک گولوں کا تبادلہ تیزی سے جاری رہا۔ مہان سنگھ اور جوالا سنگھ دونوں سرداروں کے علمبردار وہابیوں کے گولوں سے مقتول ہوئے۔ اور جھنڈے گرنے لگے۔ دوسرے سکھ ان کو اٹھانے کو جھپٹے۔ ان جھنڈوں کو گرتا دیکھ کر بالاکوٹ میں جتنے وہابی تھے۔ باہر نکل آئے۔ سید احمدؒ اور خود مولوی اسمٰعیل نے حملے کی رہنمائی کی' اور اُس نشیبی زمین کی طرف جھپٹے جو فریقین کے درمیان واقع تھی۔ اور چلائے کہ دشمن پسپا ہو رہا ہے اور تم کو حملہ کر دینا چاہیئے۔ اور وہابی بھی اُس پہاڑی کی طرف بڑھے جہاں سردار اتر سنگھ کلیان والا اور گورمکھ سنگھ لہنا کی سپاہ ایک طرف جمی ہوئی تھی۔ مہان سنگھ اور کنور شیر سنگھ کی سپاہ بھی وہاں آ پہنچی اور جنگ میں شریک ہوگئی۔

سکھوں کی پسپائی: سکھوں نے پہلے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ شیر سنگھ نے اپنی تلوار کھینچ لی اور چاہتا تھا کہ خود میدان جنگ میں گھس پڑے لیکن مہان سنگھ اور دوسروں نے اسے تنہا جانے کو منع کیا۔ لیکن اس نے ان کا کہنا نہ مانا اور سکھوں کو آگے بڑھانا شروع کیا۔ اُس نے بھاگتے ہوئے سکھوں کو گالیاں دیں ان پر پتھر پھینکے اور پھر میدان جنگ میں دھکیل دیا۔

مجاہدین کی شہادت: اس نے شیام سنگھ اور پرتاب سنگھ کے پاس قاصد بھیج کر توپیں چلانے کا حکم دیا اور دوسرا قاصد اسی پیغام کے ساتھ اتر سنگھ کے پاس

Marfat.com

بھیجا۔ انھوں نے گولہ باری شروع کر دی۔ اس نشیبی زمین میں خلیفہ سید احمدؒ کے ساتھ ۱۸۷ وہابی گر گئے۔ چار سو ہندوستانی بھی جو سید احمدؒ پر جان چھڑکتے تھے گر گئے سید احمدؒ کی نعش میں داہنے ہاتھ اور سینہ پر بائیں پستان کے نیچے گولی کے نشان تھے۔ بقیہ وہابیوں نے جن کی تعداد کوئی اسی ہوگی تین بار اپنے سردار کی نعش اٹھا لانے کی کوشش کی مگر سخت گولہ باری کے سبب سے ناکام رہے۔ آخر ایک وہابی ان کا سر کاٹکرا اٹھا لے گیا۔ (یہ بالکل ناقابل قیاس ہے۔ مسلمان لاش کے مسخ اور قطع و برید کو گناہ سمجھتے ہیں۔ سید احمدؒ کا کوئی متبع اپنے عزیز انجاں سردار کی نعش کے ساتھ یہ سلوک روا نہ رکھ سکتا تھا) اس شخص کے گولی لگی اور سر کو لیکر آگے بڑھنا ناممکن دیکھکر اس نے اس کٹے ہوئے سر کو سرسوں کے انبار میں چھپا دیا۔

سکھ گاؤں میں داخل ہوئے اور سید احمدؒ اور دوسرے لوگوں کے گھروں کو آگ لگادی۔ آٹھ زنبورک، ایک ہاتھی، دس گھوڑے اور دس خچر پکڑ لے گئے۔

سید احمدؒ کی لاش کی شناخت: شیر سنگھ نے میدان جنگ کے معاینے میں سید احمدؒ کی نعش دیکھی اور اسے کسی معزز کی نعش سمجھکر اپنے کیمپ میں لے گیا اور اپنے آدمیوں سے اس کی شناخت کا انتظام کرنے کو کہا۔ نواب خاں تناولی کو جو دو تین برس سید احمد کے ساتھ رہ چکے تھے شیر سنگھ کے سامنے پیش کیا گیا۔ انھوں نے کہا کہ سر کے بغیر شناخت دشوار ہے لیکن بتایا کہ سید احمدؒ کے جسم پر کچھ امتیازی نشانات تھے۔ ان کے پاؤں کے سب ناخن ناقص تھے۔ چنانچہ کفن ہٹانے پر سب ناخن واقعی ناقص پائے گئے۔ پھر بھی کچھ شبہہ باقی رہ گیا تھا۔ اس اثنا میں عالم خاں تناولی ایک ملازم نے آگے بڑھکر کہا کہ "میں سید احمدؒ کے سر کا پتہ بتا سکتا ہوں اگر پچیس روپے کا انعام عنایت ہو" شیر سنگھ نے جھٹ اسے پچیس روپے دے دئے اور ۲۵ سوار اور ۲۵ پیادے اس کے ہمراہ تعینات کر دئے۔ اس نے چھپایا ہوا سر بتا دیا۔ جب سوار سید احمدؒ کا سر لئے واپس جا رہے تھے سکھ سپاہی

Marfat.com

اُسے غلطی سے وہابی سوار سمجھکر مسلح ہونے لگے۔ بعد میں جب ان کی شناخت ہوگئی تو سب نے چین کی سانس لی۔ سر دھڑ کے پاس رکھ دیا گیا، نواب خان تناولی کو پھر بلایا گیا اور انھوں نے ٹھیک شناخت کر لی نعش چند مسلمانوں کے حوالہ کر دی گئی جو سکھ فوج کے نوکروں میں سے تھے۔ وہ تمام رات قرآن شریف پڑھتے رہے اور دوسرے دن نعش کو شیر سنگھ کی اجازت سے کنہار ندی کے کنارے ایک قبر میں دفن کر دیا۔ دوسرے دن شیر سنگھ رخصت ہوگیا اور دو سردار مہان سنگھ اور لکھمیر سنگھ کو حکم ہوا کہ اپنی زیر نگرانی سارا سامان گڑھی حبیب اللہ کو منتقل کر دیا اور تمام فوج ندی عبور کرے تو یہ بھی اسی کے پیچھے چلے جائیں۔ شیر سنگھ کی عدم موجودگی میں ان دونوں سرداروں نے آپس میں یہ سازش کی کہ سید احمدؒ نے اپنی زندگی بھر ان کو بہت تکلیفیں دیں، اب اگر ان کی میت کو قبر میں رہنے دیا جائے تو مسلمان اسے ایک مرکز پرستش بنالیں گے، اس لئے بہتر یہ ہوگا کہ اسے قبر سے نکالکر ندی میں پھینک دیا جائے۔ سات آٹھ نہنگ بھی پاس ہی کھڑے تھے۔ دونوں سرداروں نے ان کو پچیس روپے دیئے اور کہا کہ اگر تم خلیفہ (سید احمدؒ) کی نعش کو قبر سے نکالکر ندی میں پھینک دو تو یہ بڑے پُن (صواب) کی بات ہوگی۔ انھوں نے فوراً تعمیل کی اور نعش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ندی میں پھینک دی اس کے بعد دونوں سردار نوشہرہ کی طرف کوچ کر گئے۔ اس کے بعد شیر سنگھ کے ساتھ لاہور میں داخل ہوئے۔

خلیفہ[1] سید احمدؒ اور کنور شیر سنگھ کے درمیان جنگ ۲۷ ربیساکھ ۱۸۸۷[2] سمبت مطابق ۷ رمئی ۱۸۳۱ء کو ہوئی

[تمام شد بیان توارنخ ہزارہ]

---

[1] اس کتاب میں سید احمد کو خلیفہ ہی سے ملقب کیا گیا ہے۔ (مترجم)
[2] درحقیقت مسودہ میں ۱۸۳۷ء درج ہے۔ بے شبہہ یہ کاتب کا سہو ہے۔ کیونکہ بکرم سمبت سال ۱۸۸۷ء جو ساتھ ہی درج ہے ۱۸۳۰ ۱۸۳۱ء سے مطابقت رکھتا ہے نہ کہ ۱۸۳۷ء سے

Marfat.com

ویڈ کی روایت :-

ویڈ نے ویسوہا چھاونی سے ۱۷ مئی ۱۸۳۱ء کو ایک مراسلہ میں وقائع نویس کی رپورٹ مورخہ ۱۰ مئی کا یہ اقتباس نقل کیا ہے:۔

"کنور شیر سنگھ اور بھیمن سنگھ (? مہان سنگھ) گورنر کشمیر کے مراسلات اس مضمون کے پہنچے ہیں کہ سید احمدؒ کے دو بہ میں دشوار گذار پہاڑیوں میں ہونے کی اطلاع ملنے پر ان لوگوں نے اپنے پڑاؤ سے چل کر اُن پر حملہ کر دیا۔ ریاست کی فوجیں ان پہاڑیوں کے استحکامات اور دروں سے ناواقف تھیں اس لئے ان کو شکست ہوگئی اور تین سو آدمی ہلاک اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔ اس لئے آپریشن کو جاری رکھنا ناممکن دیکھ کر وہ سات آٹھ کوس پیچھے ہٹ گئیں اور چھاؤنی قائم کی۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کا ارادہ فوراً حملہ کرنے کا تھا مگر ان کی چھاؤنیوں میں غلّہ بہت گراں ہو گیا تھا۔ ایک روپے میں ۵ سیر بکّے۔ یہ خبر سنکر مہاراجہ نے اپنے نجومیوں سنکر ناتھ اور دو دسو دن کو بلا بھیجا اور حالات بتا کر ان سے احکام نجوم سے یہ معلوم کرنے کی خواہش ظاہر کی ایا کنور شیر سنگھ اپنے مجوزہ حملہ میں کامیاب ہوگا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم حساب لگا کر عرض کر دینگے"۔

ویڈ نے مزید لکھا کہ متذکرہ اطلاع بھیجنے کے بعد دربار میں خطوط موصول ہوئے جن میں مذہبی دیوانوں کی کامل شکست کا اعلان کیا گیا تھا۔ "سید احمدؒ نے ایک مستحکم مقام بالاکوٹ میں چھاونی ڈالی تھی۔ شیر سنگھ وہاں جاکر حملہ آور ہوا۔ سید احمدؒ نے اپنی جگہ چھوڑ کر حملہ کا مقابلہ کیا اور مغلوب ہو گئے ...... سید احمدؒ کی نعش کی شناخت کی گئی اور سکھوں نے اُس کو جلا دیا"۔

وقائع نویس کی رپورٹ: بعد میں موکریان چھاونی سے ایک خط مورخہ ۱۸ مئی ۱۸۳۱ء میں وقائع نویس کی ایک اور رپورٹ مورخہ ۱۴ مئی ۱۸۳۱ء یوں نقل کی "کنور شیر سنگھ کا ایک مراسلہ موصول ہوا کہ سید احمدؒ نے دو تین ہزار آدمی کے ساتھ جن میں زیادہ تر گاؤں کے کسان تھے مالاکوٹ (? بالاکوٹ) میں نالے کے پار پڑاؤ کیا۔ وہ اکتوبر) ۸ رتاریخ

Marfat.com

کو دوپہر کے وقت گاؤں کے بعض زمینداریوں کی مدد سے پرتاپ سنگھ اٹاری والا، رتن سنگھ گھر جاکر اور دوسرے سرداروں کی فوجیں لیکر جن میں پانچ ہزار آدمی تھے اور ایک پایاب نالہ پار کر کے دشمن کو اچانک آلیا، اور اُس کو ہر طرف سے گھیر کر کاٹھیوں سے تلواریں کھینچ لیں اور سید کو اُس کے پانسو آدمیوں سمیت قتل کر دیا اور اس کے خیموں، سامان، ہاتھی، متعدد پرزوں اور، آلات، اور تلواروں پر قبضہ کر لیا۔ اس کی فوج کے باقی لوگوں نے بھاگ کر جانیں بچائیں"۔

تواریخ ہزارہ کی روایت جس کی طرف کوئی اعتنا نہیں کی گئی ہے۔ دوسرے نقطۂ نظر سے اہمیت رکھتی ہے۔ یہ منظورہ اور وقائع اور بعد کی دوسری شائع شدہ کتابوں کے بعض مبہم مقامات کی توضیح کرتی ہے۔

یہ پیگٹ اور میسن کے بیان کی توثیق کرتی ہے کہ سکھوں نے وہابیوں کے پہلے حملے کے دوران کیا کیا پسپائیاں اور آفتیں جھیلیں۔

یہ سید احمدؒ کے محفوظ مقام سے نکلکر نشیبی زمین میں ماٹی کوٹ کے دامن کے نزدیک سکھوں سے ٹکر لینے کے اچانک اور عجیب فیصلے کی توضیح بھی کرتی ہے۔ غالباً یہ سکھوں کے دو گرتے ہوئے جھنڈوں کا منظر تھا جس نے وہابیوں کو یہ سمجھکر کہ سکھ پسپا ہوا چاہتے ہیں شدت سے حملہ آور ہونے کی ہمت دلائی۔

مہر نے خیال ظاہر کیا ہے کہ پہلے منصوبے کا ایک بیک ترک کر دینا حیرت انگیز تھا، اور سید احمدؒ کے بعض رفقا کا خیال تھا کہ وہابیوں کی شکست کا سبب یہی ہوا۔ لیکن مہر نے ان کے اس خیال سے اختلاف کیا ہے اور یہ رائے قائم کی ہے کہ منصوبہ غالباً اس لئے ترک کیا گیا کہ سکھ جنوب سے بھی چڑھائی کرنے لگے اور دریا پار سے بالاکوٹ پر گولہ باری شروع کر دی تھی۔ تواریخ ہزارہ میں ان دونوں واقعات کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، اگرچہ وہ ہر جہت سے جنگ کی تفصیلات سے بہت معمور ہے۔ مہر خود اقرار کرتے ہیں کہ ان کا تذکرہ مفروضہ واقعات پر مبنی تو نہیں مگر صورت حال کی تشریح کے لئے بہت زیادہ قرین قیاس ہے۔ مگر

Marfat.com

تواریخ ہزارہ میں دوسرا سبب بیان کیا گیا ہے جو زیادہ قرین قیاس ہے۔

منظورہ اور وقائع سے ظاہر ہے کہ دونوں فوجیں دریا کے پار کچھ دیر تک ایک دوسرے سے مقابل رہیں۔ مگر یہ ماخذ ٹھیک وقت نہیں بتاتے۔ منظورہ سے زیادہ مدد ملتی ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ شیر سنگھ کے آنے کے بعد گڑھی کی مرمت پر سولہ دن صرف ہوئے اور اس کے فوراً بعد جنگ چھڑی۔

یہ مسودہ اُن کی معین تعداد بھی بتاتا ہے جو سید احمدؒ کے آخری چند گھنٹوں میں اُن کے دوش بدوش لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

وقائع نویس کی رپورٹ میں سکھوں کی پسپائی کا جس میں تین سو سپاہی ہلاک ہوئے جو ذکر ہے، وہ واقع ہوئی ہوگی مہان سنگھ کی سپاہ سے جھڑپ کے دوران میں جب گڑھی کی مرمت ہو رہی تھی۔

جنگ کی تاریخ کے بارے میں تینوں ماخذ تین مختلف تاریخیں بتاتے ہیں، گو ان میں بہت زیادہ فرق زمانی نہیں۔ مہر کی بیان کے مطابق ۶ رمئی، تواریخ ہزارہ کے مطابق ۷ رمئی اور وقائع نویس کی رپورٹ کے مطابق ۸ رمئی۔ آخرالذکر کی تاریخ تحریر ۱۰ رمئی ۱۸۳۱ء ہے اور زمانہ وقوعہ سے قریب ترین ہونے کے سبب سے سب سے زیادہ اقرب الی الصواب۔

Marfat.com

(ب) سید احمدؒ کی سرحدی جنگوں کے سیاسی نتائج

سکھوں کی تاریخ پر عام تالیفوں میں سید احمدؒ اور سکھوں کے درمیاں جنگوں کے واقعات کی طرف یا تو زیادہ اعتنا نہیں کی گئی یا بالکل ترک کر دیئے گئے۔ اس کا سبب ایک تو اس موضوع پر انگریزی میں مواد کی نادستیابی ہے۔ پھر بھی جو منتشر حوالے ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سید احمدؒ کی کاروائیوں اور مساعی پر سکھ دربار نے جو دھمکی دی تھی وہ بالکل بے معنی نہ تھی۔ اگرچہ سید احمدؒ براہ راست سیاسیات سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے، ان کی جنگوں کا ایک اہم سیاسی نتیجہ ضرور ظاہر ہوا۔

رنجیت سنگھ کی سندھ سے دلچسپی: ۱۸۰۹ء کے معاہدہ کے وقت سے ہی رنجیت سنگھ کی نظریں سندھ اور خاص کر کے شکار پور پر گڑی ہوئی تھیں حکومت برطانیہ اول اول اس سلسلے میں سکھوں کے عزائم اور حرکات کو دور سے دیکھتی رہی، اس معاملہ میں اس کی اپنی کوئی خاص پالیسی نہ تھی۔ پی۔ این کھیرا نے اپنی مختصر مگر عمدہ تالیف میں صورت حال کو جامعیت سے یوں بیان کیا ہے :-

"۱۸۲۰ء سے ۱۸۳۰ء تک کا ایک عشرہ (۱۸۲۵ء میں ایک معمولی استثنا کے ساتھ) عدم مداخلت اور نگرانی و چشم گماری میں امتیاز رکھتا ہے (یعنی ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی پالیسی)۔ ۱۸۲۵ء سے جب کہ رنجیت سنگھ کی فوج خوب منظم تھی لارڈ ولیم بنٹنگ کے اوائل عہد تک جب کہ حکومت برطانیہ نے اپنی عدم مداخلت کی پالیسی بدلکر پرامن تجارتی منصوبے کی خاطر سندھ میں دلچسپی لینا شروع کی، اس وقت رنجیت سنگھ سندھ پر حملہ کر سکتا تھا اور شاید۔ اس ملک کا ایک حصہ لے بھی لیا ہوتا، اور برطانیہ کی مداخلت درکنار کوئی اعتراض بھی نہ ہوتا" [1]

---

[1] پی این کھیرا BRITISH POLICY TOWARDS SIND UP TO ANNEXATION, 1843 لاہور ۱۹۴۱ء صفحہ ۸

Marfat.com

یہ واقعہ ہے کہ برطانیہ کو اُس وقت تک سندھ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ رنجیت سنگھ نے یہ محسوس کر کے اپنی مجوزہ فوج کشی کے لئے اس بہانے سے تیاریاں بھی شروع کر دیں کہ وہ خراج وصول کرنا ہے جو امیروں نے حکومت افغان کو ادا کیا، حالانکہ رنجیت سنگھ اس حکومت کی وراثت کا مدعی تھا۔ مگر صوبہ شمالی مغربی میں ایک نئے خطرے کے رونما ہو جانے سے اُس کا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔ سکھوں کے ایک زبردست دشمن سید احمدؒ نے مسلح مخالفت شروع کر دی اور کئی سال تک اس سکھ راجہ کی تمامتر توجہ اپنی طرف جذب رکھی۔ اس طرح اگرچہ سید کو کنور شیر سنگھ نے ۱۸۳۱ء میں شکست دی اور قتل کیا مگر سندھ کو کفار کے پنجے سے بچانے والے بالواسطہ وہی تھے[1] ۱۸۳۵ء تک جب کہ رنجیت سنگھ نے اس خطرے سے نجات پائی تو اس نے دیکھا کہ سندھ کے متعلق انگریزوں کی نیت بدل گئی ہے۔

سید احمد کی شہادت پر رنجیت سنگھ کا اظہار مسرت: سید احمدؒ کی شکست اور شہادت سے رنجیت سنگھ کو بڑا اطمینان ہوا۔ ویڈ نے اپنے متذکرہ مکتوب میں لکھا ہے: "رنجیت سنگھ اپنی اس فتح پر پھولا نہ سماتا تھا جس نے اس کی حکومت کو دائمی خلفشار اور بے چینی سے نجات دلائی۔ اس نے اس واقعہ کی یاد میں توپوں سے سلامی دینے اور شہر امرتسر میں چراغاں کرنے کا حکم دیا۔ جو قاصد یہ خوشخبری لایا تھا اُسے ایک جوڑا سونے کے کنگن قیمتی تین سو روپیہ، ایک پگڑی اور شال کا جوڑا عنایت ہوا۔" کنور کو ایک خط میں اس کے خط کی رسید، اُس کے اعلیٰ کارناموں کا اعتراف اور اُس کے واپس آنے کے بعد مزید جاگیر کا وعدہ تحریر کیا۔ گوونداگڑھ کے گورنر فقیر امام الدین کو بھی ساتھ ہی حکم دیا گیا کہ قلعہ کی ہر توپ سے گیارہ گیارہ گولوں کی سلامی داغی جائے۔

حکومت ہند نے بھی اپنے پولیٹیکل اسسٹنٹ کو حکم دیا کہ گورنر جنرل کی طرف

---

[1] ایضاً صفحہ ۹ - ۴۴

Marfat.com

سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو اُس فتنے کی آگ کے ٹھنڈی ہوجانے پر جو اس شخص (سید احمدؒ) نے برانگیختہ کر رکھی تھی مبارکباد پیش کردے۔

نظریہ غیبوبت سید احمد: سید احمدؒ کی زندگی کے آخری لمحوں سے متعلق واقعات راز میں ملفوف رہے۔ اس لئے ان کے واقعی خاتمہ کے متعلق ایک نزاع چل پڑی جو کچھ مدت تک جاری رہی۔ سب سے آخر میں ان کو ایک گھمسان دست بدست معرکہ میں لڑتے دیکھا گیا۔ اس کے بعد وہ غائب ہوگئے۔ کسی نے ان کو گرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ اس لئے وہابیوں کے ایک طبقے میں یہ خیال جگہ لگاتا رہا کہ سید احمدؒ شہید نہیں غائب ہوگئے ہیں اور آئندہ کسی وقت پھر ظاہر ہونگے۔ منطق اور عقل کی روشنی میں سید احمدؒ قطعاً اسی جنگ میں شہید ہوگئے۔ مگر بالاکوٹ کے باقی ماندہ لوگوں اور ان کے بہت سے رفقا و متبعین کے لئے یہ ناگہانی شدید ضرب ناقابل برداشت تھی۔

انھوں نے ایک مقصد عالی کے حصول کے لئے اپنی تمام مادی املاک قربان کردی تھی اور سید احمدؒ کے ساتھ ساتھ ناقابل قیاس دُکھ جھیلے تھے۔ لیکن اب قسمت کی ہوشربا ناگہانی سرگشتگی سے رسب مٹا رہا تھا۔
غیبوبت کے نظریے کا پس منظر یہی ہے۔ دراصل یہ ایک ہیجانی ردعمل تھا ان کے مادی حرکات و سکنات کے منظر سے ان کے محبوب سردار و رہنما کے یک بیک اُٹھ جانے اور مر جانے پر یقین کرنا ان کے لئے دشوار تھا۔ یہ نظریہ ان کے اس راسخ عقیدے کا ایک مقدس سایہ بھی تھا کہ سید احمدؒ جسمانی طور پر فنا ہوگئے ہوں تو ہوگئے ہوں مگر ان کا مشن فنا نہیں ہوسکتا۔
ہٹلر اور سبھاش چندر بوس کی موتیں ہمارے عصر کے واقعات ہیں۔ ان کی موتیں بھی پردۂ راز میں مخفی تھیں۔ اول الذکر کی موت کے متعلق حکومت ہند کی مسلسل تحقیقات کے باوجود ان دونوں لیڈروں کے ہموطنوں کے ایک

Marfat.com

طبقے میں ان کی زندگی کا عقیدہ اب تک موجود ہے۔ اگر محض سیاسی لیڈروں کے لئے ایسی محکم وفاداری و جاں نثاری ہو سکتی ہے تو ایسے شخص کے لئے جو صرف سیاسی لیڈر نہیں بلکہ حسنات و خیرات کا کامل نمونہ تھا اس کے متبعین میں جو گرم جوشی اور سرشاری محبت و عقیدت پیدا ہوئی ہوگی، قیاس کی جا سکتی ہے۔

عقیدۂ ظہور ثانی: صادق پور کے ارکان خاندان خصوصاً ولایت علی پر انگریز اور ہندوستانی مصنفوں نے سید احمد کے ظہور ثانی کے عقیدہ کی اشاعت[1] پر بہت نکتہ چینی کی ہے۔ اُن پر اس عقیدے کی اشاعت میں دانستہ بے ایمانی کا الزام عائد کیا گیا ہے کہ ولایت علی نے اس مقصد سے یہ قدم اُٹھایا ہے کہ تحریک کی ڈوبی ہوئی ناؤ کو پھر اُبھارا جا سکے اور اس جدوجہد میں اپنی سرداری بحال رکھی جائے[2]۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہ عقیدہ ایک وقتی ہیجانی ردعمل تھا۔ اس پر سختی نظر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس تحریک کی خدمات جو ولایت علی اور ان کے بھائی عنایت علی نے انجام دیں وہ اتنی ٹھوس تھیں کہ انہیں اس موہوم فائدہ کے کمزور سہارے کی محتاج نہ تھیں۔

امتداد زمانہ کے ساتھ جو تمام زخموں کو مندمل کر دیتا ہے اس عقیدے پر ایقان کی شدت ہلکی ہوتی گئی۔ ایک دستاویز[3] مورخہ ۱۸۴۵ء میں خاص طور پر مذکور ہے کہ ۱۸۳۹ء کے قریب جب عنایت علی نے اول اول اس تحریک کی قیادت سنبھالی تو اس عقیدے کی بنیادی اہمیت باقی نہ رہی تھی۔ اگر لوگوں کا میلان ہوتا تو یہ عقیدہ رکھ سکتے تھے ورنہ نہ تو اس پر کوئی جبر تھا نہ اس عقیدے کے منکروں پر کوئی الزام عائد کیا جاتا۔ خود سوانح احمدی کے مؤلف (جعفر تھانیسری) جو شروع میں یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ امتداد زمانہ کے ساتھ اس سے دست بردار ہو گئے۔

---

[1] رسالہ دعوت ولایت علی مشمولہ رسائل تسعہ

[2] "آور انڈین مسلمان" مولفہ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر صفحہ ۴۷-۴۸

[3] پٹنہ یونیورسٹی لیبریری کا مخطوطہ مکتوبات سید احمد ص ۲۲۰ سوانح ص ۱۷۹-۱۸۰

Marfat.com

سید احمدؒ معرکۂ بالاکوٹ میں شہید ہو گئے اور ان کے چیدہ رُفقا بھی۔ مایوسیوں اور انتشار و پراگندگی کی ایک مختصر مدت کے بعد شیخ محمد ولی پھولتی سردار منتخب ہوئے اور تمام حاضرین سے بیعتیں لیں۔ وہابیوں کا ایک اور گروہ جو جنگ بالاکوٹ کے موقع پر مظفر آباد میں تعینات تھا وہ بھی واپس آ گیا اور شیخ محمد پھولتی کے گروہ میں شامل ہو گیا۔

آیندہ چند برسوں میں وہابی جگہ جگہ مارے پھرے اور اپنے ذرائع کو دوبارہ درست اور منظم کرنے کے لئے مختلف سرداروں سے مدد طلب کی، مگر قبائلی سردار زیادہ تر خفاتی اور مقامی مصالح کے تابع تھے۔ وہ تو اپنے اپنے علاقوں اور حدود اثر کی توسیع کے لئے وہابیوں کی خدمات کے خواہاں رہتے تھے، کیونکہ وہ مسلح، تربیت یافتہ اور جنگ آزمودہ لوگ تھے۔

وہابیوں کو پاینده خاں کی پیشکش: بالاکوٹ کے بعد وہابیوں کا پہلا پڑاؤ ایک مقام ننذھیار میں ہوا جہاں وہ کوئی دس مہینے رہے۔ اس کے سردار کو بدگمان اور نامددگار پاکر وہ پنج تار منتقل ہو گئے جو سید احمد کی زندگی تک ان کی قومی کارروائیوں کا مرکز رہ چکا تھا۔ مگر وہاں بھی وہی دشواریاں پیش آئیں۔ تو آمب کے سردار پاینده خاں کی امداد اور مہمان نوازی کی پیشکش پر وہ آمب کو منتقل ہو گئے۔ اس سے پہلے ۱۸۳۰ء میں پاینده خاں سید احمد سے شکست کھا چکا تھا، لیکن اب اس نے مصالحانہ رویہ ظاہر کیا اور وہابیوں کو اپنی قلمرو میں اقامت کے لئے مدعو کیا اور اگرور کے سردار کے علاقے میں جستی کا قلعہ اور ملحقہ زمینیں دیں۔ بظاہر یہ اعانت کے علامات تھے لیکن دراصل وہ ایک پتھر سے دو چڑیوں کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ اُس میں اور اگرور کے سردار میں پرانی عداوت چلی آتی تھی۔ اس کی بہن اگرور کے سردار سے منسوب تھی۔ مگر دونوں کے درمیان کچھ تنازع کے سبب سے شادی ملتوی ہوتی چلی آتی تھی۔ جب وہ سید احمد کے ہاتھوں شکست کھا کر نکل بھاگا تو اس کا خاندان پیچھے رہ گیا اور سید احمد کے قبضے میں آ گیا اسے انہوں نے کشادہ

Marfat.com

دلی سے اگروڑ کے سردار کے حوالہ کر دیا کہ اسے پائندہ خاں کے پاس پہنچا دے۔
سردار اگروڑ نے خاندان کو پائندہ خاں کے پاس بھیج تو دیا مگر اس کی بہن کو جو اس سے منسوب تھی اپنے پاس روک رکھا۔ اس حرکت پہ پائندہ خاں نے اسے کبھی معاف نہ کیا اور اُس سے اپنی مخفی عداوت برقرار رکھی۔ اب وہابی کو اس سردار کی قلمرو سے متصل ایک قطعۂ زمین دے کر اسے توقع تھی کہ ان کے درمیان نزاع پیدا ہو جائیگا۔ اور وہابی اس کی سرکوبی کر دینگے، اور اس کشمکش میں خود بھی کمزور ہو جائیں گے۔ وہ اپنے اس منصوبے میں قریب قریب کامیاب ہو چکا تھا۔

وہابیوں کا ستھانہ میں قیام: وہابیوں نے اس کے منصوبے کو بھانپ کر اس کی دعوت رد کر دی اور اپنے پرانے دوست اور محسن ستھانہ کے سید اکبر شاہ کی طرف چلے گئے۔ (۱۸۳۸ء) اس عرصے میں انکو اپنے دہشت زدہ اور غیر منظم گروہ کو از سر نو منظم . . . . کرنے کے لئے ستانے اور دم لینے کا وقفہ مل گیا۔ شیخ محمد پھولتی نے پورے گروہ کو دو ٹولیوں میں تقسیم کر دیا جن کو دو علیحدہ علیحدہ کام سونپ دیے گئے۔ جب وہابی ستھانہ میں جم گئے تو شیخ پھولتی ٹُنیر میں تخت بند چلے گئے اور سید احمدؒ کے افراد خاندان کو ستھانہ لے آئے۔ یہ افراد سندھ میں باقی افراد خاندان سے جو وہاں مقیم تھے جا ملنا چاہتے تھے۔ شیخ محمد کی ساری کوششیں اُس کام کی طرف مرکوز تھیں جو انھوں نے ۱۸۳۶-۴۷ء میں انجام کو پہنچایا۔ اس لئے انھوں نے آئندہ ہونے والی جنگوں میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا۔ اور یہ کام دوسری جماعت نے نصیر الدین منگلوری شاہ جہاں پوری کے زیر قیادت انجام دیا۔

وہابیوں اور فتح خاں کی لڑائی: وہابیوں کو ستھانہ میں ایک عارضی پناہ گاہ مل جانے کے بعد بھی چین نہ ملا۔ کئی قبائل وہابیوں کی شکست اور تباہی کے منصوبے بنایا کرتے تھے وہ ان کی خفیہ سازشوں اور مخاصمانہ منصوبوں کا شکار رہے۔ مغرب میں فتح خاں کا علاقہ تھا۔ وادیوں کے قبائلی ۱۸۴۰ء میں وہابیوں کے

Marfat.com

خلاف غداری کے وقت سے ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ وہابیوں کے زبردست دشمن سکھ بھی وہیں تھے۔ پھر بھی یہ تین سال نصیرالدین کی قیادت میں خاموش اور منظم ترقی کا زمانہ تھا۔ ہندوستان سے مالی اعانت اور رنگروٹوں کی آمد کا سلسلہ باقاعدہ جاری رہا۔

ہندوستان سے کارروائیوں کو فتح خاں کی سرزمین سے گذرنا پڑتا تھا۔ وہ وہابیوں کا مخالف تھا مگر اُن کو نکال نہ سکتا تھا۔ اس لئے ان کو دق کرنے بلکہ ہندوستان سے آنے والے کاروانوں کو لوٹ لینے کا طریقہ بھی اختیار کر لیا یہ وہابیوں کے ایک نہایت زخمی عضو پر چوٹ کرنا تھا، اس لئے کہ یہی کاروان ہندوستان سے قیمتی امدادی سامان لاتے تھے جن کے بغیر لڑائی جاری نہ رکھی جاسکتی تھی۔ اس لئے وہابیوں نے اس مداخلت کی جڑ کو مستقلاً کھود پھینکنے کا فیصلہ کر لیا۔ انھوں نے ایک گاؤں منارا پر جہاں ایک ہندوستانی قافلہ کی راہ روک کر لوٹا گیا تھا حملہ کر دیا۔ اس طرح ایک اور سرکش گاؤں ٹوپی پر بھی حملہ کیا۔ مگر حملہ آور گروہ کو فتح خاں کے آدمیوں نے گاؤں کے اندر ہر طرف سے گھیر لیا اور وہابیوں کی مراجعت کی راہ بند کر کے اپنی کثیر تعداد فوج سے وہابیوں کو گھیر لیا اور شکست دے دی۔ قائد نصیرالدین شہید ہو گئے۔ اس طرح زمانۂ مابعد بالاکوٹ کا ایک دور ختم ہو گیا۔ دوسرا دور ایک دوسرے نصیرالدین دہلوی [1] کے زیر قیادت شروع ہوا۔ اُن کے پہنچنے سے پہلے درمیانی وقفے میں موضع سورج گڈھ ضلع مونگیر کے ساکن میر اولاد علی قائد منتخب ہوئے۔

---

[1] یہ شاہ عبدالعزیز کے پوتے اور جانشین مولوی اسحاق کے داماد تھے۔

Marfat.com

(۷) نصیر الدین دہلوی کے زیر قیادت سندھ کی فوج

اس زمانے میں وہابی تحریک ایک بڑے نازک مرحلے سے گذر رہی تھی کسی نہ کسی مقامی سردار کے ساتھ برسوں کی بے قاعدہ آویزش سے مجاہدین کی تعداد گھٹ گئی تھی۔ فتح خاں کی دشمنی نے ہندوستان سے آدمیوں اور مال کی آمد کو بہت متاثر کر دیا تھا۔ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ نئے سردار کا انتخاب کیا جائے جو اس تحریک کے حامیوں میں ایک نئی جان ڈال دے۔ چنانچہ نصیر الدین منتخب کئے گئے۔ دہلی کے مشہور متقی گھرانے سے قریبی تعلق رکھنے کے سبب سے ان کا انتخاب ایک نئی جان کا ذریعہ بنا۔ وہ ۱۸۳۵ء میں دہلی سے چلے اور ٹونک، اجمیر، اور جیسلمیر سے ہوتے ہوئے ۱۸۳۷ء میں سندھ پہنچے۔ دوران سفر میں ہندوستان کے بہت سے رنگروٹوں کی ٹولیاں ان سے آملیں اور ٹونک میں نواب سے بیش قرار مالی امداد بھی حاصل ہوئی۔ پہلے وہ حروں کے مرکز پیر کوٹ میں ٹھہرے جہاں سید احمد کے خاندان کے افراد مقیم تھے۔ وہاں سے وہ حیدرآباد سندھ کی طرف چلے جہاں امیروں سے ملے۔ انھوں نے آؤ بھگت تو کی مگر کسی معتد بہ امداد کا وعدہ نہیں کیا۔ نواب مبارز الدولہ حیدرآباد کے ایک کارپرداز کے بیان کے مطابق جو اسی زمانہ کے لگ بھگ سندھ بھیجا گیا تھا نصیر الدین اور ان کے گروہ کو کرنل پوٹنگر[1] کے مشورے سے سندھ چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا مگر ان کی طرف سے کچھ بااثر اشخاص نے مداخلت کی اور انھیں کچھ دن ٹھہر جانے کی اجازت مل گئی۔ اور نصیر الدین پھر پیر کوٹ چلے گئے۔ وہ کچھ دن شکارپور میں بھی ٹھہرے جہاں متذکرہ کارپرداز

---

[1] لفٹننٹ کرنل پوٹنگر کچھ میں پولیٹیکل ایجنٹ تھا۔ وہ ۲۰ اپریل ۱۸۳۹ء کے معاہدہ کی تحریر کا ایک آلہ کار تھا جس نے دریائے سندھ کو انگریزوں کے تجارتی استعمال کے لئے کھول دیا۔ بعد میں وہ امیروں کے دربار میں ریزیڈنٹ ہو گیا اور سندھ کے الحاق میں ایک اہم حصہ لیا تھا۔

Marfat.com

اُن سے ملے اور رپورٹ کی کہ نصیرالدین کے ساتھ دو سو رفقا ہیں جو بنگال کی فوج کے منتظر ہیں۔

سندھ مرکز جہاد: نصیرالدین کا اصل منصوبہ سرحد کی طرف روانہ ہونے کا تھا، لیکن بعض سیاسی موانع کے سبب سے انھوں نے سندھ میں ہی ٹھہرے رہنے اور اُسی کو اپنی جدوجہد کا مرکز بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ انھوں نے وہاں سے برطانوی ہند کے متفرق اشخاص اور اہم سرداروں کو خطوط لکھکر ان کی امداد اور معاونت طلب کی۔ ان کی اپیل کا جواب حوصلہ افزا تھا اور ملک کے مختلف حصوں بالخصوص بہار اور بنگال سے جہاں برادران علی (ولایت علی وعنایت علی) مصروف کار تھے آدمی اور روپے موصول ہوئے۔ اس سلسلے میں نصیرالدین کے خطوط میں ولایت علی کا نام بار بار مذکور ہوا ہے۔

سندھ کے سیاسی حالات: نصیرالدین نے اپنی جدوجہد کا مرکز سندھ کو کیوں قرار دیا، اس کا سبب سمجھنے کے لیے اُس وقت کے سندھ کی سیاسی صورت حال کا یہاں مختصر جائزہ لیا جاتا ہے۔ یہ جائزہ اُن سلسل رپورٹوں پر مبنی ہے جو لودھیانہ میں انگریزوں کے پولٹیکل ایجنٹ کیپان ویڈ نے ارسال کی تھیں:-

اس زمانہ میں امرائے سندھ کا سیاسی مقام بالکل غیر مستقل تھا۔ تین زبردست طاقتوں، سکھ، دُرّانی اور انگریز کے درمیان محصور، مجبور وہ ہر ایک کی دست درازی سے خائف رہتے تھے، اس لئے ان کی پالیسی وقت اور موقع محل کی مناسبت سے بنا کرتی۔ اسی لحاظ سے کبھی اِس کا ساتھ دیتے کبھی اُس کا۔ دُرّانی حکومت کے عروج کے زمانے میں شکارپور اسی کی قلمرو میں تھا۔ بعد میں سندھ کے تالپوروں نے اُس پر قبضہ کر لیا مگر درانیوں کو خراج دیتے رہے۔ دُرّانی حکومت کے زوال کے بعد انھوں نے خراج روک دیا مگر اس کے دوبارہ مطالبہ کا ڈر ہمیشہ لگا رہا۔ اور ہوا بھی یہی۔ شاہ شجاع جب افغانستان کو دوبارہ فتح کرنے نکلا اور شکارپور سے گذرا تو انھیں اسے پانچ لاکھ کی رقم ادا کرنا پڑی۔

Marfat.com

مگر اس کو شکست ہو گئی اور اُدھر سے دوسری بار گزرتے ہوئے بقایا خراج کی ادائی کا سوال اُٹھایا۔ امرا مایوسی میں شجاع کے مطالبہ سے جان بچانے کو شکارپور سکھوں کے حوالہ کر دینے کے امکان پر غور کرنے لگے۔

رنجیت سنگھ کا امرا سے خراج کا مطالبہ: رنجیت سنگھ نے جنوب مشرق میں 1809ء کے انگریز سکھ معاہدے سے مات کھا کر اپنی سیاسی حدود کو جنوب مغرب (سندھ) کی طرف وسیع کرنا چاہا۔ تالپوروں نے شکارپور کلہوڑوں سے چھینا تھا اس لئے رنجیت سنگھ نے کلہوڑوں کے ایک نمائندہ عبدالنبی کو آگے چلکر تالپوروں کے خلاف کھڑا کر دینے کی غرض سے اپنی جنوب مغرب سرحد پہ متعین کر دیا۔ کپتان ویڈ نے اپنی رپورٹ مورخہ 18 مئی 1831ء میں بڑی سیاسی چالاکی سے اپنی حکومت کو اس امر کی طرف متوجہ کیا کہ جنگ بالاکوٹ کے فوراً بعد رنجیت سنگھ پھر سندھ کے علاقے کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے۔ اُس نے لکھا کہ "سید نے رنجیت سنگھ کے اسلحہ کو پانچ سال تک الجھائے رکھا تھا، اب سید کی شکست اور رفقا کے بعد سکھ اپنی فوجی کارروائیوں کے لئے آئندہ میدان کی تلاش میں ہیں ...... اور یہ میدان شکارپور کی طرف ہے۔ ..... سندھیوں سے اس کے حاصل کرنے کے لئے یا نوابانِ بھاولپور کو (جو ستلج کے مغرب میں واقع ہے) قابو میں لانے کے لئے رنجیت سنگھ آرزومند رہا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ وہ اُدھر اپنی فوج روانہ کر دے۔ پانچ برس ہوتے ہیں مہاراجہ (رنجیت سنگھ) نے امرائے سندھ کے ایلچیوں سے جو دربار میں حاضر تھے اُس خراج کا مطالبہ کیا تھا جو امرا حکومت افغانستان کو ادا کیا کرتے تھے اور دلیل یہ تھی کہ حکومت کابل کے زوال کے بعد سے اس سلطنت کا سب سے بڑا حصہ اُسی کو ملا کرتا تھا اور وہ اس حصہ کا وارث ہے۔"

مزاری قبیلہ: امرائے سندھ دل سے سکھوں سے مقابلہ کرنے کے خواہاں تھے۔ کھلم کھلا مقابلہ کے لئے نہ ان کے پاس وسائل تھے نہ طاقت۔ بہرحال ان کو مزاریوں

Marfat.com

کا قبیلہ ایک اچھا حلیف ہاتھ آ گیا۔ یہ بلوچی تھے۔ جن کی سکھوں سے آئے دن سرحدی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان کو امرا کی اور سندھ کی سیاسیات میں بعض اور عناصر کی زبردست حمایت حاصل تھی۔ ملتان کے سکھ گورنر نے ان کے تر کتاز کو روکنے کے لئے روجھان کا سرحدی قلعہ اپنے قبضے میں کر لیا تھا (اگست ۱۸۳۶ء) اور وہاں ایک محافظ فوج متعین کر دی۔

سندھ پر انگریزوں کی نظر: سندھ کے متعلق انگریزوں کے منصوبے الگ تھے۔ ۱۸۳۰ء میں بمبئی فوج کے الیگزینڈر برنس کو تعینات کیا گیا تھا کہ گھوڑے اور دوسرے تحائف جو شاہ انگلستان نے رنجیت سنگھ کو بھیجے تھے سندھ کی راہ سے لے جائے۔ اس سفر کے اصل مقصد پر تبصرہ کرتا ہوا۔ ٹروٹر لکھتا ہے:۔

"اس کا صاف مقصد یہ تھا کہ دریائے سندھ کو برطانوی تجارت کے لئے کھول دیا جائے۔ مگر ساتھ ہی اپنے گردوپیش کا خوب معاینہ کرے، سندھ کی سیاست سے متعلق معلومات حاصل کر کے اس بڑے دریا (سندھ) کا جائزہ لے اور تحقیق کرے جس کے بارے میں اس وقت ہمیں کچھ واقفیت نہ تھی۔ اور اس کے دونوں کناروں پر امرا سے دوستی گانٹھے"۔ برنس کا مشن امرائے سندھ کو بالکل پسند نہ آیا۔ وہ اپنا ملک غیر ملکی تاجروں کے لئے کھولنا نہ چاہتے تھے۔ اور ایسی طاقت کی طرف سے کسی اقدام پر ان کو اعتماد نہ تھا جسے وہ صرف اس کے جوع الارض کے لئے پہچانتے تھے۔ ایک بلوچی افسر نے کہا "بلا تو آ چکی۔ انگریزوں نے ہمارا ملک دیکھ ہی لیا"۔[1]

برنس کے مشن کی مخالفت: امرا نے برنس کے مشن کو مختلف عذروں سے ناکام کرنے کی کوشش کی۔ مگر ان کی مخالفت پر انگریز اور سکھ دونوں سیخ پا ہوئے۔ رنجیت سنگھ نے اس مخالفت کو اپنی ذاتی توہین قرار دیا، کیونکہ واضح

---

[1] "لارڈ اکلینڈ" مولفہ ایل جے ٹروٹر ۱۸۹۳ء صہ ۴۰

Marfat.com

طور پر یہ مشن اس کے لئے شاہی تحائف لیکر آیا تھا۔ اس نے امیروں کو لکھا اور زور دیا کہ راستہ دے دیں۔ لیکن امرا نے رنجیت سنگھ کو اپنی مخالفت کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا کہ برنس کے مشن کا مقصد جو ظاہر کیا گیا ہے وہ محض ایک بہانہ ہے اور جو سامان وہ لا رہا ہے وہ مہاراجہ کے دشمن سید احمد کو دینے کے لئے ہے"[1] امیروں نے اس طرح برنس کے مشن کی مخالفت میں نہایت عیاری سے رنجیت سنگھ کے دماغ میں بسے ہوئے سید احمد کے خوف و خطر سے کام لینے کی کوشش کی۔ مگر وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہوئے بلکہ رنجیت سنگھ آخر میں آمادہ ہوا تو دینچورا کے فوجی مظاہرے سے جس کا رنجیت سنگھ نے حکم دیا تھا۔ آخر بہت تاخیر و تذبذب کے بعد ایلچی کو دریائے سندھ سے گذر کر سکھ دربار تک پہنچنے کی اجازت دی گئی۔ اس کے دو برس کے بعد جون ۱۸۳۲ء میں کرنل ہنری پوٹنگر نے وہ معاہدہ تیار کیا جس کی رو سے دریائے سندھ کو سیرابی اور انگریزوں کی تجارتی اغراض کے لئے کھول دیا گیا انگریز سندھ سے متعلق رنجیت سنگھ کی نیت سے اندیشہ رکھتے تھے۔ مگر اس کی کھلم کھلا مخالفت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ امرا سکھوں کے ساتھ مزاریوں کی گوریلا جنگ میں حوصلہ افزائی کریں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کو سندھ میں براہ راست مزید مداخلت کا بہانہ مل جائے۔

روس اور برطانیہ کی سندھ پر نظر: اُدھر رنجیت سنگھ سندھ میں انگریزوں کے سیاسی منصوبوں سے مشتبہ تھا۔ متذکرہ بالا مشن میں کپتان برنس سے اس خصوص میں کھود کھود کر سوال کئے گئے۔ برنس نے انگریزوں کی پالیسی کے مقاصد ایسے الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کی جن سے اُس کے خیال میں رنجیت سنگھ کے شبہات زائل ہو جائیں اور سکھ دربار میں اس بھیلی ہوئی افواہ کی تردید کی کہ انگریزوں نے شکارپور پر قبضہ کر لیا ہے۔ کپتان برنس کے جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے ویڈ نے حکومت کے نام ایک خط میں اس جواب سے اپنی بے اطمینانی کا اظہار کیا۔ اس کے خیال میں کپتان برنس کو گورنر جنرل کی مجلس شوریٰ کے اس بیان کا اعادہ کرنا تھا کہ برطانوی پالیسی کا

---

[1] سندھ کے الحاق تک برطانوی پالیسی" مؤلفہ پی این کھیرا۔ لاہور ۱۹۳۱ء

سب سے بڑا مقصد باہمی مفاہمت قائم کرنا اور کل ہمسایہ طاقتوں کے درمیان امن اور ہمواری پیدا کرنا ہے۔ اس بیان میں چاہیئے تو یہ تھا کہ حکومت کی مرضی ظاہر کردی جاتی بجائے اس کے کہ خود غرضانہ طور پر اس بات کا اظہار کیا جاتا جو یقیناً مہاراجہ کے لئے پسندیدہ نہیں ہو سکتی تھی جس کا تعاون حاصل کرنے کی مہم سے توقع کی گئی تھی اور جو رضاجوئی کے سوا اور کسی صورت سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا"۔ اس طرح ظاہر ہے کہ انگریز رنجیت سنگھ کی نیت سے چوکنا ہونے کے ساتھ کھلم کھلا اس سے عداوت مول لینا ناپسند کرتے تھے۔ انگریز وسط ایشیا میں روس کی مفروضہ پیش قدمی کا جو اس زمانے میں حقیقی اور قریب الوقوع معلوم ہوتی تھی مقابلہ کرنے کے لئے رنجیت سنگھ کی امداد اور تعاون کی بڑی قدر و قیمت سمجھتے تھے۔ اسی امکان کے پیش نظر انھوں نے افغانستان کے دو خارج الوطن حاکموں، شاہ زماں اور شاہ شجاع کو سیاسی پناہ دے رکھی تھی، جن کے ذریعے سے وہ افغانستان میں اپنا اثر وسیع کرنا چاہتے تھے۔ اور وہی انگریزی اور روسی شہنشاہیت کے درمیان استخوان نزاع تھا۔ چنانچہ یہ دونوں عظیم طاقتیں سندھ کو ہڑپ کرنے کی نیت رکھتی اور ایک دوسرے پر گہری نظر رکھتی تھیں۔ درحقیقت ٹھیک ٹھیک یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ انگریز سکھوں کے پہل کر لینے کے خوف سے سندھ کے الحاق کے لئے کتنے مستعجل اور بے چین تھے۔

نصیر الدین اور مزاری قبیلہ: یہ تھی سندھ کی سیاسی صورتِ حال جب کہ نصیر الدین وہاں پہنچے۔ انھوں نے مزاریوں کو قیمتی حلیف پایا خصوصاً اس لئے کہ وہ سکھوں سے گوریلا جنگ لڑ رہے تھے۔ وہ نہ سکھوں کے زیر اثر تھے نہ انگریزوں کے۔ یہ سید احمدؒ کی شہادت کے بعد بھی ان کے متبعین کے اس عزم کی مزید مثال ہے کہ وہ ایسی ہندوستانی طاقتوں سے اتحاد سے باز رہیں جو انگریزوں کے ماتحت ہوں وہ ایسی طاقتوں سے اتحاد کو ترجیح دیتے تھے جو ذرائع کی قلت کے باوجود انگریزوں کے خلاف ہوں۔

مزاریوں کی سکھوں سے صلح: چنانچہ نصیر الدین نے مزاریوں کی سرزمین میں سکونت

Marfat.com

اختیار کر لی جو خیر پور کی سرحد پر واقع تھی اور موجودہ ضلع ڈیرہ غازی خاں کے جنوب مغرب سے مربوط تھی۔ نومبر ۱۸۳۷ء میں انھوں نے سکھوں سے قلعہ روجہان اور کان میں ہونے والی جنگوں میں ان کی سپاہ نے مزاریوں کی غداری سے شکست کھائی۔ ان مزاریوں نے ملتان کے سکھ گورنر دیوان ساون مل کی وساطت سے سکھوں سے صلح کر لی تھی۔

نصیر الدین کی روانگی افغانستان: شمالی مغربی سرحد کی معمولی حرکات پھر ظہور میں آنے لگیں۔ وہابیوں سے ان کے متلون مزاج اتحادیوں نے کنارہ کشی شروع کر دی۔ سرحدی قبائل کی طرح یہ غیر تربیت یافتہ لوگ تھے جن کے پاس سکھ دربار سے مقابلہ کرنے کے لئے نہ وسائل تھے نہ تنظیم۔ پہلے ہی دھنسوڑے (یورش) کے بعد اور نیز ساون مل کی ترغیب سے انھوں نے سکھوں سے صلح قبول کر لی اور وہابیوں کو ادھڑ میں چھوڑ دیا۔ قدرۃً نصیر الدین سخت دشواری میں پڑ گئے۔ اکثر مقامی سردار جن سے پناہ یا مدد طلب کی جاتی وہ ان کے (وہابیوں کے) وجود ہی کو سیاسی پریشانی سمجھتے۔ اس لئے نصیر الدین افغانستان چلے گئے۔ وہاں کے کچھ سرداروں سے وہ خط و کتابت کر چکے تھے۔

انگریز افغان جنگ میں نصیر الدین کی شرکت: اسی اثنا میں انگریزوں اور امیر افغانستان دوست محمد پسر پائندہ خان بارک زئی کے درمیان تعلقات کشیدہ ہو چلے تھے۔ جو واقعات پہلی انگریز افغان جنگ کا باعث ہوئے اور انگریزوں کی بلا اشتعال اور بلا سبب خصومت "اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است"۔ اس لئے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ جنگ کے موقع پر دوست محمد نے تربیت یافتہ وہابیوں کی خدمات سے فائدہ اٹھانا اپنے لئے بہتر سمجھا۔ چنانچہ اس نے نصیر الدین کو دعوت دی اور وہ ایک ہزار سپاہ کا ایک دستہ لیکر کابل کی طرف روانہ ہوئے۔ انھوں نے خود دادور کے قریب پڑاؤ کیا اور تین سو سپاہیوں کی ایک ٹولی کو غزنین کی مدافعت کے لئے آگے بھیج دیا، لیکن جب انگریزوں نے اس کے قلعے پر یورش کی تو وہ لڑتی ہوئی گر گئی۔ نصیر الدین کی کارروائی نے ایک بار پھر یہ حقیقت نمایاں

Marfat.com

کر دی کہ وہابی ہر اُس طاقت کا ساتھ دینے کو تیار تھے جو انگریز سے برسرپیکار ہو۔ ہنٹر لکھتا ہے کہ "وہ انگریز کفار پر ضرب لگانے کے لئے ہر موقع کے منتظر رہتے تھے"[1] ۱۸۳۹ء کے اواخر یا ۱۸۴۰ء کے اوائل میں ایک سخت صبر آزما کوچ کے بعد نصیرالدین اور باقی فوج ستھانہ پہنچی۔ اولاد علی کے ماتحت وہابیوں کی ایک مختصر ٹولی وہاں موجود تھی۔ نصیرالدین کے پہنچنے پر وہ قائد منتخب کئے گئے مگر اس کے فوراً بعد اُن کا انتقال ہو گیا اور ستھانہ میں مدفون ہوئے۔[2]

خلفائے عظیم آباد: سید احمدؒ کی شہادت کے بعد کے زمانے کی طرح اس تحریک پر بڑا نازک دور آیا۔ مگر تاریخ کے اکثر واقعات کی طرح حالات نے پھر ایک وقت کا آدمی (بطلِ حریت) پیدا کر دیا۔ اس بار یہ سعادت بہار خصوصاً عظیم آباد پٹنہ کے نصیب میں تھی جس نے اس تحریک کو زندہ رکھنے والے مہیا کئے۔ ہنٹر اسے اپنے پرزور اور خوبصورت الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے[3]۔ "مذہبی دیوانوں کا مقصد پھر فوت ہوتا نظر آیا۔ لیکن پٹنہ کے خلیفوں (ولایت علی عنایت علی) کے دینی جوش اور ان کے قبضے میں کثیر مالی سامان نے اس مقدس جھنڈے کو زمین سے اٹھا لیا۔ انہوں نے سارے ہندوستان کو اپنے کارکنوں سے بھر دیا اور ایک سب سے بڑا دینی احیاء جو کبھی واقع ہوا رونما کر دیا۔"

ان خلفائے عظیم آباد کے کارنامے جن میں یہ برادرانِ علی مسلمہ طور پر سب سے پیش پیش رہے اور ان کی خدمات تحریک آئندہ باب کا موضوع ہے۔ بہرحال اس باب کے آخر میں ایک فراموش کردہ فرائضی تحریک اور اس سے متعلق بنگال کی شورش باراسیٹ کا بیان درج کر دینا بہتر ہو گا۔

---

[1] اور انڈین مسلمان، صـ ۲۱۔ کلکتہ ریویو جلد ۱۵ صفحہ ۱۸۸، ۱۸۴۸ء جرنل آف انڈین ہسٹری اگست ۱۹۴۳ء صفحہ ۲۵۱-۲۶۸
[2] اس جماعت اور سرحد پر وہابی کی ایک دوسری جماعت جو جنگ بالاکوٹ کی بقایا تھی اور نصیرالدین منگلوری کے زیر قیادت تھی کے درمیان فرق کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے۔ آخرالذکر کی شروع کی کارروائیاں سندھ میں ان کے ہمنام (نصیرالدین دہلوی) کی جدوجہد کے زمانے میں بیک وقت جاری تھیں۔ [3] اور انڈین مسلمان صـ ۴۹-۵۰

Marfat.com

(د) فرائضی تحریک

حاجی شریعت اللہ: فرائضی تحریک کے بانی ضلع فریدپور کے گاؤں بہادرپور کے ساکن حاجی شریعت اللہ تھے۔ یہ ۱۷۶۴ء میں پیدا ہوئے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں حج کو روانہ ہوئے اور بیس سال عرب میں مقیم رہے۔ انھوں نے مسلم معاشرہ کی سماجی اصلاح کی تحریک جو ۱۸۰۲ء میں شروع کی تھی وہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک سے بالکل مشابہ تھی۔ اسی تحریک نے غیر اسلامی بدعات اور رسوم و رواج کی مذمت کی اور انگریزوں کے زیر حکومت بنگال کو دارالحرب قرار دیا۔ اس کے پیرو صرف قرآن کے بتائے ہوئے احکام الٰہی کی سخت پابندی میں ممتاز تھے اور تحریک نے ان میں خالص توحید و تقویٰ کی روح پھونک دی تھی۔

بنگالی مسلمانوں پر جبر وستم: یہ تحریک بانی کے جانشین اور فرزند مولوی محمد مسلم معروف بہ دادو میاں (۱۸۱۹ء تا ۱۸۶۰ء) کے زمانے میں مزید منظم و مستحکم ہوگئی اور ان کی قیادت میں اس کا سیاسی پہلو زیادہ نمایاں ہوگیا۔ مشرقی بنگال کے مسلم مزارعین نیل کے انگریز کاشتکاروں اور نئے ابھرنے والے زمینداروں کے طبقے کے جبر وستم کا شکار تھے۔ انھوں نے ان کو ایک مضبوط نظام میں جکڑ دیا اور جیسور، پٹنہ، مالدہ، ڈھاکا اور باراسیٹ کے اضلاع میں اپنے علیحدہ علیحدہ مرکزوں کے نظام کی نگرانی کے لئے اپنے خلیفے مقرر کرائے۔ انھوں نے انگریزی عدالتوں سے کامیاب مقاطعہ بھی کرایا اور ان کو آمادہ کیا کہ اپنے جھگڑوں کے اپنی پنچایتوں میں فیصلے کرائیں۔

دادو میاں: تمام بنی نوع انسان کی سماجی مساوات اور ناجائز کثیر رقوم کے ٹیکسوں کی تنسیخ کے نظریہ کی جس کی دادو میاں نے اشاعت کی، سادہ اور مظلوم کسانوں نے گرمجوشی سے پذیرائی کی۔ ناجائز محصولات کے خلاف انھوں نے کسانوں کی حمایت کی نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی زمینداروں کی کثیر التعداد رعایا اور نیل کے کاشتکار ڈنلوپ کے اسامی دادو میاں کے ساتھ ہوگئے۔ مقامی زمینداروں پر یہ بہت شاق گذرا اور انھوں نے دادو میاں کے خلاف متعدد فوجداری

Marfat.com

مقدمات دائر کر دیتے۔ ۱۸۴۷ء میں پنج گرمھ میں ڈنلوپ کے کارخانے پر حملہ کر کے لوٹ لیا گیا۔ ۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۸ء تک فریقین کے درمیان مقدمات اور جوابی مقدمات کا ایک سلسلہ جاری رہا۔ آخر دادو میاں ریاستی قیدی کی حیثیت سے علی پور جیل میں نظر بند کر دیئے گئے۔

تیتومیر: بعد کے مرحلوں میں فرائضی تحریک اور میر نثار علی عرف تیتومیر[1] کے زیر قیادت ایک مقامی معاصر تحریک میں ضم ہو گئی۔ نثار علی ضلع بارا سیٹ کے ایک گاؤں چاند پور کے باشندہ تھے۔ وہ ایک اوسط درجہ کے زمیندار خاندان کے فرد تھے اور جوانی میں ان کا کردار متنوع تھا۔ دلی کے شاہی خاندان کے کچھ افراد سے ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ سفر حج میں مکہ معظمہ چلے گئے۔ وہاں سید احمدؒ سے ملاقات ہو گئی اور ان کے مرید ہو گئے[2]۔ ۱۸۲۷ء میں ہندوستان واپس آ کر وہ اپنے پرانے مسکن کے قریب حیدر پور میں سکونت پذیر ہو گئے اور اپنے عقائد کی تبلیغ شروع کر دی جن کی امتیازی خصوصیت سید احمد کے نظریوں سے مماثلت تھی۔ انھوں نے کامیابی کے ساتھ کلکتہ کے شمال اور مشرق کے اضلاع کے دورے کئے اور کثیر التعداد پیرو بنا لئے۔ بہت جلد پیروؤں کی ایک کثیر تعداد جمع کر لی، اور چوبیس پرگنہ ندیا اور فرید پور کے تین ضلع ان کے زیر اثر آ گئے۔

تیتومیر کی اصلاحی سرگرمیاں دادو میاں کی طرح نثار علی نے بھی مظلوم کاشتکاروں کی حمایت کا بیڑا اٹھایا جس کو منظم اور متحد کرنے اور بے ہوشی سے بیدار

---

[1] اس تحریک کا مفصل بیان ایک مقالہ مسمّے "ہندوستان کے وہابیوں کی تاریخ" کلکتہ ریویو جلد ۵۱ ص ۱۷۷ تا ۱۹۲ اور اسی تھورنٹن E-THORNTON کی تاریخ ہندوستان ۱۸۴۳ء جلد ۵ صفحہ ۱۷۹ تا ۱۸۳ میں مذکور ہے اور ایس جی چودھری کی سول ڈسٹربینس ان انڈیا۔ کلکتہ ۱۹۵۵ء صفحہ ۹۵ میں بھی اسی طرح کا بیان ہے۔

[2] اور انڈین مسلمان صفحہ ۴۵۔ تھورنٹن جلد ۵ صفحہ ۱۷۹، مخطوطہ تاریخ احمدی مملوکہ یونیورسٹی لیبرری مغربی پنجاب میں بھی نثار علی کے خروج کا ذکر موجود ہے۔ انتہائی کوشش کے باوجود اس مخطوطہ کے ضروری اجزا مجھے دستیاب نہ ہو سکے۔

Marfat.com

کرنے کی کوشش کی۔ قدرۃً زمیندار طبقے نے ان کی اصلاحی مساعی کی مخالفت کی۔ کچھ کاشتکاروں نے ان تعلیمات سے اور باتوں کے علاوہ ان کی بعض مقبول عام سماجی رسوم و رواج کے امتناع پر گھبراہٹ اور دکھ محسوس کیا۔ ایسی رعایا کی شکایات کی بنا پر زمینداروں نے ایسی جمعیت کے نشو و نما کو دبانے کی کوشش کی جو ان کی عزت و وقار کا لحاظ نہ کرتی ہو، اور ایک ایسی متحدہ طاقت کا مظاہرہ کرے جو ان کے مفاد پر اثر انداز ہو۔ اس قسم کے قصوروں پر جرمانہ کی جو رقم بزور وصولی کی جاتی تھی اس نے معاملات کو بہت الجھا دیا۔

اجتماعی جرمانے کے خلاف بنگالی مسلمانوں کا عملی اقدام: اچھامتی ندی کے کنارے ایک گاؤں پورنا کے زمیندار کشن دیو رائے نے بعض گاؤں پر جہاں معمولی جھڑپیں ہوگئی تھیں اجتماعی جرمانہ ٹھونک دیا۔ جولائی ۱۸۳۱ء کو زمینداروں کے گماشتے ایک ایسے ہی قصوروار گاؤں سرفراز پور سے جرمانہ وصول کرنے گئے۔ وہاں تیتو میر کے بہت سے پیرو موجود تھے۔ انھوں نے ان گماشتوں کا مقابلہ کیا اور آخر میں ان کو مار بھگایا۔ مقامی تھانے میں شکایات اور جوابی شکایات داخل کی گئیں، اور آخر میں دونوں فریق بری کر دئے گئے۔ "پھر بھی زمیندار طرح طرح سے ان کو تنگ کرتا رہا۔" زمیندار نے بقایا مالگذاری کے لئے اپنے مخالفوں کو زچ کرنے کے لئے ان کو گرفتار کرانے کے واسطے اپنی طاقت و اقتدار سے کام لیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی عدالت میں جھوٹے مقدمات دائر کر کے ڈگری کی تعمیل میں ان کو گرفتار کرا دیا۔[۵۱] اس اثنا میں اور اضلاع میں تحریک ترقی کرتی رہی اور زیادہ دلیر و جنگجو بھی ہوتی گئی۔ ۳۰-۱۸۲۹ء میں سرحد پر سید احمدؒ کی فتوحات نے تحریک کے شرکا کو ایک نئی طاقت اور حوصلہ بخشا اور ان کی دلیری میں نیا اضافہ ہوا۔ بے نتیجہ اور تکلیف دہ عدالتی کارروائیوں کے سلسلۂ لامتناہی نے ان کے صبر کا

---

۵۱ کلکتہ ریویو جلد ا صفحہ ۱۷۸ - ۱۷۹

Marfat.com

پیالہ لبریز کر دیا اور اب وہ بلا واسطہ اور براہ راست کارروائی پر تل گئے۔

نرکل بڑیا کا گاؤں ان سرکشوں کا صدر مقام تھا اور بانس کے حصار سے محصور تھا۔ ایک شخص معزالدین نامی اس کے گھر میں غلہ اور اسلحہ کا ذخیرہ جمع کیا گیا۔ اس زمانے میں تیتومیر کی علاقہ پنجاب کے ایک نو وارد فقیر مسکین شاہ سے ملاقات ہوئی، کہا جاتا تھا کہ اس نے خروج پر برانگیختہ کیا۔

پورنا گاؤں پر حملہ: ان مسلح سرکشوں کا رُخ سب سے پہلے پورنا کے زمیندار کی طرف ہوا جس نے ان کی زندگی تلخ کر رکھی تھی۔ اکتوبر ۱۸۳۱ء میں اس گاؤں پر حملہ کر کے لوٹ لیا گیا۔ انھوں نے ایک دیسی عیسائی مسٹے اسمتھ پر بھی حملہ کیا جو ادھر سے گذر رہا تھا اور اُن مسلمانوں کے ساتھ بھی بدسلوکی کی جو ان کی جماعت میں شریک نہ تھے، اور کمپنی کی حکومت کے اختتام کا کھلم کھلا اعلان کر دیا۔ اور بھی فرقہ وارانہ حرکات کا ارتکاب کیا۔

فرائضیوں کا خروج: بہرحال او کنیلی نے ان سرکشوں کے عام رویہ اور ان کی جماعت کی تنظیم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ہر کام کسی طے شدہ مقصد کے ماتحت سوچ سمجھ کر کیا گیا۔۔۔ ۔۔۔۔ یہ غنڈے ایک قسم کی عسکری ترتیب و تنظیم کے پابند تھے اور غلام معصوم کے زیر کمان صفوں میں مارچ کرتے تھے"[۱]

اس کے بعد وہ متصل ضلع ندیا کی طرف بڑھے اور دوسرے گاؤں پر بھی حملے کئے۔ ہڈریہ (یا بگڈریہ؟) میں نیل کے کارخانے کے ایک کارپرداز پایرن نے کلکتہ جا کر اپنے آقا کو اوائل نومبر میں ان فسادات کی اطلاع دی اور زور دیا کہ اگر جبری انسدادی کارروائی نہ کی جائیگی تو حکومت ایک سخت خطرے میں مبتلا ہو جائیگی۔"[۲]

اس کے آقا اسٹورم نے باراسیت کے مجسٹریٹ اور لفٹننٹ گورنر کے سامنے

---

[۱] ایضاً [۲] ایضاً

اسے پیش کیا۔ مگر حکومت اپنی معمولی تنگ نگاہی سے کوئی قدم اٹھانے میں متامّل تھی اس اثنا میں ندیا اور براسیٹ کے مجسٹریٹوں کی متصل رپورٹیں فسادات کے جاری رہنے کی، کلکتہ میں پہنچتی رہیں۔

انگریزی دستہ کی شکست: چنانچہ ۱۴ار نومبر ۱۸۳۱ء کو بارگنڈی کے سالٹ ایجنسی (نمک کوٹھی) کو بھیج دیا گیا اور ایجنسی کے ایک عہدہ دار الیگزینڈر کو ہدایت کی گئی کہ دستے کے ساتھ نرکل بڑیا چلا جائے۔ وہ بسیرہاٹ کے داروغہ اور کچھ برق اندازوں اور ایک سو سپاہ کا ایک دستہ ساتھ لیکر روانہ ہوا۔ فسادیوں کی تعداد چھ سو تھی اور یہ غلام معصوم کے زیر کمان تھے جو گھوڑے پر سوار تھا۔ ان فسادیوں کی حربی صلاحیت کو نظر تحقیر سے دیکھتا ہوا الیگزینڈر نے تدبیر کے لئے آگے بڑھا، مگر اس کا دستہ پورے کا پورا تباہ ہو گیا۔ کلکتہ کے محافظ دستے کا جمعدار، دس سپاہی اور تیرہ برق انداز مارے گئے۔ بسیرہاٹ کا داروغہ اور کلنگا تھانے کا جمعدار زخمی ہوئے اور قید کر لئے گئے۔ خود الیگزینڈر کا فسادیوں نے ننگی تلواریں لئے پیچھا کیا اور وہ جان لیکر بھاگا اور بڑی مشکل سے جانبر ہوا۔ اس شکست سے پوری ایجنسی میں کامل دہشت پھیل گئی۔ خزانے فوراً کشتی پر رکھکر سندربن کی راہ سے الیگزینڈر کی ذمہ داری میں کلکتہ بھیج دئے گئے۔ اس اثنا میں ضلع ندیا میں دوسرے کارخانوں پر حملے کر دئے گئے اور پولیس نے صورت حال کا مقابلہ کرنے سے اپنی معذوری کا اعلان کر دیا۔ میجسٹریٹ نے فسادات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے تمام ممکن پولیس کی طاقت اکٹھی کی اور کارخانہ ردوالپو کے ایڈ دیوز کے ساتھ تین سو سپاہی لیکر کشتیوں پر اچھامتی کو چلا گیا۔ بھاڈریا (بگوریہ) کے کارخانے پر پہنچکر انھوں نے دیکھا کہ اس پر حملہ ہو چکا تھا اور اس کا سارا مال لٹ چکا تھا۔ باپرن (کارپرداز کارخانہ نیل) نے فسادیوں کے خلاف حکام کو جو اطلاع دی تھی، یہ لوٹ مار اسی کا انتقام یا سزا تھی[1]

---

[1] گورنمنٹ بنگال جوڈیشیل ڈیپارٹمنٹ۔ او سی۔ نمبر ۵ مورخہ ۳ر اپریل ۱۸۳۲ء

Marfat.com

ان کو نرکل برٹیا میں الیگزینڈر کے دستے کی شکست کی خبر بھی ملی۔ اس لئے کچھ دیر مفسدوں کے خلاف اقدام کرنے میں متامل رہے مگر آخر کار وہ آگے بڑھے۔ یورپی صاحبان ہاتھیوں پر اور پیچھے پیچھے برق انداز۔ یوں وہ نرکل برٹیا میں وارد ہوئے، جہاں ایک ہزار مضبوط فسادی تیتو میر کے ماتحت باقاعدہ صفوں میں تیار نظر آئے۔ سرکاری دستے نے دوراندیشی کو بہادری کا بڑا حصہ سمجھکر مراجعت کا فیصلہ کر لیا۔ مگر پیٹھ پھیرتے ہی ان پر حملہ شروع ہوگیا۔ معمولی جھڑپ کے بعد جس میں چند برق انداز مارے گئے دستہ اپنی کشتیوں کی طرف واپس دوڑا اور اپنی حفاظت میں کچھ بندوقیں چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ بلکہ کشتیوں تک پہنچ جانے کے بعد بھی ان کا تعاقب کیا گیا۔ یورپی کشتیاں دوسرے کنارے پر چھوڑ کر اپنے ہاتھیوں کی طرف دوڑے جو ایک میل دور کھڑے تھے۔ ان لوگوں نے مولنا تھ کارخانے کی طرف مراجعت کی جو کوئی چھبیس میل دور تھا۔ ایک ہاتھی، کئی کشتیاں اور دوسرے ساز و سامان فسادیوں کے ہاتھ لگے۔ اس کے بعد وہ ہوبلی کارخانہ پر حملہ کرنے چلے۔ اس کے منیجر کو گرفتار کر لیا اور تیتو میر کے سامنے لائے جس نے کامل اور غیر مشروط تسلیم و رضا کا مطالبہ کیا۔ وہ ہوشیاری سے راضی ہوگیا اور آئندہ انہیں کو حاکم ہندوستان مانکر نیل کے بیج لگانے کو تیار ہوگیا۔[1] اس وقت تک متاثرہ اضلاع میں ملکی حکام کامل طور پر شکست کھا چکے اور مفلوج ہو چکے تھے۔ کچھ دنوں کے لئے متعلقہ اضلاع میں فسادی ہی برسر اقتدار رہے۔

غلام معصوم کی شکست و خاتمہ: اس درمیان میں الیگزینڈر اپنی بپتا سنانے کلکتہ آیا۔ اب حکام کی آنکھوں میں حالت کی خطرناکی نظر آئی اور فوری اقدامات کئے۔ ایک فوج جس میں دیسی پیدل فوج کی دس رجمنٹیں شامل تھیں، گھوڑے سوار توپخانہ، کچھ توپوں اور کچھ محافظ سپاہ، ہدایت کی گئی کہ باراسٹیٹ میں الیگزینڈر سے جا ملیں۔ اور یہ سب ملکر ۲۹ نومبر ۱۸۳۱ء نرکل برٹیا پہنچے۔ فوج بانس کے حصار کی طرف بڑھی اور ایک

---

[1] کلکتہ ریویو جلد ۱ صفحہ ۱۸۳

زبردست دلیرانہ مدافعت کے بعد اس پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد جو عام لڑائی ہوئی اس میں فسادیوں کا قائد تیتو میر لڑتا ہوا گر گیا۔ اُن کا کمانڈر غلام معصوم اور اس کے ۳۵۰ آدمی اسیر ہوئے۔ علی پور میں ان کا مقدمہ چلا۔ غلام معصوم کو سزائے موت اور باقی کو مختلف میعادوں کی قید کا حکم دیا گیا[۱]

فرائضیوں کی سرفروشی پر اظہار تعجب: باراسیٹ کے خروج کی مختصر مگر ہنگامہ خیز کہانی یوں تمام ہوئی۔ گورنمنٹ نے مقامی میجسٹریٹ کولون کی رپورٹ پر اتنے ہی اظہار رائے پر اکتفا کی: "یہ ہنگامہ نتیجہ تھا ایسے حالات کا جن کا اثر ملک کے ایک بہت مختصر حصے تک محدود تھا اور قطعی مقامی تھا۔" پھر بھی اس نے باغیوں کی بیباکانہ سرفروشی پر تعجب کا اظہار کیا۔ اوکینلی (جسٹس) اپنے تذکرہ بالا مقالے میں حکومت کے اس تنگ نظرانہ پہلو پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"اب بھی چالیس سال کی مدت گذرنے کے بعد کوئی آدمی اس ہنگامے کی تاریخ پڑھ کر حکومت کی بے بسی پر تعجب کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ۱۸۲۲ء میں سید احمد نے ہندوستان کے غیر مسلم حکمرانوں کے خلاف بلا روک ٹوک جہاد کی تبلیغ کی تھی ..... آدمیوں اور روپوں کی کثیر تعداد و مقدار بنگال سے اُس (سید احمد) کو کھلم کھلا مہیا ہوتی رہی۔ خفیہ رکھنے کی بھی کوئی کوشش نہیں کی جاتی تھی۔ حکومت کو پنجاب میں اُس کی (سید احمد کی) فتوحات کی پوری واقفیت ہوگی۔ پھر بھی اس کے پیرو اپنی طاقت پر اعتماد کرکے کلکتہ سے صرف تیس میل پر کھلم کھلا بغاوت کر بیٹھے تو یہ شورش ناقابل تشریح ظاہر کی گئی اور باغیوں کو معصوم اور کسی منصوبہ بندی کے ناقابل بتایا گیا[۲] اخبارات نے بھی اس بغاوت کی نوعیت پر حکومت کے خیال سے اتفاق نہیں کیا۔ بلکہ برعکس اس جماعت (وہابیہ) کے خطرناک امکانات پر اندیشہ کا احساس ظاہر کیا۔

---

[۱] ایضاً صفحہ ۱۸۲ [۲] ایضاً

فرائضی و وہابی تحریک پر اوکنیلی کی رائے: اس مسئلہ پر اوکنیلی نے اخبار ہندو پیٹریوٹ مورخہ ۲۱ اگست ۱۸۷۰ء سے ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے۔ اخبار کا بیان ہے:-

"فرائضی اور وہابی جیسی جماعتیں اگر خود ایسی عظیم تحریک کے چلانے کی طاقت نہ رکھتی ہوں تو اتنا تو کر سکتی ہیں کہ تمام بے چینیوں اور منافرتوں کے عناصر کو جمع کر دیں جن کی تعداد موجودہ کم عقل گو فیاض اور شاندار حکومت میں بہت زیادہ ہو جا سکتی ہے۔۔۔۔ ۔۔۔ فرائضی اگرچہ بنگال کا ایک طبقہ ہے، کہا جاتا ہے کہ باہر کے کسی ویسی ریاست کے لوگ ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ بنگال میں پچاسوں گاؤں ہیں مگر حکومت اور پبلک ان کے نظام، ان کی سیاست اور مذہب سے بالکل بے خبر ہے یہ بے خبری بڑی غفلت کی نشان دہی کرتی ہے"[۱]

فرائضی تحریک اور بارہ سیٹ کے خروج کو غلطی سے دو جدا جدا واقعات سمجھ لیا گیا ہے۔ ان کو عام وہابی تحریک کے زیادہ کشادہ پس منظر میں دیکھنا چاہیے۔ اگرچہ فرائضی جماعت وہابی تحریک سے پہلے وجود میں آئی اور وہابی تحریک کے بہت سے بنیادی اجزا اس میں موجود تھے یہ رفتہ رفتہ وہابی تحریک میں جذب ہو گئی۔ اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے لئے خصوصاً بنگال میں راستہ بنا دیا۔ یہ واقعہ قابل غور اور معنی خیز ہے کہ بارہ سیٹ کے خروج اور بنگال میں عنایت علی کے پہلے تبلیغی دورے کا زمانہ ایک ہی ہے[۲]

فرائضی خروج کی اصل وجہ: اس نظریہ کے متعلق کہ یہ خروج خالصتہً فرقہ دارانہ (یعنی مذہبی) تھا کچھ توضیح کی ضرورت ہے۔ یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ اس واقعہ کا صرف ایک ذکر جو ہم تک پہنچا ہے وہ متعلقہ حکام کے اُس وقت کے چند خطوط اور (حیبٹس) اوکنیلی کے ایک مقالہ پر مبنی ہے۔ تصویر کا دوسرا رخ ہمیں

---

[۱] آگے تفصیل آتی ہے

[۲] THE SEPOY MUTINY AND REVOLT OF 1857 S.M.R صفحہ ۳۷ - ۳۸

Marfat.com

دستیاب نہیں۔ بہرحال انھیں ذرائع سے کچھ واقعات فراہم کئے جا سکتے ہیں۔ اس تحریک کا اصل اہم پہلو یعنی یورپی مزارعین سے اس کی آویزش، مورخوں کی نظر سے اوجھل ہے، یا اس پر زور دینے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ یہ فتنے جتنے رقبوں پر پھیلے ہوئے تھے ان میں اضلاع ندیا اور بارہ سیٹ کے حصے ہیں جو نیل کے کارخانوں سے بھرے ہوئے ہیں اور باگنڈی کی سالٹ ایجنسی (نمک کی کوٹھی) سے دور نہیں[۱] مقامی کسانوں پر ان نیل کے مزارعین کے مظالم سے انیسویں صدی کی اقتصادی تاریخ کے طالبعلموں کو واقف ہونا چاہیئے۔ یہ بات بھی معنی خیز ہے کہ ان باغیوں کے خلاف پہلی کوشش خود انھیں مزارعین نے انجام دی تھیں۔ انھیں کے مسلسل اصرار سے حکام نے باغیوں کے خلاف قدم اٹھائے ان کی عرض داشتیں ہی اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ خروج نیل کے کاشتکاروں کے خلاف تھا۔ اور اسی طبقے کے مفاد پر اس کی زد پڑتی تھی۔ جیسا کہ ان واقعات کے متذکرہ بالا بیان سے ظاہر ہے نیل کے مزارعین کی فوج کے ساتھ جو پہلی جنگ ہوئی تھی اس میں اسے شکست ہوئی تھی اور ان کی ناکامی کے بعد باقاعدہ سرکاری فوج بھیجی گئی تھی جس نے کام ختم کر دیا۔ کمیٹی کے قانون کے التوا کا اعلان ایک دوسرا پر معنی واقعہ ہے جو قابل غور ہے۔ یہ واقعات تحریک کے مقاصد سے میل نہیں کھاتے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ سرتا سر صرف ہندوؤں کے خلاف تھے

یہ خروج دراصل ناجائز استحصال کرنے والے ڈھیٹ اور بے رحم نیل کاروں اور زمینداروں کے ایک نوزائیدہ طبقے کی لوٹ کھسوٹ کے شکار، مظلوم کاشتکاروں کی جدوجہد تھا۔ ان زمینداروں کو بندوبست دوامی کے بخشے ہوئے حقوق ملکیت کی رو سے یہ اختیار حاصل تھا کہ کاشتکاروں کے ساتھ بے دھڑک جو سلوک چاہیں کریں۔ خود کلووین مجسٹریٹ نے ان کے خروج پر اپنی رپورٹ میں لکھا ہے۔ کہ زمینداروں کو جو اختیارات حاصل ہیں ان سے کام لیکر اپنی رعایا میں ایک نمائشی

---

[۱] کلکتہ ریویو جلد ۱۵ صفحہ ۱۸۰

کچہری کھڑی کرکے جس بہانے سے چاہیں جو فیصلہ نافذ کر دیں[۱]"

ڈاکٹر چودھری نے ہندوستان میں مختلف تحریکات مخالف برطانیہ کی نوعیت پر اپنے پراز معلومات مقالہ میں فرائضیوں کے متعلق نہایت صحیح تبصرہ کیا ہے کہ "یہ وہابی[۲] سماجی اور اقتصادی اعتبار سے مجبور کاشتکاروں کے طرفدار تھے جن کو انھوں نے اونچے طبقوں[۳] کے مظالم سے بچانے میں مدد دی"

اس سلسلے میں ایک اور بات خاص طور پر قابل غور ہے۔ یہ خروج انگریزوں سے ماتحت نوکری اور انگریزی عدالتوں میں جانے سے انکار کر کے عوام میں عدم تعاون کا احساس بیدار کرنے کی کوشش بھی تھی۔ یہ معنی خیز ابتدا تھی ایک اصول کی جس کی بنیاد پر ہندوستان کی آئندہ تحریک آزادی کی ایک عالی شان عمارت کھڑی کرنا تھی۔

---

[۱] گورنمنٹ آف بنگال جوڈیشیل ڈیپارٹمنٹ اوسی۔ نمبر ۵ مورخہ ۳ر اپریل ۱۸۳۲ء

[۲] انھوں نے یہاں وہابی کا لفظ وسیع مفہوم میں استعمال کیا ہے جس میں فرائضی بھی داخل ہیں۔

[۳] ایس بی چودھری صفحہ ۵۰

Marfat.com

باب ۴

ولایت علی و عنایت علی

(۱) ولایت علی اور عنایت علی کے کردار اور جدوجہد

وہابی تحریک کی تاریخ کم سے کم ۱۸۳۱ء سے ۱۸۵۸ء تک بہت زیادہ حد تک خاندان صادقپور پٹنہ سٹی کے ولایت علی و عنایت علی کی جدوجہد کی تاریخ ہے۔ اس مشن کی ترقی و سربلندی کے لئے ان کے بے نفسانہ جوش اور تحریک کی خدمت میں ان کی طرح طرح کی قربانیوں کی سر ولیم ہنٹر نے بھی کھلے دل سے تحسین کی ہے۔ وہ لکھتا ہے: "ان تھک مبلّغوں کی حیثیت سے اپنی ذات سے بے پروا، بے داغ زندگی، انگریز کفّار کے قلع قمع کرنے پر وقف اور رنگروٹ مہیا کرنے کے لئے ایک باقاعدہ نظام قائم کرنے میں قابل تعریف ماہر کے لحاظ سے یہ پٹنہ کے طلبا اس جماعت کے مثالی نمونے نظر آتے ہیں۔ انکی تعلیمات کا زیادہ تر حصہ عیب سے پاک تھا، اور اپنے ہزاروں ہموطنوں کو ایک صاف زندگی اور اللہ تعالیٰ کے زیادہ سچے اور پاک تخیل پر ابھار دینا انھیں کا حصہ تھا۔"[1]

ولایت علی کے ابتدائی حالات: یہ دونوں صادقپور پٹنہ سٹی کے فتح علی کے فرزند تھے۔ بڑے بیٹے ولایت علی ۱۲۰۵ھ (۱۷۹۰-۹۱ء) میں پیدا ہوئے

---

[1] آور انڈین مسلمان صفحہ ۷۸

Marfat.com

ان کا قد اوسط، رنگ سانولا اور تن و توش بھاری تھا۔ ڈاڑھی رکھتے تھے بھنویں جڑی ہوئی تھیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر وہ لکھنو بھیج دیئے گئے جہاں رنگ محل[1] کے عالم اشرف علی سے تعلیم حاصل کی۔ یہیں وہ سید احمدؒ سے ملے اور بیعت کی۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے افراد خاندان کو بھی سید احمد کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر آمادہ کیا۔ جب سید احمدؒ پٹنہ سے رخصت ہوئے تو یہ بھی ان کے ہمراہ ہو گئے۔

ولایت علی کی بیوہ سے شادی ولایت علی کی پہلی شادی پندرہ سال کی عمر میں بیبی امیرن دختر مقصود علی ساکن قصبہ لبنا پھٹولی ضلع آرہ سے ہوئی۔ وہ لاولد وفات پاگئیں۔ ولایت علی نے دوسری شادی اپنے حیدر آباد دکن کے قیام میں ایک مقامی امیر مرزا وحید بیگ کی بیٹی سے کی۔ اس شادی سے ان کے کئی اولاد ہوئی۔ ان میں ایک عبداللہ تھے جو مشہور جنگ امبیلہ میں وہابیوں کے سردار تھے۔ پھر نکاح بیوگان کی سنت کو جاری کرنے کے لئے انھوں نے الٰہی بخش کی بیوہ دختر سے بھی شادی کی۔ یہ مقامی مسلمانوں کے اعلیٰ خاندانوں اور اعلیٰ سماجی رتبہ والوں میں نکاح بیوگان کی پہلی مثال تھی۔ اُس وقت اس شادی نے بڑی سنسنی پھیلا دی مگر انھوں نے اپنے عقیدے کی پختگی کا جرأت سے مظاہرہ کر دیا۔

عنایت علی کے ابتدائی حالات: چھوٹے بھائی عنایت علی ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۴ء) میں پیدا ہوئے۔ ان کا قد بھی اوسط اور رنگ گورا تھا۔ ڈاڑھی رکھتے تھے اور مضبوط اعصاب اور خوبصورت ڈیل ڈول اور پر کشش شخصیت رکھتے تھے۔ انھوں نے بھی ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی۔ بعد میں وہ شہر پٹنہ کے ایک ممتاز رئیس اور تفسیر کے عظیم استاد سید محمد مسافر کے شاگرد ہوئے۔ ان کی پہلی شادی سید محمد مسافر کی دختر آمنہ سے ہوئی۔ ان کے انتقال کے بعد پندرہ سال تک جب کہ وہ زیادہ تر بہار اور بنگال میں تبلیغی دورے میں مصروف تھے کوئی شادی نہیں کی۔ الٰہی بخش

---

[1] یہ ایک مشہور اسلامی تعلیم گاہ تھی۔

Marfat.com

کے فرزند اکبر علی کی وفات کے بعد ولایت علی نے عنایت علی کی شادی اکبر علی کی بیوہ اور محمد حسین کی دختر بی بی شریفن سے کردی جو اپنے شوہر (عنایت علی) کے ساتھ جسور میں مفیض الدین کے گھر میں رہتیں اور ہمیشہ شوہر کے تبلیغی دوروں میں ان کے ساتھ رہتیں۔ مفیض الدین نے بھی اپنے خاندان کے اور افراد کے ساتھ سید احمد سے بیعت کی تھی اور سرحد پر اُن سے جا ملے۔

عنایت علی کی زندگی اور جد وجہد اُس جوش اور جرأت کے لئے نمایاں ہے جس کا انھوں نے اس تحریک کے مقصد کے لئے ثبوت دیا۔ وہ دو دور افتادہ مقامات شمالی و مغربی سرحد اور مشرقی بنگال میں بیک وقت کام کرتے تھے۔ اول الذکر میں جہاد کرنے اور جنگ کی نگرانی کرنے میں اور آخر الذکر میں تبلیغ کرنے اور نئے رنگروٹ بھرتی کرنے میں مصروف رہے۔

ولایت علی اور عنایت علی کی مراجعت ہند: سرحد پر کچھ دن قیام کے بعد سید احمدؒ نے دونوں بھائیوں کو تبلیغ اور انتظامی کام کے لئے ہندوستان میں تعینات کر دیا۔ بدقسمتی سے ہم ان کے ہندوستان کو مراجعت کی صحیح تاریخ سے واقف نہیں۔ سید احمدؒ نے پٹنہ کے قائدین کے نام اپنے ایک مکتوب میں علی برادران کے ہندوستان میں متعین کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اُس وقت سے لیکر سنہ ۱۸۳۹ میں عنایت علی کے سرحد جانے تک دونوں بھائی مشرقی اور جنوبی ہند کے اکثر حصوں میں تنظیمی اور تعمیری کاموں میں مصروف رہے۔

دونوں بھائی اول اول سید احمدؒ کی رفاقت سے جدا ہوئے اور سرحد سے چلے آنے پر دل سے راضی نہ تھے مگر سید احمدؒ نے یہ کہکر ان کو آمادہ کر لیا کہ وہ ان کو بیج کی طرح باہر بکھیر رہے ہیں۔ ان کی یہ پیش گوئی لفظ بلفظ صادق آئی اور بعد کے سالوں میں ان کی مساعی بارآور ہوئیں۔ وہ ہندوستان سے آدمیوں اور روپے کی ڈاک چوکی کے ایسے نظام کی تکمیل کے لئے معمار ثابت ہوئے جو حیرتناک

Marfat.com

مہارت کے ساتھ آنکھوں میں خاک جھونکنے میں عرصہ دراز تک کامیابی کے ساتھ جاری رہا۔ ان کے کارناموں کے دو اہم ذرائع معلومات سوانح احمدی اور تذکرہ صادقہ ہیں۔ آخر الذکر میں ولایت علی کے جو حالات مذکور ہیں وہ زیادہ تر اول الذکر کے بیانات پر مبنی ہیں جو ایک عام قسم کا مجمل تذکرہ ہے۔ اس میں ترتیب زمانی بہت کم ہے۔ مثلاً ولایت علی کے اپنے والد کے انتقال کی (۱۸۳۱ء میں) خبر سنتے ہی پٹنہ واپس آتے ہی ان کے مشاغل کے سلسلہ میں صاحب سوانح نے سید عباس اور زین العابدین کی آمد کا ذکر کیا ہے جو مبارز الدولہ کی سازش کے بعد حیدر آباد سے نکل بھاگے حالانکہ یہ واقعہ بہت بعد ۱۸۳۹ء کا ہے مگر ۱۸۳۱ء کے واقعات کے ساتھ خلط ملط کر دیا گیا ہے۔

ہند میں تبلیغی و تنظیمی سرگرمیاں: اس زمانے میں علی برادران کی جدوجہد خالصتہً تبلیغی تھی۔ وہ مقصد کو آگے بڑھانے والے بےغرض اور جوشیلے کارکن تھے۔ اپنی افتاد طبع اور تقاضاے حالات سے یہ دونوں بھائی اپنی کاروائیوں کی کوئی یاد داشت نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے اس پہلو پر ان کے متعلق وہابیوں کی دستاویزات یا گورنمنٹ کی تحریرات سے ہمیں بہت کم اطلاعات دستیاب ہوئی ہیں۔ سرکاری تحریرات کا ذکر اُس وقت کرتے ہیں جب ان کی باغیانہ کاروائیوں کی طرف حکومت کی توجہ منعطف کرانا ہوتی ہے۔ مگر یہ کاروائیاں بعد کی ہیں جو ۱۸۴۰ء سے ظہور میں آئیں اور اسی کے بعد سے ہمیں زیادہ مکمل حالات ملتے ہیں۔

سید احمدؒ نے ولایت علی کو سید کرامتہ اللہ اور عبد القادر بہاری کے ساتھ بمبئی اور دکن میں کام کرنے کے لئے متعین کیا۔ بمبئی میں انھوں نے محمد علی رامپوری کو اپنی جگہ دیدی جو مدراس چلے گئے۔ وہ ابھی دکن ہی میں تھے کہ بالاکوٹ کی تباہی کی المناک خبر پہنچی۔ قریب قریب اُسی وقت ان کے والد فتح علی بھی پٹنہ میں وفات پا گئے۔ اس لئے وہ مدھیا پردیش (صوبہ متوسط) کے راستے سے پٹنہ چلے گئے۔ عنایت علی باپ کے مرض کی خبر سنکر پہلے ہی پٹنہ آچکے تھے۔

Marfat.com

پٹنہ میں وہابی تحریک کی تنظیم نو: پٹنہ پہنچکر ولایت علی نے تحریک کی تنظیم نو اپنے ہاتھ میں لی۔ بہت سے لوگوں نے ولایت علی کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی۔ انھوں نے مقامی مسجد تمنوہیاں کو جو پٹنہ میں وہابیوں کا ایک اہم مرکز تھی محمد حسین کے ذمہ کیا، اور اضلاع مظفرپور، دربھنگہ، اور چھپرہ میں بھی تحریک کی ذمہ داری انھیں کو سونپی شہر کی ایک اور مسجد فخرالدولہ[1] میں نماز جمعہ دوبارہ جاری کی۔ ان کے گھر میں بھی مجلسیں ہوتیں جہاں سادہ اور آسان زبان میں قرآن وحدیث کی تعلیم دی جاتی اور دینی وسیاسی مسائل پر وعظ ہوتے۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ احکام الہی کو آپ سمجھ لیں۔ قرآن مجید کو براہ راست خود سمجھنے اور درمیانی علما سے جن کے پھیلائے ہوئے رسم ورواج کے خلاف یہ تحریک شروع کی گئی تھی، آزاد اور بے نیاز ہوجانے پر زور دیا جاتا تھا۔ ان مجلسوں میں عورتیں بچے اور ان پڑھ بھی شریک ہوتے۔ شاہ عبدالقادر کا ترجمۂ قرآن اور قطب الدین دہلوی کا ترجمہ مشکوٰۃ دہلی سے منگواکر حاضرین مجلس میں ان کے نسخے کثیر تعداد میں تقسیم کئے جاتے۔

ولایت علی دوروں پر بھی نکلتے۔ اکثر اوقات کسی خاص جگہ پر کئی کئی مہینے اقامت کرلیتے اور کسی ایک آدمی کو منتخب کرکے اُس کو ہمخیال بنانے اور تربیت دینے پر تمامتر توجہ صرف کرتے اور مقامی تنظیم اُس کے سپرد کردیتے۔ ان دوروں میں ان کو ہر شعبۂ زندگی کے آدمیوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا، کسانوں سے کھیتوں میں اور جولاہوں سے ان کے کرگھوں پر۔ انھوں نے بہار شریف کا دورہ بھی کیا جو ایک بڑا صوفیانہ مرکز تھا اور وہاں بھی اپنے پیغام کی اشاعت کی کوشش کی۔

عنایت علی کا دورۂ بنگال: عنایت علی نے شمالی مغربی سرحد سے لوٹنے کے بعد بنگال کے مشرقی اضلاع کے بے شمار گاؤں میں بڑے وسیع پیمانے پر تبلیغی دورے کئے۔ اُس زمانہ کی پولیس کی رپورٹوں سے بھی ان کے کاموں کی مفصل اور مستند

---

[1] یہ مسجد تھانہ خواجہ کلاں (پٹنہ سٹی) سے تھوڑی دور مشرق میں واقع ہے۔

Marfat.com

اطلاعات دستیاب ہیں[۱]۔ مارچ ۱۸۴۳ء میں ہی زیریں صوبوں کے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے حکومت کو مسلمان "ملّاؤں" کے ایک جتھے کی موجودگی کی رپورٹ[۲] دی تھی جو باراسیٹ جسور پبنہ اور راجشاہی وغیرہ اضلاع کے چکّر لگاتے پھرتے، سکھوں اور "حکومت کے حلیفوں کے خلاف جہاد کا وعظ کرتے" اس غرض سے رنگروٹ اور روپے فراہم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اس گروہ کا سردار ایک پٹنہ کا باشندہ عنایت علی نامی ہے۔ رپورٹ میں مزید یہ بھی درج ہے کہ رنگروٹ حاصل کرنے میں ان کو زیادہ کامیابی تو نہ ہوئی مگر روپے کی تحصیل زیادہ کامیابی سے جاری ہے۔"

عنایت علی کے متعلق سپرنٹنڈنٹ پولس کی رپورٹ: اسی افسر نے بعد میں ایک اور رپورٹ ملاؤں کے دوسرے سربراہوں کے متعلق ارسال کی تھی جس میں ان کی تبلیغ کے اغراض و مقاصد اور عوام میں ان کی تبلیغ کو بے اثر کرنے کی مساعی کی اطلاع دی تھی۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا[۳] کہ عنایت علی کے علاوہ کرامت علی[۴] اور زینودین (زین العابدین) حیدرآبادی بھی اضلاع مذکورہ میں کام کر رہے ہیں۔ رنگروٹوں کے لئے ان کی اپیل کا خیر مقدم حوصلہ افزا ہوا۔ انھوں نے جنگی پور کے پاس ضلع مرشدآباد کے ایک گاؤں نارائن پور کو تاکا ہے جہاں یہ لوگ سرحد کی طرف روانہ ہونے سے پہلے جمع ہوتے ہیں

---

[۱] حکومت بنگال، محکمہ عدلیہ، فایل نمبر ۲۱-۲۴ مورخہ ۲۹ مئی ۱۸۴۳ء۔ ان دستاویزات پر جو اطلاعات مبنی ہیں وہ پہلی بار شائع کی جا رہی ہیں۔ کلکتہ ریویو ۱۸۷۰ء میں اوکنیلی کے مقالات کی بنا پر مبہم طور پر اتنا معلوم تھا کہ عنایت علی اس وقت مشرقی بنگال میں اپنا کام کر رہے تھے، مگر اب تک ان ابتدائی ذرائع معلومات سے کام نہیں لیا گیا تھا۔ خود وہابی ذرائع بھی عنایت علی کی کارروائیوں کے اس پہلو پر زیادہ معلومات بہم نہیں پہنچاتے۔

[۲] ڈبلو ڈیمپیر سپرنٹنڈنٹ پولیس صوبہ زیریں کا مراسلہ بنام ایف جے ہیلیڈے سکریٹری حکومت بنگال محکمہ عدالت نمبر ۵۸۱ مورخہ ۲۹ مارچ ۱۸۴۳ء [۳] ایضاً مراسلہ ۶۸ مورخہ ۵ اپریل ۱۸۴۳ء۔

[۴] جونپور کے متوطن تھے ۱۸۰۰-۱۸۷۳ء۔ ابتدائے عمر ۱۸ سال میں سید احمد کی بیعت کی۔ بنگال میں متعین ہوئے اور بڑے پیمانے پر تبلیغی کام کرتے رہے۔

Marfat.com

سپرنٹنڈنٹ پولیس نے یہ اطلاع بھی دی کہ مشرقی اضلاع کی مسلمان آبادی زیادہ تر "فرائضی یعنی وہابیوں پر مشتمل" یہ لوگ باہم نہایت متحد، جوشیلے مذہبی، ایک خاص سردار کے ماتحت، ہماری سرکار کے دشمن ہیں اور ان پر نہایت مستعدی سے کڑی نظر رکھنا ہے ان صوبوں میں اگر کسی شورش کا خطرہ ہے تو اسی گروہ کے مذہبی جنون کی برانگیختگی سے ہے[1]

سپرنٹنڈنٹ پولیس نے مزید لکھا کہ متعلقہ اضلاع کے مجسٹریٹ بالخصوص مرشدآباد کے مجسٹریٹ ان لوگوں کے اجتماع اور ان میں ایسی احمقانہ تبلیغات پر کڑی نظر رکھنے کے اقدامات کر رہے ہیں۔ اگر کسی جبر و تشدد کی ضرورت دیکھی گئی تو "ان کو مرعوب کرنے کے لئے فوراً طاقت استعمال کی جائیگی۔"

ایک اور خط میں سپرنٹنڈنٹ پولیس نے یہ رپورٹ بھی کی ہے کہ "عنایت علی کچھ عرصہ سے بنگال کے مختلف حصوں کا دورہ کر کے اپنے متبعین سے روپیہ جمع کر رہے ہیں اور میرے علم میں جہاد اور سید احمدؒ کے ظہور ثانی کے عقیدوں کو امداد کے حصول کے لئے استعمال کر رہے ہیں .... بہرکیف وہ اس حصہ ملک کو چھوڑ کر پٹنہ چلے گئے ہیں۔"

ایک اور مراسلہ میں حکومت کو رپورٹ ملی کہ میں نے مجسٹریٹ بھاگلپور کو لکھکر یہ دریافت کیا ہے کہ پتہ لگائیں ایا کوئی گروہ ان کے ضلع سے گذر کر شمالی مغربی سرحد کی طرف جا رہا ہے۔ مجسٹریٹ کے جواب سے معلوم ہوا کہ اضلاع باراسیت، جسور، میمن سنگھ اور راجشاہی کے کوئی آٹھ نو سو آدمی مختلف گروہوں میں مکّہ کی طرف جا رہے ہیں۔

انگریزی حکومت کی پولس کو ہدایات: حکومت نے سپرنٹنڈنٹ پولیس کی ان تمام رپورٹوں

---

[1] سپرنٹنڈنٹ پولیس نے وہابی اور فرائضی تحریکوں کے نمایاں پہلوؤں اور نظریوں میں تشابہ دکھا کر اپنی گہری نظر کا ثبوت دیا ہے۔ یہ فرائضیوں کی ڈالی ہوئی داغ بیل تھی جس نے بعد میں بنگال میں وہابیوں کا تعمیر کا کام آسان کر دیا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے بعد کے ایک مراسلہ مورخہ ۱۳ اپریل ۱۸۴۳ء میں کرامت علی اور عنایت علی کے درمیان احکام عبادات کے فرق سے دونوں کے متبعین کے فرق کی نشان دہی بھی کی ہے اور بتایا ہے کہ "کرامت علی کے متبعین عنایت علی کے ہمنوا نہیں جن کا اثر میرے زیر ملاحظہ مذکورہ اضلاع میں زیادہ قوی ہے۔"

Marfat.com

کے جامع جواب میں وعظ و تبلیغ کو زیادہ اہمیت نہ دینے کا اظہار کرتے ہوئے اسے ہدایت کی کہ سربراہوں کو بالخصوص اور عوام کو بالعموم ترغیب و ترہیب پر مشتمل ایک محتاط ہدایت نامہ جاری کرے کہ اگر کوئی ایسا بیہودہ فعل یا نقض امن کی حرکت صدور میں آئے جس میں وہ یا ان کے متبعین آلودہ ہوں تو وہ ذمہ دار ٹھہرائے جائیں گے۔ مختلف اضلاع کے مجسٹریٹ اپنے اپنے ضلعوں میں ایسی ہی کارروائی کریں اور مناسب مواقع پر بلووں اور شورشوں کے نتیجے سے صحیح وقت پر متنبہ کر دیں۔ ان کو یہ فہمائش بھی کی گئی کہ وہ اپنے اضلاع میں ایسی کارروائیوں کی ہفتہ وار رپورٹیں بھیجتے رہیں اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کو ہدایت کی گئی کہ ایسے مقامات کا ملاحظہ کرتا رہے جن پر شک و شبہہ واضح ہو۔ عوام الناس کو بھی کسی غیر معمولی اجتماع سے متنبہ کر دیا گیا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو یہ ہدایت بھی کر دی گئی کہ اس معاملہ کی تحقیقات کے نتیجوں سے وقتاً فوقتاً حکومت کو مطلع کرتا رہے[1]

بنگال میں عنایت علی کی حکمت عملی: اس زمانے میں بنگال میں عنایت علی کا سب سے بڑا کام دیہاتیوں میں بلدیاتی اور اجتماعی روح کا نشوو ارتقا، حکومت کی سول نافرمانی اور حکومت کے بعض انتظامی نظاموں بالخصوص عدالتوں کے خلاف ہڑتال کی پالیسی چلانا تھا۔

عنایت علی بنگال میں جو وہابی مشنری بھیجتے تھے انکیلی ان کی تعلیم کے ایک بہت اہم پہلو پر زور دیتا ہے وہ لکھتا ہے کہ "جو لوگ اس ملک سے ہجرت کر کے جہاد میں شریک ہونے سے مجبور ہوتے ان کو ہدایت کی جاتی تھی کہ مجہول مقادمت کریں، اور اپنے کافر حاکموں سے تمام تعلقات منقطع کر لیں تاکہ حکومت کے اندر حکومت کے بالکل خلاف ایک طاقت قائم کر لیں۔ کافروں اور ان کی عدالتوں سے جو سود کی ڈگری دیتی ہیں، اجتناب کرنا چاہیئے۔ اور بھائی بھائی کے درمیان شکایات کا فیصلہ مقامی سردار

---

[1] یہ طرز فکر اس سے پہلے بھی اور مواقع پر جیسے حیدر آباد سازش کے موقع پر حکومت کے طرز عمل کے مطابق ہے مگر یہ ان کامل اور واضح ہدایات سے متضاد ہے جو حکومت نے اس خطرے کے خلاف امتناعی اقدامات کے متعلق نافذ کئے شاید یہ ماتحت حکام کے سامنے ایک جرأتمندانہ عزم کی نمائش ہے۔

Marfat.com

کے ہاتھ میں دے دیا جائے ''۔ [1]

اس جدید متحدہ معاشرے کا مرکز گاؤں کی مسجد تھا۔ مسجد کے پیش امام کے ذمہ مذہبی خدمات کے انجام دینے کے علاوہ مقتدیوں کے درمیان عدالتی مقدمات کا فیصلہ بھی کر دیا گیا۔ امت کو اپنے قضیئے سرکاری عدالتوں میں لے جانے سے ممانعت کر دی گئی اور اسے آمادہ کیا گیا کہ ان کا تصفیہ اپنی ہی پنچایتوں میں کرالیا کرے۔ بعض اہم مقام کو جہاں بڑی مسجد ہوتی بڑے عدالتی ادارے کے طور پر منتخب کر لیا جاتا۔ جس کا رقبہ دس میل تک محیط ہوتا۔ وہاں کوئی بہتر تعلیم یافتہ پیش امام مقرر کیا جاتا جسے عدالتی اور دوسرے معاملات میں جن میں اعلیٰ صلاح و مشورہ کی ضرورت ہوتی اپیل سننے کا اختیار بھی ہوتا۔ مقامی چندوں کی تحصیل کا مرکز بھی مسجد ہی ہوتی۔ آگے چلکر ظاہر ہوگا کہ وہابیوں کا یہ نظام پیشتر کے فرائضی دستور کا مرہون منت تھا۔۔ یہ زیادہ تر عنایت علی کی کامیاب تبلیغی کارروائی ہی کا نتیجہ تھا کہ بعد کے مراحل میں سرحد پر جنگ جاری رکھنے کے لئے بنگال سب سے آگے تھا۔

ولایت علی کا دورۂ بنگال: اس زمانے میں خود ولایت علی بنگال کے دورے پر روانہ ہوئے۔ اس سے پہلے زین العابدین اور عباس حیدرآباد سے پٹنہ آئے، اور ولایت علی نے تحریک کی تنظیم کے لئے ان کو خلیفہ بناکر اڑیسہ اور الہ آباد میں تعینات کیا۔ انھوں نے بدیع الزماں کو کلکتہ کا مقامی خلیفہ متعین کیا اور وہاں مصری گنج کی مسجد ان کے ذمہ کی۔ اس کے بعد وہ سفر حج کے عزم سے بمبئی گئے جہاں وہ دو مہینے ٹھہرے اور عنایت علی کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ حج ادا کر کے انھوں نے یمن، نجد، یاسر، اور مسقط کا سفر کیا۔ اس سفر میں وہ مشہور عالم قاضی شوکانی [2] سے ملے ان سے فن تفسیر کی سند حاصل کی اور ان کی بہت سی تصانیف ہندوستان لائے۔ دو سال کے بعد وہ ہندوستان لوٹے، بنگال کے کئی اضلاع کے دورے کئے اور

---

[1] کلکتہ ریویو جلد ۱۵ سنہ ۱۸۷۰ صفحہ ۳۹۳

Marfat.com

اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ پٹنہ واپس آتے۔ اس طرح ان کے کارناموں کا ایک حصہ تمام ہوا جو زیادہ تر ایک مستقل اور مضبوط اندرونی تنظیم پر مشتمل تھا۔

سکھوں کے مقبوضات کی انگریزوں کو منتقلی ان دونوں کے کارناموں کا دوسرا اور زیادہ عملی حصہ رنجیت سنگھ کی موت کے فوراً بعد سرحد پر شروع ہونے والا تھا۔ ۱۸۳۹ء میں رنجیت سنگھ کی موت اور اس کے بعد پنجاب میں عام خانہ جنگیاں جو پہلی انگریز سکھ جنگ کا باعث بنیں سرحد پر علی برادران کی کاروائیوں کا پس منظر ہیں۔ ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کے معاہدے کی رو سے سکھوں نے جلندر دوآب انگریزوں کے حوالہ کیا اور ۱۵۰۰ ملین (ڈیڑھ کروڑ روپے) کا تاوان نقد ادا کرنے پر راضی ہو گئے۔ خزانے میں اتنی رقم موجود نہ تھی اس لئے دریائے سندھ اور بیاس کے درمیان پورا کوہستانی علاقہ مع کشمیر اور بالائی ہزارہ ۱۰ ملین (ایک کروڑ روپے) رقم تاوان کے عوض انگریزوں کی نذر کرنا پڑا۔ باقی رقم معاہدہ کی توثیق کے وقت ادا کرنا تھی۔ واگذشتہ رقبے میں سے دریائے راوی کے مغرب اور دریائے سندھ کے مشرق کا علاقہ ہزارہ اور کشمیر کے گورنر گلاب سنگھ کے ہاتھ ساڑھے سات ملین (پچھتر لاکھ) نانک شاہی روپے پر فروخت کرنا پڑا[۱]۔ اس رقبے میں بالائی ہزارہ بھی شامل تھا۔ دوسری طرف زیریں ہزارہ کے کئی مقامی پٹھان قبائلی سکھ حکومت کے کامل انہدام اور خاتمہ کا یقین کر کے نیم آزاد سے ہو گئے اور سکھوں کی سرپرستی اور بالادستی سے کامل طور پر آزاد ہونے کی جدوجہد کرنے لگے۔ بالائی ہزارہ میں بھی گلاب سنگھ سے حاصل کئے ہوئے علاقے پر کوئی موثر قابو نہ رکھتا تھا۔ وہ وہاں تک کشمیر پر مکمل قبضہ کئے بغیر پہنچ بھی نہ سکتا تھا۔ مگر امام الدین گورنر کشمیر نے لاہور سے ایک خفیہ ہدایت پر کشمیر گلاب سنگھ کو قبضہ دینے سے انکار کر دیا[۲]۔ چنانچہ عملی طور پر کشمیر اور بالائی ہزارہ دونوں

---

[۱] جے ڈی کننگھام۔ تاریخ سکھ۔ کلکتہ ۱۹۰۴ء تتمہ صفحہ ۱۷-۲۵

Marfat.com

قبضے سے باہر تھے اور بے چینی اور بغاوت سے بھرے ہوئے تھے۔ دونوں جنگوں میں سکھوں کی مخالفت کے مرکز بن گئے۔ ان مرکزوں کی قیادت بالائی ہزارہ میں عنایت علی کے اور زیریں ہزارہ میں اکبر شاہ کے ہاتھوں میں تھی۔

نئے حاصل کردہ علاقوں میں اقتصادی اور انتظامی معاملات میں برائے نام امن قائم کرنے کے لئے ایبٹ کو ہزارہ میں متعین کیا گیا۔ ساتھ ہی دربار لاہور کا ریذیڈنٹ ہنری لارنس ایک چھوٹا سا دستہ لیکر جموں کی طرف بڑھا۔ وہاں سے اس نے ہربرٹ ایڈورڈز کو امام الدین کے پاس بھیج دیا۔ اور امام الدین کو ہموار کر کے امادہ کر لیا گیا کہ کشمیر گلاب سنگھ کے حوالہ کر دے۔

ولایت علی کی روانگی سرحد: اسی تاراج اور بے امنی کے زمانے میں سید ضامن شاہ[1] نے ولایت علی کو لکھکر دعوت دی کہ آئیں اور سید احمد کے کام کا ٹوٹا ہوا رشتہ پھر ہاتھ میں لیں جس کے لئے حالات سازگار ہیں۔ چنانچہ ولایت علی نے اپنے چھوٹے بھائی کو بنگال سے بلا لیا جہاں وہ اُس وقت مصروف تبلیغ تھے۔ ولایت علی کوئی دو ہزار متبعین کی جمعیت کے ساتھ پٹنہ آ گئے۔ حکومت کے شبہہ سے بچنے کے لئے پوری جمعیت چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بانٹ دی گئی۔ ہر ایک ٹولی تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد پٹنہ سے کوچ کرتی رہی اور تقریباً پانچ مہینوں میں روانہ ہو گئی۔ روانگی کا یہ سلسلہ جولائی ۱۸۴۳ء میں شروع ہوا مگر خود عنایت علی کچھ بعد نومبر میں روانہ ہوئے اور ۱۸۴۴ء کے اواخر میں سرحد پہنچے۔ جو لوگ ان کے ہمراہ تھے ان میں سورجگڈھ کے اولاد علی ایک نمایاں شخصیت تھے۔ یہ سید احمدؒ کی شہادت کے وقت اور اس کے کچھ عرصہ بعد تک سرحد میں تھے

---

[1] ضامن شاہ پسر حسن علی شاہ وادی کاغان کے سردار وہابیوں کے مستقل حمایتی اور ناکوٹ اور بالائی ہزارہ پر دوبارہ قبضہ دلانے میں ان کے مددگار تھے۔ ۱۸۷۱ء میں وفات پائی۔ ان کے بھائی نوبت شاہ بھی وہابیوں کے زبردست حامی تھے۔

Marfat.com

مگر کمک کے انتظام کے لئے وہ لوٹ آئے تھے۔

فتح خاں کی شرانگیزی: سید احمد کی شہادت (۱۸۳۱ء) اور عنایت علی کی روانگی (۱۸۴۴ء) کے درمیانی وقفے کے واقعات کئی انگریزی مصنفوں نے اختصار سے بیان کیے ہیں۔ بیلو کے بیان کے مطابق فتح خاں پنجتاری جو اُس وقت تک وہابیوں کا مددگار تھا اب مخالف ہو گیا تھا۔ اور ستھانہ میں وہابیوں کی مختصر ٹولیوں کو ستا رہا تھا۔ چنانچہ عنایت علی اور مقصود علی آدمیوں اور روپے کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ پٹنہ سے روانہ ہوئے پکھلی میں اولاد علی مل گئے انھوں نے اُس علاقہ پر قبضہ کر لیا اور خراج لگا دیا۔

بالاکوٹ سے سکھوں کا اخراج: اوکنیلی کے بیان کے مطابق مولوی قاسم پانی پتی جو نصیر الدین کی سندھ فوج میں تھے کاغان چلے گئے۔ وادی کاغان کے دونوں سردار ضامن شاہ اور اس کے بھائی نوبت شاہ ان کے مرید ہو گئے۔ انھوں نے ہندوستان کے مختلف خلفا کے نام خط لکھ کر ان کو سید احمدؒ کے قریب الوقوع ظہور ثانی کی یاد دلائی اور آنے کی درخواست کی۔ عنایت علی پٹنہ سے آگئے اور سکھوں کو بالاکوٹ سے مار بھگایا۔ عنایت علی کے ہمراہ زین العابدین بھی گئے۔ اور نجف خاں کاغانی کی امداد میں جو اپنی مملکت سے محروم کر دیا گیا تھا سکھوں سے ایک جھڑپ میں حصہ بھی لیا۔ اس کے فوراً بعد نجف خاں اور قاسم کے درمیان سید احمدؒ کے ظہور ثانی کے دقیق مسئلہ پر غلط فہمی پیدا ہو گئی۔ اور قاسم کلکتہ واپس چلے گئے۔ تحریک کے ایسے معتمد متبع کا انحراف اس کے مستقبل پر ایک المناک ضرب تھی، لیکن برادران علی کا استقلال تمام مشکلات پر غالب آ گیا اور تھوڑے ہی عرصے میں تحریک سید احمدؒ کے زمانے سے زیادہ نہیں تو اتنی ہی طاقتور ہو گئی

ہزارہ گزیٹیر کے مطابق وہابیوں نے سکھوں کی فوجوں کو جو تنگیار ہی، بیر کفنڈ، اگرڑھی حبیب اللہ اور اگرور کے قلعوں میں متعین تھیں شکست دیدی اور ان پر قبضہ کر لیا۔

Marfat.com

یہ امر قابل توجہ ہے کہ بعض خفیف فرقوں کے سوا یہ سارے متفرق بیانات ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔

رضاکاروں کو تحریک میں شرکت کی دعوت: اس موضوع پر زیادہ معتبر اور اہم تر اطلاع ایک مشترکہ مکتوب[۵] مورخہ ۹ ذیقعد ۱۲۶۲ھ (۲۹ اکتوبر ۱۸۴۶ء) سے ملتی ہے جو پٹنہ، جیسور، فریدپور، باراسیٹ، ڈھاکہ، کلکتہ، رامپور وغیرہ ہم کے مقتدر اشخاص نے ملکر لکھا تھا۔ غالباً یہ ایک قسم کی عام روداد تھی جو برطانوی ہند میں اس تحریک کے پیرؤوں کے نام سرحد سے بھیجی گئی تھی، اس میں وہاں کے تمام وقائع بیان کئے گئے اور اندرونِ ملک سے رضاکاروں کو دعوت دی گئی تھی کہ آئیں، تحریک میں شریک ہوں اور فتح و نصرت میں جس کا وقت قریب ہے حصہ لیں۔ اسی مضمون کے خط اور مقامات پر اور اشخاص کے نام لکھے گئے ہونگے۔ افسوس ہے کہ ہمیں اب یہی ایک خط اس موضوع پر دستیاب ہے۔ یہ دسمبر ۱۸۴۵ء سے اکتوبر ۱۸۴۶ء کے مفصل واقعات بتاتا ہے۔

امارتِ عنایت علی: یہ حالات اس بیان سے شروع ہوتے ہیں کہ عنایت علی (نومبر ۱۸۴۵ء میں) ذالحجہ ۱۲۶۱ھ کو مجاہدوں، سرداروں اور علما کی طرف سے جو وہاں ریاست میں حاضر تھے امیر منتخب ہوئے۔ ضامن شاہ کاغانی نے بھی اپنی اطاعت پیش کی۔ امارت ہاتھ میں لیکر عنایت علی نے سپاہ ہی کی تعیناتی اور اپنے ساز و سامان کی دوبارہ تنظیم شروع کی۔ اس کے کچھ ہی قبل بالاکوٹ پر سکھوں سے لیکر

۵۔ یہ مکتوب پٹنہ یونیورسٹی لیبریری کے مخطوطہ مکتوبات سید احمد کا آخری حصہ ہے اور صفحات ۲۲۰-۲۹ پر محیط ہے۔ غلام رسول مہر نے بھی اس کا حوالہ دیا اور اس سے استفادہ کیا ہے۔ ان کو اس کا ایک نسخہ مسعود عالم ندوی مرحوم سے دستیاب ہوا اور انھوں نے اسے کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد سے حاصل کیا تھا۔ حیرت تو یہ ہے کہ ندوی مرحوم نے اسے خود اس تحریک پر اپنی مختصر تصنیف میں پورا استعمال نہیں کیا۔ مہر کی کتاب جلد ۴ جزو ثالث کے ابواب ۴-۵ اسی دستاویز پر مبنی ہیں۔

Marfat.com

قبضہ کیا جا چکا تھا۔ محرم ۱۲۶۲ھ (دسمبر ۱۸۴۵ء) میں گڑھی حبیب اللہ پر اچانک حملہ کیا گیا، فتح گڑھ کا محاصرہ کیا گیا اور ایک مہینے میں اسے فتح کر لیا گیا۔ لاہور میں مرکزی حکومت کی کمزوری اور بدنظمی سے ان مضافاتی علاقوں کے قلعوں میں متعین افواج غیر یقینی نازک صورت حال سے دوچار تھیں اور ان میں سے اکثر قلعے چھوڑ کر نکل رہی تھی۔ عنایت علی نے کئی سکھ کمانداروں کو پیغام بھیجا کہ اطاعت قبول کر لیں۔ ان میں سے کچھ نے مصالحتی عبارت میں جواب دیا اور بعض نے مخاصمانہ الفاظ میں۔ مگر تھوڑے عرصے میں پکھلی، دھمتاور[1]، اور کش[2]، تناول اور ہزارہ کے کوئی بائیس قلعے فتح ہو گئے اور اسلحہ اور دوسرے سامانوں کی کثیر مقدار پر قبضہ ہو گیا۔ بہت سے دولتمند سپاہ ہو کار گرفتار کر لئے گئے۔

معرکۂ نوشہرہ: اسی درمیان میں ایک سکھ قلعے کی فوج پکھلی پہنچ گئی۔ اس کی آمد نے مقامی قبائل میں کچھ ہلچل مچا دی اور وہ وہابیوں کو چھوڑ کر سکھوں سے جا ملے۔ انھوں نے وہابیوں سے جو عشر کی تحصیل کے لئے وہاں گئے تھے طنزاً کہا کہ پہلے سکھ فوج کو شکست تو دے لو۔ عنایت علی نے بے خوف و خطر ایک فوج نوشیرہ بھیج دی جس میں کچھ تنخواہدار سپاہی تھے اور منشی شجاع الدین کے زیر کمان ساٹھ وہابی تھے اور مولوی مقصود علی دو سو آدمیوں کے ساتھ سلطان حسین کی مدد کے لئے مظفر آباد بھیج دیئے گئے۔

سکھ فوج کے ساتھ آویزش اس طرح بیان کی گئی ہے ”نو سو سکھ سوار اور پانچ ہزار پیادے پہاڑ کی دونوں طرف ڈھال پر جمع تھے۔ پیچھے بارہ ہزار مقامی قبائل تھے جو اپنی معمولی روش کے مطابق بظاہر وہابیوں کے ساتھ مگر واقعی باطن میں سکھوں سے سمجھوتہ کئے ہوئے تھے اور منتظر تھے کہ جیسے ہی ان کی امید کے مطابق وہابیوں کو شکست ہو

---

[1] دھمتور یا دھاتور ایبٹ آباد سے ۵ میل مشرق دور ندی کے داہنے کنارے پر ایک بڑا اور زرخیز گاؤں ہے پہلے اس پورے علاقے کا یہی نام تھا [2] ضلع ہزارہ کا ایک غیر آباد علاقہ پا منگل علاقے کے جنوب میں۔ ایبٹ آباد چھاؤنی اس کے جنوبی کنارے پر واقع ہے۔

Marfat.com

ان کو لوٹ لیں۔ ظہر کی نماز کے بعد مڈبھیڑ ہوئی جس کی ابتدا سکھوں کی طرف سے ایک زوردار گولے سے ہوئی۔ وہابیوں کے علمبردار محمد عثمان کے بازو پر ایک گولی لگی۔ جھنڈے کو گرتا دیکھ کر قبائلیوں نے سمجھا کہ وہابیوں کو شکست ہوگئی، مگر اسی علمبردار نے جھنڈا اونچا کر دیا۔ وہابی ہر طرف سے پل پڑے اور روہیلوں نے منظّم حملہ کر دیا۔ سکھوں کے قدم اُکھڑ گئے اور پیچھے ہٹنے لگے۔ وہابیوں نے جوش سے ان کا تعاقب کیا۔ مقامی قبائلیوں نے ان کے ایک لاکھ روپے سے زائد کے ذخیرے لوٹ لئے۔ بارش کا موسم تھا، زمین میں کیچڑ ہو رہی تھی اور اونچی اونچی شالی گھاس اُگی ہوئی تھی اس لئے سکھوں کیلئے تیزی سے بھاگ جانا آسان نہ تھا۔ مقامی لوگوں نے بے جگری سے ان کا تعاقب کیا۔ وہ وہابیوں کی فتح دیکھ کر سکھوں پر جھپٹے اور ان کے اسلحہ اور سامان لوٹنے کے لئے ان کو قتل کرنا شروع کیا۔ مغلوب سکھ فوج کے پسپا اور منتشر سپاہیوں کا قتل و غارت تین روز جاری رہا، اگرچہ وہ سب مضبوط تن و توش والے تھے وہ ان لوگوں کے ہاتھوں لٹتے رہے جو جسمانی طاقت میں اُن کے مقابل نہ تھے۔

منافق سرداروں کو معافی: منافق سرداروں یا سے جو سکھوں سے مل گئے تھے نواب[1] خان تناولی، مدد خان[2] اور محمد علی گرفتار کر کے عنایت علی کے سامنے حاضر کئے گئے۔ انھوں نے بعض وفاداروں مثلاً امیر خان[3] کی سفارش سے اُن کو معاف کر دیا۔

یہ تصادم جولائی اور ستمبر ۱۸۲۶ء کے درمیان کسی وقت ہوا تھا۔ اس کے بعد کچھ

---

[1] یہ سربلند خان کا بیٹا تھا اور [illegible] گیری کا سردار کہلاتا تھا۔

[2] یہ امب کے پائندہ خان کا چھوٹا بھائی تھا۔ پائندہ خاں [illegible] بیگر [illegible] رہ گیا تھا

[3] یہ گڑھی حبیب اللہ کا سردار اور حبیب اللہ کا بیٹا تھا جس نے اس گڑھی کو اپنے نام سے منسوب کیا تھا۔ وہ ۱۸۶۸ء میں فوت ہوا۔

Marfat.com

عرصہ تک سکھوں کو جاؤں کے علاقے کی طرف چڑھائی کی ہمت نہ پڑی۔

امارت ولایت علی: ولایت علی ستمبر ۱۸۴۲؁ء میں پٹنہ سے سرحد آئے۔ ان کے ساتھ احمداللہ کے تین چھوٹے بھائی یحییٰ علی فیاض علی اور اکبر علی بھی تھے۔ ان کے ساتھ رضاکاروں کی ایک بھاری تعداد تھی اور اسلحہ اور ذخائر کی معتدبہ مقدار اپنے ساتھ لے گئے۔ عنایت علی نے وہابی ریاست کی سرحدی چوکی منی گلی پر ایک دستہ ان کی پیشوائی کے لئے بھیجا۔ ولایت علی کے اعزاز میں نئی ریاست کے اندر متعدد پڑاؤ پر خیر مقدم کا ایک سلسلہ بندھ گیا۔ ان کے نوشہرہ پہنچنے پر مقامی کماندار داروغہ ریاست اللہ نکلے اور ایک توپ کی سلامی دی۔ مقصود علی کو عنایت علی نے ایک رسالہ اور پیادہ دستے کے ساتھ بھیجا تھا۔ وہ بھی نوشہرہ پہنچے اور خیر مقدم میں شریک ہو گئے۔ دوسرا پڑاؤ بیبر کوٹ تھا جہاں ضامن شاہ اور امین خاں محترم مہمان کے استقبال کے لئے بھیجے گئے تھے۔

وہابی ریاست کا دارالخلافہ اسلام گڑھ تھا۔ خود عنایت علی نے اپنے ذاتی جھنڈے اور روہیلہ فوج کے ایک دستے کے ساتھ ایک منزل آگے بڑھ کر بھائی کا استقبال کیا۔ اترسیہ کے میدان میں جلسہ ہوا۔ یہ ایک عظیم الشان اور مبارک تقریب تھی۔ سب لوگوں نے اللہ کی حمد و ثنا کے ساتھ منائی۔ اترسیہ میں دن کا کھانا کھا کر وہ فتح گڑھ کی طرف روانہ ہوئے جس کا نام اسلام گڑھ رکھ دیا گیا تھا اور وہابی ریاست کا دارالخلافہ تھا جہاں مقامی سردار [illegible] اور ادائے خراج کے لئے جمع ہوتے تھے۔ فوراً ہی عنایت علی نے بلا تامل و توقف [illegible] علی کے ہاتھ پر بیعت کی۔[1] انہوں نے ریاست [illegible] جماعت کی امارت سنبھالی۔

---

[1] یہ عنایت علی کا وہ شریفانہ رویہ تھا جو ایک بے غرضی و بے نفسی کا جوش تھا اور جس میں کسی ذاتی حوصلہ یا ہوا و ہوس کا دخل نہ تھا۔

Marfat.com

ولایت علی نے اس سلوک کے جواب میں تمام حاضرین کو ہدایت کی کہ عنایت علی کے ساتھ حسب سابق اپنے سرداروں کا سا برتاؤ رکھیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کو سرحد آنے کی دعوت: اس مکتوب کے کاتبوں نے آخر میں اپنے ہندوستانی بھائیوں کو بھی دعوت دی کہ "اگرچہ ان لوگوں کی تعداد بھی جو سرحد پر موجود ہیں کافی ہے مگر ان کا دل بھائیوں سے ملنے کو بیقرار رہے ہے۔" ان کو پہنچنے پر جوش خیر مقدم اور مہمان نوازی کا یقین دلایا گیا۔ ان کو ملازمتوں کا بھی اطمینان دلایا گیا جو بے شک و شبہہ کفار کی نوکریوں سے زیادہ بابرکت ہے۔ ساتھ ہی اہل استطاعت سے درخواست کی گئی کہ "جماعت کو مالی امداد بھیجیں۔ رہا امام (سید احمد) کے ظہور ثانی کا مسئلہ تو کچھ لوگ اس عقیدے پر ایمان رکھتے ہیں اور کچھ نہیں رکھتے۔ اعتقاد رکھنے کے لئے کسی پر کوئی زور نہیں۔ بہرحال امام کا ظہور ثانی جلد وقوع پزیر ہو یا نہ آئے عنایت علی اور ولایت علی کی امامت (سرداری) تو قائم ہو چکی ہے۔"

مذکورہ بالا مشترک مکتوب میں واقعات کا خلاصہ جو مذکورہ ہے وہ اسی مقام پر تمام ہو جاتا ہے۔ اور مقام جس میں وہابی ریاست کے رقبے اور نظام کا ذکر ہے اس کا خلاصہ آگے بیان ہوگا۔

معرکہ درہ دوب: وہابیوں کی انگریزوں سے کھلم کھلا جھڑپ درہ دوب[1] پر ہوئی جو ولایت علی کی آمد کے فوراً بعد واقع ہوئی۔ سرحد کے فساد زدہ علاقوں پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے انگریز سرگرمی سے سکھ حکام اور گلاب سنگھ کی مدد کر رہے تھے۔ دربار لاہور کا انگریز ریزیڈنٹ ہنری لارنس اور اس کی ماتحتی میں ایبٹ، ایڈورڈز، ٹیلر وغیرہ جوشیلے جوان افسر درحقیقت ان علاقوں میں انگریزی حکومت کی بنیاد ڈال رہے تھے۔

انگریزوں نے گلاب سنگھ کی مدد کر کے کشمیر پر قابض ہونے کے لئے مناسب سمجھا کہ سکھ فوج کے ساتھ ساتھ دیوان کرم چند کی کمان میں انگریزی فوج کا ایک دستہ بھی بھیج دیا جائے جو کشمیر سے لاہور تک راستے میں امن و اطمینان

---

[1] دوب گڑھی حبیب اللہ اور مظفر آباد کے درمیان پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر ایک مشہور درہ ہے۔

Marfat.com

قائم کرتا ہوا کوچ کرے۔ دو انگریز افسر ملسڈین اور وانس ایگینو اس دستے کے ساتھ تعینات کئے گئے۔ طاقت کی اس نمائش کے ساتھ انگریزوں کی عام سیاسی چال بھی حرکت میں آگئی اور بہت سے مقامی قبائلی سردار مع عباس شاہ جھوٹے وعدوں سے رام کر لئے گئے۔

ابھی وہابی مظفر آباد کی طرف سے آنے والی اس فوج کا مقابلہ کرنے کی تیاری ہی کر رہے تھے کہ مقامی سردار کے میل سے یہ افواہ پھیلادی گئی کہ دوسری طرف پکھلی سے بھی ایک سکھ لشکر آرہا ہے۔ دوطرفہ حملہ کے اس خطرے نے وہابیوں کے بہت سے مقامی پیروؤں کو مرعوب کر دیا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ بے یار و مددگار، دس رجمنٹوں کی طاقت کے مقابلے میں، وہابیوں نے مع برادران علی ایک مختصر محاربہ کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔

اس شکست کے بعد کے واقعات کے بارے میں حکام کے درمیان بہت کچھ اختلاف رائے ہے۔ بیلیو کہتا ہے کہ سکھ فوج نے لفٹننٹ ایگینو کے زیر کمان مجاہدوں کو شکست دیکر منتشر کر دیا۔ مقصود علی گرفتار کر لئے گئے اور لاہور بھیج دیئے گئے۔ عنایت علی پٹنہ بھاگ گئے۔ اولاد علی چند آدمیوں کے ساتھ ستھانہ جا رہے۔

ڈونکنی کا بھی بیش و کم یہی بیان ہے اس اضافہ کے ساتھ کہ برادران علی ضمانتی مچلکے کے ماتحت پٹنہ بھیج دیئے گئے۔ پٹنہ پہنچ کر انھوں نے دس دس ہزار کے مچلکے لکھکر چار سال تک پٹنہ نہ چھوڑنے کی ضمانت دی۔

سوانح احمدی اور تذکرہ صادقہ کے مؤلفین ان واقعات کو یوں بیان کرتے ہیں۔

Marfat.com

سکھوں کی انگریزوں سے امداد طلبی: علی برادران گلاب سنگھ کے مقابلے میں کامیابی سے لڑتے رہے تھے اور بہت کچھ کامیاب ہو رہے تھے۔ گلاب سنگھ نے خود میں وہابیوں کے مقابلے کی طاقت نہ پاکر انگریزوں سے مدد طلب کی۔ انگریزوں نے برادران علی کو لکھا کہ متنازع علاقہ ہمارے قبضے میں ہے اس لئے تمھیں جنگ بند کرنا چاہیے۔ اس کے فوراً بعد لمسڈین اور وینس ایگینو گلاب سنگھ کی مدد کو بھیجے گئے۔ انھوں نے وہابیوں کے کچھ مقامی ساتھیوں کو جن میں ضامن شاہ بھی تھا مالی ترغیبوں سے ملا لیا۔ اس لئے وہابی کسی ایسی مفاہمت پر مجبور ہو گئے جس کی رو سے وہ ستھانہ اکبر شاہ کے پاس جاسکیں۔ سوات جانے کے لئے ان کو ایسے علاقوں سے گذرنا تھا جو انگریزوں کے قبضے میں تھے اور جس کے لئے ان کو بحفاظت گذرنے کی ضمانت درکار تھی جو لمسڈین اور ایگینو نے لکھکر دے دی۔ چنانچہ وہابی چل پڑے مگر انگریزی علاقے میں پہنچنے پر ان کو گھیر کر گرفتار کر لیا گیا۔ بحفاظت گذرنے دینے کی تحریری ضمانت اس بہانے سے منسوخ کر دی گئی کہ یہ اعلیٰ حکام کی اجازت کے بغیر مقامی ماتحت افسروں کی دی ہوئی ہے۔ روہیلہ اس بدعہدی پر بہت برافروختہ ہو گئے اور لڑنے کو تیار ہو گئے مگر ولایت علی نے تحمل سے کام لینے کا مشورہ دیا۔ وہابیوں نے مع برادرانِ علی اپنے ہتھیار اور سامان جنگ حوالہ کر کے جنگ سے دستبرداری قبول کر لی، اور لاہور بھیج دیئے گئے جہاں کمشنر[1] جان لارنس نے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کی بہادری کی تعریف کی۔ ان کو آمادہ کیا گیا کہ وہ اپنے ہتھیار اور سامان جنگ فروخت کر دیں، روہیلہ فوج کو علیحدہ کر دیں۔ ہتھیار کی فروخت سے جو رقم وصول ہوئی اسی سے ان کی تنخواہیں ادا کر دی گئیں۔ اس کے بعد وہ پٹنہ واپس بھیج دیئے گئے۔ لارنس نے ان کو ایک ضیافت میں مدعو کیا اور ان کی واپسی کے

---

[1] اس زمانے میں لاہور دربار میں کمشنر نہیں ریذیڈنٹ ہنری لارنس تھا، جان لارنس نہیں۔ دونوں کے ناموں کے پہلے ٹکڑے کے اشتراک کے سبب سے یہ غلط فہمی معلوم ہوتی ہے

Marfat.com

اخراجات کے لئے کچھ روپے دیئے۔ پٹنہ پہنچنے پر لوگوں کی ایک کثیر جماعت نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ وہ "مجاہدین سرحد" کی زیارت کے لئے ٹوٹے پڑتے تھے۔ کمشنر پٹنہ ان کے گھر آیا اور دو دو سو روپے کے ضامنی مچلکے دو سال تک اچھے چال چلن رکھنے کے لئے تعمیل کرنے کو کہا۔

عبدالرحیم کے بیان پر تنقید: غلام رسول مہر بیان متذکرہ بالا کو کچھ واقعات کی بنا پر رد کرتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ اُس زمانے میں نہ تو انگریزوں نے پنجاب کا پورا الحاق کیا تھا، نہ لارنس اس کا چیف کمشنر تھا، نہ سید اکبر کی سوات کے حکمراں کی حیثیت سے تاجپوشی ہوئی تھی، اور نہ ہزارہ کا علاقہ انگریزوں کے زیر حکومت تھا۔ مہر ان بے جوڑ باتوں کی تردید میں بالکل حق بجانب ہیں۔ پھر بھی کسی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے ہمیں یہ حقیقت اپنے ذہن میں رکھنا ہے کہ سوانح اور تذکرہ صادقہ دونوں کے مخالفوں کی اصل دلچسپی سید احمد اور ان کے بعض اہم رفقا کے کارناموں کے عام ذکر سے تھی۔ اس موضوع پر ان کی تحریر نہ ہمہ گیر ہے نہ مفصل اُس زمانے کی عام تاریخ سے ان کی واقفیت محدود تھی۔ کم سے کم عبدالرحیم انگریزی زبان سے ناآشنا تھے۔ جس زمانے میں یہ دونوں حالات قلمبند کئے گئے تھے۔ کمشنر کے عہدے کا وجود تو تھا مگر انھوں نے رزیڈنٹ اور چیف کمشنر کے عہدوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک دفتری وقانونی فرق[1] کو نظر انداز کر دیا ہوگا۔ علاقہ زیر بحث کے انگریزوں کے قبضے میں نہ ہونے کے متعلق یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ ۱۸۴۵ء سے انگریز اس علاقے کے عملاً حاکم تھے۔ اور اس خاص واقعہ میں ساری گفت وشنید انگریز کمانداروں کی وساطت سے ہوتی تھی اس لئے وہابیوں نے سمجھا ہوگا کہ یہ انگریزوں کا مملوکہ ہے۔

---

[1] ۱۸۴۵ء کے معاہدے کی شرائط کے مطابق ایچ ایم لارنس لاہور دربار کا ایجنٹ مقرر کیا گیا تھا: دسمبر ۱۸۴۶ء میں اس عہدے کا نام بدلکر ریزیڈنٹ اور ایجنٹ گورنر جنرل رکھ دیا گیا۔ یہ نام ۶ مارچ ۱۸۴۸ء تک برقرار رہا۔ جب کہ یہ نام پھر بدلکر ریزیڈنٹ اور چیف کمشنر رکھ دیا گیا (لاہور پولیٹیکل ڈایری جلد ۳ تمہید)

Marfat.com

ایک حالیہ مولف[1] نے کشمیر کی آتش بغاوت کو ٹھنڈا کرنے اور براہ راست فوجی مدد دیکر نام نہاد سکھ دربار اور گلاب سنگھ کا اپنے اپنے علاقوں میں کھویا ہوا اقتدار بحال کرنے میں انگریزوں نے جو زبردست حصہ لیا اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس نے امام الدین سے سکھ علاقہ چھین لینے کے لئے انگریز ایجنٹ کے سکھ فوج کے آگے آگے مارچ کرنے کے عجیب منظر پر حیرت کا اظہار کیا ہے۔

عبداللہ کا چشم دید بیان: عبداللہ کا مندرجہ ذیل بیان بھی بتاتا ہے کہ خود لاٹ صاحب (ہنری لارنس) نے ولایت علی سے کہا تھا کہ ملک پنجاب اب حقیقتاً انگریزوں کی ملک ہے۔

اس کے علاوہ ایگنیو کے قول وقرار پر برادران علی کے ہتھیار ڈالنے کی آئندہ توثیق اُس زمانہ کی انگریزی دستاویزات سے بھی ہوتی ہے۔ لاہور پولیٹیکل روز نامچوں میں ایک اندراج[2] مورخہ ۲۲ مارچ ۱۸۴۷ء میں "ہزارہ سے ایک مولوی" کی گرفتاری کے بارے میں جس نے وہاں بغاوت کی قیادت کی تھی اور اس کے لاہور آنے کا ذکر موجود ہے۔ جس مولوی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یقینی طور پر وہ ولایت علی ہی ہیں۔

تذکرہ صادقہ اور سوانح احمدی کے بیانات کی تصدیق اُس زمانہ کی ایک نادر اور معاصر انگریزی دستاویز سے بھی ہوتی ہے۔ یہ ایک شخص عبداللہ نامی پسر جان علی ساکن حاجی پور ضلع مظفر پور کا بیان ہے جو ۱۲ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو اسسٹنٹ کمشنر راولپنڈی نے لیا تھا۔ عبداللہ پہلے محمد علی رامپوری کا پھر بعد میں ولایت علی کا مرید ہوا جن کے ہمرکاب وہ سرحد گیا۔ وہ خاص طور پر جنگ روب کا ذکر کرتا ہے جس میں اس نے خود حصہ لیا، اور اس کے بعد کے واقعات کا بھی۔

---

[1] ارار سیٹھی مولف بغاوت کشمیر، انبگال گذشتہ موجودہ۔ جلد ۶، ۴ ص ۱۱۲ ۔ ۱۲۱

[2] لاہور پولیٹیکل ڈائریز جلد ۲ ص... یہ اندراج وہابیوں کے ساتھ ونیس ایگنو کے قول وقرار سے متعلق ہے مگر اس میں کہا گیا ہے کہ اس میں بحفاظت ہندوستان جانے کی ضمانت ہے نہ کہ مسخانہ۔

Marfat.com

ایک متنازعہ واقعہ پر اس چشم دید شہادت کے پیش نظر اس کے ضروری حصے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :۔

"...... سکھوں کے فرار کے بعد مظفرآباد میں چھ جنگیں لڑی گئیں۔ تقریباً بارہ سو سکھ پہاڑیوں پر چڑھ گئے جن کا نام دوب ہے۔ ان سکھوں کو انگریزوں نے بھیجا تھا کیونکہ اُس زمانہ میں انگریز ہی لاہور پر قابض تھے۔ اُس وقت مولوی ولایت علی اور باقی لوگوں کو شکست ہو گئی۔ اور کاغان کے سردار[1] نوبت شاہ، ضامن شاہ اور دوسرے لوگ سکھوں سے جا ملے اور ولایت علی سے صاف صاف کہدیا کہ "ہم اب آپ کی مدد نہیں کر سکتے"۔ ایبوٹ اُس وقت ہزارہ میں تھا۔ اور اُس نے ایک سکھ سردار کو (جس کا نام اس وقت میں بھولتا ہوں) ہدایت کی کہ ہمیں پہاڑ کے نیچے پہنچا دے، ہمیں چھوڑ دینے کا وعدہ کیا اور اُس سے یہ بھی کہا کہ ہمیں اپنی نگرانی میں رکھے، اور یہ بھی کہا کہ ہمارے پاس جو اسلحہ ہیں ان کو فروخت کردیں تو وہ ان کی قیمت ادا کر دے گا۔

مسٹر ایبوٹ اور ولایت علی کی گفتگو: چنانچہ ہمیں توپوں، زنبورکوں اور اونٹوں وغیرہ کی قیمت [illegible] ہزار روپے ملی .... اُس وقت ہم چار سو نفر تھے۔ ہم [illegible] بیرکا دوراہ پہنچے تو مسٹر ایبوٹ ملے۔ وہ بالاکوٹ تک ہمارے ساتھ گئے۔ وہاں انگریزوں کی بارہ رجمنٹیں تھیں اور ہزارہ میں تو سپاہیوں کی کوئی انتہا نہ تھی وہاں مسٹر ایبوٹ نے ولایت علی سے پوچھا "اب تم کدھر جاؤ گے"؟ انھوں نے کہا "سنھانہ" اس پر مسٹر ایبوٹ بولے "بہتر ہے کہ تم ہزارہ چلو اور لاٹ[2] صاحب سے ملو، جو وہ حکم دیں وہ کرو"۔ اس وقت وہ لوگ بے بس تھے اور ہزارہ

---

[1] مہر (جلد ۲ صفحہ ۲۶۵) نے سوانح اور تذکرہ صادقہ کے ضامن شاہ پر غداری کے الزام کی تردید کی ہے۔ مگر اُسی عصر کا یہ بیان ان کے بیانات کی تائید کرتا ہے۔

[2] ایچ۔ ایم۔ لارنس جو لاہور دربار میں ریزیڈنٹ اور گورنر جنرل کا ایجنٹ تھا۔

Marfat.com

جانے اور قلعہ کے نزدیک کیمپ لگانے پر مجبور تھے۔ چند دن کے بعد لاٹ صاحب نے ولایت علی، عنایت علی، مقصود علی، فیاض علی اور یحییٰ علی کو بلا بھیجا۔ وہ خیمہ میں داخل ہوئے تو ان سے یہ سوال کئے گئے: کیا تم صادقپور عظیم آباد کے باشندے نہیں؟ کیا تم انگریز کی رعایا نہیں؟ کیا تم گورنمنٹ کو مالگذاری ادا نہیں کرتے؟ تم اس ملک میں کیوں آتے ہو؟" انھوں نے جواب دیا اپنے دین کی رو سے ہم کو کافروں سے لڑنا ہے۔ سکھ[1] ہمارے دشمن ہیں اس لئے ہم ان سے لڑنے آئے ہیں۔ لاٹ صاحب نے جواب دیا "یہ ملک تو انگریزوں کا ہے۔ اب تم کیا کروگے؟ انھوں نے کہا" ہم کابل چلے جائیں گے"۔ مگر لاٹ صاحب نے کہا وہ ملک کابل تک یاغستان (آزاد) ہے۔ اگر تم وہاں چلے جاؤ گے تو پھر سازش کروگے اور انگریزوں سے لڑنے لگو گے، اس لئے میں تم کو وہاں جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ تب انھوں نے حکم صادر کیا کہ ہم اپنے اپنے گھروں کو واپس جائیں۔ اس پر ہم لوگ منتشر ہو گئے۔ مولوی ولایت علی، عنایت علی، مقصود علی فیاض علی، اور یحییٰ علی اپنے اپنے گھر عظیم آباد لوٹ گئے اور ایک مچلکے سے وہ پابند کر دیئے گئے کہ چار سال تک پٹنہ نہ چھوڑیں۔ میں بھی اپنے گھر حاجی پور چلا گیا وہاں ایک [illegible] اور دانا پور میں شادی کر لی۔ (ختم کلام)

ایک ایسے شخص کی طرف سے جس نے ان واقعات میں خود حصہ لیا ہو اس مستند تصدیق کے پیش نظر سوانح اور تذکرہ صادقہ کے بیانات کو تفاصیل میں جزوی اختلافات کے باوجود، مجموعی طور پر صحیح تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

ولایت علی و عنایت علی کی مراجعت پٹنہ: برادران علی کے پٹنہ واپس آنے

---

[1] یہ ان کے اصل مقصد پر پردہ ڈالنے کے لئے ایک سہل عذر تھا۔ انگریز خود ان کے اصل مقصد (انگریزوں سے جنگ) سے خوب واقف تھے۔ یہ حقیقت لاٹ صاحب کے جواب سے ظاہر ہے۔

[2] مکتوب ٹی لکھ مجسٹریٹ پٹنہ بنام سی بیڈن سکریٹری حکومت ہند مورخہ ۱۹ اگست ۱۸۵۲ء

Marfat.com

اور سرحد کو ان کی دوبارہ ہجرت کا ذکر پٹنہ کے مجسٹریٹ کے ایک مراسلے[1] میں یوں ہے:۔

"برادران علی ۱۸۴۷ء کے اواخر یا ۱۸۴۸ء کے اوائل میں صوبہ سرحد سے ادھر لوٹا دیئے گئے تھے تاکہ ان سے ان کے گھروں میں رہنے کے لئے مچلکے اور حکومت کو پریشان نہ کرنے کا مچلکہ لے لیا جائے۔ سوء اتفاق سے اُس وقت کے مجسٹریٹ مسٹر لوشنگٹن نے نذر زیتی نہیں لی، چنانچہ اس کے فوراً بعد شمالی مغربی سرحد کی طرف واپس چلے گئے۔ لیکن اب ہماری حکومت کے ساتھ کھلم کھلا جنگ میں وہ سوات کے سردار سے جا ملے ہیں اس لئے اچھے چال چلن کی جو ضمانت ان سے لی گئی تھی وہ میرے خیال سے رد ہو گئی۔ اگر گورنمنٹ مناسب سمجھے تو میں ضامنوں کو گرفتار کر سکتا ہوں، لیکن ایسا اقدام اس ذلیل اور شریر شہر میں کچھ ہلچل[1] کا باعث ہو سکتا ہے۔ میں گورنمنٹ کے حکم کا منتظر ہوں۔"

ولایت علی وعنایت علی پر پابندی: اوکنیلی[2] کے بیان کے مطابق دس دس ہزار روپے کی چار سال کی ضمانت کے مچلکے کے پابند ہو کر وہ چند مہینے خاموشی سے پٹنہ میں بیٹھے رہے مگر جلد ہی ستھانہ میں باقی ماندہ جماعت کے سردار اولاد علی سے مراسلت شروع کر دی، عنایت علی کو ایک بار پھر ان کے پسندیدہ میدان عمل مشرقی بنگال میں بھیج دیا گیا۔ وہاں ان کی باغیانہ تبلیغ و وعظ نے جلد ہی راجشاہی کے مجسٹریٹ کی توجہ جذب کی۔ اُس نے ان کے خلاف قانونی کارروائی شروع کر دی۔ اس کے ساتھ یہ الزام بھی ضم تھا کہ عنایت علی جسے پہلے اس ضلع سے اپنی باغیانہ حرکات کے سبب سے خارج کر دیا گیا تھا پھر مجاہدین کی بھرتی کر رہا ہے۔ لیکن بعد کی کارروائی میں راجشاہی کے مجسٹریٹ نے عنایت علی کے باغیانہ منصوبوں کے متعلق اپنی پہلی رائے سے انحراف کیا اور اس سے پٹنہ کے مجسٹریٹ کو

---

[1] شاید نادانستہ یہ دلیل ہے شہر میں عوام میں برادران علی کی ہر دلعزیزی کی

[2] کلکتہ ریویو جلد ۱۵ ۱۸۷۰ء صفحہ ۳۸۱۔ ۸۳

Marfat.com

طلع کر دیا۔ وہ اس حد تک بڑھ گیا کہ اس نے شکایت پیش کرنے والے سے
واب طلب کیا کہ جھوٹی نالش کے لئے اُس پر مقدمہ کیوں نہ چلایا جائے۔ لیکن
نہ کا مجسٹریٹ عنایت علی کی پہلی کاروائیوں سے زیادہ واقف تھا ان کی بے
صوری پر اعتماد کرنے سے انکار کر دیا اور پھر ایک ہزار کے مچلکے کا پابند کر دیا۔

عنایت علی کی بنگال سے طلبی: ولایت علی نے یہ مدت دوبارہ تنظیم اور تبلیغ
ے کام پر صرف کی۔ انھوں نے صوبے کا دورہ کیا اور لیکچر دیئے۔ جب نیک چلنی کی
مانت کی مدت کے اختتام کو چند مہینے باقی رہ گئے تو انھوں نے اپنی تمام جائیداد
منقولہ وغیرہ منقولہ فروخت کر دی اور ستمبر ۱۸۴۹ء کو ہجرت کر گئے۔ اسی اثنا میں ان
رسوات کے سید اکبر شاہ کی طرف سے دعوت کے خطوط ملے۔ عنایت علی اس وقت
گال میں تھے۔ ان سے کہا گیا کہ وہاں کے معاملات کو ختم کر کے ہجرت کے
لئے اپنے بڑے بھائی سے پٹنہ میں آملیں۔ مگر اس کی تعمیل میں ان کو چھ مہینے
ن گئے۔ پٹنہ پہنچ کر انھوں نے اپنی والدہ کو اپنے دوامی ہجرت کے ارادے
سے مطلع کیا۔ انھوں نے اُن کو ان کے حصہ موروثی کے طور پر قصبہ دوآب پور
ملع گیا دے دیا جو انھوں نے بیس ہزار روپے پر بیچ دیا۔ اور خاندانی جائیدادیں[1]

---

[1] تذکرہ صادقہ صفحہ ۱۲۷۔ [اصل الفاظ ہیں "مواصفات اجمالی سے دستبرداری کی ایک تحریر
لکھدی" مگر مولانا ولایت علی کی ایسی تحریر کا ذکر نہیں۔ مولانا ولایت علی یا عنایت علی کسی کی تحریر
بتقیہ وراثہ کا ذکر بات تذکرہ میں قطعاً بے محل اور غیر ضروری بھی ہے چنانچہ پہلا اڈیشن اس سے پاک
ہے۔ افسوس ہے کہ مولف کتاب ہذا کو تذکرہ صادقہ کا پہلا اڈیشن دستیاب نہ ہوا۔ مولوی عبدالرحیم
نے ۱۳۰۳ھ میں وفات پائی اور یہ دوسرا اڈیشن وفات کے چھ سال بعد انھیں کے نام سے غالباً ان
کے ورثہ نے شائع کیا جس کا نام درج کتاب نہیں۔ مگر اس میں اتنے الحاقات ہیں اور زبان بھی اتنی بگڑی
ہوئی ہے کہ اسے اصل مولف سے منسوب کرنا اس پر ستم ہے۔ اسی طرح اس دوسرے اڈیشن میں مولانا
عنایت علی کے سوانح میں ان کے پوتے محمد یوشع (والد خاکسار) کے متعلق لکھا ہے کہ مولوی محمد حسن نے

Marfat.com

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۵۷)

مبلغ پچیس روپیہ ماہوار در صورت گذران پیدا کر کے اپنا ایک مختصر مکان ان کے حوالہ کر دیا صفحہ ۱۳۹ یہ بھی قطعاً بے محل اور غیر محقق ہے اور پہلے ایڈیشن میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اصل یہ ہے کہ مولانا عنایت علی کے پرپوتے (خاکسار مترجم) کے مختار عام نے ۱۹۰۵ء کے قریب مولوی عبدالرحیم سے اس کی موروثی جایداد کے حصہ رسدی کا مطالبہ کیا تھا۔ اور اس کے رد کر دینے پر عدالت دیوانی میں دعویٰ دائر کر دیا تھا۔ مگر ۱۹۰۸ء میں مولوی عبدالرحیم کے جوان سال جانشین فرزند کا یکبیک انتقال ہو گیا جس سے سارا خاندان متاثر و متالم ہوا۔ فریقین مقدمہ سے دست بردار ہو گئے اور پانچ ہزار روپے پر تصفیہ ہو گیا یعنی مولوی عبدالرحیم نے اصل سے بہت کم سہی محمد مسلم کا حق تسلیم کر لیا۔ اور وہ اتنے ہی پر راضی و قانع ہو گیا۔

مگر انتقال کے بعد ان کے ورثہ نے جو دوسرا ایڈیشن شائع کیا تو اس اندیشہ سے کہ کہیں پھر محمد مسلم یا اس کے ورثہ دوبارہ مطالبہ حق رسی کر کے قانونی چارہ جوئی نہ کریں حفظ ماتقدم اور پیش بندی کے طور پر محمد یوشع کو محروم یا محجوب الارث ثابت کرنے کیلئے ان کی کتاب میں یہ فقرے الحاق کر دئے۔ گو عبدالرحیم نے بھی اپنے تذکرہ کی اشاعت کے بعد اپنے جواب دعوے میں یہ اظہار کیا کہ مولانا عنایت علی اپنی والدہ کی جو صاحب جائیداد مورثہ تھیں زندگی میں وفات پا چکے تھے۔ یعنی مولانا ولایت علی اور فرحت حسین سے پہلے۔ اس لئے وہ محجوب الارث تھے۔ اور یہ تمام تاریخی شہادتوں اور سندوں کے خلاف ہے۔ ملاحظہ ہو بیان تحریری مولوی عبدالرحیم در مقدمہ نمبر ۱۶ ۱۹۰۷ء بعدالت سب جج سوم پٹنہ۔ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۹ء اس کے علاوہ اس ایڈیشن میں اتنے بے سند الحاقات یا اضطرابات ہیں کہ ان کو مولوی عبدالرحیم کی تالیف کہنا صحیح نہیں اور کتاب کی تاریخی قدر و قیمت بہت خفیف ہو جاتی ہے] مترجم

اپنے باقی حصہ کے متعلق اپنا چکائی اور بے باقی نامہ لکھ دیا۔ اس طرح اُن کو اپنے دنیاوی معاملات نپٹانے میں تین مہینے لگے، اور ولایت علی کے کوئی نو ماہ بعد ۱۸۵۰ء کے وسط میں روانہ ہو گئے اور ولایت علی سے پنجاب میں کھفا

کی سرائے میں ملے اور دونوں ساتھ ساتھ آگے بڑھ گئے۔

آغاز سفر: ولایت علی کے سب سے چھوٹے بھائی فرحت حسین کو تنظیم کی سربراہی کے لئے گھر چھوڑ دیا گیا۔ خاندان کے تین اور ارکان یحییٰ علی، فیاض علی اور عبداللہ ۲۵۰ مردوں اور عورتوں کے ساتھ بعد میں روانہ ہوئے اور آرہ کے قریب ولایت علی سے مل گئے۔ اس طرح فرحت حسین کے سوا قریب قریب تمام دقیع ارکان خاندان اس دشوار سفر کو چل پڑے۔ پہلا پڑاؤ پٹنہ سے چند میل مغرب کو یلور میں ہوا جہاں ایک مقامی رئیس امام علی نے ان کی تواضع کی۔ آرہ پہنچے پر چودھری بشیر نے ان کی ضیافت کی۔ دوسرا پڑاؤ غازی پور میں ہوا جہاں محمد فصیح ان کے میزبان ہوئے۔ مرد مسجد میں ٹھہرائے گئے اور مستورات میزبان کے گھر میں۔ اس کے آگے ولایت علی نے دھیرے دھیرے مختلف جگہوں میں ڈیرا کرتے اور لکچر دیتے ہوئے راستہ طے کیا۔

بہادر شاہ دوم اور ولایت علی کی ملاقات: ایک سال سے زیادہ کے سفر کے بعد آخر وہ دلی پہنچے۔ وہاں وہ ایک ایسے گھر میں قیام پذیر ہوئے جو آسیب زدہ کہا جاتا اور خالی رہتا تھا۔ یہ فتح پوری مسجد کے قریب واقع تھا۔ یہ گروہ وہاں کوئی دو مہینے مقیم رہا۔ بقول اوکینلی ولایت علی کے لکچر عوام کی توجہ کو جذب کر لیتے تھے۔ یہ مجالس وعظ جامع مسجد اور دوسری مساجد میں منعقد ہوتی تھیں ان میں حاضر ہونے والے اہم لوگوں میں مشہور شاعر اردو مومن خاں اور بہادر شاہ دوم کی اعلیٰ ترین ملکہ زینت محل کے معلم امام علی بھی ہوتے تھے۔ امام علی اور مومن دونوں نے ان سے بیعت کر لی اور بادشاہ سے ان کے اعمال کا ذکر کیا۔ بادشاہ نے بھی ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ ان کو شرف باریابی بخشا گیا اور دیوان خاص میں جلسہ قرار پایا۔ ولایت علی

لہ یہ مولوی عبدالرحیم مؤلف تذکرہ صادقہ کے والد تھے۔

Marfat.com

۵۷ آدمیوں کے ساتھ پہنچے، زندگی کی ناپائیداری اور اللہ کے احکام سے سرتابی کرنے والوں کے لئے جہنم کی سزا کے موضوع پر وعظ بیان کیا۔ یہ ایک زبردست اور موثر تقریر تھی جو آداب دربار کے منافی تھی۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ بادشاہ کے حضور میں کوئی ناپسندیدہ موضوع نہ چھیڑا جائے۔ تمام سامعین مع بادشاہ نہایت متاثر ہوئے[۱] وعظ کے اختتام پر بادشاہ نے عرض کیا کہ زندگی کی ناپائیداری پر ہم نے بھی کچھ شعر کہے ہیں۔ اس کے جواب میں ولایت علی نے ایک آیت قرآن اس مضمون کی پڑھی کہ تلاوت قرآن میں کسی کو مخل نہ ہونا چاہیئے۔ بعد میں بادشاہ کے اشعار ریزیڈنٹ نے پڑھکر سنائے اور ان لوگوں کو شاہی عمارات کی سیر کرائی۔ اپنی جگہ پر واپس آنے کے بعد ان کی ضیافت کی گئی جس میں پچاس طشت تھے جو بادشاہ کی طرف سے آئے تھے۔ امام علی اور مومن خاں خود کھانے لائے۔

ولایت علی کی دہلی سے روانگی: بادشاہ نے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ ماہ رمضان قریب ہے اس لئے یہ جماعت کچھ دنوں اور رک جائے مگر ریزیڈنٹ نے ولایت علی سے ان کے ماضی کے حالات اور مقصد[۲] سے متعلق ایسے باریک سوالات کئے تھے جن سے وہ مشتبہ ہو گئے اور بادشاہ سے رخصت ہو کر فوراً

---

[۱] تذکرہ صادقہ ص ۱۲۶-۲۷ بادشاہ نے تخت سے اتر کر افراد جماعت سے مصافحے کئے اور مزاج پرسی کی مہر جلد ۴ ص ۲۷ میں بھی اس بیان کی تائید ہے۔ آگے چلکر ایک اور سلسلہ سخن میں تذکرہ صادقہ صفحہ ۱۵۲-۵۴ میں مذکور ہے کہ ولایت علی کے چھوٹے فرزند محمد حسن: ذبیح جو اس وقت پانچ سال کے تھے اس موقع پر باپ کے ساتھ تھے۔ بادشاہ نے ان کو گلے لگا کر پوچھا کہ کیا پڑھتے ہو؟ انھوں نے کہا "قرآن" اور ایک آیت تلاوت کی بادشاہ اس ہونہار بروے کے قبل از وقت نشو و نما پر حیرت زدہ رہ گیا۔ اس لڑکے نے بعد میں پٹنہ سٹی میں ایک مدرسہ قائم کیا جو ترقی کر کے محمڈن اینگلو عربک ہائیر سکنڈری اسکول ہو گیا اور اب کالج ہے۔ [۲] سوانح صفحہ ۲۲۳

Marfat.com

شہر سے نکل گئے، جمنا پار کیا، تیز تیز کوچ کرتے ہوئے لودھیانہ پہنچے اور کھنا کی سرائے میں ٹھہر کر عنایت علی کا انتظار کرنے لگے۔

نومبر ۱۸۵۰ء میں دونوں بھائیوں میں ملاقات ہوئی اور دونوں ایک ساتھ چل پڑے۔

اوکنیلی برادران علی کے ملک کے طول و عرض سے ہوتے ہوئے باطمینان اور بے روک ٹوک انگریزوں سے علانیہ جہاد کے مقصد سے سفر پر تبصرہ کرتے ہوئے حاکم و محکوم کے درمیان وسیع خلیج پر رائے زنی کرتا ہے "کہ کسی بات کی یہاں تک کہ انتہائی خطرناک جماعت کی تحقیق حال سے کتنی لاپرواہی برتی جاتی ہے۔ سید احمد کا خانہ [illegible] کی بغاوت، [illegible] یورپ میں مذہبی دیوانوں کی دلیرانہ مقاومت اور بعد میں ہتھیار ڈال دینا، سب یوں بھلا دیئے گئے جیسے قصہ ختم ہو گیا ہو۔ حکومت اس وقت بیدار ہوتی ہے جب بعد از وقت وہ دیکھتی ہے کہ [illegible] یہ مولوی پہاڑی قبائلیوں کے دماغوں کو برانگیختہ کرنے کے لئے سمجھا نہیں جاتا [illegible] صرف ایک مقام تھا جہاں پولیس نے دلی سے مداخلت کی اور چند ملازموں سے لڑتے ہوئے اونٹ پکڑ لئے گئے۔ ان لوگوں کو پشاور کے ڈپٹی کمشنر کے حکم سے [illegible] کر دیا گیا [illegible] پٹنہ کے مجسٹریٹ [illegible] قیام پذیر [illegible] تعلق حکومت [illegible] کوئی [illegible]

[illegible]

مثلاً او کنیلی لکھتا ہے کہ "ولایت علی کو حکومت برطانیہ سے وہ کینہ نہ تھا جوان کے بھائی کی خصوصیت تھی"۔ اور اس کا سبب اس نے ولایت علی کے وسطی ہند، بمبئی اور سندھ میں طویل سفر ظاہر کیا ہے۔ اس سفر نے ان کو برطانوی حکومت کی طاقت کا بہتر احساس دلایا۔ او کنیلی کے خیال کے مطابق ولایت علی سمجھتے تھے کہ وہابیوں کی طاقت ابھی انگریزوں کے مقابلے کیلئے کافی نہیں۔ اور ناکافی طاقت کے ساتھ ضعیف عزم سے اقدامات کر بیٹھنا ان کی ہمت شکنی کا باعث ہوگا اور انگریزوں کو ہشیار کر دیگا۔ وہ جب اپنے اصلی مقصد سے متنبہ ہو جائینگے تو اندرون ہندوستان سے وہابیوں کا سلسلہ مواصلات منقطع کر دینگے۔ عنایت علی صبر و انتظار کی تاب نہ رکھتے۔ ان کے خیال میں اس صبر و تامل سے ایمان کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ وہ زیادہ جذباتی اور تخیل پرست تھے۔

ولایت علی کا تدبر: بقول او کنیلی دونوں بھائیوں میں یہ اختلاف اس حد تک بڑھ گیا کہ پوری جماعت دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔ بنگالیوں نے عنایت علی کا ساتھ دیا جنھوں نے ان میں رہ کر کام کیا تھا اور باقی ولایت علی کے ہم خیال ہو گئے۔ ولایت علی کی عالی خیالی کی کارروائی سے مزید تلخی رک گئی۔ وہ بڑھے ہوئے اختلافات پر نظر کر کے دونوں گروہوں کے سامنے آئے۔ سرداری سے ہاتھ اٹھانے کا ارادہ ظاہر کیا اور دعا کی کہ "خدا ان کی اس آڑے وقت میں حفاظت کرے اور بھائی بھائی کے درمیان جنگ سے محفوظ رکھے"۔ عنایت علی نے اس آرزو پر عمل کیا۔ اور ستھانہ چھوڑ کر منگل تھانہ کو چلے گئے۔ یہ واقعہ محرم ۱۲۶۳ھ (اکتوبر نومبر ۱۸۵۱ء) میں ہوا۔

عنایت علی کی مزاجی کیفیت: تذکرہ صادقہ کے مؤلف عنایت علی کی کسی قدر تندمزاجی کا ذکر کرتے اور فرماتے ہیں کہ بوڑھاپے میں یہ تندمزاجی چڑچڑاپن اور غضبناکی میں منتقل ہو گئی وہ ایک صاف گو کھرے آدمی تھے۔ میدان جنگ اور تبلیغی کاموں دونوں میں تحریک کی خدمات میں وہ کسی سے پیچھے نہ تھے اُن کی آرزو تھی کہ انگریزوں سے نمٹ لیا جائے اور

لہ کلکتہ ریویو جلد ۱۵ ۱۸۷۰ء صفحہ ۳۸۳ ۲ہ صفحہ ۱۳۲ - ۳۳

Marfat.com

جب مقامی قبائلی سرداروں کی غداری یا اور اسباب سے ان کی کوششوں میں رخنہ واقع ہوتا تو وہ آپے سے باہر ہو جاتے۔ مزاج کا یہ رجحان بھی دونوں بھائیوں کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے میں کچھ حصہ رکھتا تھا۔

یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ یحییٰ علی نے جو اب تک سرحد ہی میں تھے دونوں بھائیوں کے درمیان بہتر تعلقات پیدا کرنے کی کوششیں کیں[1] فریقین ان سے محبت رکھتے تھے۔ مگر ان کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ وہ ولایت علی کی وفات اور عنایت علی کی جانشینی کے فوراً بعد پٹنہ آ گئے اور اپنی گرفتاری تک وہیں رہے۔

اختلاف کا بنیادی سبب: اصل اختلاف راہِ عمل کا تھا نہ کہ مقصد کا۔ وہ واقعہ جس سے اختلاف جلد رونما ہو گیا امب کے جہاندادخاں کی مخالفت تھی۔ وہ اور مقامی سرداروں کی طرح انگریزوں سے مل گیا تھا اور ہندوستان سے ..... کاروانوں کے گذرنے میں مزاحم ہوتا تھا۔ عنایت علی اس کے خلاف فوری اقدام کرنا چاہتے تھے مگر بڑے بھائی دوسرے مصالح کو مدنظر رکھ کر مقامی لڑائیوں میں الجھنا نہ چاہتے تھے انھیں ان سیدوں کے احساسات کا بھی لحاظ تھا جنھوں نے تحریک میں اتنی مدد کی تھی اور جہاندادخاں

---

[1] یہ اطلاع مولوی عبدالغفار مرحوم کے مملوکہ نسخہ تذکرہ صادقہ ۱۴۲ کے حاشیہ پر درج ہے جو میں نے نوٹ کر لی ہے وہ خاندان کے سب سے کبیر السن رکن تھے۔ ان کے پاس اس موضوع پر کثیر التعداد دستاویزات و مسودات تھے۔ ان کو زبانی روایات بھی حاصل تھیں جو اب ہمیں دستیاب نہیں۔ اس لحاظ سے ان کے حواشی کافی وزن اور قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ [اولاً یہ خلاف واقعہ ہے کہ وہ سب سے کبیر السن رکن خاندان تھے۔ ان سے زیادہ کبیر السن حکیم عبدالخبیر جعفری، مولانا احمد اللہ کے پوتے اور سردار جماعت اہل حدیث صادقپور میں اب تک بقید حیات موجود ہیں۔ ثانیاً تذکرہ صادقہ کا پہلا معتبر اڈیشن مولانا عنایت علی کی افتاد مزاج کی ان تشریحات سے قطعاً خالی ہے۔ اصل مؤلف مولوی عبدالرحیم کے سوا جو چشم دید گواہ تھے مولانا عنایت علی سے متعلق سو برس سے زیادہ مدت گذر جانے کے بعد کسی کی روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی جب کہ مولوی عبدالغفار مرحوم کے والد ماجد یا ان کے کسی معاصر بزرگ نے بھی مولوی عنایت علی کا زمانہ نہیں پایا یہ دوسرا ترمیمی اڈیشن مرحوم ہی کے قیاس مع الفارق و توہمات کا عکس ہے۔ غالباً ان کی نیت پاک تھی مگر طرز استنتاج استقرائے ناقص و قیاس آرائی کو کیا کہئے] مترجم

Marfat.com

سے ان کی قرابت تھی۔

ولایت علی کا انتقال: بظاہر اب معلوم ہوتا ہے کہ ولایت علی کا رویہ زیادہ صحیح تھا۔ وہ بجا طور پر انگریزوں کے بہتر ذرائع و سامان اور اپنے ذرائع کی قلت کا شعور رکھتے تھے۔ اگر وہ ۱۸۵۷-۵۹ء کی شورش کے وقت زندہ ہوتے تو ان کا طرز عمل کیا ہوتا، یہ خیال قدرۃً دماغ میں پیدا ہوتا ہے۔ مگر یہ نا شدنی تھا۔ وہ ۵ر نومبر ۱۸۵۲ء کو سرحد کو لوٹنے کے بعد ایک سال سے کچھ ہی زیادہ مدت میں انتقال کر گئے اور ستھانہ میں مدفون ہوئے۔

عنایت علی کی وفات: ان کی وفات کے بعد عنایت علی ستھانہ لوٹ آئے اور قائد منتخب کر لیے گئے۔ اگرچہ وہ بڑے بھائی کی مرضی سے منگل تھانہ جا رہے تھے تاہم وہ اب بھی اپنے ہی طریق کار کی صحت پر یقین رکھتے تھے۔ آیندہ چند سالوں میں ان کی کارروائیاں اس خیال کی تصدیق کرتی ہیں۔ انھوں نے فوراً انگریزوں کی چوکیوں پر سرحدی حملوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا اور گوریلا طرز جنگ کا آغاز کر کے ان کو زچ کر دیا گئے ۱۸۵۷-۵۹ء کی شورش میں بھی سرحدی چوکیوں پر سپاہیوں میں جو بے چینی پھیلی ہوئی تھی اس سے فائدہ اٹھایا اور نارنجی اور شیخ جانا پر حملوں کی تنظیم کی۔ اس زمانے میں ان کی حربی کارگزاریوں پر مفصل طور پر علیحدہ باب میں بحث کی گئی ہے۔ عنایت علی کی زندگی کے آخری سال سخت معاشی تنگی اور سیاسی ناکامیوں میں گزرے۔ انھوں نے ۱۸۵۸ء میں چنگلائی میں وفات پائی۔

رفقائے عنایت علی کی مراجعت پٹنہ: عنایت علی کی وفات کے بعد ان کے کچھ رفقا منتشر ہو گئے اور پٹنہ لوٹ گئے۔ تحریک پر اس حادثہ سے سخت ضرب پڑی اور زوال کا سامنا ہوا۔ ولایت علی کے تینوں بیٹے عبداللہ، عبدالرحمٰن اور محمد حسن جن کے تعلقات عنایت علی سے اچھے نہ تھے[1] اس واقعہ کے فوراً بعد پٹنہ واپس آ گئے۔ ان کے چچا فرحت حسین پٹنہ ہی میں تھے اور ۱۸۵۵ء میں وفات پا گئے۔ یحییٰ علی بھی پٹنہ لوٹ آئے۔ فیاض علی اگرچہ عنایت علی سے متفق الرائے نہ تھے سرحد ہی پر ٹھہر گئے اور کچھ بعد وہیں وفات پا گئے۔

---

[1] بیلی، مذکورہ بالا صفحہ ۹۶ (شاید خاندانی واقعات کے جھگڑے کی بنیاد بھی اسی وقت پڑ گئی۔ مترجم)

Marfat.com

(ب) حیدرآباد میں وہابی سازش

ولایت علی کی دکن میں تبلیغی سرگرمیاں: ۱۸۳۹ء کے مقدمہ[۵] سازش حیدرآباد جس میں نظام کے بھائی نواب مبارز الدولہ ایک مرکزی شخصیت رکھتے تھے اور اس کی بنا ولایت علی کی کارروائیوں پر تھی، اس لئے یہاں اس مہتم بالشان واقعہ کا تذکرہ مناسب ہوگا۔

ولایت علی کے دکن تعینات کئے جانے کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ حیدرآباد پہنچکر انھوں نے اپنی مشنری اور تبلیغی کارروائیاں شروع کر دی تھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد مبلغ و واعظ کی حیثیت سے ان کی شہرت مبارز الدولہ تک پہنچی تو انھوں نے اپنے دو علما زین العابدین اور محمد عباس کو ولایت علی سے ملنے کے لئے متعین کیا۔ ان دونوں علما نے ولایت علی سے بیعت کر لی اور بعد میں ان کے خلیفے مقرر کئے گئے۔ خود مبارز الدولہ نے بھی بیعت کر لی اور تحریک کے ایک سرگرم کارکن بن گئے۔

یہ سازش جو ولایت علی اور ان کے مقامی رفقا کی کارروائیوں کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوئی اس کو وسط ایشیا میں روسیوں کی پیش قدمی کے اٹھتے ہوئے سیاسی خطرے اور انگریزوں کے نظام کے تمام اختیارات عملاً اپنے ہاتھ میں لے لینے کے اقدام کے پس منظر میں دیکھنا ہوگا۔ حیدرآباد کے رزیڈنٹ فریزر نے بہت بعد میں حیدرآباد کے متعلق ڈائرکٹروں کی مجلس کے اصل مقصد کو یوں بیان کیا ہے: "حکومت کے نظم ونسق میں اصلاح کا اختیار حاصل کرنے کے لئے ہمیں صرف ایک چیز کی ضرورت ہے۔ اور وہ ہے ہز ہائنس (نظام) کی باقاعدہ یقین دہانی کہ آئندہ وہ پبلک معاملات میں مداخلت سے باز رہیں گے۔ ویسے اس آں جناب پر زیادہ تر عمل تو ہوتا رہا ہے لیکن

---

۵ اس سازش کی ایک دلچسپ مگر علیحدہ داستان این بی چودھری نے اپنے مقالہ "وہابی سازش حیدرآباد میں ۱۸۳۹ء میں" کے عنوان سے روداد انڈین ہسٹری کانگریس جلد ۱۹ ۱۹۵۶ء میں شائع کی ہے

Marfat.com

اگر اس قسم کی کوئی یقین دہانی ہو جائے تو تمام وزیروں کو صرف ریذیڈنٹ سے[1] رجوع کرنے پر آمادہ کرنے سے بے انتہا مفید ہوگی۔" دراصل ریاست کے معاملات میں سیاسی جبر و اقتدار کی مزعومہ زیادتی ہی کے خلاف یہ سازش تھی۔

مبارز الدولہ کے خلاف ریزیڈنٹ فریزر کی رپورٹ: انگریزی افواج کی (جو افغانستان میں تھی) غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر مبارز الدولہ کے رفقا نے سر اٹھانے کا منصوبہ بنایا۔ پہلا قدم یوں اٹھایا گیا کہ حیدر آباد اور دکن کے دوسرے مقامات پر جو دیسی پلٹنیں مقیم تھیں ان کو بلا لینے کی کوشش کی گئی۔ اس سازش میں ہندوستان کے حاکموں کی ایک معقول تعداد جس میں نواب کرنول بھی شامل تھے، شریک تھی۔

راجہ ستارہ، جودھپور، اودے گڑھ، بھوپال اور رامپور کے فرمانروا بھی سازش کے ناظموں سے مراسلت کر رہے تھے[2]۔ اول الذکر دونوں حکمراں ذاتی اور سیاسی وجوہ سے انگریزوں سے بیزار تھے۔ ان راجاؤں کے فیصلے میں مختلف اسباب کار فرما تھے، لیکن ہر صورت میں انگریزوں کے خلاف جذبہ ایک مشترک سبب تھا۔ مبارز الدولہ اور ان کے رفقائے کار کی کارروائیوں پر رپورٹ کرتے ہوئے فریزر نے ایک شخص حاجی سید اسمٰعیل کا بیان بھی منسلک کیا ہے جو مبارز الدولہ کا برطرف کردہ ملازم تھا۔ اس میں مذکور ہے کہ خود مبارز اور ان کے رفقا بہت سخت فوجی تربیت حاصل کر رہے تھے۔ اس میں مبارز کے اس ارادے کا ذکر بھی ہے کہ وہ "نکل کھڑے ہوں، وہابی ساتھیوں کو جمع کریں اور انگریزوں کو قتل کر کے ملک اور حکومت پر خود قبضہ کرلیں۔" ان کے پیر و فقیر وغیرہ کے بھیس میں بہت سے افسروں اور سپاہیوں تک پہنچ جاتے اور سپاہیوں کو وہابیت میں داخل ہونے کے لئے بہکاتے۔ ساتھ ہی ساتھ بقرینہ غالب بغاوت کے لئے۔" ان ایجنٹوں سے خبروں کا ایک لا انتہا سلسلہ مبارز کے لئے فراہم ہوگیا چنانچہ انھوں نے رپورٹ کی کہ رجمنٹ کے تمام سپاہی متحد الخیال ہیں اور سب مبارز

---

[1] ایچ فریزر "ہمارا وفادار حلیف نظام" لندن ۱۸۶۵ صفحہ ۲۳۸ ۔ [2] مقالہ محولہ بالا ص ۱۰

Marfat.com

کے خروج کے منتظر ہیں تاکہ اُن سے جا ملیں۔ مبارز نے اپنے اقتدار کی تیاری میں دو مُہریں بنوا رکھی تھیں جن پر یہ نقش کندہ کروائے تھے "محافظ دین متین، حامی دین و مسلمین" اور "مبارز نائب سید احمد شہید"۔

ایک اور بیان کے مطابق مبارز نے سندھ میں وہابی جماعت کے قائد نصیرالدین کی طرف سے ایک درخواست کے جواب میں اپنے قاصد آصف، قاسم اور دوسروں کو سندھ بھیجا تھا کہ وہاں وہابیوں کی عام حالت اور ان لوگوں کی طرف سے سندھ کے امیروں کے رجحان و میلان کی رپورٹ لائیں۔ یہ قاصد جو ولایت علی کے مرید تھے اپنی مفوضہ خدمت اور ان کے مشورہ کے متعلق بذریعہ ڈاک لکھا اور اُن کی اجازت کے بعد بمبئی اور کراچی کے راستے سے شکارپور پہنچے جہاں اُس وقت نصیرالدین مقیم تھے۔ وہاں سے انھوں نے مطلوبہ رپورٹ بھیجی جس میں اور باتوں کے ساتھ بنگالیوں کی آمد کا ذکر بھی تھا۔

منصوبہ کا انکشاف: شمالی ہند، کابل اور ایران سے صوبہ مدراس میں آنے والوں کے غیر معمولی ہجوم سے شک پیدا ہوا اور اس سے سازش کا انکشاف ہوا، پھر ایک سکھ نے جو شک پر گرفتار تھا سازش کے متعلق اطلاع دی۔ سب سے پہلے نیلو کے مجسٹریٹ اسٹون ہاؤس نے حکومت مدراس کو رپورٹ دی۔ حکومت مدراس نے اسے حکومت ہند کے سکریٹری کے پاس بھیجتے ہوئے صورت حال کی یوں تلخیص کی کہ:

"ہندوستان کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی ایک معتد بہ تعداد نے وہابیت قبول کرلی ہے۔ ان میں ایسے اشخاص بھی ہیں جو اپنے عہدے اور رتبے سے اپنے ہم مذہبوں پر کافی اثر کا استعمال کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ سے وہ سرگرمی سے لوگوں کو اپنا ہم عقیدہ بنانے اور کفار کے خلاف جنگ چھیڑنے کے لئے آدمی اور روپے فراہم کرنے میں مصروف رہے ہیں۔ اور یہ کہ اس میں کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ ان کے مقصد کی غائت ہندوستان میں برطانوی طاقت کا انہزام و اختتام ہے اور اس غرض سے دیسی فوج میں سپاہیوں کو اپنا ہم عقیدہ بنانے کی جد و جہد کرتے رہتے ہیں"۔

Marfat.com

مبارز الدولہ کے بارے میں تحقیقات: فریزر ریذیڈنٹ اور اس کے اسسٹنٹ مالکوم اور ایک ایرانی مسلمان نے جو دربار نظام میں بمبئی کے تاجروں کا نمایندہ تھا اور بعد میں جس کے لئے اس کی خدمات کے صلے میں دو ہزار روپے کے انعام (اور ایک ہزار اخراجات) کے لئے سفارش کی گئی تھی، مبارز کے خلاف تحقیقات میں حصہ لیا۔ فریزر نے اپنی تحقیقات کے نتیجے میں حکومت ہند کے سکریٹری کو رپورٹ دی کہ اور باتوں کے ساتھ یہ ثابت ہو گیا کہ مبارز نے صرف اپنے حاکم (نظام) ہی کے خلاف باغیانہ منصوبے تیار نہیں کئے بلکہ حکومت برطانیہ کے خلاف بھی خاص طور پر مخاصمانہ ارادہ رکھتا تھا، جیسا کہ اس کی اور اس کے ایجنٹوں کی اُس غیر معمولی کاوش اور جانفشانی سے ظاہر ہے جو انھوں نے دیسی پیدل فوج خصوصاً سکندرآباد اور ناگپور کی فوجوں کی وفاداری کو متاثر اور برگشتہ کرنے کے لئے کی۔ نیز اس نے مبارز کی سیاسی اور مذہبی جدوجہد کے درمیان فرق پر زور دیکر بتایا کہ عام طور پر وہابیوں میں بھی یہی فرق ہے۔ اُسے ان کے عام تبلیغی کام اور اپنے فرقہ کی توسیع پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن ان کی سیاسی چالبازی دوسری بات ہے۔ جس شکل میں بھی ہو اسے دبانا اور پامال کرنا ناگزیر ہے۔ اس کے خیال میں نظام یہ غلطی کر رہے ہیں کہ اپنے بھائی کی کارروائیوں کو صرف مذہبی روشنی میں دیکھ رہے ہیں۔ اس نے مشورہ دیا کہ نظام کو ان کے بھائی کی باغیانہ کارروائیوں کی پوری پوری اطلاع دے دی جائے (اب تک تحقیقات زیادہ تر ریذیڈنٹ کی رائے سے ہو رہی تھی) اور مبارز کو حکومت کے قیدی کی حیثیت سے قلعہ گولکنڈہ میں قید کرنے کے لئے ان کی رضامندی بھی حاصل کر لی جائے۔ لیکن اس نے اس معاملہ میں اپنے یا نظام کے طرز عمل کو عوام میں مشتہر کرنے سے منع کیا۔

مبارز الدولہ کو حبس دوام کی سزا: ایک تحقیقاتی کمیشن نے جس میں برطانوی افسر اور کچھ ہندوستانی بھی تھے مبارز پر مقدمہ کی سماعت کی۔ جون ۱۸۳۹ء میں ایک عدالت بنی اور مسلسل طویل نشستوں کے بعد سماعت اپریل ۱۸۴۰ء میں تمام ہوئی۔ مبارز کو حبس دوام کی سزا دی گئی، وہ قلعہ گولکنڈا میں قید کر دیے گئے اور ۱۸۵۴ء میں

ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے رفقائے کار جن میں زیادہ تر وہابی مولوی تھے مزید تحقیقات تک گرفتار کر رکھے گئے۔ مگر حکومت ہند نے ان واقعات میں کوئی خطرناک علامت نہیں پائی۔ بلکہ اس کے برخلاف لارڈ آکلینڈ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ "میں اُن لوگوں میں سے نہیں جن کا یہ گمان ہے کہ ہندوستان میں برطانوی بالادستی کے خلاف نفرت کا کوئی ہندوستان گیر عملی جذبہ موجود ہے۔" ایسے ایسے بظاہر متفرق واقعات کے متعلق عام انگریزی حکام کے طرز فکر کا یہ ایک نمونہ ہے۔ اس سے برطانوی حکومت کے خلاف بڑھتی ہوئی سیاسی بے چینی جس کی یہ علامات تھیں نافہمی ظاہر ہوتی ہے۔ بنگال میں فرائضی شورش کے زمانے میں بھی حکام نے ایسی ہی ذہنیت دکھائی تھی، جس کی حکام کو آگے چلکر بڑی مہنگی قیمت ادا کرنا پڑی۔

Marfat.com

(ج) سرحد پر وہابی امارت

برادران علی نے سرحد پر جو ایک آزاد ریاست قائم کی تھی اس کی ایک جامع روداد ہمیں ایک عدیم النظیر خط محولہ بالا سے حاصل ہوئی ہے۔ اس سے مختلف عنوانات کے تحت، جیسے حدود اربعہ، فوج کے مختلف عہدوں کی تنخواہوں، اخراج کے لگان وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اس کی غیر معمولی اہمیت[له] کے پیش نظر اس دستاویز کا پورا ترجمہ جو خط زیر نظر کا آخری حصہ ہے درج ذیل ہے:۔

وہابی ریاست کا حدود اربعہ: (۱) حدود۔ اسلامی ریاست کی حدود نوشیرہ میں جو ہزارہ کے سکندر پور سے متصل ہے متعین کی گئی تھیں۔ سامانوں کی ایک کثیر مقدار مشمولہ توپیں، اونٹ، گھوڑے، خیمے اور دوسرے سامان مومنوں کے ہاتھ آئے۔ ان میں سے معمولی معمولی چیزیں مقامی قبائلیوں کو دے دی گئیں۔ جب عسکر اسلامی فتحیاب داخل ہوا تمام علاقے جیسے جادون، تناول، نندھیار، بھوگرمنگ، پکھلی، دھمتاور (؟)، وغیرہ نے عشر دینا اور ہماری بالادستی قبول کر لی۔ شروع میں وادی کہنا (بھوگرمنگ) بالائی وزیریں پکھلی اور کنڈی (؟) کے سرداروں سے خراج کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ تو وہ اس کے قبول کرنے پر راضی نہ تھے۔ بعد میں اپنے آپ کو بے بس پا کر قبول کر لیا۔ اللہ کے فضل سے تمام اطراف سے خراج کی تحصیل جاری ہے۔ لوگوں کو اپنے اپنے حق کے مطابق انعامات، تحائف، معافیاں اور جاگیریں دی جارہی ہیں۔ فی الحال ایک ہزار کے قریب روہیلا سپاہی بھرتی کئے جارہے ہیں۔ ان کے علاوہ اسی طرح دس ہزار سپاہی بھرتی کئے جارہے ہیں۔ انھیں اس شرط پر زمینیں دی گئی ہیں کہ جنگ کے وقتوں میں فوجی خدمات انجام دیں گے۔ علاوہ بریں اس ملک کا رواج

له وہابی حکومت جمہوریہ جو سرحد پر قائم کی گئی اسی کا مختصر حال پہلی بار انگریزی زبان میں شائع کیا جارہا ہے۔

Marfat.com

ہے کہ جب کبھی کوئی (قبائلی) سردار جنگ کے لئے کہیں جائے تو ہر گھر سے ایک ایک مسلح آدمی اس کے ساتھ ہو۔ متعینہ پیشہ ور سپاہیوں کو چھوڑ کر ان سب کا شمار تین ہزار ہے مگر ان میں سے صرف پیشہ ور سپاہ قابل اعتماد اور دلیر ہے ؎۱

سپاہیوں کی تنخواہیں: (۲) سپاہیوں کی تنخواہیں۔ پیدل سپاہیوں کی تنخواہ چھ سے دس روپے ماہوار، توپچیوں اور حوالداروں کی نو سے بارہ روپے ماہوار، کمار(؟) مستری کی تیس روپے ماہوار۔ یہ معاوضے ان علاقوں کے مروجہ دستور کے مطابق ہیں۔

سرکاری ملازمین (۳) مختلف .... عہدہ داروں اور افسران کے نام یہ ہیں۔ داروغہ ریاست اللہ افسر قلعہ مانسہرہ۔ حاجی گدائی رامپوری دالیہ(؟) کلکٹر مالیانہ مانسہرہ۔ منشی شجاع الدین علاقہ جادون میں سیار منگلی کے تھانہ دار۔ رمضان علی خاں عظیم آبادی ساکن ڈنگی ضلع پٹنہ افسر قلعہ بالاکوٹ۔ منشی غلام علی پٹنہ والا، قلعہ مذکور بالا کے منشی۔ حاجی نجو عظیم آبادی، قلعہ مذکور کے کلکٹر مالیانہ۔ یحییٰ علی ؎۱ قاضی (بالاکوٹ؟) ملک احمد علی ساکن آرکی ؎۲ (قرابتمند خیرات علی) رسالدار۔ محمد علی عظیم آبادی جمعدار صدر پھاٹک(؟) قلعہ فتح گڑھ۔ حاجی شیر خاں ساکن صاحب گنج جمعدار باڈی گارڈ۔ بہادر خاں ساکن صاحب گنج کلکٹر مالیانہ فتح گڑھ۔ عبداللہ ؎۴ عظیم آبادی فوج کو عسکری تربیت دینے کے لئے، وہ ہر روز بعد نماز فجر فوجی قواعد کراتے ہیں۔ سراج الدولہ اسلحہ خانہ اور محکمہ اصطبل کے انچارج ہیں۔ نظیر برہان الدین ایک طرح کے اسپیشل افسر ہیں جن کے ذمہ نظامت حضوری ہے اور قید خانوں کے سپرنٹنڈنٹ بھی ہیں۔ بدرالدین برہان والا (؟)

۱؎ اس خط کی تحریر کے زمانے میں (مولانا) یحییٰ علی صادقپوری تھے تو صادقپور میں ہی مگر یہ بات صاف نہیں آیا یہ نام بردہ یحییٰ علی وہی تھے۔

۲؎ ضلع گیا میں واقع ہے۔

۳؎ ضلع سنتھال پرگنہ (بہار) میں واقع ہے ۴؎ ولایت علی کے بیٹے تھے۔ وہ عنفوان شباب سے فوجی تربیت اور تعمیر کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔

Marfat.com

محافظ خزانہ منصور علی[1] کمانڈر۔ انچیف (سپہ سالار) صوفی معزالدین ذخائر کے اور ناظم فرید پوری غلوں کے نگراں۔ اسی طرح متفرق عہدے اور ملازمتیں ہیں۔

عدلیہ: (۴) قوانین فوجداری اور سزائیں حدود اور قصاص شریعت کے مطابق جاری ہیں۔ پانچ وقتوں میں سے کسی وقت کی نماز میں غیر حاضری کی سزا سردار کے لئے ایک روپیہ اور غریب آدمی کے لئے پانچ سیر غلہ۔ اسی طرح نماز جمعہ کا قانون ہے۔ قاطع الطریق (ڈاکو) کو قتل کر دیا جاتا اور دار پر چڑھایا جاتا ہے تاکہ اور لوگ عبرت حاصل کریں۔ ملا اسد اخونزادہ وادی کنہار میں مفتی اور اخلاق عامہ کے محتسب مقرر کئے گئے ہیں۔ ان کے ساتھ تین سو طلبہ تعینات کئے گئے ہیں کہ اندرونی گاؤں میں دورے کرکے دریافت کریں کہ کون نماز پڑھنا نہیں جانتا ان کو سکھائیں اور لوگوں کو شادی و غمی کے مواقع پر ناجائز رسوم ادا کرنے سے باز رکھیں۔ جو اس کا ارتکاب کریں ان پر جرمانے لگائیں۔ اور انھیں جرمانوں سے ان طلبہ کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں محمد حسین آخونزادہ پکھلی کے واعظ[2] مقرر کئے گئے ہیں۔

دربار کی روداد: (۵ دربار کی روداد۔ راجہ سلاطین اور سردار ہمیشہ مولانا (ولایت علی) کے حضور میں حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ داخلہ کے پاس کے بغیر کوئی متنفس راجہ ہو یا سلطان قلعہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ رسالدار اور جمعدار بلائے جانے پر ایک کانسٹبل کے ساتھ سلامی کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ بیس تو بچی ہمیشہ مولانا کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔ کوئی شخص سر اٹھانے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ کشمیر کے صوبہ دار شیخ کمال الدین نے دوستانہ تعلقات کی خواہش ظاہر کی ہے اور خط جانے کے لئے دو ہرکارے مقرر کئے ہیں۔ چنانچہ وہ ہر مہینے دو خط بھیجکر محبت اور دوستی کا اظہار کرتا ہے۔ جب شیخ کو ز تھہر

---

[1] یہ سورج گڑھ ضلع مونگیر کے تھے۔ [2] مہر کے خلاصہ ص ۲۲۹ میں یہ اہم مذکور نہیں مگر پٹنہ یونیورسٹی کے مسودہ میں صاف موجود ہے۔

[3] مبلغ۔ وہ اکثر پیش امامی بھی کر لیتا ہے۔

کی فتح کی خبر ملی تو اُس نے اس خوشخبری لانے کے لئے قاصد کو انعامات دیئے اور خوشی منانے کے لئے توپیں داغیں۔ کابل کے حکمران، دوست محمد اور محمد اکبر کی طرف سے بھی اظہار دوستی اور آرزوئے اتحاد کے خطوط وقتاً فوقتاً آتے رہتے ہیں۔ الغرض اس طرح کشمیر اور پشاور سے لیکر کابل اور قندھار تک سے اس ملک کے خوانین اور سرداروں کے ساتھ اتحاد حاصل ہوگیا ہے۔ یہ سب امام (سید احمد) کی برکت ہے اگرچہ ایسی کوئی چیز خود امام کے زمانے میں جنگ بالاکوٹ سے پہلے میسر نہ ہوئی تھی۔

خراج: (۶) خراج۔ مالیات کی تفصیلات یہ ہیں۔ خراج وادی کنہار سے سولہ ہزار، وادی بھوگرمنگ سے پانچ ہزار، کانڈھی سے سات ہزار، کھیلی سے چھبیس ہزار، سالارس (قبیلہ) سے تین ہزار، حسن زئی سے تیس ہزار، مظفرآباد سے چالیس ہزار، کرناہ سے دس ہزار، نن دھیار سے بیس ہزار، علائی سے تیس ہزار۔ علائی اور مظفرآباد میں ملازموں کے لئے جاگیروں کے علاوہ اور عشر کا (خراج کے علاوہ) مطالبہ بھی کیا جاتا ہے۔ اور اس کی مجموعی رقم خراج سے کم نہیں ٹھہرتی۔ باقی لوگوں سے صرف خراج طلب کیا جاتا ہے۔ بھوگرمنگ اور علائی سے تحصیل مکمل ہوگئی، اب کھیلی سے تحصیل تقریباً ایک ہفتہ میں مکمل ہوجائیگی۔ بہت سی جگہوں میں خراج کے تحصیلدار تعینات کردیئے گئے ہیں اور کھیلی کی تحصیل کے اختتام کے بعد ان شاءاللہ نن دھیار اور مظفرآباد سے تحصیل شروع ہوگی۔

صدر ریاست کے شان و شکوہ کی وجہ: روداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ [illegible] برادران علی کے زیر حکومت ایک خاصے وسیع علاقے میں ایک آزاد حکومت قائم ہوگئی تھی۔ اس کے پاس ایک بڑی اور طاقتور فوج، پانچ لاکھ [illegible] ایک معقول آمدنی اور کئی افسروں کی ایک جماعت موجود تھی۔

عدالت کی تشریح میں چند الفاظ میں یہاں تبصرہ [illegible] بیان اس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جبکہ [illegible] اور سپاہیوں کے تمام واقعات کے ساتھ قائم کی گئی [illegible]

Marfat.com

کی شان قائم رکھنا تھی اور اس کی مناسب و معقول کارکردگی کے لئے متعدد ضروری آلات نصب کرنا تھے۔ اس کے علاوہ اگر ریاست کا اُن لوگوں کی نظروں میں جن کے درمیان یہ قائم کی گئی تھی عزت واحترام برقرار رکھنا ضروری تھا تو ظاہری رعب داب کا یہ تیور بھی قائم رکھنا ضروری تھا۔ مقامی جنگجو لوگ صرف طاقت ہی کی زبان سمجھتے تھے ان مصالح کے علاوہ یہ نظام یہ حقیقت بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہابی قائدین مذہبی دیوانے نہیں بلکہ اپنی تحریک کے سیاسی لوازم وعواقب سے بھی خبردار تھے۔

جدید انتظامی تجربہ کی خامی: ایک جدید طرز کا انتظامی تجربہ یہ تھا کہ گاؤں کے دورے کرکے عوام کے چال چلن پر نظر رکھنے اور ملزموں کو کیفر کردار پر پہنچانے کے لئے قاضیوں کے ماتحت نگراں طالب علموں سے کام لیا جاتا۔ اور ان ملزموں سے جو جرمانے وصول ہوتے انھیں سے ان طلبہ کے اخراجات چلائے جاتے۔ لیکن اس نظم میں ایک عیب یہ تھا کہ ان نگراں طلبہ کے گذارے کے اخراجات اُن جرمانوں کی تحصیل پر موقوف تھے جو وہ عائد کرتے تھے اس لئے ہر ممکن موقع پر وہ جرمانے لگانے پر آمادہ رہ سکتے تھے۔

وہابی ریاست کا نظم ونسق: ریاست کے نظم ونسق میں اسلامی اثرات سے کام لینا بظاہر حکومت آلٰہیہ جیسی بات نظر آتی ہے۔ لیکن تحریک کی بنیاد کو وہابی ریاست کی نوعیت معین کرنا تھا۔ خصوصاً اُس زمانے میں جب کہ ہندوستان میں لادینی اسکولی حکومت کا تخیل نہ تھا۔ علاوہ بریں وہابیوں کے قبضے میں جو خطہ تھا وہ تقریب سارے کا سارا صرف مسلمانوں سے آباد تھا۔ ان کے نظام حکومت میں غیر مسلموں کے مقابلے میں مسلمانوں کے ساتھ کسی ترجیحی سلوک کا دخل نہ تھا جو حکومت آلٰہی کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ بہرحال اپنی مسلمان رعایا کے عوام الناس میں انھوں نے کچھ ایسے احکام جاری کرنے اور ایسے امتناعات نافذ کرنے کی کوشش ضرور کی جن کو وہ ضروری سمجھتے تھے۔ اس لئے وہابیوں کے متعلق سختی سے کوئی رائے قائم کرنا نہ چاہیئے۔ ہر حکمران جماعت جو برسر اقتدار ہو جاتی ہے وہ نظام حکومت انھیں اصولوں پر چلانے کی کوشش کرتی ہے جو اپنی نگاہ میں لازمی دیکھتی ہے۔ وہابیوں نے کچھ سماجی مذہبی

Marfat.com

اصلاحات کے رائج کرنے میں نہیں بلکہ اُس شدت اور سرعت میں جس کے ساتھ وہ ان کو انجام دینا چاہتے تھے سیاسی دقیقہ رسی اور فہم و ذکا کی قلت کا ثبوت ضرور دیا۔

وہابیوں نے اپنی نئی نئی حاصل کردہ ریاست میں جو نظام رائج کیا وہ ابتدائی اور نو یافتہ تھا۔ حالات نے اُن کو اتنا دم لینے کی مہلت نہ دی کہ وہ حکومت کا کوئی ہمہ گیر نظام تیار کر سکیں۔ اس چھوٹی سی ریاست کے سر پہ اس کے نہایت مختصر وجود کی مدت میں ہر وقت جنگ اور اندرونی بغاوت کے سائے منڈلاتے رہتے۔ زمانہ امن و صلح کے وہ حالات کبھی میسر نہ ہوئے جو کسی مستقل نظام کے نشوونما کی اجازت دیتے۔ ہر بات جنگ کے امکانات پر مشروط تھی اس لئے غیر جنگی حکام کی دو جماعتیں، منصبداران مالیات اور عدالتی افسروں کی قائم کی گئیں۔ دوسرے ملکی محکمے جیسے تعلیم و حفظانِ صحت وغیرہ قائم نہ کئے جا سکے۔ اس تحریک کی تاریخ کے طالب علم کے لئے اس کے سوا اور کچھ نہیں رہ جاتا کہ وقت اور امن کے موجود ہونے کی شرط بہ صورت حالات و واقعات پر غور و فکر کرے۔

Marfat.com

باب ۵

(۱) وہابی تحریک کی اندرونی تنظیم

وہابی تحریک کے دو اہم پہلو تھے، سماجی مذہبی اور سیاسی۔ پہلے پہلو کا تقاضا تھا کہ سماجی اور مذہبی اصلاحات کی تبلیغ۔ اور دوسرے کا دور دراز کے ملکوں کے لوگوں اور تاجروں اور بساطیوں کے خلاف نبرد آزمائی۔ ان دونوں ضرورتوں کا تقاضا تھا مبلغوں اور واعظوں کی ایک مخلص جماعت کی تشکیل جو تمام چکر لگائیں اور عوام کو مقصد سمجھائیں۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا اس سلسلہ میں پہلی کوشش سید احمد اور ان کے رفقائے خاص کی تھیں لیکن ۱۸۲۶ء میں ان کی ہجرت کے بعد وہ کمزور پڑ گئیں۔ ان کی شہادت کے بعد تحریک کے تنظیمی پہلو کو برطانوی ہند کے اندر دوبارہ تازہ کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ یہی کام تھا جس کے لئے قائدین عظیم آباد نے تحریک کی سب سے بڑی خدمت انجام دی۔ اب پٹنہ برطانوی ہند میں اس تحریک کا سب سے زیادہ فعال مرکز اور ہنٹر جسے مرکزی پروپیگنڈا کہتا ہے اس کا صدر مقام بن گیا اور خاتمہ تک رہا۔

اگرچہ طریق کار اصولاً وہی رہا جو سید احمد کے زمانے میں تھا یعنی دورے، تبلیغ بیعت اور جہاد، مگر پٹنہ کے قائدین نے تنظیم میں زیادہ ربط و نظم پیدا کیا۔ پٹنہ میں ایک منظم و مستحکم تبلیغی مرکز قائم کیا اور تمام ملک میں بہت سے ذیلی محاذ اور مرکز بھی قائم تھے اور ہر محاذ پر مقامی واعظین مقرر کئے۔ یہ مقامی کارکن اپنے اپنے محاذوں میں تبلیغ کرتے، رسائل تقسیم کرتے، زکوٰۃ اور دوسری خیراتی رقوم اور چندے حاصل کرتے اور ان کو صدر مقام پٹنہ بھیج دیتے تھے۔ اس تنظیم و نظام نے حکومت انگریزی کے لئے ان کا پتہ لگانا

Marfat.com

اور اس قلمرو سے انھیں جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے تمام ذرائع اور طاقت کا مقابلہ کیا۔ چار مستقل عنوانات کے تحت ان کا مطالعہ کیا جاتا ہے (۱) پٹنہ کی مرکزی تنظیم (۲) دورے کرنے والے مبلغین (۳) اضلاع کے مراکز (۴) رقوم کی تحصیل :-

(۱) پٹنہ کی مرکزی تنظیم

قافلہ : سب سے پہلے ہم پٹنہ میں وہابی صدر مقام کی اس عمارت کا حال بیان کرتے ہیں جسے خود وہابی اپنی خفیہ زبان میں قافلہ یا بقول ہنٹر باغیوں اور سازشیوں کی کاروان سرائے کہتے تھے۔ ہنٹر نے ان عمارات کی جو بعد میں حکومت کے حکم سے ڈھا کر زمین کے برابر کر دی گئیں اور ان میں جو تعلیم دی جاتی تھی جو تصویر کشی کی ہے وہ محفوظ ہے اور ذیل میں پیش کی جاتی ہے :-

"پٹنہ کے قدیم شہر کے مسلمان محلّہ میں ایک گلی ہے جسے صادقپور کی گلی کہتے ہیں، جہاں مسافر بہت چلتے پھرتے ہیں۔ اس گلی کے بائیں ہاتھ بے بربری طرز کی عمارتوں کا ایک مجموعہ ہے جس کے سامنے کافی کشادہ صحن ہیں اور گلی سے کچھ فاصلہ پر پیچھے تک چلے جاتے ہیں۔ ان کے بیرونی حصوں کی شکل ویسی ہی اُداس شکستہ وریختہ نظر آتی ہے جیسی برسات کے بعد اینٹوں پر پلاسٹر کی ہوئی عمارتیں مستقلاً اختیار کر لیتی ہیں اور جو مشرقی شاندار تعمیر کے ہمارے جمے جمائے تصور کی مکروہ ممد پیش کرتی ہیں۔ اس پورے مجموعۂ عمارات میں سب سے نمایاں مسجد ہے جس کا اندرون بہت سادہ ہے جہاں ہر گھڑی نمازیں ہوتی رہتیں اور ہر جمعہ کو خطبہ بالکچر دیا جاتا ہے۔ صادقپور کی مسجد میں جمعہ کے یہ خطبے شہر کی دوسری مسجدوں کے خطبوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ یہ پر زور تقریریں ہوتی ہیں جن میں ایمان کے بغیر سارے اعمال کے بیکار

ل اب اس مقام پر پرانی پٹنہ سٹی میونسپلٹی کے دفاتر کے مکانات اور ان سے متصل پارک واقع ہے۔

Marfat.com

ہونے سامعین کو عظیم روحانی خطرے سے متنبہ کرنے اور روحانی زندگی اختیار کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ یہ خطبے پیغمبر صلعم کی سادہ عبادتوں کا تمام مساجد میں پیچیدہ رسوم عبادت لامتناہی سوانگوں ڈھونگوں، اور طرز رکوع و سجود سے مقابلہ کرتے اور اُن لوگوں کے خلاف سخت گوئی کرتے جنھوں نے سنی سنائی روایتوں کی بنا پر احکام منصوصہ کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ شہر کی دوسری مسجد کے مولوی کوچہ صادقپور کے واعظوں کی علمی قابلیت اور فصاحت و بلاغت کا اعتراف کرنے پر تو مجبور رہتے مگر مقدس تبرکات .... کے منکر کی حیثیت سے ان کو بُرا بھلا کہتے۔" آخر میں یہ بیان آس پاس کی عمارتوں کے ذکر پر تمام ہوتا ہے۔ "مسجد کے اردگرد پیش امام اور متولی کے سکونتی مکانات اور صحیح العقیدہ طلبہ کے لئے ایک چھوٹا سا کالج، متقی مسافروں کے لئے ایک مہمان خانہ اور کئی مزار ہیں جن میں وہابی بزرگان دین کی ہڈیاں مدفون ہیں۔"

رنگروٹوں کی تعلیم و تربیت: "ہر شعبۂ زندگی سے رضاکاروں کا مسلسل ریلا اس فرقے کے عقائد کی تعلیم حاصل کرنے اور تبلیغ اور نئے رنگروٹوں کی بھرتی کے صبر آزما کاموں کی تربیت کے لئے صدر مقام میں پہنچا رہتا۔ رضاکاروں کے انتخاب میں بڑی احتیاط برتی جاتی تھی۔ ان کو ان کی تعلیمی قابلیت اور ان کے سماجی رتبہ کے مطابق کام دئے جاتے تھے۔ چنانچہ زیادہ ہونہار جوانوں کو کالج میں داخل کرلیا جاتا اور اسلامی شریعت اور علم کلام میں تربیت دی جاتی۔[1] اور کمتر قابلیتوں کے لوگوں کو اصلاح شدہ مذہب کے صرف موٹے موٹے عقائد میں تعجیل کے ساتھ تعلیم دے دی جاتی اور سرحد کو بھیج دئے جاتے۔ ان سے کم درجہ کے رضاکاروں کو افضلیت دی جاتی۔ مہمان خانے میں ان کا خیر مقدم کیا جاتا اور مہمان خانے کے خازن "بھیا" عبد کے ذمہ کئے جاتے۔ وہ ان کو ان کے مقصد عظیم کے نے جہاد کی ضرورت اور ثواب

۱؎ کلکتہ ریویو جلد ۴۰ سنہ ۱۸۶۴ صفحہ ۱۳۱

Marfat.com

لیکچر دیتے۔ ایسے نوواردوں کے لئے زیادہ نظری تعلیم درکار نہ تھی۔ ان کا کام سرحد پر عملی زیادہ تھا۔ سادہ، غیر نظری دانشمندانہ تعلیم سے ان خام رنگروٹوں میں اتنا جوش اور شوق پیدا ہو جاتا کہ اپنا گھر بار چھوڑ کر اپنی خوشی سے محاذ پر پہنچ جاتے۔

"ان کٹر معتقدین کا اپنے مذہب کے لئے جوش اور سکھوں سے نفرت جو انھوں نے سکھوں کے جانشین انگریز میں منتقل کر دی تھی اس درجہ تھی کہ سید احمد کی شہادت کے کئی سال بعد تک رنگروٹ اور روپیے کثیر تعداد اور مقدار میں برطانوی ہند سے ستھانہ پہنچتے رہے۔"[۱]

خلفاء کا تقرر: یہ سارے کام نقاشی مرزا کے زیر ہدایت انجام دیئے جاتے تھے۔ جو خلیفہ کہلاتا تھا خود سید احمد کے مقرر کردہ خلیفوں میں پٹنہ سے محمد حسین یا ولایت علی اور مظہر علی تھے۔ ان کو اپنے اپنے طور پر اپنے خلفا مقرر کرنے کا اختیار تھا۔ اس طرح خلفا کی زنجیر طول کھنچتی رہتی۔

مخولہ سابق مولوی عبد الغفار مرحوم کی یادداشتوں اور نجی کاغذات میں اُن لوگوں کی فہرست موجود ہے جن کو یکے بعد دیگرے خلافت کے فرائض سونپے گئے۔ ہر خلیفہ کے معاون مشیروں کی ایک کمیٹی ہوتی، ایک وزیر جنگ، وزیر مالیات وغیرہ ہوتے تھے۔

فہرست درج ذیل ہے:۔

(۱) سید محمد حسین۔ جن کے معاون تھے۔ اکبر علی، فیاض علی، یحییٰ علی، واعظ الحق اور مقصود علی۔

(۲) ولایت علی امیر، عنایت علی وزیر جنگ، فرحت حسین مالیات اور رضا کاروں کی بھرتی کے ذمہ دار۔

---

[۱] جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی جلد ۱۴ صفحہ ۳۶۳ - ۶۴

Marfat.com

(۳) فرحت حسین (خلیفہ ولایت علی) امیر، یحییٰ علی صلاح کار، احمد اللہ وعبدالرحیم مشیر۔

(۴) یحییٰ علی (خلیفہ فرحت حسین) امیر، عبدالرحیم ذمہ دار مالیات، احمد اللہ مشیر، منجملہ مذکورہ مشیروں کے جو زندہ بچ رہے تھے۔

(۵) احمد اللہ امیر، مبارک علی ذمہ دار مالیات، ارادت حسین مشیر۔ اور ممبروں کے نام معلوم نہیں۔

(۶) مبارک علی امیر، محمد حسن ذمہ دار مالیات۔

(۷) محمد حسن امیر۔ (اس فہرست میں کسی اور کا نام نہیں۔

(۸) عبدالرحیم (غالباً ان کے جزیرہ انڈمان سے لوٹنے کے بعد) امیر ابو محمد ابراہیم، عبداللہ غازی پوری اور عبدالعزیز رحیم آبادی مشیران [۵]

مجلسِ اعلیٰ: یہ فہرست ایک اہم دستاویز ہے۔ یہ وہابی تحریک کی کارکن کمیٹی کی کچھ نشان دہی کرتی ہے یہ سب سے بڑی مجلس تھی جو تحریک کی تنظیم کرتی اور چلاتی تھی۔ تحفظ و احتیاط کے پیش نظر اس کی تشکیل اور کارکردگی تحریری ضوابط پر مبنی نہ تھی۔ تمام ارکان ایک ہی جذبۂ ایثار و خدمت سے سرشار تھے اور سارا نظام خاموش سمجھ بوجھ کے ساتھ ہمواری سے چلتا تھا۔ اس فہرست سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امیر تحریک کی خدمت میں تجربہ کی بنا پر ترقی کر کے امیر ہوتا تھا نہ کہ زیادتی عمر یا عہدے کی بنا پر۔ یہ فہرست ہماری ان معلومات کے بھی عین مطابق ہے جو ہمیں تحریک کی تاریخ مابعد کی دستاویزی شہادتوں سے اور امیروں کی کارگذاریوں کے خاتمے کے بعد کے حالات سے حاصل ہوئی ہیں۔

خلیفہ یحییٰ علی: برادران سی کے زیر قیادت احیائے تحریک کے زمانے میں کچھ عرصہ تک پٹنہ کے خلیفہ یحییٰ علی تھے۔ انھیں کی تنظیمی قابلیت نے پٹنہ کے صدر مقام کی متنوع ضروریات کی سربراہی کی۔ ان کے ذمہ فرائض میں سے صرف چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

---

[۵] یہ باقاعدہ نظام عبدالرحیم کے حبس (جزیرہ انڈمان) کے بعد درہم برہم ہوگیا۔

Marfat.com

مسجد میں عوامی امداد، نظریاتی نکتوں پر طلبہ میں تقریریں کرنا، ضلعی مرکزوں سے مراسلات، سرحد پر بھیجے جانے والے اسلحہ کی جانچ پڑتال، ہنڈیاں جن سے بھاری بھاری رقوم خفیہ طور پر ارسال کی جاتی تھیں ان کی پیچیدگیوں یا دشواریوں کی بنفس نفیس دیکھ بھال۔ خازن عبدالغفار دنیاوی معاملات جیسے رضاکاروں اور طلبہ کے قیام و طعام کے انتظام میں ان کی مدد ضرور کرتے تھے مگر مرکزی انتظامات کی روح رواں وہی تھے۔ یہاں بے محل نہ ہوگا اگر مقدمہ انبالہ میں جس میں یحییٰ علی خاص ملزمین میں سے تھے ہربرٹ ایڈورڈ کے فیصلے سے کچھ اقتباس نقل کر دیا جائے اس جج نے رائے زنی کی ہے "یحییٰ علی کے خلاف ثابت ہو گیا ہے کہ اس عظیم غداری کی مشین کی جسے اس مقدمہ نے منکشف کر دیا ہے بڑی کمانی یحییٰ علی تھا.....

...روپے جمع کرانے اور مسلمانوں میں جہاد کی تبلیغ کرنے کے لئے اس نے اپنے ماتحت ایجنٹ مقرر کر رکھے تھے۔ اس نے اپنے لاکھوں لاکھ ہم وطنوں کو دھوکا دیکر غداری اور بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ اس نے اپنی سازش سے حکومت برطانوی ہند کو ایک سرحدی جنگ میں الجھا رکھا ہے جس سے سیکڑوں جانیں ضائع ہوئیں.....جو کچھ اس نے کیا ہے پہلے سے سوچ سمجھ کر اور بڑی عیاری و غداری سے کیا ہے۔ وہ ایک موروثی غدار اور مذہبی متشدد خاندان کا فرد ہے"[۵] ایڈورڈز کو کبھی یہ خیال بھی نہ آیا ہوگا کہ ایک دن آئیگا جب کہ یحییٰ علی کی یہ سخت مذمت ان کی وفادارانہ مساعی کی شہادت میں پیش کی جائیگی۔

(۲) دورے کرنے والے مبلّغین

وہابی مبلغین کی اہمیت: دورے کرنے والے مبلّغین وہابیوں کی اندرونی تنظیم کے دھرے کی کیل تھے۔ یہ کارکنوں کی وہ خود فراموش بے نفس جماعت تھی جو سارے ملک میں چکر لگا لگا کر اس دعوت کو اندرونی حصوں میں پھیلاتی اور تحریک کے

---

[۵] کلکتہ ریویو جلد ۱۱ سنہ ۱۸۶۴ صفحہ ۱۳۲

Marfat.com

لئے مال جمع کرتی۔ جہاں گرد داعیوں کے اس طریق کار کو ہندوستان کے موسمی حالات اور سیلانی جوگیوں اور سادھوؤں کی قدیم روایات اور نمونوں نے سہل اور دلکش بنا دیا تھا۔ موسم کے شدائد جو لوگوں کو گھر سے نکلکر پناہ لینے پر مجبور کر دیتے اس ملک میں ناقابل برداشت نہ تھے۔ اور سال کے زیادہ حصوں میں یہ دعاۃ بلا مزاحمت سفر کر سکتے تھے۔ سیدھے سادے دیہاتیوں کے لئے ایک سیلانی فقیر کا یہ پھیرا کوئی انوکھی بات نہ ہوتی تھی اکثر و بیشتر ان کا خیر مقدم کیا جاتا اور مختصر مدت کے لئے انکو مفت طعام وقیام مہیا کر دیا جاتا۔ ایک مبلغ کے سیر و سفر کی ایک مثال بطور نمونہ ہنٹر کی ناقابل تقلید زبان میں پیش کی جاتی ہے "وہابی مبلغ کی تنہائی کی زندگی اس کے سفر میں دیہاتیوں کے لئے زیادہ دلچسپی کا موجب بنا دیتی۔ جہنوں وہ کسی کے گھر میں داخل نہ ہوتا۔ وہ کسی دور کے صوبے سے آتا اور اپنے طویل سفر میں کسی معتمد شاگرد یا چیلے کے سوا کسی ہمسفر کو جو اس کے دھیان گیان میں خلل انداز ہو ساتھ نہ رکھتا۔ اس کے کردار کی سنجیدگی اور خارجی ماحول سے اس کی لاتعلقی اسے عام آدمیوں سے نمایاں طور پر مختلف بنا دیتی۔ اس لئے کوئی تعجب کی بات نہ تھی کہ دیہاتی اس کے گرد جمع ہو جاتے اور کچھ دیر کے لئے اپنے آہر پوکھر اور سرحد سیوانوں کے پرانے جھگڑے بھول جاتے۔ [۵]"

مبلغین کا محتاط رویہ: یہ مبلغ اس بات کی بڑی احتیاط رکھتے تھے کہ ان کی تعلیم میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو حکام کے کان کھڑے کر دے۔ عنایت علی کی کارروائیوں میں بتایا جا چکا ہے کہ کس طرح راجشاہی کا مجسٹریٹ اس حد تک چلا گیا کہ ایک شکایت لانے والے سے جواب طلب کر لیا کہ عنایت علی کی باغیانہ حرکات کے خلاف جھوٹی شکایت دائر کرنے کے لئے اس پر مقدمہ کیوں نہ چلایا جائے۔ فی الحقیقت ان مبلغوں کی کارروائیوں کے صحیح معنی کا پتہ چلانے میں جن پر بغاوت کی عمارت کھڑی کی گئی تھی حکام کی ہمیشہ ناکامی حیرت انگیز ہے اور ہنٹر اور او کینیلی دونوں نے اس پر سختی سے

---

[۵] آور انڈین مسلمان صفحہ ۲۷

تعریض و تنقید کی ہے۔ ان مبلغین کی تبلیغ سماجی مذہبی اصلاحات کی ضرورت اور غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف جہاد کی تعلیمات کا ایک نہایت احتیاط سے تیار کی ہوئی معجون مرکب تھی۔ یہ قدرتی بات ہے کہ بہت سے گاؤں میں قدیم روایات اور رسم رواج دلوں میں بہت زیادہ جاگزیں ہوتے تھے اور مایوس واعظ اس سخت دل گاؤں کی گرد اپنے دامن سے جھاڑ کر نکل کھڑا ہوتا۔ لیکن بہت سے گھروں میں اس کے پیغام پر کان بھی دھرا جاتا۔

مبلغین کی کارگزاریاں: کسی چیدہ فرد کو زیادہ گہری تعلیم و تربیت دینے کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ جب حالات موافق ہوتے تو مبلغ گاؤں کے معلم یا کسی اسی قسم کی حیثیت سے رہ پڑتا۔ وہیں عقد بھی کر لیتا اور آس پاس کی منتشر بستیوں میں بھی کام کرتا۔ اپنا کام اچھی طرح پورا کر کے کسی مقامی آدمی کو معتبر نائب کے طور پہ پیچھے چھوڑ دیتا اور خود آگے بڑھ جاتا۔ ایسے مقامی سرداروں کے علاوہ بہت سے دیہات کے آدمی بھی تحریک میں داخل کر لئے جاتے۔ اکثر ان سے کہا جاتا کہ مبلغ کے ساتھ ساتھ رہا کریں اور ان کے طویل سفر میں ان کو آمادہ کیا جاتا تھا کہ وہ وقت کی پکار پر لبیک کہیں، مثلاً سرحد پہ جنگ چھڑی ہو، وہاں رضاکار سپاہیوں کی ضرورت ہو تو یہ سب سے بڑی دینی خدمت ہے جو انسان انجام دے سکتا ہے، سب سے بڑی سربلندی ہے جو انسان حاصل کر سکتا ہے زندگی میں ایسا پہلا موقع جوان کے سامنے آگیا ہے کیا اُسے ہاتھ سے دے دینگے اور فائدہ نہ اٹھائینگے؟ مہینوں اس صحبت میں رہنے کے بعد جو جوش و شوق اور آزادی کی بے لوث اور پاک روح سے لبریز رہی اس مکرر مسلسل سوال کا کوئی اور جواب ہو بھی نہیں سکتا تھا کہ سرحد کی طرف رضاکاروں کا تانتا بندھ جاتا۔ یہ ہنٹر صحیح لکھتا ہے کہ ان لوگوں (دورے کرنے والے مبلغین) نے سارے بنگال کو اپنے جال میں لپیٹ رکھا ہے اور ہزاروں کارآمد برٹش رعایا کو پہلے پراگندہ دماغ مذہبی دیوانہ پھر تاج برطانیہ کا سخت غدار بنا دیا۔"

Marfat.com

(۳) ضلع وار مراکز

اندرونی تنظیم کی درجہ بدرجہ تعمیر میں دوسرا درجہ ضلعی مراکز تھے، جو دورے کرنے والے مبلغین کے اندرونی گاؤں میں جہاں ان کے پیغامات کا خیر مقدم حوصلہ افزا ہوتا اقامت پذیری کے نتیجے میں قائم ہو جاتا۔ سارے بنگال اور ملک کے دوسرے حصوں میں ایسے مراکز پھیل گئے۔ ہنٹر ان کے طریق کار کی تشریح کے ساتھ بنگال کے ضلع مالدہ کے دو مرکزوں کا مفصل ذکر کرتا ہے [۵۱]۔

مبلغین کا طریقۂ کار: "۱۸۴۱ء کے قریب عبدالرحمن ایک لکھنؤ کا باشندہ اور ولایت علی کا ایک خلیفہ اپنے تبلیغی دورہ دن میں مالدہ آیا۔ وہاں شادی کر لی، ایک مدرسہ کا معلم بن گیا اور وہیں مستقلاً قیام پذیر ہو گیا۔ اس کے پیشے نے اس کو موقع دیا کہ وہ ہر طبقہ کے لوگوں سے ملتا جلتا رہے اور بالخصوص جوانوں پر اپنا اثر ڈالے۔ وہ اپنے احاطے سے آدمی اور روپے جمع کرنے اور ان کو پٹنہ بھیجنے کا دوہرا کام کرتا رہا۔ اس کام میں ایک شخص رفیق منڈل قابلیت کے ساتھ اس کی اعانت کرتا رہا۔ وہ دراصل ایک کاشتکار تھا مگر عبدالرحمن نے اسے تحصیلدار مقرر کر دیا۔ ان کا کام بہت عرصے تک بلا مزاحمت چلتا رہا یہاں تک کہ ۱۸۵۳ء میں حکام مشتبہ ہو گئے۔ رفیق منڈل کے گھر کی تلاشی لی گئی اور اس کے کاروبار کے باغیانہ انداز کے ثبوت میں کچھ کاغذات دستیاب ہوئے اور وہ گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد اس سبب سے جسے ہنٹر "سرکار کی معمولی سازشیوں کی تحقیرانہ نظر اندازی" کی پالیسی کہتا اور تنقید و تعریض کرتا ہے، رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد رفیق منڈل نے اپنا کام اپنے بیٹے امیرالدین کے سپرد کر دیا جو ایک لائق جانشین ثابت ہوا اور بڑی قابلیت، احتیاط، جوش اور کامیابی سے کام چلاتا رہا۔ اس کے زیر نگرانی مالدہ کے مرکز کی اہمیت بہت بڑھ گئی اور عملاً بنگال کے سارے ضلعی مراکز کا ایک مقبول عام اڈا اور اکثر قائدین پٹنہ عنایت علی، فیاض علی اور مقصود علی کی ان کے دوروں میں ایک مفید مطلب اقامت گاہ بن گیا۔ مرکز کا کا

---

[۵۱] اور انڈین مسلمان صفحہ ۷۸ - ۸۲

Marfat.com

بلا خلل و مزاحمت دس سال سے زیادہ چلتا رہا، اس لئے کہ حکام ضلع اور خصوصاً ہندوستان کا ایک انگریز مجسٹریٹ صدر سلطنتِ روما کی طرح اپنے زیر حکومت اقوام کے طرح طرح کے عقائد و توہمات میں دخل اندازی کو ناپسند کرتا تھا۔ اس طرح غداری بھی مذہبی لبادے میں باطمینان چل پھر سکتی ہے"۔ ۱۸۶۵ء میں احمداللہ کے مقدمے نے وہابی اثر کے اسی اہم مرکز کی کارستانیوں کی طرف حکام کی توجہ مبذول کی۔ اُس وقت بھی امیرالدین کی کاروائیاں جاری تھیں ۱۸۶۸ء میں اس نے پٹنہ کے سردار (خلیفہ) کے بیٹے کو دعوت دی کہ آکر اس کے علاقہ کے متبعین کے بھجتے ہوئے (دینی) جوش کا بچشم خود معاینہ فرمائیں۔ اُس کا علاقہ تین ضلعوں تک پھیلا ہوا تھا جن میں پورا مالدہ اور اضلاع مرشد آباد و راجشاہی کے کچھ حصے شامل تھے۔ اُس نے سرحد کو جو رنگروٹ بھیجے اُن کی ٹھیک ٹھیک تعداد معلوم نہ ہو سکی۔ لیکن ہنٹر اندازہ لگاتا ہے کہ سرحد پر ایک ایک وہابی چوکی پر جس میں ۴۰۰ آدمی ہوتے تھے دس فی صد سے زیادہ اس کے ماتحت علاقوں سے آئے تھے۔ ۱۸۶۹ء میں یہ کارگذار مرکز توڑ دیا گیا اور اس کے قائدین گرفتار کر لئے گئے۔ جس کا مفصل ذکر آگے آتا ہے۔

یہ وہابی ضلعی مراکز میں سے ایک مرکز کے طریق کار کی بطور نمونہ مختصر داستان ہے۔ تمام ملک میں دوسرے اور مراکز کی کاروائیاں کم و بیش اسی قسم کی ہوتی ہونگی۔

(۴) مال کی تحصیل

مال کی تحصیل کے لئے کئی کئی گاؤں کو ملا کر دفاتر صیغہ مالگذاری ایک صدر تحصیلدار کے ماتحت قائم کر دئے گئے تھے۔ ہر گاؤں کا تحصیلدار اُس کے ماتحت ہوتا۔ زیادہ آبادی والے گاؤں میں تحصیلدار کے علاوہ ایک بڑا پیش امام ہوتا جو مسجد میں نمازیں پڑھاتا، ایک غیر مذہبی سردار ہوتا جو ایک قسم کا جنرل مینیجر ہوتا، اور ایک ڈاک سردار ہوتا جس کا کام ہوتا قاصدوں کا بندوبست کرنا جو ملک سے باہر خطوط اور روپے پہنچانے کا خطرناک فرض انجام دیتے۔ بڑا تحصیلدار اپنے احاطوں کے سالانہ

Marfat.com

دورے کر کے دیکھتا کہ تمام بقایا رقوم جمع ہو گئیں۔ دوروں کے اثنا میں بھی مقامی آدمیوں کی محصلہ رقوم کی باقاعدہ ترسیلات وصول کرتا اور ان کو پٹنہ بھیج دیتا جہاں ان کی رسیدوں کا ایک کھاتا رکھا جاتا۔

وہابی فنڈ کے چندے ہنٹر یوپی (صوبہ متحدہ) کے ایک نیل کے کاشتکار کے بیان کا یوں حوالہ دیتا ہے۔ کہ اس کے مسلمان ملازمین اپنے معاوضہ کا ایک حصہ باقاعدہ وہابی فنڈ کے چندے کے طور پر الگ کر رکھتے۔ ان میں جو زیادہ دلیر ہوتے وہ وقتی چھٹیاں بھی لیتے اور سرحد پر فوجی خدمت کے لئے نکل جاتے ۱۸۳۰ء اور ۱۸۴۶ کے درمیان ان نیل کے کاشتکاروں کے مسلمان گماشتے اکثر چند مہینوں کی رخصت کے لئے سرحد پر وہابی مرکز میں شرکت کی ضرورت پیش کرتے۔

وہابی فنڈ کے چندے نقد اور جنس دونوں شکلوں میں ادا کئے جاتے۔ چندوں کی خاص خاص شکلیں یہ تھیں:۔

زکوٰۃ: (۱) زکوٰۃ۔ اسلام میں اس کی ادائی فرائض میں سے ہے۔ یہ ایک قسم کا انکم ٹیکس ہے جو ایک معینہ سالانہ شرح سے ان لوگوں پر عائد کیا جاتا ہے جو آمدنی کی بعض مدات میں آتے ہیں۔ شروع میں اس لگان کا مقصد ایک طرح کا رفاہی فنڈ قائم کرنا تھا جس سے نادار لوگوں کی حاجتیں پوری کی جائیں، مگر وہابیوں نے اسے اصولاً انگریزوں کے خلاف جہاد پر استعمال کیا۔

صدقات (۲) صدقات۔ صدقے بھی پرہیزگار لوگ نقد اور جنس دونوں شکلوں میں دیا کرتے تھے۔ جنس کی فروخت کی رقمیں جمع کر کے اکٹھی ارسال کر دی جاتیں۔ بھیڑ بکریوں کی کھالیں بھی جو بقرعید کی قربانیوں سے حاصل ہوتیں۔ وہ خشک اور محفوظ کر کے بیچ دی جاتیں[۱]

---

[۱] اب بھی مسلمانوں میں یہی طریقہ رائج ہے کہ بقرعید میں یتیم خانوں کے طلبہ کھالیں جمع کرتے ہیں ان کو نمک لگا کر خشک کر کے بیچ دیا جاتا اور آمدنی کی رقم جمع کر لی جاتی ہے۔

Marfat.com

عمومی لگان (۳) ایک عمومی قسم کا لگان تھا مُٹھیا۔ یعنی ایک مٹھی چاول یا کوئی اور غلہ۔ اس طریقے میں ہر گھر ایک اکائی تصور کیا جاتا اور توقع رکھی جاتی کہ ہر گھر روز مرہ کے صرف سے ایک مٹھی غلہ بیت المال کے لئے علیحدہ کر دے۔ اس طور کی بچت سے غریب طبقہ کے معاوضین پر کوئی بار نہ پڑتا اور ساتھ ہی غلے کی معتدبہ مقدار پس انداز ہو جاتی۔ یہ جمع کی جاتی اور وقتاً فوقتاً صدر مقام کو بھیج دی جایا کرتی مُٹھیا کا یہ طریقہ چندے جمع کرنے کا ایک معروف اور فائدہ بخش ذریعہ تھا اور بعد میں اور سیاسی انجمنوں جیسے پرانی کانگریس پارٹی میں بھی تجویز ہوا تھا۔ سر ریندر ناتھ بنرجی نے جولائی ۱۸۸۳ء میں کلکتہ کے ایک جلسہ میں قانونی حقوق کے لئے احتجاج میں مالی اعانت کے واسطے ایک قومی فنڈ جاری کرنے کے لئے ایک رزولیوشن (تجویز) پیش کرتے ہوئے کہا تھا "وہابی اپنا فنڈ کس طرح فراہم کرتے ہیں؟ میں وہابی مصلحین کا ذکر کر رہا ہوں، وہابی باغیوں کا نہیں[1] اس لئے آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ اسے یوں انجام دیتے ہیں کہ ہر گھر والا اپنا کھانا پکانے سے پہلے ایک مٹھی چاول رکھ لیتا ہے، اور یہ مٹھیاں ایک ہفتہ میں اکٹھی کی جاتیں اور مسجد میں لے جائی جاتی ہیں کہ وہابی مبلغ آکر لے جائیں۔ اس طرح وہابی مشن کے پھیلانے کے لئے فنڈ جمع ہو جاتا ہے"[2]

عطیات: مبلغین ہر موقع پر تحریک کے لئے فیاضی سے عطیات دینے کی ضرورت اور ثواب پر زور دیا کرتے بالخصوص ان لوگوں سے زیادہ پرزور اپیل کی جاتی جو کسی سبب سے سرحد جا کر خود جہاد میں شریک نہ ہو سکتے تھے۔

ان مستقل لگانوں کے علاوہ خاص خاص وقتی مواقع پر جیسے شادیاں،

---

[1] وہابی مبلغوں اور وہابی باغیوں کے درمیان یہ امتیاز غالباً ضرورۃً قائم کیا گیا تھا ورنہ حکام باغیوں کے طریقہ کار کے اختیار کرنے میں معترض ہوتے۔

[2] پروگرس آف دی نیشنل فنڈ میٹنگ منعقدہ ۱۷ جولائی ۱۸۸۳ء کی رپورٹ مطبوعہ ۱۸۸۳ء میں بمقام کلکتہ

ولادتیں، تہوار، غمی، خاص عطیات دیئے جاتے۔ یہ خیرات، فطرہ اور صدقات وغیرہ ہوتے برطانوی عہد میں تحریک کے دولتمند معتقدین وقتاً فوقتاً خفیہ طور پر چندوں کی بڑی بڑی رقمیں بھیجا کرتے۔

(۵) مال کی ترسیل

یہ تو تھا طریقہ وہابیوں کے مال حاصل کرنے کا۔ اب دوسرا زیادہ دشوار کام حاصل کردہ مال کو خفیہ طور سے سرحد تک پہنچانے کا نظام قائم کرنا تھا۔ یہی کام تھا جس میں پٹنہ کے قائدین بالخصوص یحییٰ علی کمال رکھتے تھے۔ انھوں نے سرحد کے راستے پر پورے طول میں وہابی مسافرخانوں یا مہمان خانوں کا سلسلہ تیار کردیا اور ہر ایک کو کسی آزمودہ کار مرید کے سپرد کردیا۔ ہنٹر نے اس نظام کار کی تصویر یوں کھینچی ہے۔

"عظیم شمالی شارعِ عام مناسب حال ٹکڑوں میں تقسیم کردی گئی تھی۔ اور وہابی باغی ہمارے دشمن کی چھاونی کی طرف مصروف علاقوں سے اس اطمینان کامل سے گذرا کرتے تھے کہ ہر منزل کے آخر میں ان کے دوست ان کے منتظر ہیں۔ ان مسافر خانوں کے وہابی کارکن مختلف مدارج زندگی کے ہوتے اور سب برطانوی حکومت کی بربادی کے جاندادہ ہوتے اور ہر ایک باغیوں کی مقامی کمیٹی کا سردار ہوتا۔ یحییٰ علی نے ان اشخاص کے انتخاب میں اپنے گہرے نفسیاتی علم کا ثبوت دیا، کیونکہ نہ انکشاف کے خوف نے نہ انعام کے لالچ نے ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنے سردار کی رسوائی کے وقت اس کے خلاف کھڑے ہونے پر آمادہ کیا۔ اور اگرچہ معلوم تھا کہ اس وقت ان پناہ گاہوں، کے ایک سلسلہ (جیسے تھانیسور) نے پٹنہ کو سرحد پنجاب سے ملا رکھا تھا، لیکن کوئی سامنے آکر کسی خاص مقام کی طرف انگلی سے بھی اشارہ نہیں کرتا

ؔ۱ کلکتہ ریویو جلد ۴۰ ۱۸۶۴ء صفحہ ۱۳۶

تحریک کے خفیہ کارکن: روپے کی ترسیل کا یہ نازک اور دشوار کام خفیہ کارکنوں کا ایک گروہ انجام دیتا تھا۔ اگرچہ ضرورۃً ومصلحۃً ان کے کام چادرِ راز میں ملفوف رہتے۔ اور ان کے متعلق زیادہ تفصیلات دستیاب نہیں، اس خطرناک مہم کا ایک مختصر بیان ایسے مواد سے جو دستیاب ہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

یہ کارکن نقد لیکر (جو زیادہ تر اشرفیوں کی صورت میں ہوتا) پٹنہ سے چلتے۔ مخلوط سکوں کے وزن اور حجم کو کم کرنے کے لئے ان کو اشرفیوں میں منتقل کر لیا جاتا جو صدریوں، جوتوں یا قاصد کے کسی حصّہ جسم پر ٹانک دی جاتیں سکّوں کو اشرفیوں میں منتقل کرنے کے کام میں پٹنہ کے مشہور تاجر حرم امیر خاں سے بہت مدد ملتی جن کی ایجنسی کلکتہ میں تھی۔ دہلی کے کچھ ساہوکاروں کی خدمات سے بھی کام لیا جاتا۔ سید احمد کے زمانے میں روپے کے بھیج بھجاوے کے انتظام میں دہلی زیادہ اہم درجہ رکھتی تھی۔ دہلی میں اس کاروبار کا سب سے بڑا ایجنٹ ایک شخص اسحاق نامی تھا۔ سید احمد قائدین عظیم آباد کے نام مکتوب میں ترسیل زر کے لئے اسحاق کا نام ایک معتبر اور معتمد شخص کی حیثیت سے لیتے ہیں۔ بعد میں پٹنہ مرکز بن گیا اور ترسیل زر تھانیسر اور راولپنڈی کے راستوں سے ہوتی تھی۔

خفیہ کارکنوں کا طریقہ عمل: یہ خفیہ عامل ملک کے پورے طول میں کبھی تنہا کبھی بھیس بدل کر، اور زیادہ تر دوسرے بڑے کاروانوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے جتھوں میں سفر کرتے۔ وہ منزل بمنزل مختلف مرکزوں میں ٹھہرتے جاتے جو یحییٰ علی کی تنظیمی قابلیت سے پورے گرینڈ ٹرنک روڈ پر قائم تھے۔ ان کے یہ سفر ایسے آسان اور محفوظ نہ تھے جیسا کہ ہنٹر کے بیان مندرجہ بالا سے مترشح ہوتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حاملِ زر قاصد کے اختیار کردہ راستے کی خبر پہلے سے پھوٹ جاتی، پھر بھی ان کو یہ خطرہ جھیلنا ہی پڑتا۔ ہمیں ان باخبر ذرائع اور مخلص ایجنٹوں کے دلیرانہ کارناموں کے زیادہ واقعات تو دستیاب نہیں۔ صرف سید احمد کے زمانے کے ایک ساہوکار پیر محمد کے مشن کا

Marfat.com

ایک واقعہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس سے ان کے اس خطرناک کام کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ تین ہزار روپے کی ایک ہنڈی اور ایک ہزار اشرفی نقد لیکر دہلی سے سرحد کو جا رہا تھا۔ رنجیت سنگھ کو اس کا پتہ چل گیا اور جنرل ونچورا کو ہدایت کر دی کہ قاصد کی تاک میں رہے۔ آخر اس کا پتہ مل گیا تلاشی لی گئی اور اس کے جسم سے مخفی رقوم برآمد کر لی گئیں۔ پیر محمد کی سخت پٹائی ہوئی اور لاہور میں قید کر دیا گیا۔ وہابیوں کے پاس بھی اپنے ذرائع معلومات تھے، ان کو لاہور میں سید احمد کے مقامی ہمدردوں کے ذریعہ سے اس گرفتاری کی خبر مل گئی۔ آخر کار حکیم مغیث الدین سہارنپوری نے بھاڑے کے ایک مشہور رجمن فوجدار ولیم رتیہارٹ کی بیوہ بیگم سمرو سے جنرل ونچورا کے نام ایک چٹھی لکھوائی۔ الغرض پیر محمد رہا ہو گیا اور بہت سے دوسرے حادثات سے دوچار رہنے کے بعد سرحد واپس آ گیا۔

ایلچیوں کی دیانت: منتقلی زر کا ایک بڑا ذریعہ ہنڈی تھا۔ دلی اور پشاور میں کسی ساہوکار کے پاس نقد رقم جمع کر دی جاتی وہ اس میں سے بارہ فیصد کمیشن کاٹ کر سرحد بھیج دیتا۔ شرح کمیشن بہت زیادہ تھی مگر یہ لوگ قابل اعتماد تھے اور روپے کے روک رکھنے یا ارسال میں ادھر ادھر ہو جانے کا کوئی واقعہ کسی تحریر میں نظر سے نہیں گذرا۔ ہلکے رقوم کی ہنڈیوں کو ترجیح دی جاتی تھی کیونکہ وہ زیادہ آسانی سے بھنائی جا سکتی تھیں۔ اکثر ساہوکاروں کو ہدایت کر دی جاتی تھی کہ ان رضاکاروں کے متوسّلین (بال بچوں) کو جو ہندوستان میں پڑے ہیں دینے کے لئے کچھ رقم الگ رکھ چھوڑیں۔ ان کی خبر گیری کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا جو لوگ یہ کام کرتے تھے ان کے کردار اور ایمانداری کی یہ واضح دلیل ہے کہ جو بڑی بڑی رقمیں ان کے سپرد ہوتیں ان میں سے ایک پائی کے بھی خورد برد ہونے کی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ ان لوگوں کے اخراجات سفر الگ سے دیئے جاتے، اگر راستے میں بیماری گرفتاری یا رکاوٹ وغیرہ کے غیر متوقع سبب سے صرف

Marfat.com

بھی ہو جاتے تو جسمانی محنت و مشقت سے ان کو پورا کر دیتے اور اس رقم امانت سے جسے پہنچانا ہوتا کچھ بھی خرچ نہ کرتے۔

ترسیل زر کا طریقہ کار: جس زمانے میں احمد اللہ اس فنڈ کے خازن تھے ایک کھاتا رکھا جاتا تھا جس میں تمام رقوم جو وقتاً فوقتاً وصول ہوتیں درج کر لی جاتیں۔ یہ کھاتا عبدالغفار کے نام سے تھا۔ الٰہی بخش کو جو احمد اللہ کے مقدمے میں سرکاری گواہ بن گیا تھا۔ اشرفی خریدنے اور ہنڈیاں تیار کرنے پر مامور کیا گیا تھا۔ یہ دونوں کام ترسیل زر کی زنجیر کی مضبوط کڑیاں تھے، اور یہ امر قابل توجہ ہے کہ یہ ہندو مہاجنوں کے ذریعے سے ہوتے تھے۔ اس سلسلہ میں پٹنہ کے رام کشن فتح چند، منوہر داس، دہلی کے جگرناتھ اور مکوندلال، بنارس کے لال چند کرم سنگھ، سامنت رائے، اور شیو بخش اور منور اسرحد کے سنتو اور موتی کے نام موجود ہیں۔ جو خطیر رقمیں قائدین پٹنہ نے ارسال کیں ان کا کچھ اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ تین سال ۱۸۶۲ء سے ۶۵ تک جب کہ امبیلا کی جنگ چھڑی ہوئی تھی پٹنہ سے ایک لاکھ کی رقم صرف ایک مہاجن منوہر رام کی معرفت بھیجی گئی تھی[1] اس کی بنا پر یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس طویل مدت میں جب کہ یہ نظام ترسیل جاری تھا بڑی بڑی رقمیں بھیجی گئیں۔

(۶) خفیہ اور مرموز پیغامات

خفیہ پیغامات اور روپے کی رسیدوں کے لئے مرموز الفاظ و اعداد کا ایک پیچیدہ نظام بھی خود سید احمد کے زمانہ سے مستعمل تھا۔ کچھ مرموز نقش جو حیدرآباد سازش کے مقدمے میں پکڑے گئے تھے ان کا حل ابھی

---

[1] دہلی مقدمات پر بنگال گورنمنٹ کی دستاویزات کے انتخابات مرتبہ ایم، اے خاں صفحہ ۹۸

Marfat.com

باقی رہتے[1]۔ عرفی نام بھی استعمال ہوتے تھے۔ حتی الوسع کاتبوں کے نام اور پتے براہ راست استعمال سے اجتناب کیا جاتا۔ خفیہ مطالب کے ظاہر کرنے کے لئے ادبی اور مذہبی استعارات و تلمیحات کا استعمال کیا جاتا۔ پٹنہ کے قائدین نے اپنے محصولہ فنڈ کے ارسال کے لئے مرموز علامات اور فرضی ناموں کا ایک نہایت باقاعدہ اور کارآمد نظام تیار کر لیا تھا۔ محصلہ رقوم کی ترسیل میں بہت زیادہ اسی پر انحصار رکھتے تھے۔

وہابیوں کے متعلق جمس ابوٹ کی رپورٹ: کئی مواقع پر حکومت کی توجہ اس طرف منعطف کی جا چکی تھی کہ ہندوستان میں باغیانہ مراسلات کا ایک جال اور سرحد کی نو آبادی کو آدمی اور روپے کی فراہمی کا سلسلہ موجود ہے، جس کا صدر مرکز پٹنہ تھا۔

جیمس ابوٹ ڈپٹی کمشنر ہزارہ نے ۱۸۴۹ء ہی میں پنجاب کے بورڈ آف ایڈمنسٹریشن کی توجہ اس امر کی طرف منعطف کی تھی کہ ہندوستان سے ہجرت کرنے والوں کا ایک عجیب جتھا یہاں آباد ہو گیا ہے۔ یہ اپنے اسلحہ اور گذارے کا سامان اپنے ساتھ لاتا ہے اور ستھانہ میں آ جماہے۔ یہ مقام ان سب لوگوں کا مرجع ہے۔ جو ایک کامیاب غزوہ کے دیکھنے کے منتظر ہیں۔ اس نے ان مہاجرین کے خفیہ طور پر اپنے جسموں پر اور کھوکھلے بانس کی لاٹھیوں میں خطوط اور سونا لے آنے کا ذکر بھی کیا۔ یہ بھی رپورٹ کی گئی کہ نواب وزیر محمد خاں والی ٹونک مرید سید احمد بھی بڑی بڑی سالانہ رقوم بھیجا کرتا ہے۔ گذشتہ دو سالوں میں ان کی تعداد ۶۰ یا ۸۰ نفر ہو گی مگر گذشتہ دو ہفتے میں بڑھکر دو سو سے زیادہ ہو چکی ہے اور ہزاروں کی امید کی جاتی ہے۔ جیمس ابوٹ نے اپنے بعد کے خطوط میں بورڈ کی توجہ دوبارہ اس امر کی طرف منعطف کی کہ ہندوستان کے مختلف حصوں سے خاصکر کے راجپوتانہ اور روہیلکھنڈ سے ستھانہ میں آدمیوں کا اجتماع جاری ہے۔ وہ فقیروں اور طالب علموں کے بھیس میں اٹک کی راہ سے آتے، اور ستھانہ پہنچ کر اپنی میلی کچیلی گدڑیاں اتار پھینکتے ہیں۔ ستھانہ میں گودام بھی بن رہے ہیں جہاں گندم کا ایک بڑا ذخیرہ اونٹ پر لایا اور جمع کیا جاتا ہے۔

---

[1] مرموز اعداد میں ایک پیغام اس طرح ہے۔ خفیہ کاغذات نمبر ۱ مورخہ ۱۲ جون ۱۸۳۹ء قابل B۔

جیمس ایبوٹ کی سبکدوشی: کپتان ایبوٹ ہزارہ کے مضبوط ملک میں ان جوشیلے لوگوں کے اجتماع سے فکر مند تھا۔ کیونکہ یہاں حکومت کے خلاف کارروائیوں میں نکموں اور دیوانوں سے کسی آویزش کے موقع پر یہ فساد جڑ کی طرح کام میں لائے جا سکتے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ پنجاب میں کسی نئی شورش کے موقع پر ہزارہ ہی پہلا اکھاڑا منتخب کیا جائیگا۔ جھگڑے کے عناصر متعدد ہیں۔ یہ زمین دار الحکومت سے بلند اور دور ہے اور آخری فیصلہ سے جو ملتان کے حق میں ہوا نقطۂ مماثلت کی دریافت میں کوئی دقت نہیں ہوگی، ستھانہ کو ذرائع آمدورفت کا سلسلہ قطع کر دینے کے لئے اس نے مشورہ دیا کہ دریائے سندھ کے کنارے مسلح چوکیاں قائم کی جائیں۔ لیکن بورڈ نے کپتان ایبوٹ کے اندیشے سے اتفاق نہ کیا۔ وہ ان نمایاں علاقوں میں مناسب ذریعہ آمدورفت کے بغیر ایسی مسلح چوکیاں قائم کرنے پر راضی نہ ہوا۔ ہزارہ میں کسی انقلاب کی کوئی وجہ اُن کی سمجھ میں نہ آئی۔ "حکومت برطانیہ کے تمام دشمنوں کی ابھی ابھی پوری سرکوبی ہو چکی ہے .... ہزارہ کے لوگ ..... جیسے تلون مزاج اور بے وفا ہیں اس لحاظ سے ابھی کسی جہاد کا وقت نہیں آیا ہے خواہ مذہبی دیوانے کچھ ہی تقریریں کریں اور چند غنڈے کچھ ہی سوچیں"۔ برسر موقع شخص کپتان ایبوٹ اور بورڈ آف ایڈمنسٹریشن کے درمیان پالیسی کے اختلاف میں لہجے کی تلخی بڑھتی چلی گئی۔ آخر ۱۸۵۳ء میں ایبوٹ کو اپنے عہدے سے سبکدوش ہونا پڑا۔ بہرحال کپتان ایبوٹ کی نمایاں سیاسی دانائی کا اقرار کرنا قرین انصاف ہے۔ اس کا صورت حال کا تخمینہ اُس بورڈ سے کہیں زیادہ صحیح ہے جس کی آنکھیں ہزارہ کی ایسی مستقل وفاداری کی دلفریب توقعات کے خلاف کمل جانے والی تھیں کہ اہل ہزارہ ہمارے ہاتھوں ہمیشہ اعانت و مروت ہی پاتے رہے ہیں۔

وہابیوں کی نقل و حرکت پر نظر: ۱۸۵۲ء میں پٹنہ ایک بار اور باغیانہ مراسلت اور سرحد پر وہابی نوآبادی کو آدمی اور روپے کی فراہمی کے طور پر نمایاں ہوا۔ گزشتہ کئی مواقع کی طرح اس موقع پر بھی حکومت صورت حال کی واقعی سنجیدگی کو سمجھنے سے قاصر رہی۔ گورنر بنگال نے اس موضوع پر صرف سرکاری روداد مورخہ ۲۰ اگست ۱۸۵۲ء

Marfat.com

تیار کرنے پر اکتفا کی۔ جس میں لکھا گیا کہ " مجھے اس میں شک نہیں کہ پٹنہ کے کچھ اشخاص اور سوات اور سھتانہ کے مذہبی دیوانوں کے درمیان مراسلت ہوتی ہے۔ اگرچہ گورنر نے مجسٹریٹ کے اندیشہ سے اتفاق نہیں کیا اس نے مناسب سمجھا کہ اشخاص متعلقہ کے رویئے اور نقل وحرکت پر نظر رکھی جائے اور جس صورت میں کہ مجسٹریٹ کی رپورٹ کے مطابق وہابی مسلح آدمیوں کا اجتماع ہو تو حکومت کے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے میں ضروری اقدامات کرونگا "

جنگ امبیلہ کے بعد انگریزوں کی کاروائیاں: ہندوستان سے آدمیوں اور روپے کی فراہمی کا یہ نظام ہی تھا جس نے سرحد پر وہابیوں کی ریاست کیلئے کشمکش کو برقرار رکھا۔ اس زبردست سہارے کے جاری رکھے بغیر یہ کشمکش برقرار نہ رہ سکتی تھی۔ ۱۸۶۳ء میں اس ذریعۂ مراسلہ ومرابطہ کے اتفاقی انکشاف ہی سے حکومت ہند نے جنگ امبیلہ کی سخت ٹھوکر سے ہوش سنبھالا اور ہندوستان کے اندر سازش کے ان مرکزوں کا پتہ لگانے اور ان کا خاتمہ کردینے پر اپنے تمام وسائل وقف کردئے۔ اس کے بعد اگرچہ سرحد پر وہابی مرکز تو قائم رہا مگر اس کی طاقت اور اثر باقی نہ رہا۔ جیسے ہی گنگا کی شاداب وادیوں سے طاقت بخش ذخیرہ کا یہ منتقل بہاؤ بند ہوا وہابی ریاست کا نوخیز پودا سرحد کی بنجر گرم چٹانوں میں جھلس کر رہ گیا۔

Marfat.com

(ب) وہابیوں کا ہندوستانی فوج میں تداخل

وہابیوں کی تنظیمی کارروائیوں میں دوسرا زبردست ہتھکنڈے برطانوی فوج کی ہندوستانی پلٹنوں میں گھل مل جانے کی کوشش تھا۔ خود سید احمدؒ نے اپنی جدوجہد کے آغاز ہی میں آنے والی کشمکش و آویزش کے لئے ایک تواعددان تربیت یافتہ فوج کی ضرورت محسوس کی تھی۔ مگر ان کا مقصد محض ایک بھاڑے کی فوج رکھنا نہ تھا بلکہ ایسے جانباز رضاکاروں کی جماعت اکٹھا کرنا تھا جن کی تربیت دینی اور اخلاقی معیاروں کی بنیاد پر ہوئی ہو۔ اسی مقصد کے پیش نظر وہ خود امیر خاں والی ٹونک کی فوج میں داخل ہوئے تھے جہاں ان کو پیش امام کا کلیدی عہدہ ملا تھا۔ اسی نے ان کو اپنے حوصلہ کے مطابق سپاہیوں کو اخلاقی تربیت دینے کا موقع دیا۔ مخزن کا مولف سید احمدؒ کے وہاں تقرر کے زمانے میں اُن کی کئی کرامات بیان کرتا ہے۔ ان کے ذریعے سے انھیں عام سپاہیوں کے دماغوں پر کچھ اثر ڈالنے کا کافی موقع ملا ہوگا۔

اس قائد تحریک نے جو خاکہ تیار کیا تھا بعد میں اس کے رفیق کچھ ترمیموں کے ساتھ اس پر کاربند رہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی جنگی چالیں: ایسٹ انڈیا کمپنی کی ہندوستانی پلٹنیں جو سپاہ' کہلاتی تھیں ان کی ترکیب اور نشوونما بجائے خود ایک قابل غور اور اہم موضوع ہے یہ سپاہ ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کی ترقی اور نشوونما میں عظیم الشان حصہ رکھتی تھی۔ انیسویں صدی میں تاریخ ہند میں اس بات کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ ہندوستانی پلٹنوں کو جو ملک کے ایک حصہ سے بھرتی کی جاتی تھیں کس طرح ملک کے دوسرے حصوں کو فتح کرنے میں استعمال کیا جاتا تھا۔ بنگال کی فوج کا حصہ پہلے جنگ کابل میں (جو عجیب طور پر ان میں بے چینی کے بیج بونے کا باعث ہوئی) اور بعد میں انگریزوں اور سکھوں کے درمیان جنگوں میں، پھر ۱۸۵۷ء کی تحریک کی سرکوبی میں سکھ رجمنٹوں

کی اہم خدمات اور کارکردگی، جس میں بیگال کی فوج علمبردار تھی، چند مثالیں ہیں۔ اور یہ صورت حال کی عجوبگی کی انتہا تھی۔ لارڈ لارنس کا ۱۸۵۷ء میں دہلی کی بازیابی میں ایک زبردست ہاتھ تھا۔ اس کے سیرت نگار نے اس کی اس پالیسی کی تحسین کی ہے کہ پنجاب کی مختلف نسلوں میں مخاصمت سے جس کا اُسے علم تھا فائدہ اٹھا کر انگریزوں اور سکھوں کے درمیان دوسری جنگ میں اس نے تیس ہزار پٹھان بھرتی کر لیئے اور اس طرح مروجہ طریق کار کو اُلٹ دیا جو غدر میں ہمارے اتنا کام آیا۔

دو پلے کی حکمت عملی: یہ فرانسیسی اور زیادہ تر دوپلے کی کارستانی تھی جس نے پہلے پہل اس نفع بخش تخیل کو عملی شکل دی کہ اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں جزیرہ نمائے ہند کی تاریخ میں مختلف مقامی جنگوں میں حصہ لیکر فرانسیسی مفاد کو طاقت پہنچانے کے لئے ہندوستانی پلٹنوں کو بھرتی کر کے فرانسیسی افواج کا ایک حصہ بنا دیا جائے، لیکن یہ دوپلے کے زیادہ خوش نصیب رقیب کلائیو کا کارنامہ تھا جس نے اپنے سیاسی حریف کے شاندار تخیل سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ حقیقت میں اسے اپنے کام کا سب سے زیادہ کارآمد آلہ بنایا اور ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کی بنیاد ڈال دی۔ ۱۷۵۸ء میں بہار میں اپنے پہلے ورود میں فوجی مصالح کے پیش نظر خالصۃً ضلع شاہ آباد کے باشندوں پر مشتمل جو اپنی تنومندی اور بہادری کے لئے مشہور ہیں ایک مختصر پلٹن تیار کی۔ ان پلٹنوں کو جو وہاں سے بھرتی کی گیئں یورپی طرز پر فوجی قواعد کرائے جاتے اور تربیت دی جاتی۔ یہ یورپی افسروں کے ایک چیدہ گروہ کے زیر کمان تھیں جو اپنا فرض اس مہارت سے بجالایا جو اس تخیل کے بانی کے خیال سے افزوں تر تھا۔ سلطنت مغلیہ کا انتشار، اس کے مقامی خاندانوں میں اس کی تقسیم و پراگندگی، طویل خانہ جنگیاں، کسی عظیم قومی مطمح نظر کی غیر موجودگی، نیز اس باہمی اعتماد وارتباط کا وہ خاص جذبہ جو دوش بدوش لڑنے سے پیدا ہو جاتا ہے اور جو مختلف نسلوں اور مذہبوں کو ذات پات اور دین دھرم سے آزاد کر کے وفاداری اور دوستی کے بندھن میں مربوط کر دیتا ہے، سب ملکر ان ہندوستانی پلٹنوں اور ان کے یورپی

Marfat.com

افسروں کو ایک نہایت کارآمد اور موثر فوجی تنظیم میں منتقل کر دینے میں بہت معاون ہوئے۔ یہ تو نتیجہ تھا امتداد زمانہ اور غالباً اس حقیقت کو بہتر طور پر سمجھ لینے کا کہ انھوں نے ہی کسی حد تک انگریزوں کو ہندوستان میں اپنی سلطنت قائم کرنے میں مدد دی تھی" اور بہت سی مقامی شکایات کا جن کو مغربی احساسات نے ہوا دی کہ ہندوستانی پلٹنوں میں بے چینی نے سر اُٹھایا۔ جس کے نتیجے میں پہلے تو معمولی شورشوں اور سازشوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور آخر میں ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ عظیم پر ختم ہوا۔ اس نے مشرق میں سلطنت برطانیہ کے عظیم الشان ڈھانچے کو جو خود "سپاہ" کے خون اور پسینے سے تعمیر ہوا تھا قریب قریب تباہ کر دیا۔

وہابی قائدین کا عسکری تدبر:۔ یہ وہابی قائدین کا کارنامہ تھا کہ انھوں نے انگریزوں کے ساتھ آویزشوں میں سب سے پہلے محسوس کیا کہ ہندوستانی فوج کو اس جنگ میں کلیدی مقام حاصل ہے، انگریزوں کی طاقت کا سب سے بڑا آلہ کار یہی ہے اور اگر کسی طرح اسے معطل کر دیا جائے تو آدھی جنگ جیت لی جا سکتی ہے۔ اسی احساس سے وہابی ایجنٹوں نے بار بار ہندوستانی سپاہ کے ذہن نشین کیا کہ وہ کتنی طاقت کی مالک ہے اور انگریز کہاں تک اس کے محتاج ہیں۔ وہابیوں کے ہندوستانی فوج میں گھل مل جانے کے متعلق مندرجہ ذیل بیان اور معلوم عام تحریری واقعات سے واضح ہو جائیگا کہ ان کی کاروائی پورے ہندوستان کو محیط تھی۔ ان کو خبر نہ تھی کہ دوسری بار کون سی ٹولی ان سے لڑنے کو بھیجی جانے والی ہے؟ اس لئے ان کے ایجنٹ دریائے ستلج سے کلکتہ تک تمام اہم چھاؤنیوں میں تعینات تھے۔ اور جتنی ٹولیوں کی وفاداری کو توڑنا ممکن تھا ان کے توڑنے اور ان کے اثر کو معطل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ جہاں محض وعظ و تبلیغ اور حب وطن کی اپیل کارگر نہ ہوتی وہاں مالی ترغیب و تحریص کی زیادہ یقینی اگرچہ ادنیٰ تر ترکیب سے بھی کام لیا جاتا۔ ۱۸۴۵ء کی پٹنہ سازش میں ہندوستانی سپاہیوں میں کثرت سے روپے تقسیم کئے گئے تھے وہابیوں نے فوج میں گھس جانے کی چال بہت قبل سے اختیار

Marfat.com

کرلی تھی اور ان کے اصول میں داخل تھی۔ اور فوجی ٹولیوں میں ان کی گڑبڑ کی کاروائیوں کے بہت سے تحریری واقعات موجود ہیں، ان سے ان کے طریق کار کا یکساں نمونہ صاف ظاہر ہے۔

دکن میں وہابیوں کی کارگذاری: عجیب بات ہے کہ ہندوستانی فوج کی وفاداری کو متاثر کرنے کے لئے وہابیوں کے ہندوستانی فوج میں تداخل کا پہلا تحریری واقعہ جنوبی ہند سے متعلق ہے۔ ۱۸۳۹ء میں حیدرآباد سازش کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس سازش میں حکومت کی تفتیش کے دوران میں یہ انکشاف ہوا تھا کہ مدراس میں اور آگے دکھن تک مختلف ملکی اور فوجی چھاؤنیوں میں وہابی کارندوں[1] کا ایک وسیع جال مصروف کار تھا۔ ویلور کے کمان افسر نے حکومت میں ان کی کارروائیوں کی رپورٹ بھی بھیجی ہے۔ اس نے اطلاع دی ہے کہ عدالت ضلع کے مفتی ولی محمد اور عدالت کلکٹر کے صدر محبوب اللہ (؟) ایک فارسی اخبار ستارہ (؟) اخبار جو کلکتہ کا ایک شخص رجب علی طبع کرتا ہے، وصول کیا کرتے تھے۔ آخر الذکر شخص محمد علی[2] رامپوری کا خلیفہ ہے جو اب سے پیشتر علاقہ کارناٹک میں اپنی باغیانہ جدوجہد کے سبب سے مدراس سے نکال دیا گیا تھا۔ اس اخبار نے دوست محمد اور انگریزوں کے درمیان ہونے والی جنگ کو نمایاں کیا ہے اور پیش گوئی کی ہے کہ دوست محمد جلد ہی انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کر دے گا۔ مولوی مودین (؟ معین) مسجد نزد قلعہ کا بڑا مولوی اور مولوی محمد علی رامپوری موصوف الصدر کے دوسرے معتقدین مغرب کی نماز کے بعد مجمع میں وعظ کہتے اور جہاد کی تبلیغ کرتے ہیں۔ شہر کی دوسری مساجد مسجد قلعہ، ہستی اسٹریٹ مسجد اور پیران صاحب کی مسجد میں اسی قسم کی تقریریں ہوتی ہیں۔ آخر الذکر مسجد کا پیش امام فوج سے خارج کیا ہوا سپاہی ہے۔

---

[1] اس زمانہ کا دستور تھا کہ رجمنٹ میں ایک مولوی اور پنڈت ضرور ہوتا۔ بعض دفعہ وہابیوں نے رجمنٹ کے مولویوں اور پنڈتوں کے ذریعہ سے بھی کام لیا ہے۔ [2] ان کو سید احمد نے دکن میں کام کرنے کو بھیجا تھا۔

Marfat.com

بعد کی ایک چٹھی مورخہ ۱۵ر جون ۱۸۳۹ء میں ویلور کے کمان افسر نے حکومت مدراس کو ایک کو وگوونڈیا کے بارے میں خبر دی ہے جو پلاودرم کے سپاہیوں کو لیکچر دیا کرتا اور شطرنج کھیلنے کے بہانے سے اکثر افسروں کی کوٹھیوں پر حاضر رہتا۔ اس نے ایک شخص موسوم بہ بڑا[۵۱] صاحب کی طرف سے ایک رسالے کی اشاعت کی خبر بھی دی جس میں باغیانہ مضامین درج ہیں۔

افسر نے ایک اور چٹھی مورخہ ۱۰ر جون ۱۸۳۹ء میں حکومت مدراس کو موصوف الصدر محمد علی کے حلیفوں اور ایجنٹوں کی فہرست بھیجی جو دکن میں مختلف ملکی اور فوجی چھاؤنیوں میں کام کرتے تھے۔

وہابیوں کی بہار میں سرگرمیاں ۱۸۴۵ء میں پٹنہ میں ایک وسیع تر اور بہتر منظم سازش کو جنم دیا جا رہا تھا جس میں وہابیوں کا کردار بہت نمایاں تھا۔ اس واقعے کی طرف مورخین نے اب تک پوری توجہ مبذول نہیں کی ہے اور جے ڈبلیو کیی J.W.KAYE کا مختصر خلاصہ اب تک تنہا شائع شدہ بیان باقی رہ گیا ہے۔ فی الحال جب کہ بہار میں ۱۸۵۷-۵۹ء کی تحریک کی تحقیقات سے متعلق اس موضوع پر نسبتاً مکمل تحقیق ہونے لگی تو اس سے متعلق اصلی کاغذات برآمد کر کے مطالعہ کئے گئے۔ پھر بھی ان دونوں نوشتوں میں یہ بات مان لی گئی کہ سازش کے منظموں کے پورے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ کیی KAYE نے بھی اقرار کیا کہ "یہ سازش واقعی کسی حد تک وسعت پذیر ہوئی اور کس مرکزی نقطے سے پھوٹی نہ اب معلوم ہے نہ کبھی معلوم ہو گی۔" دوسرے نوشتہ نے بھی یہی بیچارگی ظاہر کی ہے۔ "وہ (سیف علی) آخر آخر تک ایک پراسرار شخصیت رہا[۵۲]"۔ علاوہ بریں دوسری تحریر دراصل

---

۵۱ یہاں یہ دلچسپ بات ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ ولایت علی کو عموماً ان کے قریبی رفقا کے حلقے میں اور ان کے مراسلات میں بڑے حضرت کے لقب سے خطاب کیا جاتا تھا۔ اس طرح ان کا عنایت علی سے امتیاز کیا جاتا تھا جو منجھلے حضرت کہلاتے تھے۔

۵۲ کے کے دتا صد ۵۹-۶۴

Marfat.com

کنور سنگھ کے سوانح سے متعلق تھی جو بہار میں ۱۸۵۷ء کی تحریک کا قائد تھا۔ اور اس سازش کا اسی، نقطہ نظر سے مطالعہ کیا گیا، کیونکہ اس میں کنور سنگھ کے ملوث ہونے کا کچھ ذکر ہے[1]۔ چونکہ اصل منظموں کی شناخت کی صحیح جانچ نہ کی گئی اسی لئے وہابیوں کا اس کے خاص منظموں میں شامل ہونے کا مسئلہ نظر انداز ہو گیا۔

بہار میں اس سازش کی بنیاد کو حکومت کی بعض سماجی اور اقتصادی پالیسیوں کی وجہ سے پھیلی ہوئی عام بے چینی میں تلاش کرنا ہوگا۔ عوام کی شکایات کی فہرست میں اراضی کی بازیافت کی کارروائیوں اور مشنریوں کی جدوجہد کو بھی داخل کیا جا سکتا ہے۔ حکومت کے خلاف شورش کرنے والوں نے قوم کے خوف اور اندیشوں سے بھی ہوشیاری سے کام لیا۔

خواجہ حسن علی کی انگریزوں کے خلاف کارروائیاں: سازش کے موٹے موٹے وقائع مختصراً ذیل میں درج کئے جاتے ہیں تاکہ ہم تمام داستان کا صحیح اندازہ لگا سکیں۔ ۱۸۴۵ء کے اواخر میں حکومت کو رپورٹ کی گئی کہ دانا پور (پٹنہ) میں متعینہ دیسی افسروں اور سپاہیوں کی وفاداری کو متاثر کرنے اور بگاڑنے کے لئے ایک عمومی وسیع سازش موجود ہے۔ واقعات کی زنجیر جو[2] اس سازش تک پہنچتی ہے وہ فرسٹ رجمنٹ N.I. کے رجمنٹل منشی پیر بخش اور ایک دولتمند مقامی زمیندار راحت علی کی ملاقات سے شروع ہوتی ہے۔ یہ زمیندار کچھ دنوں سے حکومت کے خلاف جدوجہد کے لئے مشہور تھا۔ یہ ملاقات ستمبر ۱۸۴۵ء میں واقع ہوئی۔ اور پیر بخش کے بیان کے مطابق ملاقات کا مقصد راحت علی سے کچھ قرض لینا تھا۔ دونوں کے مشترک دوست نے راحت علی سے اس کی سفارش کی تھی۔ سازش کے اصل منظمین میں سے ایک سیف علی بھی وہاں موجود

---

[1] بہرحال بعد کی ایک چٹھی میں پٹنہ کے مجسٹریٹ کی طرف سے حکومت بنگال کے سکریٹری کے نام نمبر ۶۸ مورخہ ۳۰ جنوری ۱۸۴۶ء میں اختلافی بحث کی گئی ہے۔ [2] واقعات کا یہ بیان پیر بخش کے اظہار پر مبنی ہے جو دفعہ ۵ ۱۸۴۰ء کے تحت ۲ مارچ ۱۸۴۶ء کو سازش میں ملوث تھا۔

Marfat.com

تھا۔ جس کا پیر بخش سے تعارف کرایا گیا۔ اس تعارف کی بنا پر سیف علی آیندہ دسمبر میں کچھ کتابیں فروخت کرنے کے بہانے سے پیر بخش سے ملا مگر اس نے سیف علی سے کوئی واسطہ رکھنے سے انکار کیا۔ (اس بیان میں اس حقیقت کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا کہ پیر بخش سرکاری گواہ بن گیا تھا اور اپنا بچاو کرنا چاہتا تھا)۔ بعد میں سیف علی نے پیر بخش کا سازش کے ایک دوسرے اہم منتظم خواجہ حسن علی[1] سے تعارف کرایا۔ پٹنہ میں خواجہ کے مکان کی بالائی منزل پر ان تینوں کی ملاقات ہوئی۔ ان کے درمیان گفتگو بڑی حقیقت کشا اور معنی خیز باتوں سے پُر ہے۔ خواجہ نے منشی سے اپنے تقرر کی شرائط، تنخواہ وغیرہ کے متعلق سوالات کئے۔ اس کے بعد بولا "منشی جی ہندوستان دار الحرب (وہابی نظریے سے) ہو گیا ہے، قید خانوں میں کیا کیا مظالم ڈھائے جا رہے ہیں ...... بمبئی کے مجسٹریٹ نے مسلمانوں کے مکہ[2] جانے کا راستہ بند کر دیا ہے"۔ اس پر منشی نے خواجہ کے ارادے دریافت کئے خواجہ نے جواب دیا کہ میں ان لوگوں سے تعارف چاہتا ہوں جو فوج میں بلند مرتبہ ہیں جیسے صوبیدار اور جمعدار۔ منشی نے خواجہ کو ایسے باغیانہ منصوبوں سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اس موقع پر خواجہ نے ایک آدمی سے ایک سو روپے ایک رومال میں باندھ کر لانے کو کہا اور منشی کو دے دیا۔ اُس نے اسے سیف علی کے پاس جمع کر دیا۔ اُس نے منشی سے کہا کہ رجمنٹ کے سرداروں کو راضی کر کے وہ ہم سے معاملہ رکھیں، اور ابھی کسی سپاہی کو خبر نہ کریں۔ اُس نے اسے بھی ایک سو روپے ایک کپڑے میں بندھے ہوئے دئے۔

خواجہ حسن علی کی ہندوستانی فوجیوں کو پیشکش: منشی نے پوچھا کیا دوسری رجمنٹوں سے معاملہ کرنے کی ایسی ہی کوششیں کی گئی ہیں؟ خواجہ نے کانپور، بنارس،

---

[1] وہ کئی سال تک ریاست گوالیار میں ملازم رہا، اور کچھ عرصہ تک کلکتہ میں ریاست کا وکیل (ایجنٹ) رہا۔ پیر بخش کا بیان ہے کہ "وہ ایک بوڑھا آدمی ہے، بال سفید ہیں، ڈاڑھی رکھتا ہے قد اوسط ہے، نہ موٹا ہے نہ لاغر، رنگ گندمی ہے۔" [2] اس زمانے کے قریب ایک حاجیوں کا جہاز قسطنطنیہ میں روک لیا گیا تھا اس سے یہ افواہ پھیلی کہ حکومت ادائے حج میں مزاحم ہے۔

Marfat.com

آرہ باد، سگولی (ضلع چمپارن) اور ڈورنڈا (ضلع ہزاری باغ) کو بتایا کہ یہ وہ مقامات ہیں جہاں پر لوگ کام کر رہے ہیں۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ اگر رجمنٹ کے سردار یہ "ضیافت" قبول کریں تو میں ان کو ایک ماہ کی تنخواہ دونگا۔ اور یہ کہ مجھ کو ایک کروڑ روپے تک خرچ کرنے کا اختیار ہے۔ میں سرداروں سے یہ نہیں چاہتا کہ ابھی ہماری طرف ہو جائیں اور جنگ کرنے لگیں بلکہ یہ کہ جب بغاوت ہو جائے تو وہ ہماری طرف ہوں۔ اُس سے پوچھا گیا آیا آپ کانپور تک کے انتظامات کے ذمہ دار ہیں یا اس سے آگے تک کے؟ اُس نے جواب دیا کہ کانپور سے آگے کا انتظام کار کوئی اور ہے۔ منشی نے کہا کہ رجمنٹ کا پنڈت درگا پرشاد آپ لوگوں کا مقصد بہتر طور پر انجام دے سکتا اور سرداروں سے آپ لوگوں کے تعلقات قائم کر دے سکتا ہے، تب سیف علی نے پیر بخش سے کہا کہ پنڈت سے اس کا تعارف کرا دے۔ اس طرح پہلی ملاقات ختم ہوئی۔ منشی نے اس معاملہ کا ذکر درگا پرشاد اور بھیکھن جمعدار سے کیا۔ اول الذکر نے سرداروں سے باتیں کرنے کا وعدہ کیا۔ پیر بخش پھر راحت علی سے کچھ دستگرداں لینے کے بہانے سے ملا (ورنہ اس سے اپنی بار بار ملاقات کی توجیہ کیا کر سکتا تھا) وہ سیف علی سے بھی ملا اور اُس سے کہدیا کہ میں نے تم لوگوں کا پیغام سرداروں تک پہنچا دیا ہے۔ اس لیے سیف علی دانا پور تک اُس کے ساتھ گیا اور حوالدار میجر کو بلانے کو کہا۔ اس کے آنے پر اُسے اُس نے پچھتر روپے دیئے جو اُس نے قبول نہیں کیے۔ پنڈت بھی آگیا اور کہا کہ "میں نے بڑی جدوجہد کی۔ کچھ آدمی راضی ہو گئے ہیں، کچھ لوگ نہیں" سیف علی نے پنڈت کو دس روپے دیئے اور مزید انعام، چالیس برہمنوں کا بھوج اور ہر ایک کو دس دس روپے کا نقد نذرانہ دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد سیف علی پٹنہ واپس آگیا۔

منشی پیر بخش کی گرفتاری دو ہفتے کے بعد پنڈت پیر بخش کے پاس آیا اور اُسے مطلع کیا کہ "سرداروں نے روپیہ لینا منظور کر لیا ہے۔ چوتھی کمپنی کے موتی مسر جمعدار اور رام سواروپ صوبہ دار گیا جا رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے حصے پٹنہ میں گول گھر کے قریب ادا کر دئے جائیں" پنڈت نے پیر بخش سے کہا کہ پٹنہ جا کر سیف علی سے ملے اور روپے کا بندوبست کرے۔ سیف علی منشی کو خواجہ کے گھر لے گیا اور وہاں

Marfat.com

سے اُسے اپنے گھر لے آیا۔ اس کے بعد دو سو روپے اُٹھا لایا اور (حولدار کی تنخواہ کی پوری رقم) بیاسی ۸۲ روپے دو علیحدہ علیحدہ رومالوں میں رکھے اور دونوں دو علیحدہ علیحدہ یکوں میں گول گھر کی طرف چلے۔ وہاں پہنچ کر ان کو معلوم ہوا کہ دونوں سردار مجسٹریٹ سے ملنے گئے ہیں۔ سیف علی اور منشی وہاں پہنچے اور احاطہ کے پھاٹک پر انتظار کرنے لگے۔ وہ باہر نکلے تو پیر بخش نے ان کے روپے اُن کو دے دیئے۔ (ان دونوں نے میجر رڈ کرڈفٹ سے منصوبے کا افشا کر دیا تھا۔ اور اس کی ہدایت پر روپے لے رہے تھے۔ پیر بخش جس وقت یہ بیان دے رہا تھا اُس کو یہ بات معلوم نہ تھی) تب پیر بخش اور سیف علی دانا پور لوٹ آئے۔ وہ جھگن جمعدار بھی پہنچا اور اپنا حصہ طلب کیا چنانچہ اُس کو تینتیس ۳۳ روپیہ دیئے گئے۔ اسی کے بعد پنڈت نے سیف علی سے کہا کہ ایک صوبہ دار کیول تیواری اپنے پانچ سرداروں کے لئے روپے طلب کر رہا ہے۔ رقم سیف علی کے پاس اُس وقت موجود نہ تھی اسے لانے کے لئے پٹنہ واپس گیا۔ اس اثنا میں پیر بخش کو جس کی کیول تیواری سے کچھ ان بن تھی اسی کی طرف سے کچھ دھوکے کا شبہہ ہو گیا، اور آدھی رات کو سیف علی کو کہلا بھیجا کہ کیول تیواری غالباً ہم سب سے غداری کرنے والا ہے۔ سیف علی نے پیر بخش کو بلا بھیجا مگر وہ نہ آیا۔ کیول تیواری نے اپنے اور منشی کے لئے روپے کی ادائی پر اصرار کیا، مگر پنڈت نے کسی نہ کسی عذر کی آڑ لے لی۔ اس کے فوراً بعد دوسرے اتوار کو متوقع ضرب آپڑی اور منشی گرفتار ہو گیا۔

خواجہ حسن علی کی رہائی: بہار کے دوسرے مقامات میں متعین رجمنٹوں کے انوا کے متعلق کچھ مزید معلومات ان کاغذات سے فراہم ہوتی ہیں۔ مثلاً پیر بخش نے اپنے ایک سابق بیان میں کہا تھا کہ چھیاسٹھویں N.I. بھی روپیہ لینے پر راضی ہو گئی تھی۔ ساتویں اور بگھ لر کیولری (رسالہ) متعینہ سگولی (ضلع چمپارن) کو بھی کوٹ گنتت، پٹنہ سٹی کے (داروغہ) باقر علی کی معرفت ٹٹولا گیا ہے کمپنی

Marfat.com

کے سولہ، ساٹھ، اور ایک سو ایک روپے جو دیسی افسران ریگولر کیویلری کے پرایویٹ کی تنخواہوں کی مساوی رقوم تھیں راحت علی کے مکان میں ایک کپڑے میں بندھی ہوئی پائی گئیں،

سازش کی شکست وریخت کے بعد کے ملبے اور اس کے بعض نمایاں ناظموں کی تاریخِ مابعد بھی دلچسپ ہیں۔ پیر بخش منشی سرکاری گواہ ہو گیا اور اسے معافی مل گئی۔ درگا پرشاد، پنڈت اور بھیکھن جمعدار کا کورٹ مارشل ہوا۔ یہ سب مجرم قرار دئیے گئے۔ ہر ایک کو تین سال کی قید سخت اور ملازمت سے برطرفی کی سزائیں دی گئیں۔ کمانڈر انچیف کی مداخلت پر جس نے ان سزاؤں کو خفیف تصور کیا یہ سزائیں اور بڑھا دی گئیں۔ پنڈت کو موت کی، اور جمعدار کو حبس دوام کی سزا دی گئیں۔ کرشمۂ تقدیر سے کمانڈر انچیف نے پھر مداخلت کی اور پہلی سزاؤں کو قائم رکھا۔ چونکہ پیر بخش نے اپنے پہلے بیان میں ترمیم کر دی جس سے راحت علی سازش کی شرکت سے صاف بری ہو گیا اس لئے راحت علی بری کر دیا گیا۔ خواجہ حسن علی قریب ایک سال تک روپوش رہا اور حکومت کی انتہائی کوشش پر بھی اس کا پتہ نہ مل سکا۔ آخر اکتوبر ۱۸۴۶ء میں وہ حاضر عدالت ہو گیا اور اس پر مقدمہ چلا۔ لیکن اہم گواہ استغاثہ پیر بخش نے اس کو شناخت کرنے میں وہی شخص تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جس سے وہ حسب بیان سابق ملا تھا، حکومت اس کو بری کرنے پر مجبور ہو گئی۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو یقین تھا کہ پیر بخش کو روپے سے خرید لیا گیا۔ مگر گورنمنٹ کچھ نہ کر سکتی تھی اور وہ پاک صاف نکل گئے۔

وہابی تحریک میں پٹنہ کی اہمیت: سیف علی تماشا گاہ سے غائب ہو گیا۔ اور جب سے اس کے بارے میں کچھ سنا نہ گیا۔ اب ہم سازش کو صحیح عینک سے جانچتے ہیں اور اس کے خاص خاص ناظموں کے سابق حالات زندگی پر نظر ڈالتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ سازش کوئی علیحدہ واقعہ نہیں۔ اس کی شاخیں بہار سے باہر تک پہنچتی تھیں یہ مبنی تھی قسم قسم کے دور رس شبہات اور بے چینیوں پر جو صوبے میں

Marfat.com

پھیلی ہوئی تھیں اور جن کو بہار میں اور باہر حکومت کے کچھ مخالف بے چینی پھیلانے والے بڑی ہوشیاری سے کام میں لائے۔

پٹنہ وہابیوں کا ایک مشہور مرکز تھا جس کی خلافِ حکومت کاروائیاں مدت سے جاری تھیں۔ ٹیلر نے ۱۸۵۷ء کے فساد پر لکھتے ہوئے مقامی وہابیوں کو ان کی منضبط با قاعدہ تنظیم اور تربیت یافتہ اور بے غرضانہ رخ اور تیور سے اُن بادلوں میں شمار کیا ہے جہاں سے اُسے طوفان بلا کی توقع ہے کیا ممکن ہے کہ ایسا پلا مخالفِ حکومت طبقہ ایسی سازش سے جو ٹھیک ان کے صدر مقام میں جنم پا رہی ہو کنارہ کش رہتا؟

کمشنر پٹنہ کی رپورٹ: اس خیال کو سلبی و قیاسی و ازنکر کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے اب ہم زیادہ قطعی اور ایجابی دلائل کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ واقعات کے غائر مطالعہ سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ سازش دو حصوں میں منقسم تھی: (۱) مقامی بے چینی (۲) اس کا رُخ حکومت کے خلاف شورش کی طرف پھیر دینا اور اسے فوج کے ہندوستانی سپاہیوں تک پہنچا دینا۔ اس موضوع پر اکثر مصنفین نے اس اہم پہلو کی غلط تاویل و تعبیر کی ہے۔ بہرحال معاصر حکام کی نظر کے سامنے دونوں پہلو نمایاں اور صاف تھے۔ پٹنہ کے کمشنر[۱] نے لکھا کہ "مخبر جو کہا جاتا ہے کہ کلکتہ سے ستلج تک فوج کے ایک ایک ڈویژن میں بھیجے جاتے تھے قدرتاً ان کو بے چینی کے تمام اسباب کا پتہ لگانا تھا تاکہ ان کا خمیر اٹھایا جا سکتا اور ایسے لوگوں سے شناسائی پیدا کی جاتی جو اپنی سازشی افتادِ طبیعت سے ہماری طاقت کے اُلٹنے اور پامال کرنے میں معین ہوتے۔ مسلمانوں کو یہ سبز باغ دکھایا جاتا کہ تخت دہلی پر دوبارہ خانوادۂ تیموری کا جلوس ہوگا اور ہندؤں کے سامنے علیسائی بنائے جانے کا ہوا کھڑا کیا جاتا۔ راحت علی مخالفِ حکومت رجحان کا

---

[۱] کمشنر پٹنہ کی چٹھی سکریٹری حکومت بنگال کے نام۔ نمبر ۲۰۰۱ مورخہ ۸ رجنوری ۱۸۴۶ء۔

Marfat.com

بالکل ایسا ہی مقامی آدمی تھا۔ اس نے بہت پہلے ۱۸۲۹ء میں ایک شخص عبداللہ نامی کے ساتھ افسر بازیابی ایلیبٹ کی عدالت میں بازیابی کی کارروائیوں کی سختی کے خلاف ایک تنظیم کا آلہ کار تھا۔ اس لئے شمالی مغرب کے لئے دوسرے فریق کے مخبروں نے اسے مقامی فسر کا یا ارکان کی حیثیت سے منتخب کیا تھا۔ سیف علی دوسری پارٹی یعنی سازش میں باہر کی پارٹی کی نمائندگی کرتا تھا جو مقامی سرداروں اور باہر (شمالی مغرب) کے ناظموں کو باہم مربوط کرنے والی کڑی تھی۔ یہ حقیقت کہ آخرالذکر ٹولی ہی سازش کی اصل منتظم تھی تفتیش کنندہ پولیس افسر کی اس تصدیق سے ثابت ہو جاتی ہے کہ سازش کا منصوبہ ان کے مخبر سیف علی کے ساتھ اوپر سے آیا تھا۔ اس سازش کا وہ روح رواں تھا۔ اسی نے فوجی سپاہیوں سے رابطہ پیدا کرنے کی پہلے پہل تجویز پیش کی، بار بار رجمنٹل احاطو میں گیا اور نقد روپیہ کا معاملہ کیا، میجسٹریٹ نے بھی اس کارنامے میں اس کے نمایاں حصہ کا اعتراف کیا ہے۔ اس نے لکھا کہ یہ پہلا شخص ہے جس نے منشی (پیر بخش) کے کان میں یہ آواز ڈالی اور جس نے اس کا تعارف خواجہ سے کرایا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے یہ رائے زنی بھی کی کہ اگر سیف علی گرفتار ہو جاتا تو اس معاملہ پر زیادہ روشنی پڑتی۔

سیف علی: اب سوال یہ ہے کہ سیف علی تھا کون؟ سپرنٹنڈنٹ پولیس جس نے سیف علی کا مبہم سا پتہ دیا تھا کہ وہ شمالی مغرب کی طرف سے کارپرداز تھا بعد میں اپنی چٹھی مورخہ ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء میں زیادہ معین اور اہم خبر دی ہے جس سے اس موضوع پر تمام مصنفین کی نظر چوک گئی، وہ یہ ہے کہ سیف علی مشہور مسلمان سردار امیر خاں کے بیٹے کا ایجنٹ ہے جو اب ٹونک کا جاگیر دار ہے، سیف علی کی تشریح سے جو پیر بخش کے متذکرہ بالا بیان میں دی گئی ہے۔ مطابقت رکھتی ہے جس میں اسے ایک حکمراں شاہزادے کا ایجنٹ بتایا ہے۔ پیر بخش نے اس کو ایسا شخص بتایا ہے جو بہت اچھا تعلیم یافتہ اور حساب وکتاب

Marfat.com

سے واقف ہے ایک سوال کے جواب میں کہ آیا سیف علی ایک ذمہ دار اور باوقعت شخص ہے پیر بخش نے کہا کہ "وہ ایک خوش رو جوان، صورت شکل سے شریف، خوش لباس سیاہ ڈاڑھی سونچھوں والا کشیدہ قامت ہے۔" وزیرالدولہ اور اس کے زیادہ مشہور والد امیر خاں کا تعلق وہابی تحریک سے اور اس کے لئے ان کی بیش بہا خدمات اور سرپرستی محتاج تشریح نہیں۔ اگر ایک دفعہ یہ اصل حقیقت ذہن نشیں کرلی جائے تو ان کاغذات کے تمام مبہم اشارات واضح ہوجاتے ہیں۔ مثلاً شمال مغرب[1] سے مجبروں کا ذکر، راحت علی کے پیر بخش کے نام خط میں قرآن مجید کی آیات "اپنے گھروں سے ہجرت کر جاؤ، اللہ کی راہ میں جہاد کرو" اور ایک خط میں مشہور فارسی تصنیف انوار سہیلی سے بعض نصائح، یہ سب بے شک و شبہہ وہابی مصطلحات ظاہر کرتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے برعکس فوری طور پر شورش پر زور نہیں دیا گیا بلکہ ضرورت پڑنے پر اگر عملی اعانت ...... حاصل نہ ہو تو خاموش بیٹھنے پر۔ یہ امر بھی وہابی حکمت عملی سے مطابقت رکھتا ہے۔ یہ اس حقیقت کی طرف صاف اشارے ہیں کہ سازش بہار سے آگے اور لوگ کانپور سے آگے اس کا بندوبست کر رہے تھے"۔ اور یہ دوسرے لوگ صرف وہابی ہی ایسی ہندوستان گیر انگریز دشمن جدوجہد کے پھیلے ہوئے جال سے ہو سکتے تھے۔

راحت علی: اس سازش میں دوسری خاص شخصیت راحت علی کی تھی۔ وہ صدر امین سلامت علی کا بیٹا اور قصبہ نیورا[2] ضلع پٹنہ کا باشندہ تھا۔ ہم یقینی طور پر نہیں جانتے آیا وہ

---

[1] یہ خود بخود مان لیا گیا ہے کہ شمال مغرب کے ذکر سے پنجاب مراد ہے جہاں انگریزوں اور سکھوں کی جنگ چھڑی ہوئی تھی اور یہ اس زمانے کا اہم بالشان واقعہ تھا۔ بہرحال ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ ٹھیک وہی زمانہ تھا جب کہ بلادان علی ہزارہ میں انگریز سکھ فوج سے نبرد آزما تھے۔ کیا ان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ بلکہ اپنے وطن ہی میں شورش پیدا کردیں جہاں حکومت کے خلاف ایک منظم جماعت پر ان کا دسترس تھا۔

[2] وہ نیورا کا ایک وسیع زمیندار اور سرعلی امام مرحوم کا رشتہ دار تھا۔ اُس کا تعمیر کردہ اینٹ کا ایک مینارہ توپ لگنے کے سوراخوں کے ساتھ اب تک نیورا میں موجود ہے۔

Marfat.com

وہابی تھا لیکن اُس کے بعض قریبی قرابتمندوں کے مندرجہ ذیل حالات یہاں معاون ہونگے۔

۱۸۷۰ء میں داناپور کا ایک شخص محمد عمر ایک نمایاں وہابی سردار کی حیثیت سے گرفتار کیا گیا تھا جو حکومت کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھا۔ تفتیش کے دوران میں حکومت کو معلوم ہوا کہ وہ راحت علی کا بھانجا ہے۔ راحت علی کے پچھلے حالات اچھی طرح معلوم تھے اس لئے محمد عمر کے قرابتمندوں کے حالات کی پوری چھان بین کی گئی اور معلوم ہوا کہ راحت علی کے تین بہنیں تھیں۔ ان میں سے ایک کی شادی امداد علی صدر امین ترہت سے ہوئی۔ اس کے دو بیٹے تھے، نجم الدین اور وحید الدین۔ اول الذکر کچھ عرصہ تک پٹنہ افیم گودام کا سررشتہ دار رہا، بعد میں راجہ بتیا کا دیوان ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء میں ٹیلر نے اسے حکومت کے خلاف مشتبہ شورش انگیز کی حیثیت سے گرفتار کر لیا۔ اس کی دوسری بہن کے بیٹے فرزند علی وکیل عدالت دیوانی چھپرہ، منشی اسمعیل اور عبدالکریم عملہ عدالت ججی پٹنہ اور عبدالوہاب تھے۔ تیسری بہن کے بیٹے کا بیٹا وہابی قائد محمد عمر تھا۔ اس کے دو بھائی محمد یحییٰ منصف پٹنہ اور صادق عدالت ججی پٹنہ کے محافظ دفتر تھے۔ ان سب پر وہابیوں کے عملی ہمدرد ہونے کا شبہہ تھا۔ الغرض راحت علی کے اکثر قرابت دار حکومت کے مختلف عہدوں پر فائز تھے اور ان پر پہلے سے حکومت کے خلاف کارروائیوں کا شبہہ تھا۔ . . . . . . ۱۸۷۰ء میں واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ ان میں سے اکثر وہابی تھے۔

سازش ۱۸۴۵ء کے بانی: آخر میں ہم جی بی مالیسن کی اس موضوع پر تحریر پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔ وہ اس سازش کو صاف صاف وہابیوں کی کارستانی بتاتا ہے۔ بہار میں بے چینی کے متفرق مقامی اسباب کی تنقیح اور پٹنہ میں وہابیوں کی کارروائیوں کا جائزہ لیتا ہوا وہ اپنی تصنیف کے ایک اور مقام پر وہابی جدوجہد اور ۱۸۴۵ء کی سازش کے باہمی تعلق کو زیادہ صاف عیاں کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "سازشیوں کا ایک جتھا (پٹنہ میں ۱۸۴۵ء میں) ایک سازش کو جنم دے رہا تھا جب کہ سپاہیوں کو نقد رقمیں تقسیم کی جاتی تھیں، ایک کاغذ ہاتھ آیا تھا جس میں ایک سو خاص خاص خاندانوں کے نام درج تھے۔ ان میں ایک شہر (پٹنہ) تھا جو پیغمبر اعظم (سید احمد) کے دو نامور خلیفوں

Marfat.com

(برادران علی) کا صدر مقام تھا[1]"

ان تمام معنی خیز امور کے پیش نظر جن کا ان کے صحیح سیاق و سباق میں اب تک جائزہ نہیں لیا گیا یہ واضح ہے کہ ۱۸۴۵ء کی سازش کے اصل منظم وہابی ہی تھے۔

اہم خطوط کی ضبطی: وہابی پھر ۱۸۵۲ء میں ہندوستانی افواج کی وفاداری میں خلل اندازی کی کوشش میں نمایاں کردار تھے۔ اس بار یہ کوشش شمال میں راولپنڈی کے قریب کی گئی۔ راولپنڈی میں تعینات چوتھی دیسی پیدل فوج کے ایک رجمنٹل منشی محمد ولی کے گھر سے متعدد خطوط ضبط کیے گئے۔ منشی نے اپنے تئیں سید احمد کا مرید ہونے کا اقرار کیا۔ خطوط کا یہ پلندہ جو اس سے برآمد کیا گیا اور جو وہابیوں کے عام طرز تحریر میں لکھا ہوا تھا اس میں کئی ستھانہ کے اکرام اللہ کی طرف سے دیگر ٹولی[2] ..... پٹنہ سٹی کے حسین علی خاں کے نام سے تھے۔ ان خطوط میں ہندوستان سے سوات میں رضاکاروں کی آمد کی خبر ہے اور آئندہ سرحد کو آنے والوں کی رہنمائی کے لئے مفصل ہدایات ہیں۔

عباس علی کی گرفتاری: ان ضبط شدہ خطوط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی اور اسلحہ میرٹھ اور لدھیانہ کے راستوں سے سوات بھیجے جاتے تھے۔ اسلحہ میرٹھ میں قاضی محمد یا سرفراز علی کے پاس امانت رکھ دئے جاتے۔ اور لدھیانہ کا ایجنٹ عباس علی تھا جو مقامی مسجد عبدالقادر کی مسجد کے قریب رہتا تھا۔

ڈپٹی کمشنر راولپنڈی نے پٹنہ اور میرٹھ کے مجسٹریٹوں کو اور ڈپٹی کمشنر لودھیانہ کو لکھا کہ اُن اشخاص کے گھروں کی تلاشی لیں جن کے نام ان کے اپنے علاقوں کے تحت درج ہیں اور ان کے قبضے سے جو کاغذات برآمد ہوں وہ ضبط کر لئے جائیں۔ لودھیانہ کے عباس علی کو گرفتار کر لیا گیا اور کچھ مزید خطوط اس کے قبضے سے دستیاب ہوئے جن سے ایک شخص ابو عبدالرحیم ساکن پٹنہ کا ملوث ہونا ثابت ہوتا تھا۔ ڈپٹی کمشنر لودھیانہ فلپ گولڈنی نے بھی پٹنہ کے مجسٹریٹ کو لکھا کہ اس شخص کے

---

[1] وہابی ٹالیسین جلد ۱ صفحہ ۴۹۷-۵۰۰ [2] یہ صادق پور پٹنہ سے متصل ایک چھوٹا سا خطہ ہے

بارے میں تفتیش کرے جو "سوات کے قائدوں سے تعلق رکھتا تھا"۔

حسین علی کی خانہ تلاشی: چنانچہ پٹنہ کے مجسٹریٹ نے تحقیقات کی اور حسین علی کے گھر کی تلاشی لی۔ مجسٹریٹ نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ تحقیقات غلط تھی، کیونکہ حسین علی تو محض احمد اللہ کا ایک خانساماں تھا اور اس کے گھر کا پتہ صرف پردہ داری کے لئے لکھا گیا تھا۔ اصل مکتوب الیہ احمد اللہ ہی تھا۔ مجسٹریٹ کو اس کے گھر کی تلاشی لینے کا کوئی اختیار نہ تھا۔ اس کام کے لئے بہرحال اس کو فوجی اعانت کی ضرورت بھی۔

احمد اللہ کی دھمکی: احمد اللہ کو اپنی متوقعہ گرفتاری کی خبر پہلے ہی مل چکی تھی۔ ان کو یہ خبر لاہور کے ایک حکیم سے ملی تھی جو راولپنڈی سے آنے والے خط سے دو روز قبل پٹنہ پہنچا تھا۔[1] چنانچہ سارے کاغذات تلف کر دئے گئے۔ مجسٹریٹ نے آگے چلکر یہ رائے زنی بھی کی کہ شہر میں یہ گروہ بڑھتا جاتا ہے۔ ہر جمعہ کو جلسے (خطبے) ہوتے جن میں اس فرقہ کے عقائد کی وضاحت کی جاتی اور نئے لوگ اس میں داخل ہوتے" زیادہ مخدوش بات یہ تھی کہ احمد اللہ نے کوئی پانسو آدمی جمع کر لئے تھے اور علانیہ کہہ دیا تھا کہ اگر حکومت نے ان کی سرکوبی کے لئے کوئی سخت اقدام کیا تو میں بغاوت کا علم بلند کر دونگا۔ صورت حال ایسی مخدوش ہو چکی تھی کہ حکومت کو توجہ کی ضرورت لاحق ہو گئی تھی۔ ابو عبدالرحیم کے متعلق جس کا ذکر گولڈنے کی چٹھیوں میں ہے مجسٹریٹ نے لکھا کہ ایسا کوئی شخص موجود نہیں۔ مگر اس کو یہ شک ہو گیا کہ وہ ملوث شخص ولایت علی کے بڑے بیٹے عبداللہ ہیں اور شخص اول الذکر محض ایک نابینا شخص ہے۔

پنجاب کے بورڈ آف ایڈمنسٹریشن (مجلس انتظامیہ) یا حکومت بنگال کسی نے بھی اپنے اپنے ماتحت ملکی افسروں کے خدشہ سے اتفاق نہیں کیا۔ لفٹننٹ

---

[1] اس سے سرکاری دفاتر میں وہابی سازشیوں کی موجودگی اور ان کی تنظیم کے چوکس رہنے کا ثبوت ملتا ہے۔

Marfat.com

گورنر بنگال نے صرف متذکرہ بالا روداد مورخہ ۲۶ اگست ۱۸۵۲ء کے لکھنے پر اکتفا کی۔ حکومت ہند کے سکریٹری نے پنجاب کے بورڈ آف ایڈمنسٹریشن (مجلس انتظامیہ) کے نام ایک علیحدہ چٹھی میں مذکورہ روداد میں مندرج جذبات کا اعادہ کرتے ہوئے مزید لکھا کہ پٹنہ بے شبہ ہندوستان کے وہابیوں کا صدر مقام ہے وہاں سے خطوط ملے ہیں۔ رضا کاروں کی ٹولیاں وہیں سے سرحد کی نوآبادی کو روانہ ہوتی ہیں۔ گورنر جنرل باجلاس کونسل نے یہ ہدایت بھی کی کہ چوتھی .N.I (دیسی پیدل فوج) نے رجمنٹل منشی کو[۵] ایک مثال سمجھنا چاہیئے جو حکومت کے خلاف مراسلت کا واسطہ بنا رہا ہے۔

شمالی ہند میں وہابی تحریک: یہ حقیقت کہ وہابیوں کی متذکرہ بالا کارروائیاں دیسی بے ضرر نہ تھیں جیسی کہ گورنر جنرل باجلاس کونسل ہمیں یقین دلانا چاہتے تھے ان مہموں سے ظاہر ہے جو ان کے فوراً بعد ہی ۱۸۵۲ء میں قبیلہ حسن زئی اور وہابیوں کے خلاف بھیجی گئیں۔ ہنٹر راولپنڈی میں اس اقدام کی معنویت کا صحیح انداز لگاتا ہے۔ وہ رقم طراز ہے کہ "۱۸۵۲ء میں ہماری افواج کے ساتھ باغیانہ مراسلے پنجاب کے حکام نے پکڑے تھے۔ چوتھی دیسی پیدل فوج متعینہ راولپنڈی کو جوان شورشیوں کی نوآبادی سے بہت قریب ہے اور پہلی رجمنٹ ہے جو ہمارے صوبہ پر دھاوا کر کے ان کے خلاف کارروائی کرنے کو بھیجی جاتی، اُسے ورغلانے کو ایک عیارانہ کوشش کی گئی تھی۔"

پشاور میں وہابیوں کے خطوط کی ضبطی: ۱۸۵۷ء میں دوسری کوشش پشاور میں کی گئی۔ ایک بار اور پٹنہ کے کچھ وہابیوں کے باغیانہ خطوط پشاور میں متعین چوتھی دیسی پیدل فوج کے نائب شیخ کریم اللہ کے قبضے سے پکڑے گئے۔ وہ شیخ قدرۃ اللہ ساکن ارکی ضلع گیا کا بیٹا تھا۔ اس کے بہت سے رشتہ دار فوج کے متفرق شعبوں میں متفرق عہدوں پر مامور تھے۔ اس کے قبضے سے جو خطوط برآمد ہوئے وہ ایک شخص نعمو کے لکھے ہوتے تھے۔ یہ سب خطوط ۱۸۵۷ء کی شورش

---

[۵] معلوم نہیں اس منشی کو کیا سزا دی گئی

Marfat.com

کے موقع پر لکھے گئے تھے۔ کریم اللہ ان کو ستھانہ کے وہابیوں تک پہنچا دیا کرتا اور اپنے لوگوں میں ان کے پیغام پھیلا دیا کرتا۔ ان خطوط کے ترجمے اور خلاصے کاتبوں کا پتہ لگانے کے لئے پٹنہ بھیج دیئے جاتے۔

ہزارہ کے سیاسی حالات: ان واقعات پر اُس وقت ہزارہ کی سرحد پر سیاسی حالات کے پسِ منظر میں نظر کرنا چاہیئے۔ منظر اگرچہ بظاہر ساکن اور خاموش نظر آتا تھا مگر تھا تاریک اور خطرناک۔ یہ ضلع قبیلہ یوسف زئی کے علاقہ کی سرحد پر واقع تھا جہاں ہیجان کا خمیر اُٹھ رہا تھا۔ سوات کا بے دخل کیا ہوا سردار مبارک شاہ جو انگریزوں سے آزردہ تھا۔ پڑوسی علاقہ پنج تار میں مقیم تھا۔ اس کے قریب ہی منگل تھانہ وہابیوں کا صدر مقام تھا۔ ولایت علی ۱۸۵۲ء میں وفات پا چکے تھے اور ان کے چھوٹے اور زیادہ مشہور بھائی عنایت علی وہابیوں کے قائد تھے۔ یہ ۱۸۵۷ء کے واقعہ سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں پر جب کہ وہ دوسرے علاقوں کی پریشانیوں میں الجھے ہوئے تھے سخت حملوں کیلئے بے چین تھے۔ اس کی تیاری میں اُن دیسی فوجوں میں جو آس پاس ہی متعین تھیں گھس بیٹھ اور مداخلت کی چالوں میں تیزی سے مصروف کار تھے۔

جنگ ۱۸۵۷ء: اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اس وقت تک ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء کی شورش اُٹھ چکی تھی اور اس کے شعلے تیزی سے ایک چھاؤنی سے دوسری تک پھیل رہے تھے۔ پشاور ڈویژن کی مخصوص صورت یہ تھی کہ ۱۸۵۷ء کی عام تحریک اور وہابی تحریک کے علیحدہ علیحدہ اثرات بیک وقت اپنا اپنا کام کر رہے تھے، اور ان کا ردعمل مختلف شعبوں پر مختلف تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نازک وقت میں واقعات کا رشتہ بہت اُلجھ گیا تھا اور اکثر اوقات اُس زمانہ کے حالات پر وہابیوں کے اثر سے انکار کیا گیا ہے۔ لیکن واقعات کے غائر مطالعہ سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ دونوں اثرات جدا جدا کام کر رہے تھے۔ مثلاً اکاونویں دیسی پیدل فوج کے سپاہی کارتوس کے معاملے

Marfat.com

پر بہت برافروختہ تھے[۱] ۔ اور اس سے وہابی کوئی واسطہ نہ رکھتے تھے ۔ اور بہت سی پلٹنیں خصوصًا پچپن دیں دیسی پیدل فوج کی (جس کے دستے مردان اور نوشہرہ میں تھے) پشاور کی انہترویں دیسی فوج اور دسویں اور ریگولر رسالہ، یقینی طور پر وہابیوں کے زیر اثر تھے۔ اس ڈویژن کے واقعات پر اپنی رپورٹ میں ایڈورڈز رائے زنی کرتا ہے کہ پچپنویں اور چونسٹھویں دیسی پیدل پلٹنوں کے درمیان اور دسویں اور رگولر رسالہ اور سوات اور پڑوس کے پہاڑوں کے ہندوستانی مذہبی دیوانوں کے درمیان ایک مدت سے سازباز جاری ہے۔ اور مردان کلکٹری میں وہابیوں کے ایجنٹ دو ہندوستانی مولوی[۲] ان جاسوسوں کے میزبان تھے جو ادھر سے اُدھر چکر پھرتے تھے۔

برطانوی وقائع نویسوں کا بیان: برطانوی مہموں کے دو مشہور وقائع نویس، بیگٹ اور مین جو سرحد بھیجے گئے تھے وہ وہابی اثر کے متعلق اپنے اظہار رائے میں زیادہ صاف گوئی سے کام لیتے ہیں۔ ضلع پشاور کا صرف ایک حصہ جہاں لوگوں نے ملک میں فتنہ پردازی کے لئے سپاہیوں کے غدر سے فائدہ اُٹھایا وہ یوسف زئی کی سرحد تھا۔ اور یہ زیادہ تر ہندوستانی مذہبی دیوانوں کے دباؤ کی وجہ سے ہوا جن کو ہندوستان کے باغی حکمرانوں اور افراد کی طرف سے آدمی اور روپے کی امداد ملا کرتی تھی۔ "پچپن دیں دیسی پیدل پلٹن نے اپنی چھاؤنی سے خارج ہونے کے بعد جو کچھ کیا اور جس کا بیان بعد میں ہوگا، اس سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ سیدھے سوات

---

[۱] رجمنٹ ۵۵ نے تمام ہیریٹ رجمنٹ (۶۴. ۱.N) کو ایک خط لکھ کر کارتوس کے معاملے میں اپنے اضطراب کا اظہار کیا اور ان کو دعوت دی کہ ان سے آملیں (خط از ایچ بی ایڈورڈز کمشنر پشاور بنام آر مونٹگومری جوڈیشل کمشنر پنجاب ۶۴ مورخہ ۲۳ مارچ ۱۸۵۸ء) ایڈورڈز اس خط کو نہایت قیمتی دستاویز بتاتا ہے کیونکہ اس سے "غدر" کے مسئلہ پر ایک رجمنٹ کا دوسری رجمنٹ پر کامل اعتماد کا اظہار ہوتا ہے۔

[۲] جس رات ان دستوں سے ہتھیار چھین لینے کے لئے پشاور سے فوج آئی دونوں فرار ہو گئے۔ بعد میں ایک گرفتار ہو گیا۔ اور اسے پھانسی دی گئی۔

Marfat.com

کی طرف چل پڑے اور وہاں سے وہابیوں کے صدر مقام منگل تھانہ چلے گئے۔

اکبر شاہ کا انتقال: بدقسمتی سے ٹھیک میرٹھ کی شورش کے دن وہابیوں کے زبردست حامی و مددگار شاہ سوات اکبر شاہ کی ناگہانی اور بے وقت وفات نے .... سیاسی پانسہ انگریزوں کے موافق پلٹ دیا۔ اگر صرف سواتی اپنے مذہبی پیشوا آخوند کے تحت پچپنویں پلٹن کے سپاہیوں اور وہابیوں سے مل جاتے تو غالباً اور قبائلی بھی مل جاتے اور انگریز زیر ہو جاتے"۔ مگر ہوا یہ کہ متوقع مدد اور تعاون کے عوض پچپنویں پلٹن کے سپاہیوں کا زیادہ تر سوات کے آخوند کی عداوت سے ہر طرف مخالفت سے سامنا ہوا اور اس طرح کھدیڑے گئے کہ کچھ بے برگ و بار ویران پہاڑوں میں سر ٹکراتے ٹکراتے مر گئے، باقی ادھر ادھر لوگوں نے عنایت علی کے صدر مقام منگل تھانہ میں پناہ لی[1]۔ ان کا مزید ذکر آئندہ باب میں ہوگا۔ الغرض ظاہر ہے کہ ۱۸۵۷ء کی شورش کے موقع پر اور اس دوران میں برابر وہابی مستعدی سے سرحد پر انگریزوں کے خلاف مصروف کار رہے۔ انھوں نے علیحدہ کام کیوں کیا اور ۱۸۵۷ء-۵۹ کی تحریک میں شامل کیوں نہ ہو گئے اس کے اسباب ایک علیحدہ موضوع ہیں جن پر علیحدہ باب میں بحث ہوگی۔

---

[1] KAYE جلد ۲ صفحہ ۴۹۲ ۔ ۵۵ کے سوات سے خارج کئے جانے کے بعد ان کا سرگرداں مارے مارے پھرنا اور مقامی لوگوں کا ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک اس تحریک کی تاریخ میں بے شبہہ ایک نہایت المناک حادثہ ہے۔

Marfat.com

باب ۶

محاربات سرحد (۱۸۵۲ تا ۱۸۶۳)

معرکہ ۱۸۵۲ء: سرحد پر وہابی معرکوں کا پہلا سلسلہ خود سید احمد کے زیرِ قیادت سنہ ۱۸۲۶ - ۳۱ میں چلتا رہا۔ بعض تاریخی اسباب سے جن پر علیحدہ باب میں بحث کی گئی ہے، ان معرکوں میں سے اکثر سکھوں اور سرحد کے بعض خیرہ سر سرداروں کے خلاف تھے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ سید احمد ملک کے خطرے کی اصل جڑ انگریز' سے بیفکر تھے۔ ان کے بہت سے مکتوب[۱] اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ ان پر یہ حقیقت روشن تھی کہ اصل جنگ انگریز سے ہونی ہے۔

معرکوں کا دوسرا سلسلہ حکومت برطانیہ کے خلاف کچھ بعد میں شروع ہوا، اور سنہ ۱۸۵۲ سے سنہ ۱۸۶۳ تک جاری رہا۔ اس عرصے میں کئی سخت خونریز جنگیں ولایت علی، عنایت علی اور عبداللہ کی قیادت میں لڑی گئیں۔ واقعہ یہ ہے کہ سرحد پر وہابیوں کا یہ ننھا سا سوتا ایسی طاقت کا حامل تھا۔ جو ایک سیاسی خطرہ بن گیا اور برطانوی حکومت کے لئے سنہ ۱۸۵۲ سے بیس سال تک سخت پریشانیوں کا باعث بنا رہا۔

ہزارہ پر انگریزوں کا قبضہ: پنجاب کے الحاق کے بعد ہزارہ کا علاقہ گلاب سنگھ سے علاقوں کے مبادلے کے بعد انگریزوں کے قبضے میں آ گیا۔ اور سنہ ۱۸۴۹ میں جیمس ایبوٹ اس کا پہلا ڈپٹی کمشنر ہوا۔ ایبوٹ نے سب سے پہلے اس علاقے میں ہندوستان سے ہجرت کرنے والوں کے ایک نمایاں آشیانے اور اس کی حرکات و سکنات کی طرف

---

[۱] ان میں سے بعض شائع شدہ مکتوبات میں "انگریز" اور "عیسائی" کے الفاظ کو "سکھ" سے بدل دیا گیا ہے، اور بھی تصرفات کئے گئے ہیں۔

Marfat.com

توجہ مبذول کی جو اس کے خیال میں دکن یا مغرب میں دُرانیوں کی کسی شورش کی صورت میں حکومت کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتی ہیں۔

وادی کاغان پر انگریزوں کا قبضہ: اُس نے شمال میں وادیِ کاغان کے سادات سے، بالخصوص وہاں کے ضامن خاں سے جو وہابیوں کا زبردست حامی تھا، جھگڑے بھی مول لئے۔ بظاہر سادات کے خلاف جھگڑے کا سبب ان کے بعض گوجر اسامیوں کی ان کے مظالم کے خلاف شکایت تھا۔ مگر یہ محض ایک بہانہ تھا کیونکہ ابوٹ تحقیقات کے دوران میں صرف سادات کے دشمنوں کی داستان پر کان دھرتا تھا۔ اصل سبب یہ شبہہ تھا کہ سادات وہابیوں سے ساز باز رکھتے ہیں۔ یہ وہابی دوسرے قبائل جیسے ڈھونڈ وغیرہ کو انگریزوں کے خلاف عام شورش برپا کرنے کے لئے اُکسا رہے تھے۔ ایک فوج جو چھ رجمنٹوں، چھ توپوں اور بہت سے قبائلی لنگروٹوں پر مشتمل تھی سادات کے خلاف بھیجی گئی اور ان کو شکست دی گئی۔ ضامن خاں کو بے دخل کر دیا گیا اور وادی کاغان پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔

فوری مقصد حاصل ہوچکا تو ابوٹ اور اس کے بالادست افسروں کے درمیان ان علاقوں میں مزید اقدامات پر مناقشہ شروع ہوا۔

حسن زئی قبائلیوں کا سرحدی چوکیوں پر قبضہ: مہم کاغان کے فوراً بعد ۱۸۵۱ء میں انگریزوں کو کوہ سیاہ کی پہلی مہم کا بندوبست کرنا پڑا۔ اور یہ وہابیوں کے ساتھ پہلی مسلح آویزش کا باعث ہوئی۔ ہزارہ کا نظم و نسق ہاتھ میں لینے کے بعد انگریزوں نے اپنے مخصوص مکمل طرز پر پنجاب بورڈ آف ایڈمنسٹریشن (مجلس انتظامیہ) کے مجموعی اختیارات کے تحت انتظامات کے متعدد محکمے قائم کئے۔ ان میں سے ایک محکمہ نمک کی سرحد پار سے درآمد کی نگرانی کرتا تھا۔ محکمہ کے دو مقامی افسروں، کارنک اور ٹیپے نے اُن راستوں کی دیکھ بھال اپنے ذمہ لی جن سے ممنوع نمک آتا تھا۔ ان کو رپورٹ ملی کہ یہ سرزمین آمب کے اُس ماورائے سندھ حصہ سے گزرتا ہے جو حسن زئی کے آزاد قبائلی رقبے کی سرحد پر واقع ہے۔ اپنی تفتیش و تلاش میں وہ

Marfat.com

آزاد حسن زئی رقبے سے خطرناک طور پر قریب جا پہنچے۔ یہ ڈھٹائی ان کے اعلیٰ افسروں کی واضح اور مبیّنہ مرضی کے خلاف تھی۔ انھوں نے اس کا خمیازہ بھگتا اور بعض نامعلوم قبائلیوں کے ہاتھوں جن پر حسن زئی ہونے کا شبہہ ہے مارے گئے۔ یہ قتل لالچ اور لوٹ پر محمول کیا گیا۔ حالانکہ دراصل اقتصادی مقاصد کارفرما تھے۔ حسن زئی کو گمان ہوا کہ یہ دونوں افسر ممنوع نمک کا راستہ ان کے رقبے تک وسیع کر کے ان کے نمک کی تجارت کو متاثر کر دینگے۔ اس فعل کو انھوں نے اپنے وسیلہ معاشی میں مداخلت اور ناجائز تصرف قرار دیا۔ پہلے انگریزوں نے آمب کے سردار جہانداد خاں اور اس کے جاگیرداروں پر حسن زئی کے شریک کار ہونے کا شبہہ کیا۔ اس لئے حسن زئی سے کہا گیا کہ اُن تمام حسن زئی کو جو اس کی سرزمین پر آباد ہیں بر غمال کے طور پر انگریزوں کے حوالہ کر دے۔ جہانداد خاں نے تو یہ مطالبہ مان لیا مگر اس سے حسن زئی مشتعل ہو گئے، اُس پر حملہ آور ہوئے اور اس کی سرحدی چوکیاں چمبیری اور شنگلائی چھین لیں۔

کوہ سیاہ کی پہلی مہم: انگریزوں نے اپنے حلیف کو اُس کرتوت کے نتائج سے جو اُنھیں کی مرضی سے اُسے انجام دینا پڑا تھا، بچانے کے لئے مداخلت کی اور اس طرح پہلی مہم کوہ سیاہ کا آغاز ہوا۔ کوہ سیاہ[1] کا سلسلہ ضلع ہزارہ کی شمالی مغربی سرحد تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ شمال میں علاقہ اگرور سے اور جنوب میں تناول سے گھرا ہوا ہے۔ دریائے سندھ کا دامن اس کی شمالی سرحد ہے اور وہاں سے سیدھا جنوب کو مڑ جاتا ہے۔ دریائے سندھ اور پہاڑ کی درمیانی ڈھلوان پر عظیم یوسف زئی قبیلہ آباد ہے یہ حسن زئی اسی کی ایک شاخ ہے۔ ابوٹ نے کارنک اور ٹیپے کے قتل کے انتقام کے لئے مسلسل مطالبے کئے جو قبائل میں حکومت کا وقار برقرار رکھنے کے لئے ضروری سمجھا جاتا تھا، مگر گورنر جنرل با اجلاس کونسل

---

[1] سرحد پر برطانوی مہموں کی تاریخ میں کوہ سیاہ اہم مقام رکھتا ہے۔ اس کے ڈھلوان پر آباد قبائل کے خلاف یکے بعد دیگرے جلد جلد کئی گھمسان کی جنگیں لڑی گئیں۔

Marfat.com

پہلے کسی ایسے اقدام سے متفق نہ تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ ان بھلے آدمیوں (کرنل اور ٹیپے) کے انجام کو کوئی وقعت نہ دیتا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ رپوٹ کی مجوزہ مہم ہمیں بانر حارت میں ڈال دیگی" آخر بڑے تامّل و تذبذب کے بعد اور کرنل میکیسن کے اصرار سے جو اس بارے میں ابوٹ کا ہمخیال تھا، ایک فوج جو رہنماؤں کے ایک دستے اور کچھ پولیس کی ٹولی پر مشتمل تھی (دسمبر ۱۸۵۱ء میں) تین کالموں میں ہزارہ کے خلاف روانہ ہوئی۔ یہ کوہ سیاہ پر چڑھ گئی، حسن زئی کو سزا دی اور ان کے گاؤں کو آگ لگادی۔

اس فوجی مہم کی جس کے بارے میں حکام پہلے متامّل تھے نسبتہً سہل کامیابی پر حکومت خود حیرت زدہ ہوگئی۔ اب وہی حکام کرنل میکیسن کی مدح سرائی سے نہ تھکتے تھے۔ وہ خود بھی اس سہل فتحیابی پر متحیّر تھا اور کہتا تھا کہ "اس کا سہرا جہانداد خاں کے سر ہے جس نے میرے گاڑھے وقت میں اتنی سہولت سے میری موثّر امداد کی"۔ ساتھ ہی وہ شبہہ کا اظہار کرتا تھا آیا جہانداد ہماری مدد کا مستحق ہے اور کب تک وہ اس سے فائدہ اُٹھاتا رہیگا۔ میکیسن کا یہ قول غیبی اشارہ تھا، کیونکہ مہم حسن زئی سے واپس آنے کے بعد فوج ایک نئی مصیبت یعنی وہابیوں سے دوچار تھی۔

انگریزوں کے خلاف عنایت علی کی کوششیں: حسن زئی پر انگریزوں کے حملے سے فائدہ اٹھاکر عنایت علی نے دوسرے قبائل میں اپنا کام شروع کردیا۔ اُن کو رغبت دلائی کہ انگریزوں کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے قبائلی بھائی حسن زئی کی اعانت میں جنگ کریں۔ انھوں نے تمام سرحدی قبائل کی زیادہ وسیع ہمدردی حاصل کرنے کا یہ غنیمت موقع تاکا۔ یہ اُن کے اپنے مقصد کی کامیابی کے لئے بھی نہایت قوی اور ضروری ذریعہ تھا۔ جہانداد خاں کے علاقے پر جو راستے میں پڑتا تھا ایک بار پھر حملہ کیا گیا اور اس کی مملوکہ چوکی کوٹلا پر قبضہ کرلیا گیا۔ مگر پہلے اور مواقع کی طرح اس بار بھی قبائل متحد نہ ہوئے۔ آخر یہ کام ہندوستانی رضاکاروں کے ایک گروہ پر چھوڑ دیا گیا جو انگریزوں کے

Marfat.com

زیر ستم ایک سرحدی قبیلہ کی مدافعت کے لئے بہار و بنگال کے دور دراز ملکوں سے آئے تھے ۔ خود پڑوسی قبائل خاموش اور بے تعلق تماشائی بنے رہے ۔ انگریزوں نے وہابیوں کو بھی حسن زئی کی امداد سے باز رہنے کی کوشش کی، مگر عنایت علی نے ان کی پیشکش کو حقارت سے ٹھکرا دیا، اور کہہ دیا کہ "میں تو مرنے ہی کو آیا ہوں"۔ ایک بار پھر حکومت وہابیوں کے خلاف فوج بھیجنے میں متامّل ہوئی۔ خود کرنل میکیسن نے اپنی ایک رپورٹ مورخہ ۲ر جنوری ۱۸۵۲ء بنام مجلس منتظمہ پنجاب میں لکھا کہ "میں نے بہت تامّل کیا آیا کوٹلا کے معاملہ میں کوئی مداخلت کروں۔ صرف وہ علاقہ دیکھ کر جس کو بار بار بحفاظت مطیع کرنے کی طرف سے ہمیں اطمینان ہو جائے اور جہاں سے وہابی لشکر کو مجبور اور بے بس کر دے سکیں .... مجھے یہ ہمت ہوئی کہ اُدھر اپنی ایک فوج روانہ کر دوں ...."

قلعہ کوٹلا پر انگریزوں کا قبضہ: آخر ۶ر جنوری ۱۸۵۳ء کو قلعہ کوٹلا پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے میجر ابوٹ کے زیر کمان ایک فوج روانہ کی گئی ۔ یہ قلعہ قصبہ عشرہ میں قریب ایک ہزار فٹ کی بلندی پر پہاڑ کی نکلی ہوئی چٹان پر واقع ہے ۔ برطانوی فوجیں اپنے حلیف جہاندادخاں کی فوج کے شمول سے تین مختلف اطراف سے آگے بڑھیں ۔ اسی طرح وہابی تعداد اور اسلحہ میں اپنے سے قوی تر دو فوجوں کے درمیان پھنس گئے ۔ جب کہ انگریزی فوج دریائے سندھ کو عبور کر کے آگے بڑھ رہی تھی جہاندادخاں کے بھرتی کئے ہوئے رنگروٹوں نے اپنی واپسی کا راستہ قطع کر دیا۔ وہابی ایک پرجوش عقبی دستے سے لڑتے بھڑتے کوٹلا سے نکل گئے اس میں ان کے ستر آدمی ضائع ہوئے جو کرم علی دانا پوری کے زیر کمان لڑتے ہوئے شہید ہو گئے البتہ عنایت علی اپنے خاص رفقا کے ساتھ کوٹلا

Marfat.com

سے صحیح و سالم نکل گئے۔ وہابیوں کا صدر مقام ستھانہ اب غیر محفوظ اور برطانوی حملہ کی زد میں تھا۔ مگر انگریزوں نے صرف کوٹلا پر دوبارہ قبضہ کر لینے پر قناعت کی اور ستھانہ پر چڑھائی نہیں کی کیونکہ ستھانہ تمام ذخائر اور اسلحہ سے خالی ہو چکا تھا۔ جو کوٹلا منتقل کر دئے گئے تھے۔

سر جن لائل کا وہابیوں کو خراج تحسین: اس معرکہ سے متعلق انگریزی کاغذات سے ریاست ستھانہ کی کچھ نہایت اہم جزویات ہمیں دستیاب ہوئی ہیں۔ ہمیں کچھ زخمی وہابیوں کے بیانات بھی ملے ہیں جن کو گائڈ کے دستوں کا اسسٹنٹ سرجن لائل علاج کے لئے پشاور اٹھالے گیا تھا۔ ....

لائل ان کی وفاداری اور عزت نفس کے اعلیٰ جذبہ کی تعریف کرتا ہوا لکھتا ہے کہ اپنی زار و زبوں حالت پر بھی ہر بات سے اپنی قطعی لاعلمی کا اظہار کیا اور اپنے ساتھیوں کو ملوث کرنے کے خوف سے کوئی بیان دینے سے انکار کیا۔ صرف رجمنٹ کا ایک سپاہی ان کا اعتماد حاصل کر کے ان سے کچھ باتیں دریافت کر سکا۔ ان کے بیان سے یہ ظاہر ہوا کہ وہابیوں کی تعداد چھ سو ہے اور یہ کہ پہلے ولایت علی ان کی تمام کارروائیوں کی سربراہی کرتے تھے، مگر ایک سال ہوا ان کے انتقال کے بعد قیادت ان کے چھوٹے بھائی عنایت علی کو تفویض ہوئی۔ سوات کے سید اکبر کے چار بھائی ان کی جماعت کے ساتھ رہتے اور ان میں کافی اثر رکھتے تھے۔

ان کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تمام ملک میں پھیلے ہوئے مبلغوں کی تحصیل کردہ رقوم تھیں[۱] ان کے خاص محسن نواب ٹونک ہیں سے چالیس ہزار روپے سالانہ بھیجا کرتے تھے۔ حیدرآباد کے نواب نصیر الدولہ بھی روپے بھیجتے تھے۔ آمدنی کا ایک اور بڑا ذریعہ ستھانہ میں نو سو بیگھہ زمین تھی جو اکبر شاہ نے دی تھی، اور سب مزروعہ تھی۔ چالیس آدمیوں کی اپنی زرعی پیداوار تھی جو سب کی سب بیت المال

---

[۱] سرحد کے راستے پر ان رضاکاروں کو شہروں اور گاؤں کے لئے جہاں سے گذرتے تھے) جیدون سے خوراک مہیا ہوتی تھی۔

Marfat.com

میں دیدی جاتی تھی۔ان کی خوراک زیادہ تر دال روٹی تھی۔جماعت کو پابندی سے قواعد کرائی جاتی۔کمان کا نعرہ اللہ اکبر تھا۔ان کے پاس اچھی نسل کے کوئی دس گھوڑے تھے۔جماعت میں سے نصف کے پاس قرابینیں تھیں۔مجموعی حیثیت سے وہ اچھی طرح مسلح نہ تھے

یہ تھا اُس مختصر جاں نثار جماعت کا حال جو آزادی کے لئے لڑ رہی تھی اور جس نے مسلسل طور پر بہت قلیل مادی وسائل کے باوجود حکومت برطانیہ کی طاقت کو چیلنج دے رکھا تھا۔برطانوی سے اپنے پہلے محاربوں میں وہ فتح کا جھنڈا.... تو اڑا نہ سکے، مگر ان کی جدوجہد کا موازنہ محض فوجی فتوحات کے نقطۂ نظر سے نہ کرنا چاہیئے۔ان کی عظمت کا اصل معیار آزادی کی لگن اور قربانی کا جذبہ ہے جس نے ان کو سرشار کر رکھا تھا۔

اخوند کی وہابیوں سے سرد مہری: کوٹلا کی لڑائی کے بعد عنایت علی چملا کے علاقہ نواگائی میں منتقل ہوگئے۔بعد کے چند سالوں میں وہ سوات اور بنیر کے علاقوں میں مختلف جگہوں میں پھرتے رہے۔مہر نے اس زمانہ میں عنایت علی کی نقل و حرکت کی متفرق وارداتیں ان کے بیٹے عبدالمجید کے روزنامچے سے نقل کی ہیں۔اس روزنامچے کے ایک اندراج سے معلوم ہوتا ہے کہ عنایت علی نے سید اکبر شاہ اور اخوند[1] سے انگریزوں کے خلاف جنگ میں ان کا ساتھ دینے پر اصرار کیا تھا۔مگر آخوند

---

[1] اخوند (یعنی مذہبی پیشوا) کا نام عبدالغفار تھا۔وہ ۱۷۹۴ء میں پیدا ہوا اور ایک نسبتہً غیر معروف خاندان کا فرد تھا۔وہ یوسف زئی اور سوات کے علاقے میں ایک مقبول اور با اثر مذہبی پیشوا تھا۔وہ ایک منچلے سیلانی کی زندگی بسر کرتا تھا۔وہابیوں کے ساتھ اُس کا رویہ مختلف مراحل سے گذرا۔وہابی تحریک کے پہلے دور میں وہ سید احمد کا ساتھی رہا۔لیکن بعد میں ۱۸۵۷ء میں وہ وہابیوں کی طرف سے سرد مہر اور غیر معاون رہا۔مگر ۱۸۶۳ء میں معرکۂ امبیلہ میں دل و جان سے ان کے ساتھ شریک ہوگیا۔مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے بیلو صفحہ ۱۰۲-۱۰۷ اور راویرٹی کے اکر دس دی بورڈر کے صفحات ۲۸۰ تا ۲۸۵

نے اس تجویز سے زیادہ دلچسپی نہیں دکھائی۔ شروع سے ہی وہابیوں کی اعانت میں وہ ٹھنڈے نظر آتے۔ شاید وہابیوں کے بڑھتے ہوئے اثر میں اپنے اثر واقتدار کی تخفیف کا خطرہ محسوس کیا۔ آخوند کی بے اعتنائی نے عنایت علی کو اپنے قدیم مرکز ستھانہ سے تو کچھ کم نے نہ دیا مگر ایسی دشواریوں سے ہمت نہ ہارے اور کسی اور طرف کام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

عنایت علی کا منگل تھانہ میں قیام: چنانچہ سید عباس کی دعوت پر عنایت علی اپنے مرکز منگل تھانہ میں، جو خودی خیل کی سرزمین میں ستھانہ کے مغرب جانب مہابن پہاڑ کی برآمدہ چٹان پر واقع ہے ستھانہ کا قدیم مرکز یحییٰ علی کے ذمہ کرکے، اپنے اور ولایت علی کے خاندان کو ساتھ لیکر منگل تھانہ جا رہے۔ مرکز کے مقام کی تبدیلی کے ساتھ وہابیوں کا مقام بھی ہزارہ سے پشاور کی سرحد میں تبدیل ہو گیا۔

عنایت علی اس نئے مرکز سے یوسف زئی قبائل میں کام کرنے لگے جو پشاور اور مردان سے متصل میدان میں رہتے تھے، اور ان کو انگریزوں کے خلاف منظم کرنے لگے۔ ہندوستانی فوج کے سپاہیوں میں تداخل اور گھس بیٹھ کی کوششیں بھی چلتی رہیں۔ اس زمانہ میں عنایت علی کی حرکات وسکنات کا ذکر اوکنیلی یوں کرتا ہے "عنایت علی نے اپنے متبعین کو منظم کرنے اور ان کے دلوں میں انگریز کافروں سے نفرت کی آگ بھڑکانے کی جدوجہد کی۔ مجاہدین سے روزانہ ڈرل (قواعد) کرائی جاتی، کبھی کبھی دن میں دوبار، اور پریڈ پر آن آیات کا تلاوت کرنا سکھایا جاتا تھا جن میں جہاد کی فضیلت کا بیان ہوتا .... اور جمعہ کے دنوں میں خطبے دیئے جاتے جن میں اُن کو نصیحت کی جاتی کہ اُس وقت کا صبر سے انتظار کریں جب برطانوی ہندوستان کی تسخیر کی معینہ گھڑی آجائے۔

انگریزوں کی وہابیوں کو تنبیہ: مہر نے عبدالمجید کے روزنامچے ہی کے حوالے سے اس زمانہ کے بعض واقعات نقل کئے ہیں۔ ان میں سے ایک

Marfat.com

اندراج کے مطابق دسمبر ۱۸۵۵ء میں قبیلہ مبارک خیل نے عنایت علی کی قیادت قبول کرلی اور ان کی دعوت پر عنایت علی آئندہ جنوری میں ننگرائی گئے۔ اس کے فوراً بعد ہندوستان سے ایک قاصد وزیرالدین پٹنہ سے کچھ روپے لیکر آگیا۔ مہر یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ اسی زمانہ میں انگریز حکام نے ایک چھٹی تمام وہابیوں کو خطاب کرکے لکھی جس میں یہ پیشکش تھی کہ اُن سب کو معافی مل سکتی ہے اور اُن سب لوگوں کو جو اطاعت قبول کرلیں وطن کو واپسی کے اخراجات ملیں گے۔ اور جو ان شرائط کو تسلیم نہ کریں گے اُن کو تین سال کی قید بامشقت کی سزا کی دھمکی لیکن یہ پیشکش حقارت سے ٹھکرا دی گئی۔

مبارک شاہ کا سوات سے اخراج: مردان میں پچپنویں دیسی فوج کی آویزش کا مختصر ذکر کیا جاچکا ہے۔ رہائیوں نے اپنی چھاؤنی سے نکلکر سیدھے سوات کا رخ کیا جہاں وہ سوات کے اکبر شاہ سے مل جانے کی امید رکھتے تھے۔ لیکن عجیب سوء اتفاق کہ وہ ٹھیک مہرٹھ کے ہنگامہ کے روز فوت ہوگیا اور اس کی وفات نے وہاں صورت حال کو بدل دیا۔ سوات میں ایک عجیب قسم کی دوگانہ حکومت تھی جس میں اکبر بادشاہ اور آخوند مذہبی پیشوا کے درمیان اقتدار برابر بٹا ہوا تھا۔ آخوند کو اس کے مذہبی تقدس اور بزرگی کے سب سے خوش اعتقاد عوام پر زیادہ اثر حاصل تھا۔ اکبر شاہ کے زمانے تک آخوند کی بادشاہ سے اچھی بنتی رہی لیکن اس کے بعد آخوند نے اس کے بیٹے مبارک شاہ کی جانشینی کی مخالفت کی اور اُسے سوات سے نکلوا دیا۔ مبارک شاہ نے پہلے ستھانہ میں پناہ لی۔ اس کے بعد پنجتار میں اقامت پذیر ہوگیا جس کا سردار مقرب خاں تھا۔ منگل تھانہ اس سے قریب ہی تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد مبارک شاہ عنایت علی سے ملا۔ اور دونوں نے ملکر قلعہ مردان پر حملے کا منصوبہ بنایا۔ اس قلعہ سے تمام یوسف زئی میدان زیر نظر ہوجاتا تھا۔ اس اثنا میں پچپنویں دیسی فوج آخوند کی مخالفت کے سبب سے سوات سے برخاست کردی گئی، اور یہ پلٹن کسی مخالف انگریز گروہ سے مل جانے کی تاک میں ماری

Marfat.com

بھرتی تھی۔ عنایت علی کے آدمیوں نے ان منتشر ٹولیوں کو اکٹھا کیا۔ عنایت علی نے منگل تھانہ میں ان کے خیر مقدم کی پیشکش کی۔

انگریزی علاقے پر حملے: ۱۸۵۷ء کی شورش نے عنایت علی کو ایک سنہرا موقع بخشا کہ پشاور کے بعض سرحدی گاؤں اور فوجی چوکیوں پر چھاپے مارنے کا انتظام کرکے انگریز حکام ضلع کو پریشان کردیا۔ اُس وقت پنجتار کی ہمسایہ ریاست لینے سردار مقرب خاں اور اس کی رعایا بالخصوص ٹوٹالی کی باہمی خانہ جنگی میں الجھی ہوئی تھی **خود مقرب** خاں کا چچا زاد بھائی چنگلائی کا مبارز خاں اس کے خلاف تھا۔ اس آویزش کے فوراً بعد مبارز نے عنایت علی کو کہلا بھیجا کہ آئیں اور انگریزی علاقوں پر حملہ کرنے میں اُس کا ساتھ دیں۔ چنانچہ پہلا دھاوا چنگلائی کے قریب ایک نواکلا پر کیا گیا جس کے باشندوں کے بارے میں معلوم تھا کہ وہابیوں سے ہمدردی رکھتے ہیں اُس گاؤں پر مع ایک ملحقہ گاؤں شیخ جانا پر قبضہ کرلیا گیا۔ اسسٹنٹ کمشنر لفٹنٹ ہورن نے پانچویں پنجاب پیدل فوج کے کمانڈر میجر واگھان کی کمان میں روانہ کی جس نے جولائی ۱۸۵۷ء کو شیخ جانا پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ سات گاؤں والوں کو قتل کی سزا دی گئی۔

عنایت علی کا نارنجی پر قبضہ: اس کے دو ہفتے کے بعد عنایت علی نے اپنی ذاتی کمان میں نارنجی پر دوسرا حملہ کیا اور اُس پر قبضہ کرلیا۔ یہ گاؤں اگرچہ برطانوی علاقے میں انتہائی حد پر واقع تھا اور وہاں تک پہنچ دشوار تھی۔ اس کے باشندے اپنے جوش اور آزادی کی محبت کے لئے معروف تھے۔ عنایت علی کے آدمیوں کی تعداد کل ڈیڑھ سو تھی اور چالیس آدمی پچپنویں دیسی فوج کے سپاہی تھے۔ پنجتار اور سوات کے کچھ سوار بھی جماعت میں شریک ہوگئے۔ نارنجی کے اس موافق ومناسب حال مقام سے عنایت علی یوسف زئی قبیلہ کو انگریزوں کے خلاف کھڑے ہونے پر آمادہ کرتے رہے، اس لئے اس قبیلہ کو کچھ حفاظتی اقدامات کرنا پڑے۔ نارنجی کا قبضہ بجائے خود ایک چیلنج تھا۔

۱۸ر جولائی ۱۸۵۷ء کو میجر واگھان کے زیر کمان ایک فوج نے پھر مردان سے کوچ

Marfat.com

کیا۔ قصبہ نارنجی کی پوزیشن بہت مضبوط تھی۔ یہ ڈھلوان تعمیر کیا ہوا تھا اور کھڑی پہاڑی پر اوپر کے حصے میں واقع تھا۔ جنگی کارروائی کا آغاز گاؤں پر گولہ باری سے ہوا، اس کے بعد پیدل فوج چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بڑھی۔ وہابیوں کی پامردانہ مدافعت کے بعد برطانوی فوجوں نے پہاڑ کے زیریں حصے پر قبضہ کرلیا۔ گاؤں کے بالائی حصے کا زبردست استحکام اور نیز دشمن[1] کی بہادری ان کے اور آگے بڑھنے میں مانع ہوگئی۔ گاؤں پر قبضہ ہوجانے کے بعد بھی اس کو آگ لگا کر تباہ کر دینے کی کوشش بھی اوپر سے دشمنوں کی بے قاعدہ گولہ باری سے رک گئی۔ وہابیوں کا نقصان ۵۰ زخمیوں اور ۵۰ مقتولوں پر مشتمل تھا۔ ان میں پچیسویں دیسی فوج کے سپاہی بھی شامل تھے جن کی لاشوں کو انگریزوں نے ان کے اسلحہ اور وردیوں سے شناخت کیا۔ (انگریزوں کا نقصان پانچ مقتولین اور پچیس زخمیوں پر مشتمل تھا۔)

عنایت علی کی شکست و پسپائی: مگر اس سے نارنجی کے معاملے کا خاتمہ نہیں ہوگیا نارنجی گھٹ گیا مگر اس پر قبضہ نہ ہوا۔ عنایت علی نے شکست کھائی مگر حوصلہ پست نہ ہوا۔ نارنجی کے باشندے ان کے ساتھ تھے اور انگریزوں نے جب ان کو مانگا تو ان کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔ چملا نے ساتھ جھنڈے بھیجے جن کے ساتھ دو سو آدمی تھے اور آنے والی عید کے تہوار کے بعد مزید کمک کی توقع تھی۔ سوات سے بھی مدد کا وعدہ وصول ہوا۔ اس لئے ۳ اگست کو تیسوا میں ایک بڑی فوج جمع ہوگئی اور نارنجی سے ڈیڑھ میل آگے ایک مجہول راستے سے ایک دستہ بھیجا گیا کہ ایک مخفی راستے سے اس پر جا چڑھے اور دشمن کے عقبی حصے پر حملہ کرے۔ دو چوبیس پونڈ والے ہویٹزروں اور پہاڑی توپوں سے گاؤں پر گولہ باری ہونے لگی۔ وہابیوں کے پاس ان کے مقابلے کی توپیں نہ تھیں مگر اپنی بلند جگہ سے توڑے دار بندوقوں سے گولہ باریوں کا جواب دیتے رہے۔ آدھے گھنٹے کی گولہ باری کے بعد حملے شروع ہوئے یہ بڑی بہادری کی جانبازی سے

---

[1] پیجٹ ایڈیشن صفحات ۸۷-۸۹

Marfat.com

لڑے مگر دو طرف سے قوی تر فوجوں کی حملہ آوری سے پسپا ہونا پڑا۔ عنایت علی نارنجی سے ایک محفوظ تر مقام میں پہاڑ کے اوپر چلے گئے۔

نارنجی کی تباہی: کپتان جیمز جو پولیٹیکل افسر کی حیثیت سے فوج کے ساتھ تھا گاؤں کی تباہی کا یوں ذکر کرتا ہے:۔ "اس کے بعد تباہ کاری کا کام شروع ہوا۔ ایک گھر بھی چھوڑا نہ گیا۔ بہت سے گھروں کی دیواریں بھی ہاتھیوں سے روندوائی گئیں۔ پھر ایف ایس ٹیلر انجنیر کے زیر ہدایت مینارے اُڑا دیئے گئے۔ اور بہت جلد گاؤں ملبوں کا انبار اور ایک کھنڈر بن گیا۔۔۔"

تین آدمی قید کر لئے گئے۔ اور بعد میں قتل کر دیئے گئے۔ اس سے زیادہ کیا کہا جا سکتا ہے۔ کہ اسیران جنگ کا قتل ایک غیر معمولی فعل تھا۔ وہ باغی ہونے کے بہانے سے بھی قتل نہیں کئے جا سکتے تھے کیونکہ وہ ایسی ریاست سے تعلق رکھتے تھے جو حقیقتہً آزاد تھی۔

احمد اللہ اور محمد حسین کی نظر بندی: نارنجی کی لڑائی سے بعد کے کچھ دن وہابیوں کے سخت صبر آزما مصائب اور دشواریوں کا زمانہ تھا۔ تازہ جھڑپوں میں انگریزوں کی کامیابی نے بعض قبائلیوں کی وفاداری اور ثابت قدمی کو متزلزل کر دیا۔ اپنی مخصوص تنگ دلی سے وہابیوں کے ساتھ تعاون ختم کر دیا، اور اس سے بدتر توقع یہ ہوا کہ ہندوستان سے مسلسل امداد بھی عارضی طور پر بند ہو گئی۔ وہابیوں کے سربراہ احمد اللہ اور محمد حسین کو ان کے گھر پہنچتے ہی ٹیلر کمشنر پٹنہ نے نظر بند کر دیا تھا۔ اس سے بھی روپے کی تحصیل و ترسیل کا انتظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی شورش کے بعد سے دریائے سندھ پر آمد و رفت کے گھاٹوں پر نگرانی زیادہ سخت ہو گئی تھی جس سے قاصدوں کے لئے دریا عبور کرنا سخت مشکل ہو گیا تھا۔ نو نخو خلیفہ کے خطوط جن کا اوپر ذکر ہو چکا اور اس زمانہ کے قریب لکھے گئے تھے ان میں مغرب سے ڈاک بند ہونے کا ذکر ہے۔ پریشانیاں اتنے ہی پر ختم نہ تھیں، قبائلیوں نے بھی عام طور پر ان کو دق کرنا شروع کر دیا اور بھولے بھٹکے وہابیوں کو ادھر اُدھر قتل بھی کر دیتے۔

انگریزوں سے عنایت علی کا آخری محاربہ: اس سے ہمیں وہابیوں کے علوئے ہمت اور صبر و استقامت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ اس انتشار و پراگندگی اور بے بسی میں بھی وہ

Marfat.com

بیکار نہ بیٹھے۔ اور جنگ میں پہل کرتے رہے اکتوبر ۱۸۵۷ء میں شیخ جانا اور نارنجی کے باشندوں کی مدد سے جو سرحد پر دو تعذیری مہموں کے باوجود اب بھی وہابیوں کے ہمدرد تھے نواکلا (قلعہ) کے گاؤں پر جہاں یوسف زئی علاقے کے اسسٹنٹ کمشنر ہورن نے چھاونی ڈال رکھی تھی۔ ایک دلیرانہ اور بے باکانہ شبخون مارا۔ یہ حملہ شریف اللہ کی قیادت میں ہوا۔ حملہ آوروں کو بہت سامال غنیمت ہاتھ آیا اور ہورن کے پانچ آدمی مقتول ہوئے۔ عنایت علی اور انگریزوں کے درمیان یہ آخری محاربہ تھا۔

وہابیوں کا دور ابتلا: وقت گذرنے کے ساتھ بعض متذکرہ بالا دشواریوں کی شدت میں اضافہ ہوگیا۔ فوج کی تنخواہوں میں تعویق ہوگئی۔ خود عنایت علی اور ان کے بیٹے عبدالمجید سخت علیل ہوگئے۔ اس کے کچھ ہی دن پہلے عبدالمجید کی بیٹی کا انتقال ہوگیا۔ آخری کئی مہینوں میں کوئی غلہ دستیاب نہ ہوا اور فاقہ زدہ جماعت درختوں کی جڑیں اور پتے کھاتی رہی۔ ان میں سے زیادہ تر خونی پیچش میں مبتلا ہوگئے۔ خود عنایت علی کو تیز بخار آگیا اور دس دن کسی دوا یا غذا کے بغیر گذارے۔ عنایت علی جیسی وقفِ رضائے الٰہی تک کی جان کے لئے حقیقتاً یہ ایک سخت آزمائش کی گھڑی تھی۔ پھر بھی ان کے قدم نہ ڈگے اور انگریزوں کی تسلیم و اطاعت کی پیشکش کو قبول کرنے کی بجائے اپنے وسائل کی تنظیم نو کی کوششیں جاری رکھیں۔ فوراً ہی بعد مارچ ۱۸۵۸ء کے اواخر میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اس طرح شدید مصائب میں اُس شخص کے کارناموں کا اختتام ہوگیا جس نے اپنے ملک کو اغیار کی غلامی سے نجات . . . . . دلانے کے مقصد عظیم کے لئے اپنی زندگی وقف کر کے اپنے پیچھے شاد و آباد وطن چھوڑا۔[۵۷] ان کی یاد میں ان کا کم سے کم حق یہ ہم پر عائد ہوتا ہے کہ آزادیٔ وطن کے حصول کی تاریخ میں ان کے درجہ کا اعتراف ہے۔

مجلس ارباب ثلثہ: ان کے انتقال کے بعد قدرتاً وہابی مرکز میں [illegible] اور کچھ مدت کے لئے حالات منتشر و پراگندہ رہے۔ ان کے بعد فوراً [illegible] نہ ہوا ان کے بیٹے عبدالمجید گفتگو میں خفیف سی لکنت کے سبب سے اس منصب کے قابل نہ سمجھے گئے۔[۵۸]

---

۵۶ [illegible] ظاہر ہے کہ قائد تحریک کے انتخاب کے [illegible] کتنے سخت اور [illegible] تھے۔

۵۷ [کھو گیا چھوڑ کے صحرا میں نشانِ منزل ... پر یہ میدان تو جیتا نہیں ہارا بھی نہیں] [illegible]

اس لئے اکرام اللہ، نور اللہ اور میر تقی کے ساتھ ایک مجلس ارباب ثلثہ بنالی گئی ۔ نور اللہ ان میں سب سے کبیر السّن تھے اس لئے وہ تینوں سردار بنائے گئے ۔ ان میں سے اکرام اللہ ستھانہ کے قریب ایک معرکہ میں جو فوراً بعد ہوا تھا شہید ہو گئے ۔

وہابیوں کے خلاف لارنس کی جدوجہد: یہ بتایا جا چکا ہے کہ کس طرح ۱۸۵۰ء میں یوسف زئی کے علاقے میں عنایت علی کی جدوجہد سے وہاں انگریزوں کی طاقت کا ثبات خطرے میں پڑ گیا تھا ۔ شروع میں ادھر ادھر چھوٹے چھوٹے جوابی حملوں سے وقتی طور پر اس سے نمٹا گیا ۔ ۱۸۵۷ء کے نصفِ آخر میں جب کہ لارنس کی ان تھک جدوجہد اور سخت ہدایت کے تحت پنجاب کے تمام وسائل دہلی کی بازیابی کے داؤں پر لگا دیئے گئے تھے جنگ کی فوری ضرورتوں اور مصلحتوں کے پیشِ نظر یہی ایک رستہ رہ گیا تھا ۔ صورت حال کے رو با اعتدال ہوتے ہی فیصلہ کیا گیا کہ وہابی مسئلہ کو خاص توجہ سے نمٹا لیا جائے ۔

پنجتار اور جنگلائی کی تاراجی: معرکۂ ۱۸۵۸ء سر سڈنی کاٹن کے زیر کمان پنجتار اور منگل تھانہ کے وہابی مرکزوں کو تباہ کر دینے کے واضح مقصد سے ایک زبردست فوجی مہم[۱] تیار کی گئی ۔ یہ فوج قریہ سلیم خان میں جمع ہوئی اور ۲۵ اپریل ۱۸۵۸ء کو چل پڑی ۔ یہ حملہ ٹھیک سرحد پر وہابی مرکز کی تاریخ میں سخت خستگی و درماندگی کے دور میں ہوا ۔ عنایت علی کی وفات کے بعد ہندوستان سے سلسلۂ امداد کے انقطاع کے سبب سے مرکز کی حالت نازک ہو گئی ۔ ان کی تعداد بھی افسوسناک طور پر گھٹ گئی ۔ وہابیوں کے خاص معاون 'سادات' نے عثمان زئی کے ہاتھوں ایک معرکہ میں سخت زک اٹھائی تھی جس کا بیان ابھی آتا ہے ۔ قبائل نے جیسے ہی دیکھا کہ وہابیوں کے خلاف ایک تعذیری مہم بھیجی جا رہی ہے وہ اپنی عادت کے مطابق ان کے خلاف ہو گئے ۔ پہلا قبیلہ جس نے وہابیوں سے درکنار، خود اپنے سردار سے

---

[۱] اس معرکہ کی پوری تفصیل جنرل ایس کاٹن کے (NINE YS RS IVDIA) (ہندوستان میں نو برس) میں درج ہے ۔ مولف اس مہم کا قائد تھا اور اس کا ذکر تفصیل سے کیا ہے ۔ جنگ امبیلہ کے منظوم حالات کا مصنف عبد الحق بھی اپنی کتاب درِ مقال کے دیباچے میں اس معرکہ کا مختصر تذکرہ کرتا ہے ۔ نیز بیگیت اور ہمین صفحہ ۹۰-۹۷

انحراف کیا وہ خود دخیل تھا۔ اس نے پنجتار پر حملہ کر کے مقرب خاں کو وہاں سے نکال دیا۔ انگریزی فوج پنجتار پہنچی تو اُسے آدمیوں سے خالی پایا جو بچے کھچے لوگ رہ گئے تھے اُن سے بھی خالی کرالیا اور ۲۵ اپریل کو پنجتار کو نذر آتش کر دیا۔ اسی روز جنگلائی کو بھی تباہ کیا گیا۔

منگل تھانہ کی تباہی: دوسرا دھاوا منگل تھانہ پر ہوا۔ وہابیوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنی تمام طاقت ستھانہ میں مجتمع کر لیں اور منگل ستھانہ سے نکل آتے تھے۔ مگر مقرب خاں نے پنجتار سے نکالے جانے کے بعد اپنے خاندان کو اسی خالی قلعہ میں پناہ لینے کو بھیج دیا تھا۔ انگریزوں نے اس کی تباہی کو بھی ضروری سمجھا تاکہ ہر بیا بچایا حصۂ قلعہ بھی تباہ کر دیا جائے تو مقرب خاں کی سزا کافی اور زیادہ عبرتناک ہو جائے۔ قبائل میں اس قلعہ کی بڑی شہرت واہمیت تھی کیونکہ یہ پہاڑی استحکامات میں اس قدر گھسا ہوا اور محفوظ تھا کہ بظاہر ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ یہ آس پاس کے قبائل میں مایۂ فخر و ناز تھا۔ اور اس کی وقعت واہمیت اس قدر تھی کہ صرف اس کی تباہی تمام قبائل کو مرعوب کرنے کے لئے کافی خیال کی گئی۔ منگل تھانہ کی خوشحال آبادی اور اس کی بربادی کا ایک تنہا واضح تذکرہ خود اس کے غارتگر کا تن کے لفظوں میں محفوظ ہے "منگل تھانہ کوہ مہابن کی ایک سب سے بڑی برآمدہ چٹان پر واقع ہے۔ اور عنایت علی کا صدر مقام تھا جس نے نارنجی اور دوسرے مقامات ۱۸۵۷ء–۵۸ء میں نہایت صبر و استقلال سے یوسف زئی کو بغاوت پر آمادہ کیا تھا۔ یہ بالائی اور زیریں دو گاؤں پر مشتمل ہے۔ زیریں گاؤں میں تیس چالیس گھر ہیں جن میں سادات رہتے ہیں۔ بالائی منگل تھانہ تین چوٹیوں کے درمیان ایک سطح مرتفع پر واقع ہے۔ یہ چوٹیاں خود فصیل کا کام دیتی ہیں۔ اس سطح مرتفع پر پہلے عنایت علی کا قلعہ بند مکان ہے جس میں اُس کے ہندوستانی متبعین کے لئے احاطے ہیں۔ دوسرا سید عباس کا قلعہ بند گھر ہے۔ تیسرا سید اکبر کا قلعہ ہے جس میں ایک سفید پختہ مینار ہے۔ پورے رقبہ میں تیس چالیس گھر ہیں۔ قلعہ بندیاں بڑے بڑے پتھروں اور عمدہ لکڑی سے بڑی محنت سے تعمیر کی گئی تھیں اور ہندوستان کے مذہبی دیوانے اور چیدہ جوا کبر کے اس قلعہ میں جمع ہوتے تھے بڑی راحت اور حفاظت سے رہتے ہونگے اور جو وقعت واہمیت اس سے منسوب ہے وہ آسانی سے سمجھ میں آتی ہے"۔

Marfat.com

یہ سرسبز و شاداب منزل ۲۹ را پریل کو برباد کر دی گئی اور اس کے استحکامات منہدم کر کے زمین کے برابر کر دیئے گئے۔ فوج تمام رات اپنے ہی ساختہ کھنڈروں میں بسر کر کے دوسرے دن سلیم تھاں لوٹ گئی۔

منگل تھانہ اور ستھانہ کی غارتگری کے درمیان مختصر سے وقفے میں ایک واقعہ ظہور پذیر ہوا جس کے آغاز کا اگرچہ اس سے بہت پہلے سے پتہ ملتا ہے اس کا براہ راست تعلق ستھانہ کی تباہ کاری سے تھا اور اس میں بہت سہولت بہم پہنچا دی۔

ستھانہ: دریائے سندھ کے داہنی جانب کی سرزمین اور یوسف زئی کی وادی اور ٹوپی برطانوی سرحدی چوکی کے درمیان دریا کے کنارے اور کوہ مہابن کی چھاؤں میں زمین کی ایک پتلی دھجی ہے۔ برطانوی ہند کی حدود سے باہر یہ زمین عثمان زئی قبائل کی ملکیت تھی۔ اس میں کچھ اور بستیوں کے علاوہ، بالائی اور زیریں کیاہ اور خبال اور بالائی و زیریں ستھانہ کے گاؤں بھی شامل تھے، ایک مدت دراز سے ستھانہ بطور آلتمغہ تُنبیر میں تخت بند کے سید ضامن شاہ کو عطا ہوا تھا۔ یہ ایک محترم تارک الدنیا بزرگ تھے اور کسی جھگڑے میں ان کو اپنے ہی علاقے سے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ ان کے پوتوں عمر شاہ اور اکبر نے شروع سے وہابی تحریک میں حصہ لیا تھا اور اکبر سید احمد کے خازن کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ انھیں نے وہابیوں کو ستھانہ میں دعوت دی اور ان کو وہاں بسا دیا تھا۔ وہ ۱۸۴۶-۴۷ء میں زیریں ہزارہ میں سکھ دربار کے خلاف بغاوت میں قائد منتخب ہوئے تھے۔ جس کا اوپر ذکر ہو چکا۔ جب ہزارہ انگریزی قبضہ میں چلا گیا وہ سوات لوٹ آئے اور وہاں بادشاہ منتخب ہو گئے۔ ان کی غیر حاضری میں عمر شاہ ستھانہ کے سردار تھے۔ انھوں نے اور اکبر شاہ دونوں نے کیاہ اور خبال کے گاؤں سے اپنی سیاسی بالادستی کی حیثیت سے، اور وہاں وہابی مرکز کا خرچ چلانے کے لئے بھی کچھ عُشر وصول کیا تھا، عثمان زئی نے اس لگان پر عذر کیا مگر اس کی مخالفت کے لئے اپنے آپ میں طاقت نہ پائی، بالخصوص اس لئے کہ دونوں گاؤں کے مقامی لوگوں نے ان سیدوں کی حمایت کی۔ اب کاٹن کی اس مہم کے موقع پر انھوں نے ان سیدوں کو کاٹن کی فوج کے ذریعے سے نکال باہر کرنے کا عمدہ موقع تصور کیا۔ کمشنر لیفٹیننٹ ایڈورڈز سرحدی قبائل سے بزور یہ معاہدہ لینا چاہتا تھا کہ سیدوں یا وہابیوں کو پناہ نہ دیں۔ چنانچہ عثمان زئی

Marfat.com

بنجم اپریل ۱۸۵۸ء کو ستھانہ پر حملہ کر دیا اور جنگ میں عمر شاہ قتل ہو گیا۔ اس طرح بعد میں برطانوی فتح کا راستہ کھل گیا کیونکہ قائد مدافعت عمر شاہ کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ منگل تھانہ تباہ کر دیا گیا اس لئے کہ قبائلی اپنے ہی سردار مقرب خان کے خلاف ہو گئے تھے۔ اب ستھانہ کی تباہی کی نوبت تھی اس لئے کہ ٹھیک حملہ کے وقت عثمان زئی نے مدافعت کا دم باقی نہ چھوڑا تھا۔ انگریزوں کے لئے یہ حسن اتفاق مبارک لیکن قبائلیوں کی ذہنیت پر نفریں!

معرکہ ستھانہ: ۲۸ مئی ۱۸۵۸ء کو کاٹن کے زیر کمان انگریزی فوج ستھانہ کے خلاف بڑھی انگریز سندھ کو عبور کر کے دکھن سے بڑھے، اُدھر آمب کے جہاندار خاں کے رنگروٹوں نے نے شمالی پہاڑیوں پر پڑاؤ کیا۔ درمقال کے مصنف کے بیان کے مطابق مقامی قبائلیوں نے ستھانہ پر انگریزوں کی چڑھائی کی خبر مبارک شاہ کو دے دی تھی اور اول الذکر اپنے آپ کو مدافعت کے قابل نہ دیکھکر اپنے اہل وعیال کے ساتھ ستھانہ سے پینتیس ۳۵ میل اوپر کوہ مہابن کے کے شمالی ڈھلوان پر ملکہ میں لوٹ گیا۔ صرف وہابیوں کی چالیس آدمیوں کی ایک چھوٹی سی ٹولی اور کچھ جادون قبائلی ستھانہ میں رہ گئے۔ انھوں نے ستھانہ سے کچھ دور آگے ایک پہاڑی شاہ نور کی لاری پر پڑاؤ کیا اور انگریزوں کی آمد کا انتظار کیا۔ ان کا سردار اتحاد ثلثہ کا ایک رکن اکرام اللہ تھا۔ نتیجہ معلوم تھا، مگر وہابیوں کی مختصر ٹولی نے بڑی بہادری دکھائی۔

وہابیوں کی سرفروشی: نیول سرحدی قبائل کے خلاف برطانوی معرکوں کی مستند تحریروں سے وہابی غازیوں نے شدید موانع کے مقابلے میں اپنے سے بہت بڑی فوج سے لڑنے میں جس صبر وسکون اور استقامت کا ثبوت دیا نیول اسکی کیفیت یوں نقل کرتا ہے:۔

"ہندوستانیوں کی لڑائی کی نمایاں خصوصیت ان کی مذہبی سرشاری تھی، وہ دلیری اور دھمی سے بڑھے چلے آتے تھے .... کامل خاموشی سے، کسی قسم کے نعرہ یا آواز کے بغیر سب کے سب اس موقع کے لئے اپنے بہترین لباس میں ملبوس تھے، زیادہ تر سفید لباس میں، البتہ بعض سردار مخمل کی قبائیں پہنے تھے"۔

ایک اور مصنف وہابیوں کی جانبازانہ مدافعت کا استحسان کرتا ہے جو پٹھانوں کی بلند بانگ حربی اوصاف سے نمایاں امتیاز رکھتی ہے: "پٹھان جب موقع پاتے چپکے سے میدان جنگ

Marfat.com

سے کھسک جایا کرتے مگر ہندوستانی سپاہیوں کا ایک ایک فرد آخر دم تک جما رہتا۔۔۔
۔۔۔ان کی جنگ مختصر، جانبازانہ، فیصلہ کن ہوا کرتی اور آخر یہ بہادر، گو بر خود غلط، غازی مارے جاتے یا قید ہو جاتے۔"

ستھانہ کی تباہی: کوئی تیس وہابی ان کے قائد سمیت شہید ہو گئے۔ انگریزوں کا بھی کچھ نقصان ہوا۔ منگل تھانہ کی طرح ستھانہ بھی بے رحمی سے تباہ کیا گیا۔ تمام تعمیرات کو منہدم کرنے کے لئے ہاتھی استعمال کئے گئے۔ حصار اور استحکامات اڑا دئے گئے۔ درخت کاٹ کر گرا دئے گئے اور جو کاٹے نہ جا سکے ان کی چھالیں نوچ ڈالی گئیں تاکہ وہ پھر پنپ نہ سکیں۔ دوسرے قبائل جیسے جادونوں کے خلاف تعذیری اقدامات کئے گئے، اور ان سے اور عثمان زئی سے اقرار نامے لئے گئے کہ وہابیوں کو واپس نہ آنے دیں اور ستھانہ میں پھر آباد نہ ہونے دیں۔ بظاہر انگریزوں نے ستھانہ کو عرصۂ وجود سے مٹا دینے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، مگر اپنے دشمن کی استقامت اور تحمل کا اندازہ نہ لگا سکے۔ دوسری زندگی ستھانہ کا مقدر تھی۔

معرکہ ستھانہ کے بعد سادات نے وہابیوں کو ملکہ میں دعوت دی کہ وہ بھی انھیں کی ملکیت تھا مگر ویران پڑا تھا۔ اب سادات اور وہابیوں کے وہاں آباد ہو جانے سے بہت جلد ایک سرسبز و شاداب آبادی بن گیا۔

نور اللہ کی وفات: اب وہابی اتحاد ثلاثہ کے دو باقی ماندہ ارکان نور اللہ اور محمد تقی کے زیر قیادت تھے۔ انھوں نے ایک بار پھر دھاگے کی گتھی کا کھویا ہوا اور ڈھونڈ نکالنے اور مرکز کو از سر نو منظم کرنے کی مشقت شروع کر دی۔ پٹنہ سے سامان کی آمد بند ہو جانے سے جو نازک حالت پیدا ہو گئی تھی وہ احمد اللہ اور دوسرے قائدین کی براءت کے بعد سنبھل گئی۔ اسی زمانہ کے لگ بھگ مقصود علی جو کمک کے لئے پہلے ہی پٹنہ روانہ ہوئے تھے میرٹھ کے راستے سے جہاں وہ گرفتار ہو گئے پھر آزاد کر دئے گئے تھے، ایک خطرناک سفر طے کر کے سرحد واپس پہنچ گئے۔ وہ پشاور بھی گئے، وہاں تین مہینے کے قریب ٹھہر گئے، معینہ راستوں سے آدمی اور روپے کی فراہمی کا بندوبست کرنے اور رضاکاروں اور امداد کی اپیل کے لئے

Marfat.com

برادران علی کے اعلانات کی اشاعت کے انتظامات کئے۔ وہ ۱۸۵۹ء کے اوائل میں پٹنہ سے چلے تھے اور دوسرے سال سرحد پہنچے اس درمیان میں نوراللہ بھی جو امیر کابل سے ملنے جارہے تھے راستے میں انتقال کر گئے۔ اس سفر کا مقصد وہابیوں کی ان مصائب میں امیر سے استمداد ہوگا۔ نوراللہ کی وفات سے ۱۸۶۲ء تک مقصود علی جماعت کے قائد رہے۔ ۱۸۶۲ء میں وہ بھی چل بسے۔ ان کے انتقال کے بعد دو جانشیں ممکن تھے۔ ولایت علی کے بیٹے عبداللہ اور مقصود علی کے بیٹے اسحاق ان میں سے عبداللہ اپنی زیادہ تجربہ کاری اور حربی معاملات کے علم کے سبب سے منتخب ہوگئے۔ اسحاق دوسرے بڑے عہدے خازن کے لئے منتخب کئے گئے۔

عبداللہ اپنے والد کے انتقال کے بعد پہلے ہی پٹنہ جا چکے تھے۔ ان کو اپنے چچا فرحت حسین کی علالت کے سبب سے کچھ دن وہیں رک جانا پڑا۔ فرحت حسین داخلی تنظیم کے سربراہ تھے اوائل ۱۸۵۸ء میں ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ اس کے فوراً ہی بعد مکہ اور افغانستان کے سفر کے بعد وہ سرحد کو روانہ ہوئے۔ اور مقصود علی کی وفات (۱۸۶۱ء) سے دو سال قبل وہاں پہنچے ان کی قیادت کی مدت چالیس سال سے زیادہ قائم رہی اور اس زمانے کا سب سے زیادہ ہیجان انگیز واقعہ غزوۂ امبیلہ تھا جس کا اب ذکر کیا جاتا ہے

معرکہ امبیلہ ۱۸۶۳ء۔ امبیلہ[۵۲] وہابیوں کے خلاف انگریزوں کا واحد اہم ترین اور زبردست معرکہ تھا۔ آدمی اور روپے دونوں اعتبار سے یہ وہابیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی انگریزوں کی سخت ترین جدوجہد کی نشان دہی کرتا ہے۔ یہ خالصتہً وہابیوں کے استیصال کے لئے لڑا گیا۔ اکثر اگلے معرکوں میں تعذیر کے مقصود وہابی اور قبائل دونوں تھے۔ قبائل اکثر اوقات وہابیوں کی اعانت کی بدولت ملوث ہوجاتے۔ اس موقع پر معاملہ برعکس تھا۔ مہم در اصل وہابیوں کے

---

[۵۱] تذکرہ صادقہ صفحہ ۱۴۷، مہر (جلد ۴ صفحہ ۲۱۹) پٹنہ سے سفر کی تاریخ جنوری ۱۸۵۹ء بتاتے ہیں اور مکہ وافغانستان کے سفر کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ [۵۲] اس معرکہ کا ایک خالص فوجی تذکرہ کرنل ایڈائی ADYE کی کتاب ستقانہ مطبوعہ لندن ۱۸۶۷ء میں مندرج ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے جو اب نہایت نایاب ہے یہ اس غزوے کا خلاصہ بیان دیتی ہے۔ اس میں مولف خود توپخانے کا ایک افسر تھا، نیز ملاحظہ ہو بگیٹے ڈبلن ونیول متذکرہ صدر، غیر انگریزی ماخذ میں ذرِ مقال اس قسم کی تنہا کتاب ہے۔ اس کا مصنف جنگی متذکرہ واقعات کا چشم دید شاہد تھا۔

Marfat.com

خلاف چلائی گئی تھی مگر طول پکڑ گئی کیونکہ وہابی قبائیلیوں کو (اگرچہ بہت تھوڑے ہی عرصے کے لئے) مدافعت میں تحریک کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

جنگ کی بنا سادات اور عثمان زئی کے درمیان مسلسل آویزشوں میں پنہاں ہے جن کا ذکر اوپر ہو چکا۔ سیدوں اور وہابیوں کے ستھانہ سے نکل جانے کے بعد عثمان زئی نے اس گاؤں پر پھر قبضہ کر لیا اور کھیتوں کو جوتا۔ اکبر شاہ کے بیٹے مبارک شاہ نے جو اب سیدوں کا قائد تھا اپنی آبائی جائداد ستھانہ کے مطالبہ سے اب تک ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ وہ اپنی جلاوطنی کے وقت سے ہی اُس پر دوبارہ قبضے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اس کے لئے اس نے پہلے جاوگن قبیلوں سے مدد طلب کی اور انھوں نے منظور کی۔ ان کی اور وہابیوں کی مدد سے اس نے مینارہ سری کے نام سے ایک قلعہ نما مینار تعمیر کیا۔ یہ کیاہ اور ستھانہ کے درمیان میں واقع ہے۔ وہاں سے اُس نے ستھانہ اور دوسرے گاؤں پر چھاپے مارنے کا بندوبست کر لیا۔ ان پریشان کُن حرکات سے وہ عثمان زئی کو ان کے نئے مقبوضہ کھیتوں سے بھگا دینے میں کامیاب ہوا یہاں تک کہ انھوں نے مبارک شاہ کو کہلا بھیجا کہ ہم اب رخصت ہو رہے ہیں، آپ ستھانہ کو اپنے آدمیوں سے جتوا سکتے اور ہم سے لگان لے سکتے ہیں۔ اُس نے ستھانہ کی سرزمین سے گذرنے والے تجارتی مال پر چنگی لگانا بھی شروع کر دیا۔ ان پریشان کُن چالوں سے مبارک شاہ کا مقصد عام طور پر عثمان زئی کو مرعوب کر کے بھگا دینا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں بہت حد تک کامیاب ہو گیا تھا، مگر کچھ ہی عرصے میں کچھ نالائق عناصر اس کی جماعت میں شریک ہو گئے۔ اور مینارہ سری رہزنوں، ڈاکوؤں اور غنڈوں کے اڈے کی حیثیت سے بدنام ہو گیا جو ان کی پناہ گاہ تھا اور جہاں سے معمولی معمولی چھاپے، ڈکیتیاں اور سرحدی گاؤں کے مالدار تاجروں کا اغوا عمل[۵۵] میں آتا۔

محمود شاہ: یہ تھی صورت حال جب کہ عمر شاہ کا بیٹا اور مبارک شاہ کا عم زاد بھائی محمود شاہ ستھانہ پہنچا۔ محمود شاہ کو باپ کے مرنے پر انگریزوں کے ماتحت ایک نام نہاد نوکری رسالدار کی مل گئی تھی پہلے

---

۵۵ جو مالدار تاجر بطور یرغمال قید کر لئے جاتے تھے ان میں زیادہ تر ہندو ہوتے تھے انگریز مصنفوں نے اس پر بہت شور و غوغا بلند کیا ہے۔ بہر حال وہابی نے ایسی مجرمانہ حرکت کبھی نہیں کی۔ (فورین ڈیپارٹمنٹ پالیسی ۸ "دستاویزات نمبر ۱۹۱-۱۹۳ مورخہ اگست ۱۸۶۲ء آگے ملاحظہ ہو)

Marfat.com

اُس نے سنگھ ریو کے ہارس کالم میں پھر لاہور پولیس میں ملازمت کی۔ اس کو یہ نوکری انگریزوں کے حلیف جہانداد خاں کی سفارش سے ملی جو اس کا رشتہ دار بھی تھا، یہ ملازمت دینے میں انگریزوں کا ایک سیاسی مقصد بھی تھا، کیونکہ توقع کی جاتی تھی کہ اس مصروفیت سے وہ سرحد سے دور رہیگا اور وہاں امن و قانون میں خلل اندازی سے الگ رہیگا۔ "غدر" کے دوران میں وہ دہلی اور لکھنؤ تعینات کیا گیا۔ اس کے بعد اس کا رسالہ برخاست ہو گیا، اس کو سرحد کی فوج میں کیویلری (رسالہ) افسر کی حیثیت سے ریگولر عہدہ نہ ملا[۵۵] اس لئے اس نے حکومت سے درخواست کی کہ ستھانہ اس کو واپس دے دیا جائے۔

محمود شاہ کی ستھانہ میں آمد: لفٹنٹ گورنر نے اسکی درخواست اس عذر سے نامنظور کر دی کہ "ستھانہ برطانوی ہند سے باہر ہے اور جو چیز حکومت کی ملکیت ہی نہیں وہ اسے نہیں دی جا سکتی"۔ تب اس شاہزادے نے اپریل ۱۸۶۳ء میں درخواست کی کہ اسے اجازت دی جائے کہ انگریزوں کی مدد کے بغیر اسے خود ستھانہ پر قبضہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ اسے بھی اس عجیب جواب کے ساتھ رد کر دیا گیا کہ "اُس سے کہدو کہ اس قسم کی بات سنی نہ جائیگی"۔ محمود شاہ کے ساتھ انگریزوں کا رویہ نہایت مبہم اور خشم انگیز تھا۔ وہ نہ اس کو اس کی آبائی جائداد واپس دینے پر راضی تھے نہ اُسے اپنے طور پر قبضہ کرنے دیتے تھے۔ عاجز آ کر وہ اپنے آدمیوں کو ساتھ لیکر ستھانہ جا پہنچا۔ وہ اُس وقت وہاں پہنچا جب کہ مبارک شاہ اپنی متذکرہ بالا کارروائیوں میں مصروف تھا۔ اس لئے معتدل پالیسی اختیار کی اور صلح و امن کے ساتھ ستھانہ کی بازیافت کی جدوجہد کرنے لگا۔ بہرحال انگریزوں کی نامنظوری نے اسے اپنے عم زاد بھائی سے مل جانے پر مجبور کیا جو اس معاملہ میں زیادہ عملی پالیسی چلا رہا تھا۔

وہابیوں کے خلاف افواہیں عثمان زئیوں میں بھی دو گروہ تھے۔ ایک سیدوں کی مراجعت کے حق میں تھا اور دوسرا انگریزوں کی مدد سے اس کی مخالفت کرتا تھا۔ سیدوں نے ستھانہ پر قبضہ کر لیا تو دوسرا گروہ جنال کے مقابل تربیلا کی انگریزی چوکی پر چلا گیا اور انگریزوں سے

۵۵۔ یہ نامنظوری انگریزوں کے تحت نوکری نہ کرنے کی جذباتی بنا پر تھی۔

Marfat.com

شکایت کی کہ سادات اور وہابی جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ آمب کے لوگوں میں بھی بے چینی پھیل گئی اور اس کا نوجوان سردار اکرم خاں ولد جہانداد خاں بھی بھاگ گیا۔ مقامی انگریز افسروں نے بھی وہابیوں کے مفروضہ مخالفانہ عزائم پر ضرورت سے زیادہ زور دیا اور حکومت کو اس مضمون کی مبالغہ آمیز رپورٹیں بھیجیں۔ یہ بات اس امر سے ظاہر ہے کہ خود انگریزوں کو شروع میں یہ شبہ تھا کہ عثمان زئیوں کا مخالف سادات گروہ انگریزوں کی مداخلت کے لئے قصداً بے چینی پھیلا رہا ہے۔ ہزارہ کے ڈپٹی کمشنر نے اپنی چٹھی بنام کمشنر پشاور مورخہ ۳ جولائی ۱۸۶۳ء میں سچائی سے اقرار کیا تھا کہ "اس تحریک کا اصل مقصد ستھانہ میں آباد ہونا ہو سکتا ہے، مگر سادات کے دوسرے ارادوں کی طرح طرح کی افواہیں بھی اڑ رہی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان کا مقصد کیاہ اور رخیال کی غارتگری ہے اور یہ کہ آمب کا وزیر محمد سفہان (۹) امب کی تاخت و تاراج کا اندیشہ رکھتا ہے۔"[1]

مبارک شاہ: معرکہ امبیلہ کی کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس لئے بیان کیا گیا کہ اس میں سیدوں اور وہابیوں کی کارروائیوں اور انگریزوں کی مخاصمانہ پالیسی کو الگ الگ واضح کر دیا جائے۔ وہابی کئی لحاظ سے سادات کے ممنون تھے۔ ستھانہ سادات کی ملکیت تھا اور وہابی اس پر دوبارہ قبضہ کرنے کی ان کی جدوجہد کو برحق سمجھتے تھے اور ان کو پورا سہارا دینے کے علاوہ محدود امداد بھی دی۔ مگر محض عثمان زئیوں کو خوف زدہ کرنے اور ان کے حامی انگریزوں پر اپنی طاقت جتانے کی غرض سے مبارک شاہ کے آدمیوں کی تاخت و تاراج، ڈکیتیوں اور عام لوٹ مار کے سلسلے میں وہابیوں نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ پھر بھی اس موضوع پر اکثر انگریز مصنفوں نے وہابیوں اور مبارک شاہ کے آدمیوں کی کارروائیوں کو گڈمڈ کر دیا ہے۔

وہابیوں کا اعلیٰ کردار: یہ مصنفین اس معرکے کو انگریزوں کا انتقام بتاتے ہیں جو وہابیوں کی خلاف قانون کارروائیوں کے خلاف بادلِ ناخواستہ اختیار کیا گیا۔

مگر ڈپٹی کمشنر ہزارہ وہابیوں اور قبائلیوں کی حرکات کے درمیان نمایاں فرق دکھاتا ہے[2]۔ وہابی ایک سیاسی خطرہ تھے مگر لوٹ مار

---

[1] فورین ڈیپارٹمنٹ Pol "A" ۱۹۳ ۔ اگست ۱۸۶۲ء

اور ڈکیتیاں باہر کے بعض گنڈوں کے کرتوت تھے۔ جنھوں نے بنارسری میں پناہ لے رکھی تھی۔ حکومت پنجاب کے سکریٹری کی ایک چھٹی میں ڈپٹی کمشنر کے سیچے اور کھرے خیالات کی جو تلخیص درج ہے، اس کا ضروری اور متعلقہ حصّہ درج ذیل ہے:-

ہندوستانی خود ہر قتل اور ڈاکا زنی سے محترز رہتے ہیں۔ یہ حقیقت ذہن نشیں کر لینا ضروری ہے۔ یہ معلوم نہیں ہے کہ ان کے کسی فرد نے کبھی ہماری ہندو رعایا کے اغوا اور قتل میں حصہ لیا ہو۔ البتہ انھوں نے سیاسی سازش کا ایک مرکز بنا رکھا ہے اور وقتاً فوقتاً غازیوں کو بھیجتے ہیں تاکہ کافر فرنگیوں کے قتل کی تاک لگائیں .... فی الحال ہمیں ان سے جو خدشہ ہے وہ یہ کہ انھیں کی موجودگی اور حمایت سے مبارک شاہ نے طاقت اور اہمیت حاصل کر رکھی ہے .... جنگی کارروائیاں شروع کرنے اور ان کو مکمل طور پر تباہ و برباد کرنا ناممکن ثابت ہونے کی صورت میں نہایت ضروری ہوگا کہ ہماری سرحد کے قریب ان کی نو آبادی کے قیام کے خلاف نگرانی رکھی جائے ......"[1]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہابیوں کا قصور صرف ان کا وجود تھا۔ وہ سیاسی خطرے کا کوئی موجب تھے۔ اور بعض گنڈوں اور بدمعاشوں کی معمولی معمولی لوٹ مار جس سے عموماً ان کا کوئی تعلق نہ تھا ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا ایک اچھا بہانہ سمجھا جاتا تھا۔ صوبائی حکومت پنجاب جارحانہ جنگ پر تلی ہوئی تھی، اور اپنے اس منصوبے پر عمل پیرا ہونے کے شوق میں انھوں نے حکومت ہند یا کمانڈر انچیف کو بھی پوری طرح آگاہ نہ کیا۔ واقعتہً یہ مہم کمانڈر انچیف کے مشورے کے خلاف اختیار کی گئی۔

سادات کا ستھانہ پر قبضہ آخر میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سادات اور عثمان زئی کے درمیان جھگڑا اُس علاقے کے لئے تھا جو برطانوی ہند سے باہر آزاد قبائلی رقبوں میں تھا۔ حکومت نے محمود شاہ کی درخواست امداد اسی بنا پر رد کر دی تھی۔ پھر بھی جب اس نے اپنی غرض حاصل کرنے کے لئے آزادانہ اقدامات کے عدم مداخلت کا اصول طاق پر رکھ دیا اور اپنے جاگیردار سردار صاحب کو ایک فرضی خطرے سے بچانے کا عذر لنگ تراش کر انگریزوں نے مداخلت

---

[1] ADYE صفحہ ۲۵-۳۲۔

Marfat.com

کی کوشش میں اتنا کچھ داؤں پر لگا دیا۔

مبارک شاہ کے ستھانہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی جد وجہد پہلے ۱۸۶۱ء میں شروع ہو چکی تھی اور واقعات متذکرہ بالا ۱۸۶۱ء تا ۶۷ء میں رونما ہوئے۔ جولائی ۱۸۶۳ء میں سیدوں نے خادون اور عثمان زئی کی کسی مخالفت کے بغیر ستھانہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا اس کے بعد سرحد پر حملے شروع ہو گئے قبل اس کے کہ ٹوپی پر جہاں متوقع پیش قدمی کے لئے سپاہ اور ذخیرے جمع کئے جا رہے تھے باقاعدہ لڑائیاں شروع ہوں ۱۸۶۳ء میں اس پر حملہ کر دیا گیا۔

وہابیوں کے فوجی دستے: اس وقت سرحد پر وہابی فوج کی عددی طاقت اور ساخت کا ایک مفصل حال[۵] ہمارے پاس موجود ہے۔ ان کی تعداد بارہ سے چودہ سو تک تھی اور زیادہ تر بنگال[۵]، اودھ، صوبہ جات وسطی و شمالی (صوبہ متوسط یوپی) اور زیریں پنجاب کے رنگروٹوں پر مشتمل تھی۔ انھوں نے فوجی تنظیم اختیار کر لی تھی اور روزانہ قواعد (ڈرل) کرتے تھے۔ وہ سب ہتھیاروں سے اچھی طرح مسلح تھے جن میں دو چھوٹی توپیں بھی تھیں۔ مرکز ملکہ میں ان کے ایک دھات گلانے اور ایک بارود بنانے کے کارخانے موجود تھے۔ پوری فوج دس کمپنیوں میں منقسم تھی اور ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ افسر ہوتا تھا۔ اس طرح:۔

(۱) جماعت میاں عثمان۔	سپاہی	۱۲۰	۔ گز والی بندوقیں	۲۰	۔ چقماقی بندوقیں	۔ ۱۰
(۲) جماعت شریعۃ اللہ۔	سپاہی	۱۵۰	۔ "	۳۰	"	۱۰
(۳) جماعت قائم خاں	"	۱۳۰	"	۳۰	"	۲۰
(۴) جماعت قائم خاں	"	۱۳۰	"	۶	"	۲۰

یہ سب سے پرانی جماعت تھی جو ہندی جماعت کہلاتی تھی اور خالصتہً ہندوستانیوں پر مشتمل تھی۔

(۵) جماعت نجف خاں	"	۱۳	"	۱۵	"	۲۰
(۶) جماعت نعیم الدین	"	۱۲۵ (زیادہ تر بنگالی)	"	۶	"	۳۰

---

۵ بیو ص ۹۹-۱۰۲۔ ان دقیق مفصل اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اطلاع کسی جاسوس نے مہیا کی ہے جو خاص اسی مقصد کے لئے متعین کیا گیا ہوگا۔ ۵ مندرجہ ذیل فہرست میں بنگال سے وہ رقبہ مراد ہے جن میں قدیم صوبہ بنگال مع بہار شامل ہے۔

Marfat.com

(۷) جماعت نو غیر اللہ	″	۱۰۰	″	۱۰	″	۲۰	
یہ نئی جماعت کہلاتی تھی							
(۸) جماعت منشی بشیر الدین	″	۱۰۰	″	۶	″	۲۰	
(۹) جماعت محمد ابراہیم	″	۱۳۰	″	۴	″	۲۰	
(۱۰) جماعت بہرام الدین بنیری	″	۴۰	×	×	×	×	یہ دیسی

جماعت کہلاتی تھی اور ہزارہ بنیر اور ہمسایہ علاقوں پر مشتمل تھی۔

وہابیوں پر حملہ کا منصوبہ: ملکی اور فوجی حکام کے درمیان کوچ کے مختلف استوی اور ہر راستے کی جداجدا فوجی سہولتوں کے متعلق طویل بحث و تحیص کے بعد آخر طے پایا کہ وادی چملا کے راستے سے کوچ کر کے کوہ مہابن کے نسبتۃً آسان اور قابلِ عبور پہلو سے اقدام کیا جائے اور ملکہ پر عقب سے حملہ کیا جائے تاکہ اوپر وہابیوں کے کسی اور پہاڑی قلعہ کی طرف پسپا ہو جانے اور پناہ گزیں ہونے کا موقع بھی باقی نہ رہے۔ وادی چملا میں داخل ہونے کا راستہ یوسف زئی میدانوں کے پہلو سے ایک تنگ درے سے ہو کر تھا۔ اس کے دوسرے سرے پر امبیلہ کا گاؤں واقع تھا اور اسی سے درے کو اس نام سے پکارتے تھے۔ یہ ایک تنگ درہ تھا۔ جس کی نومیل لمبی پگڈنڈیاں جنگل اور چٹانوں سے بھری تھیں۔

انگریزوں کی پیشقدمی: پیش قدمی کا نقشہ ایک اہم مفروضہ پر بنایا گیا تھا۔ وہ تھا قبائل بنیر کی عملی مدد نہیں تو کم سے کم غیر جانبداری۔ بنیر کی زمینیں بہت نیچی پہاڑیوں کی ایک پتلی دھجی سے وادی سے علیحدہ ہوتی تھیں۔ خود امبیلہ انھیں کی ملکیت تھا۔ اس طرح انگریزی فوجوں کو خطرہ مول لینا ایک زبردست قبیلہ کی سرحدوں کے قریب سے گذرنا تھا۔ انگریز اس قبیلے کی تاریخ اور سیاسی رجحان سے ناواقف تھے۔ اس سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ اہل بنیر کو مجوزہ کوچ کی اطلاع نہ دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اپنے راستے کو مخفی رکھنے کی کوشش میں انگریزوں نے ان قبائل سے بھی مشورہ نہ کیا جو بنیر کے حلیف تھے اور سرزمین کے پہلو سے انگریزوں کے مجوزہ خفیہ کوچ کے ممکن ردعمل سے زیادہ واقف تھے۔ بنیر والوں سے مشورہ کرنا اس لئے بھی قرینِ مصلحت نہ سمجھا گیا کہ یہ زیادہ قرینِ قیاس تھا کہ وہ مانیں گے۔

Marfat.com

اس کے علاوہ نقشے کا افشا ہو جانا اور اچانک حملہ کی مصلحت جو کامیابی کے لئے ضروری تھی فوت ہو جاتی تجویز یہ قرار پائی کہ درے میں داخل ہو جائے اور وادی چملا میں فوراً اور اچانک پڑاؤ کر لیا جائے تاکہ اہل نبیر اسے نوشتہ تقدیر مان لیں۔ امید کی گئی تھی کہ دو ہفتے کے اندر سارا قصہ ختم ہو جائیگا۔

ٹیلر کا قبیلہ بنیر کو پروانہ: چنانچہ ۱۹ / اکتوبر ۱۸۶۳ء کو جب کہ چملا یا دوسرے قبائل کو.. ..... انگریزی فوجوں کا راستہ روکنے کے لئے کوئی تیاری کرنے کا وقت نہ تھا ٹیلر کمشنر پشاور نے جو فوج کے ساتھ تھا قبیلہ بنیر کو ایک پروانہ بھیجکر مطلع کیا کہ یہ مہم ہندوستانیوں کے خلاف ہے اور تمہیں کوئی اندیشہ کرنے کی ضرورت نہیں ٹیلر کے جانشیں پشاور جیمز کی رائے میں یہ نامعقول اقدام ہے اور ممکن ہے کہ اس کے نتائج مقصود کے برعکس ظہور پذیر ہوں۔ اس کی رائے میں یہ قرین قیاس نہیں کہ "جاہلوں کی ایک دلیر قوم کسی ایسے کاغذ کا جسے وہ پڑھ نہ سکتی ہو خلاصہ مضمون سمجھنے کے لئے ٹھہری رہیگی جب کہ ایک متوقع حملہ آور کے ہتھیار اس کے دروازوں پر چمک رہے ہوں"۔ اس کے علاوہ عبداللہ کو نظر انداز کرکے یہ ساری قیاس آرائی کی گئی تھی حکمت عملی کے ایک اُستادانہ داؤں سے انھوں نے بھی ایک اعلان[۱] بھیج کر قبائل سے اصرار کیا کہ "انگریزی افواج کی پیش قدمی کو روکیں اور صورت حال کے اصل خطرے سے اُن کو متنبہ کیا۔ ابھی تو اصل مقصود وہابی ہیں مگر تمہاری نوبت آنے میں بھی کیا دیر لگیگی؟ دشمن عیار اور غدار ہے اور ممکن ہے کہ تمھیں بھی زرومال سے پھسلائے مگر تمھیں ہوشیار رہنا چاہیے"۔

انگریزی فوج محصور: یہ عظیم الشان فوج جنرل چیمبرلین کے زیر کمان مجتمع ہوئی اور ۱۸ / اکتوبر ۱۸۶۳ء کو یوسف زئی کے میدان سے گذرتی ہوئی بڑھی اور ۲۰ اکتوبر کو درے پر پہنچ گئی۔ فوج کا ایک حصہ وادی چملا میں داخل ہو گیا اور بلا مزاحمت وہاں نے پر قابض ہو گیا۔ مگر یہ دشواریوں کا آغاز تھا۔ سامان اور ذخائر ابھی درے میں اُتر رہے تھے اور ان کا انبار راستہ بند کئے دیتا تھا۔ اس لئے چیمبرلین نے فیصلہ کیا کہ جب تک فوج کا عقبی حصہ درّے کو طے نہ کر لے آگے

---

[۱] اس اعلان کو پورا متن تتمہ میں نقل کر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

قدم نہ بڑھایا جائے۔ بہرحال اس وقت تک عبداللہ کا اعلان اپنا کام کر چکا تھا۔ بنیری چونک گئے تھے اور انگریزوں کے خلاف ہو چکے تھے۔ جنرل چیمبرلین نے اپنے ایک مراسلہ مورخہ ۲۳ر اکتوبر میں لکھا: "کوئی شک نہیں کہ ان کا رویہ (بنیریوں کی مخالفت) ستھانہ کے ہندوستانی مذہبی دیوانوں کی کارستانی ہے۔ بعض ضبط کئے ہوئے کاغذات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب سے ان کو معلوم ہوا کہ موجودہ مہم ان کے خلاف تیار کی گئی ہے ہندوستانی اہل بنیر کو ہمارے ارادے اور ان کے ملک کے الحاق سے ڈرا کر ان کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ بنیریوں کے دشمن ہو جانے سے انگریزوں نے اپنے آپ کو یوں پھنسا ہوا پایا کہ مراجعت کا ایک ہی راستہ جو درے کے نشیب سے تھا آدمیوں، جانوروں اور ذخائر سے جواب تک اوپر آرہے تھے بند ہو گیا تھا۔ انگریزی افواج ایک گہری گھاٹی میں تھیں جس کے دونوں جانب اونچے پہاڑ کھڑے تھے اور ان کے ڈھلوان پر ایک طاقتور قبیلہ ان پر حملہ آور ہونے کے لئے پینترے بدل رہا تھا۔ صرف یہ کہ مہم کے اصلی مقصد کو ملتوی کر کے اسے ثانوی مقام دے دیا گیا تھا بلکہ خود فوج کی سلامتی خطرے میں تھی"۔ اس تمام صورت حال سے عبداللہ نے بڑے کمال سے فائدہ اٹھایا۔ ہنٹر اس کی تصویر یوں کھینچتا ہے "۔ اب ایک عظیم سیاسی آفت کا اندیشہ تھا۔ ہماری فوج روزانہ کے حملوں سے چور ہو کر کسی لحظہ میں انتشار اور گھبراہٹ سے تتر بتر ہو کر درے میں قتل و غارت کا شکار ہو جاتی"۔[۱]

جنرل چیمبرلین کی امداد طلبی: آئندہ کئی دن وسط نومبر تک انگریزوں کی فوج تنگ گھاٹی میں محصور، وہابیوں اور قبائل کی لگاتار گولہ باری جھیلتی رہی۔ جنرل چیمبرلین نے کمک طلب کی جو دہشت زدہ صوبائی حکومت نے فوراً روانہ کر دی۔ اس کو حالات کے اس طرح بگڑ جانے پر سخت تشویش تھی، زیادہ تر اس لئے کہ اس نے یہ مہم کمانڈر انچیف کے اعتراض و خدشات کے باوجود تیار کی تھی جن میں سے بعض حرف بحرف صحیح ثابت ہوئے۔ صوبائی حکومت کی گردن شرم سے جھک گئی اور حکومت ہند کو رپورٹ لکھتے ہوئے اس نے بڑے دکھ سے بتایا کہ قبیلہ بنیر کی غداری قطعاً غیر متوقع تھی۔ یہ بات نہ ہوتی تو سب مراحل بالکل سہل ہوتے۔

---

[۱] در مقال صفحہ ۵۴-۵۱۔

Marfat.com

عظیم سرحدی جنگ: کمکون کا سیلاب اتنا بڑھا کہ اس گھری ہوئی آفت زدہ فوج کو اعانت مہیا کرنے کی کوشش میں سارا پنجاب افواج سے خالی ہو گیا۔ خود کمانڈر انچیف جھپیٹ کر لاہور پہنچا۔ انگریزوں کی کمکون کے جواب میں مختلف قبائل کی طرف سے رضاکاروں کی نئی نئی ٹولیوں کا مسلسل سیلاب بھی امنڈ آیا۔ عبداللہ اور مبارک شاہ کے چچا سید عمران نے سوات کے آخوند کو خط لکھکر اس کے تعاون اور بیش بہا امداد کی درخواست کی۔ اخوند نے اس صدا پر فوراً لبیک کہی اور ایک وسیع رقبے پر اپنے مذہبی اقتدار کی بدولت قبائلیوں کی ایک کثیر تعداد فراہم کرلی۔ دوسرے قبائلیوں، حملاً اور دیر نے بھی جہاد کی دعوت قبول کرلی۔ اکیلے باجوڑ کا فیض طلب خاں تین سو آدمی لایا۔ افریدیوں اور عثمان زئیوں نے بھی رنگروٹ بھیجے۔ اب یہ انگریزی مہم اپنے پہلے محدود مقصد سے آگے بڑھکر قبائلیوں کے گٹھ جوڑ (جس کی کوئی نظیر اس وقت تک دیکھی نہ گئی تھی) کے خلاف عظیم سرحدی جنگ میں منقلب ہو گئی تھی۔[1]

وہابیوں کی داد شجاعت: اس زمانے میں بہت سی مقامی لڑائیاں ثابت قدمی سے لڑی گئیں جن میں فریقین نے سخت نقصانات اٹھائے۔ ہمیں یہاں ان مقامی لڑائیوں سے بحث نہیں۔ یہاں ہم ان متعدد جھڑپوں کا حال بیان کرتے ہیں جو کریگ پکٹ میں ہوئیں، اولاً اس لئے کہ یہ متعدد مقامی لڑائیوں کا صحیح نمونہ ہیں، ثانیاً اس لئے کہ ان حملوں میں وہابی بہت نمایاں رہے۔ چیمبرلین نے ایک عرصہ دراز تک عملاً تنگ گھاٹی میں محاصرے میں رہکر اپنے پڑاؤ کے دونوں جانب پہاڑ کی دو بلند چوٹیوں پر قبضہ کرلیا، اور وہاں محافظ دستوں کی چوکیاں قائم کردیں جو کریگ پکٹ اور "انگلیس نسٹ" (آشیانہ عقاب) کے ناموں سے مشہور ہوئیں۔ دونوں اہم مقام تھے اس لئے ان میں متعدد خونریز جھڑپیں واقع ہوئیں۔ وہابیوں نے صرف کریگ پکٹ پر چار بار حملے کئے اور قبضہ کیا اور چار بار ان کے ہاتھوں سے واپس لے لئے گئے۔ فریقین نے نمایاں شجاعت اور بہادری دکھائی۔ لیکن ایڈائی ADYE نے وہابیوں کی بہادری اور تندی اور انگریزی فوج کی پُر استقلال مدافعت کے درمیان نمایاں فرق اور انگریزوں کی طویل المدۃ مدافعتی جنگ کے حوصلہ شکن اثر کی تصویر کشی کی ہے۔ ۳۰ اکتوبر اور ۲۰ نومبر کے درمیان وہابیوں نے متعدد پرجوش اور دلیرانہ حملے کئے۔ انھوں نے پہاڑ

---

[1] ADYE صفحہ ۵۴

Marfat.com

کی چوٹی پر بھی قبضہ کر لیا مگر انگریزوں کی مددگار فوجوں کی بہت بڑی تعداد نے ان کو پھر وہاں سے نکل جانے پر مجبور کیا۔ ۱۳ر نومبر کو تیسرے حملے میں وہابیوں کی یورش اتنی زبردست تھی کہ "انگریزوں کی حفاظتی چوکی ہی (جواب ۱۲۰ مضبوط جوانوں پر مشتمل تھی) مار نہیں بھگائی گئی بلکہ چھاؤنی کے سپاہیوں میں بدحواسی پھیل گئی" مددگار فوج نمازیوں کے ہجوم کو مفید مقصد مقام پر مضبوطی سے جما ہوا تھا اپنی جگہ سے ہلا نہ سکی۔ ۲۰ر نومبر کو کریگ پیکٹ پر حملے کی آخری کوشش کی گئی۔ یہ حملہ اتنا مکمل ہوا کہ برطانوی فوج پہاڑ کے نیچے دھکیل دی گئی جس سے اس کو کافی نقصان پہنچا۔ صورتِ حال ایسی نازک ہوگئی کہ چیمبرلین نے فیصلہ کر لیا کہ جو دستہ حملہ آوری اور کریگ پیکٹ پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے متعین کیا گیا تھا اس کی قیادت وہ خود کرے۔ چوکی پر دوبارہ قبضہ تو کر لیا گیا مگر انگریزوں کو ۱۵۴ آدمیوں کا نقصان اٹھانا پڑا جن میں فوج کا کمانڈر بھی تھا، خود چیمبرلین کا بازو سخت زخمی ہو گیا۔ اسلحہ اور ذخائر کی ایک بہت بڑی مقدار وہابیوں کے ہاتھ لگی۔ کئی انگریز گرفتار بھی کر لئے گئے۔

سڑک کی تعمیر و انہدام: صوبائی حکومت سرحد کی صورت حال سے بے خبر اب تک پہلے مقصد (ملکہ کی تباہی) کی تکمیل پر زور دیتے جا رہی تھی۔ لیکن چیمبرلین نے مناسب نہ سمجھا کہ قبائلیوں کے گٹھ جوڑ سے اپنی فوج کے بازوں کو خطرے سے نجات دلائے بغیر مزید پیش قدمی کی جائے اس نے اس صبر آزما ممتد جنگ میں مبتلا رہنے کے سبب سے اور یوسف زئی واپس جانے کے لئے ایک متبادل راستہ حاصل کرنے کے لئے پہاڑ کے ڈھلان پر ایک سڑک تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ سیدھی ملکہ جانے والی ایک اور سڑک کی تعمیر میں بھی ہاتھ لگا دیا گیا تاکہ اگر ممکن العمل ہو تو اس پر چڑھائی کرنے میں آسانی ہو۔ مگر وہابی بھی اس کا جواب دینے کو تیار تھے۔ انجینروں کی جماعتیں اکثر الگ ہو کر مختلف خطوں میں پھیل جاتیں اور اس کے افراد کر نے والوں سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے۔ ان پر حملہ کر کے بھگا دیا جاتا اور سڑک کے تعمیر شدہ حصے توڑ دئے جاتے یا چٹانوں اور درختوں سے بند کر دئے جاتے۔[۱]

---

[۱] وہابیوں کے گوریلا طرز جنگ کے مفصل بیان کے لئے ملاحظہ ہو ذرمقال صفحہ ۱۹۶-۲۰۶

Marfat.com

انگریزی سپاہ کی بدحالی: دسمبر تک تقریباً نوہزار باقاعدہ فوج جس میں ۹۳ ہائی لینڈرز وغیرہ کی چیدہ رجمنٹیں شامل تھیں سرحد پر تعینات کر دی گئیں، اور یہ بات ناقابل یقین معلوم ہوتی تھی کہ ایک زبردست برطانوی فوج پورے ہفتوں درے میں بند دشمن کے حملوں سے بے بس اور لاچار پڑی رہے اور ایک ضرب بھی نہ لگا سکے[۱] ہنٹر کے قول کے مطابق اس کا اصل سبب یہ تھا کہ انگریزوں نے مذہبی دیوانوں کی نوآبادی کے اُس اثر و اقتدار کا غلط موازنہ کیا جو اُسے سرحد میں حاصل تھا۔ جو لوگ دین کی خاطر ان سے مل گئے تھے وہ مال غنیمت کے لالچ یا شہادت کی آرزو میں بے تاب تھے۔ اور ان سے کم ایمان والوں کو ان کی سرزمین پر انگریزوں کے قبضے کا خوف دلایا جاتا تھا۔ صورت حال فوجی اور سیاسی دونوں اعتبار سے دشوار ہوتی جارہی تھی۔ فوج کا کمانڈر جنرل چیمبرلین زخمی ہو کر ناکارہ و مجبور پڑا تھا۔ گورنر جنرل لارڈ ایلجن "اندرونی پہاڑوں" میں حالات سے بے خبر اور کوئی ہدایت دینے سے مجبور بستر مرگ پر پڑا تھا۔ تمام حالات کا بھاری بوجھ حیران و پریشان و فکر مند لفٹنٹ گورنر کے کاندھوں پر تھا۔ ۲۰ نومبر کی لڑائی کے بعد جنرل چیمبرلین کے مراسلے نے صوبائی حکومت کو اس قدر مختل و بدحواس کر دیا تھا کہ وہ عام پسپائی کا حکم دینے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مگر سرہف روز HUGH ROSE کمانڈر انچیف کے استقلال اور ایک زبردست کمک کی فراہمی نے اس رسوا کن اقدام سے بچالیا۔ ایک خطرہ اور تھا۔ "ہر چند ہماری دیسی سرحدی رجمنٹوں نے اب تک اپنی وفاداری اور ہمت کا ثبوت دیا تھا پھر بھی یہ سمجھ لینا کہ وہ ہفتوں پر ہفتے اپنے ہی عزیزوں اور قرابت داروں سے لڑتے چلے جائینگے فطرتِ انسانی کے خلاف تھا" سیاسی صورت حال اور بھی خراب تھی۔ سارے سرحد میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ کابل میں بھی قبائلی حلیفوں کے لئے عملی امداد نہیں تو کافی ہمدردی ضرور تھی۔

برطانوی حکام کا قبائلیوں سے سیاسی گٹھ جوڑ: برطانوی حکام نے کھلم کھلا جنگ سے اپنا مقصد حاصل ہوتے ہوئے نہ دیکھا تو سیاسی جوڑ توڑ شروع کر دیا جس میں وزن زر و دھات کے کبھی پیٹ نہ پڑنے والے پانسون کی تحریص کو سب سے زیادہ دخل تھا۔

---

[۱] ہنٹر اور انڈین مسلمان صفحہ ۲۶

Marfat.com

کمشنر جیمز اور بالخصوص پولیٹیکل افسر نے حلیف قبائل کے آپس میں نفاق کے بیج بونا شروع کر دیئے۔ ہنٹر[۵۱] سچائی سے اقرار کرتا ہے کہ "پہاڑی قبائل کے ائتلاف میں ہمیشہ تلون رہتا ہے۔ اور جس چیز کو ہمارے اسلحہ حاصل نہ کر سکے وہاں پھوٹ اور حکمت عملی اپنا کام کرنے لگی" شروع دسمبر میں جیمز نے میجر جنرل گارواک کو جو جنرل چیمبرلین کا جانشین ہوا ایک یادداشت بھیجی جس میں اہل بنیر کے درمیان اندرونی نزاع اور عداوت کے وجود کی خبر دی۔ قبائل بنیر جو پہلے اپنے وطن کی محافظت و مدافعت میں لڑا کرتے تھے اب جنگ سے تنگ آچکے ہیں۔ اور آپس میں منفرق ہو گئے ہیں۔ جیمز[۵۲] کا مسلسل دباؤ اور مالی تحریص آخر بنیریوں کو توڑ لینے میں کامیاب ہو گئی۔ وہ جنگ جو وہابیوں کی اتنی امیدوں کے ساتھ بے نظیر جوش و خروش اور قبائل کے تعاون سے شروع ہوتی تھی محض قبائل کے نفاق اور خود غرضی سے ناکامی پر انجام پائی۔ آخوند نے شروع میں کوشش کی کہ وہ قبائلی غداریوں کی ہولناک موجوں سے بے داغ نکل جائے مگر ناکام ہوا اور آخر میں محض ایک بے بس تماشائی بنکر رہ گیا۔

وہابیوں کا جذبہ شہادت: جنگ کے آخری مرحلوں میں وہابی چند باجوریوں کے ساتھ زبردست حریف کے مقابلے کے لئے تنہا رہ گئے تھے۔ عبداللہ نے اپنے رفقا کی مختصر جماعت کے ساتھ جنگ کرنے کی اس امید پر کہ قبائل کی رگ حمیت و عزت نفس کو متحرک کر کے جنگ میں دوبارہ شرکت کے لئے آمادہ کر دیں ایک عظیم الشان گو خلاف مصلحت کوشش کی۔ اس آخری محاربہ کے آغاز سے پہلے ایک پرجوش تقریر کی جس میں اپنے متبعین پر زندگی کی ناپائداری اور ہتھیار ڈالنے کی بجائے لڑائی میں جان دینے کی فضیلت پر زور دیا۔ وہابی ان کی فصاحت سے متاثر ہو کر اور ایک خود فراموشانہ جوش سے مشتعل ہو کر بڑی جانبازی سے لڑے۔ ان کی صفیں ایک فولادی دیوار کی طرح بے لچک جمی رہیں۔ وہابیوں کی ایک بڑی تعداد لڑتے لڑتے مر گئی عبداللہ پھر ایک بار دوسرے مرحلے میں انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لئے پیچھے ہٹ گئے۔

ملکہ کی تباہی: جنگ تو ختم ہو گئی مگر اس مہم کا قرارداده مقصد یعنی ملکہ کی تباہی کی تکمیل باقی رہ گئی۔ بنیریوں کی پسپائی کے بعد بھی انگریز جہاں تھے وہیں رہ گئے۔ ایک دفعہ وہ بنیریوں

---

[۵۱] ایضاً صفحہ ۳۷ [۵۲] در مقال صفحہ ۳۴۸ - ۳۴۹

کی غیر جانبداری پر یقین کر چکے تھے اور اس کا خمیازہ بھی بھگت چکے تھے۔ دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ وہ ایسے دہشت زدہ تھے کہ اب وہ اور آگے افرائی اور عدی خیل قبائلی علاقے میں قسمت آزمائی کے لئے تیار نہ تھے جہاں سے گذرنا ضرور تھا اگر ملکہ جانا تھا۔ در مقال کا مصنف انگریزوں کی فتحیابی کے بعد بھی ان کے خوف اور تذبذب پر طویل بحث کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ کس طرح اُن کو ملکہ کی تباہی کے لئے افرائیوں اور بنیریوں کی امانت خریدنا پڑی تھی۔ وہ طنزاً لکھتا ہے کہ بنیری کس طرح کوچ میں آگے آگے تھے اور بہادر انگریز پیچھے پیچھے رینگتے رہے۔

اب جیمز[1] ہی نے پھر ایک انوکھا منصوبہ گانٹھا۔ تباہی کا اصل کام بنیری افرائی اور خودی خیل قبیلوں کو انجام دینا تھا کیونکہ ایک بار کھلکر مذہبی دیوانوں کی مخالفت کرنا اس بات کی یقینی ضمانت تھی کہ وہ ان کو پھر آنے نہ دینگے۔ لیکن معاملہ کو زیادہ یقینی بنانے اور یہ دیکھنے کے لئے کہ تباہی واقعی انجام پذیر ہو گئی، چند برطانوی افسروں کا بھی اس گروہ کے ساتھ جانا قرار پایا۔ وہ ۱۹ دسمبر کو پولیٹیکل افسر کرنل ٹیلر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ۲۱ دسمبر کو وہ اُس جگہ پہنچے اور ایک رات ٹھہرنے کے بعد تباہی کا کام شروع ہو گیا۔ جیمز اُس جگہ کا اور اُس کی تباہی کا حال یوں بیان کرتا ہے۔

"ملکہ مہابن پہاڑ کے شمالی برآمدہ چٹان پر ایک سب سے بلند سطح مرتفع پر واقع ہے۔ یہ ان پہاڑوں میں تمام معلوم مقامات سے بہت بڑا اور کثیر المنفعۃ تھا۔ ان میں بہت سی عمارتیں تھیں اُن میں مولوی کے خطبات کا ہال، سپاہیوں کے بارک، اصطبل اور بارود کا کارخانہ نمایاں تھے۔ کوئی باقاعدہ قلعہ بندی تو نہ تھی لیکن گھروں کی بیرونی دیواریں ایک دوسرے سے ملی ہوئی اور عقبی دروازے سب مل ملاکر ایک مسلسل خط مدافعت بناتے تھے۔ باہر کے پھاٹک پر ایک مینارہ بھی تھا۔ یہ مقام آدمیوں سے خالی پایا گیا . . . . . . اور دوپہر تک مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا۔ (۲۲ دسمبر) مہر سید محمود شاہ ستھانہ کے براہ راست اور لادعبد الجبار شاہ کی اس مضمون کی روایت نقل کرتے ہیں کہ ملکہ کو واقعی آگ نہیں لگائی گئی۔ مگر اس واقعہ پر انگریزی دستاویزات

---

[1] عبدالحق صحیح رقم جوان کو اس کام کے لئے دی گئی ۔۔ ۵۰ دینار بتاتے ہیں۔ در مقال ۲۴۹

کی شہادت واضح ہے۔ جیمز بھی اپنے منقولہ بالا خط میں بعض امزائیوں کے گاؤں سے ایک کو بچا لینے کی کوشش کا ذکر کرتا ہے، اس دلیل سے کہ وہ ان کی ملکیت ہے، نہ کہ وہابیوں کی۔ مگر یہ عذر رد کر دیا گیا اور پوری جگہ جلا دی گئی۔

انگریزی سپاہ کا بھاری نقصان: یہ معرکہ انگریزوں کو آدمی اور روپے دونوں اعتبار سے بہت مہنگا پڑا۔ ان کے نقصانات ۸۴۷ مقتول و مجروح یا پوری فوج کی چوتھائی تک پہنچ گئے جب کہ اس کی کل تعداد نو ہزار تھی۔ یہ صرف درے میں نقصانات کا ذکر ہے اور ان آدمیوں کے علاوہ ہے جو ٹھنڈ اور بیماری سے ہلاک ہوئے۔ دوسری طرف کا نقصان قبائلیوں سمیت تین ہزار تھا۔

جنگ امبیلہ انگریزوں کی نظر میں: صوبائی حکومت نے مہم کے نتیجہ پر یوں تبصرہ کیا کہ پہلے کبھی کسی موقع پر پہاڑوں میں لڑائی اتنی شدید، مستقل و دیرپا نہیں ہوئی، قبائلیوں کے درمیان وہابیوں نے زبردست اتحاد قائم کر دیا تھا جس میں وہابیوں کی رائے کو غلبہ رہتا تھا۔ اتنی بڑی برطانوی فوج کے ایک نسبتہً معمولی سے مقصد کے حصول کیلئے اتنی مدت لگانے سے قبائلیوں کی نگاہ میں انگریزوں کے وقار کو سخت صدمہ پہنچا۔ اور اتنی قربانیوں پر بھی زیادہ اہل نظر انگریز افسر اور معاصر اہل قلم یہ محسوس کئے بغیر نہ رہے کہ اختلاف کی دائمی علت کا خاتمہ نہ ہو پایا۔ ADYE[1] اڈائی رائے زنی کرتا ہے کہ "من حیث المجموع یہ جنگی مہم بالکل قابل اطمینان نہ تھی" ہنٹر اس بات کا رونا روتا ہے کہ "ہمارے زندان کے پھاٹک اُن جوق در جوق نامراد شوریدہ سر باغیوں کے لئے بند ہو گئے۔ ہماری عدالتوں نے سرغنوں کی جماعتوں کو یکے بعد دیگرے سمندر پار خاموش جزیرہ دن میں بھیج دیا پھر بھی سارا ملک ہماری سرحد پر اسلام کے پاس زدہ لوگوں کو روپے اور آدمی بھیجے جاتا ہے اور مسیحی حکومت کے خلاف خونیں احتجاج پر سختی سے جما ہوا ہے"[2] جیمز نے اپنے خط منقولہ بالا میں یوں رائے زنی کی: "مذہبی دیوانوں کی نو آبادی جو اس ہمت و استقلال سے ہماری سرحدوں پر منڈلا رہی تھی اور ہمارے انتظامیہ پر ایک داغ تھی...... اب نصف تباہ ہو چکی اور مہمان کش اور ناموافق علاقوں (جنزا نزاندمان) میں بسا دی گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بہت جلد ہمیشہ کے

---

[1] صفحہ ۹۱۔ [2] اور انڈین مسلمان صفحہ ۲۲-۱۲۲

لئے جڑ سے اکھاڑ پھینکی جائیگی"۔ جیمز اپنے اس یقین میں غلطی پر تھا۔ یہ حقیقت دوسرے معرکہ (یعنی دوسری مہم کوہ سیاہ) سے پھر اس کے بعد کے معرکوں سے واضح ہو جائیگی۔

وہابی تحریک کا مقصد اوپر کے بیانات سے یہ واضح ہو چکا ہوگا انگریز سرحدپر وہابی ریاست کے وجود کو ہندوستان میں اپنی حکمرانی کی استقامت کے لئے بالقوہ خطرہ سمجھتے تھے صورت حال کا جو اندازہ انگریزوں نے لگایا تھا وہ درست تھا کیونکہ وہابیوں کے خلاف انگریزوں کی بعد کی آویزشوں کے بیان سے واضح ہوجائیگا کہ وہابی جب کھلم کھلا حریف نہ بھی ہوتے تھے" تو اکثر قبائلی کشمکشوں میں اندر اندران کی ریشہ دوانی ثابت ہوتی تھی۔ . . . . . . وہ عناد پیدا کرنے کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ وہ کسی بھی گندے خاں سے جو انگریزوں کے خلاف اقدام کے لئے آمادہ کیا جاسکے گٹھ جوڑ کر لینے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے[۵۱]" ان ناقابل تردید حقائق کے مقابلے میں یہ نظریہ رکھنا کہ وہابی تحریک قطعاً سکھوں کے خلاف چلائی گئی تھی نہ کہ انگریزوں کے خلاف، تحریک کی تاریخ کے بہت بڑے حصے سے بالکل انکار کرنا ہے۔

---

[۵۱] اوبیو رصہ ۲۹۰-۹۱

Marfat.com

ساتواں باب

وہابی ۱۸۵۷-۵۹ء کی تحریک میں

جنگ پلاسی (۱۷۵۷ء) کے بعد کی صدی میں ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کی تدریجی توسیع اور استحکام پیدا ہو گیا۔ ساتھ ہی سازشوں، شورشوں اور عموماً مختلف کیفیت اور رنگت کی انگریزوں کے خلاف تحریکوں نے سر اُٹھایا۔ ان تحریکوں میں ۱۸۵۷ء کی تحریک اور وہابی تحریک سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہیں۔ ان میں جہاں اول الذکر تاریخ وقوع کے فوراً بعد ہی سے بعض مستند و وسیع النظر مطالعہ کا موضوع رہی ہے اور فی الحال بھی ان میں بعض بیش بہا تحریروں کا اضافہ ہوا ہے، وہاں آخر الذکر پر اب تک کافی کام نہیں ہوا۔

۱۸۵۷-۵۹ء کی تحریک کے بعض مستند مورخین نے وہابی تحریک کے صرف اُس پہلو پر جس کا تعلق ۱۸۵۷ء کی تحریک سے ہے بہت مختصر اور سرسری نگاہ ڈال لی ہے مگر ان کے طرز نگارش میں ایک اہم اور نمایاں نقص یہ ہے کہ بیان اصلی سیاق و سباق سے جدا ہوتا ہے مثلاً وہابیوں کی بنا اور احوال ماضی، ان کی تحریک کے اغراض و مقاصد، ان کی تنظیم، ان کے پیشوا و قائدین اور از قبیل دوسرے نکات بالکل نظر انداز کر دیے گئے ہیں۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ انگریزوں کے خلاف وہابیوں کی لاانتہا کارروائیوں کے معنی و مقصد کی توضیح صحیح طور پر نہیں کی گئی۔ جب ۱۸۵۷ء کی عظیم آویزش شروع ہوئی تو اُس سے تیس سال پہلے سے ہی وہابی اپنی تحریک چلا رہے تھے۔ مگر اس حقیقت پر کسی نے صحیح طور پر زور نہیں دیا۔ نتیجہ یہ

Marfat.com

ہوا کہ ۵۹-۱۸۵۷ء کی تحریک کی عام تاریخوں میں وہابی ناقابل فہم اور بے جوڑ سے عنصر دکھائی دیتے ہیں، وہ کس جماعت کی نمایندگی کرتے تھے؟ وہ اس زور شور سے انگریزوں کے خلاف سرحد کے علاقے میں کیوں لڑتے رہے؟ پھر اس کے برخلاف بہار میں جو بہت پہلے سے تحریک کا اصل مرکز رہا وہ دوسری طرح کی کارروائیوں میں کیوں مصروف رہے؟ بے رحمانہ اور کامل سرکوبی کے بعد بھی اتنے عرصے تک ایک اہم سیاسی عنصر کی حیثیت سے کس طرح باقی رہ گئے؟ یہ اور ایسے ہی متعلقہ سوالات بغیر جواب چھوڑ دئے گئے۔ شاید بعض مورخ اس فروگذاشت کو محسوس کرتے تھے۔ مثلاً مالیسن نے وہابی کے موضوع پر ایک مختصر تتمہ کا اضافہ کرکے اسی کی جزوی تحلیل کی کوشش کی ہے[۱] مگر ظاہر ہے کہ وہابی تحریک جیسے موضوع پر بحث کرنے کے لئے محض تتمہ کوئی صحیح مقام نہیں۔

اگرچہ ۵۹-۱۸۵۷ء کی تحریک کی کیفیت وکمیت کا مفصل تجزیہ تالیف ہٰذا کے احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ دونوں تحریکوں کے درمیان مناسبت وتقابل کے کچھ نکات ذیل میں دئے جاتے ہیں تاکہ جو سوالات اوپر اٹھائے گئے ہیں ان کا حل اور اس تحریک کے ساتھ وہابی تحریک کے تعلق کا ادراک کیا جاسکے۔

تحریک ۱۸۵۷ء اور وہابی تحریک کا موازنہ: ایک منظم فوج چیلنج کی حیثیت سے ۱۸۵۷ کی تحریک ہندوستان میں برطانوی سلطنت کے لئے ایک نہایت زبردست چیلنج تھی۔ اگرچہ یہ ایک زمانہ دراز کی مختلف النوع بے چینیوں کا نتیجہ تھی مگر بظاہر اس کا ظہور ناگہانی شعلہ فشانی کی طرح ہوا، تند وتیز، سیماب پا اور آگ اور خون کی ایک لکیر پر ختم ہوجانے والا۔ یہ تاریخ ہند کے افق پر شہاب ثاقب کی چمک اور رفتار سے چمکی اور اڑ گئی۔ دوسری طرف وہابی تحریک ایک دیرپا آویزش تھی جو آدھی صدی سے زیادہ قائم رہی اور اپنی مدت حیات میں شدت اور حرکت کے متنوع ومختلف درجوں سے گذرتی رہی۔ اس کا بھی انگریزوں کے خلاف رو برو جنگوں سے سامنا ہوا مگر وہ ۱۸۵۷ء کی ناگہانی شورش کے خلاف سیاسی جدوجہد کے ایک نہایت منظم، وسیع وطویل الذیل جال پر مبنی تھی۔

تحریک ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے اسباب: ایک بہت بڑی فروگذاشت جس سے ۱۸۵۷ء کی تحریک نے نقصان اٹھایا اور جو فی الحقیقت اس کے ناکام انجام کا ایک سبب ہوئی وہ ایک متحدہ مقصد اور متفقہ دستور العمل کا فقدان تھا۔ سارا شمالی ہند جدا جدا اکھاڑوں میں بٹا ہوا

[۱] مالیس جلد ۵ ص ۹۶-۵۴۷

تھا۔ ہر ایک اپنے سردار کے تحت تھا۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ ان تمام حالات میں برطانویوں کے خلاف ایک مشترک مقصد کام کر رہا تھا اور ان سرداروں کے درمیان کسی نہ کسی قسم کا باہمی ربطہ ضرور تھا لیکن من حیث المجموع یہ بھی حقیقت ہے کہ آویزشیں اکثر چھوٹے چھوٹے اور جدا جدا محاذوں پر لڑی ہوئی تھیں۔ مختلف جدوجہد کو ملانے والی کوئی مرکزی تنظیم نہ تھی۔ اس کے برخلاف وہابی تحریک کی ایک نہایت باقاعدہ اور موثر یا اندرونی تنظیم تھی۔ سماجی یا دینی اور فوجی دونوں امور کے دونوں فرائض دو علیحدہ علیحدہ بازو سمجھے جاتے تھے گو خلیفہ صدر اور مرکزی فرمانروا ہوتا تھا۔ جماعت کا ایک بازو تحریک کے ملکی مذہبی پہلو کی نگرانی کرتا۔ تمام ملک میں عبادات، جلسے، نئے رنگروٹ بھرتی کرنا اور ان کی تربیت، خیراتی اور تعلیمی کام اور جماعت کے آشیانوں کی نگرانی کا نظم تمام ملک میں پھیلا ہوا تھا۔ دوسرا بازو سیاسی و فوجی معاملات سرانجام دیتا، جیسے سرحد کو بھیجنے کے لئے آدمی اور ساز و سامان مہیا کرنا، انگریزوں کے خلاف تبلیغی لٹریچر کی اشاعت اور انگریزی فوج میں اپنے آدمیوں کو گھسانا۔

وہابی تحریک کا عقیدۂ ہجرت: وہابی تحریک کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اپنے آغاز ہی سے شدت سے عقیدہ ہجرت[1] کے زیر اثر رہی جس کا تقاضا یہ تھا کہ انگریزوں کے خلاف محاربہ ملک کے باہر سے ایک قسم کی عارضی حکومت کے ذریعے سے ہو جو برطانوی ہند سے باہر کے علاقے میں قائم ہو۔ اس لئے اس تحریک نے برطانوی ہند کے علاقے سے ہجرت کرنے اور ایک علیحدہ آزاد ریاست قائم کرنے پر بہت زور دیا تاکہ جنگ یوں لڑی جائے جیسے وہ جداجدا آزاد حکومتوں میں لڑی جاتی ہے۔ چنانچہ وہابی انگریزوں کے خلاف لڑائیوں کے دوران ایک مخصوص قطعہ زمین کے مالک تھے اور ایک فوج رکھتے تھے جو اس کی مدافعت کرے اور اپنے نظریات پر مبنی ایک دستور اساسی کا خاکہ بھی رکھتے تھے۔

دوسری طرف ۱۸۵۷ کی تحریک انگریزوں کو بزور اسلحہ ملک بدر کرنے کی کوشش ملک کے اندر سے تھی۔ بے شبہ اس شورش کو عام ملکی (غیر فوجی) سہارا حاصل تھا جس کی پشت

---

[1] وہابیوں کے قریب قریب تمام رسالے اور منشور ہجرت کی ضرورت اور فضیلت پر زور دیتے ہیں

پردیسی فوجیں بھی تھیں، خصوصاً اودھ اور بہار کے علاقہ شاہ آباد میں تحریک نے ایک قومی بغاوت کی ضخامت وجسامت تو اختیار کر لی مگر اصلاً یہ ملک کے اندر سے ایک بغاوت تھی۔ اس شورش کے دوران میں ملک کے بہت سے حصوں میں برطانوی حکومت کا وجود ختم ہو گیا تھا مگر اسکی جگہ پر کوئی علیحدہ نظام حکومت رونما نہ ہوا اور اس کے لئے وقت بھی نہ تھا، کیونکہ انگریزوں نے اسکے فوراً بعد ہی ان علاقوں پر دوبارہ تسلّط قائم کر لیا۔ بہار میں بعض مقامات پر کسی نہ کسی قسم کا عارضی نظام حکومت قائم بھی کیا گیا تو وہ موجودہ برطانوی نظام کا محض چربہ تھا۔

۱۸۵۷ کی تحریک پر وہابی تحریک کا اثر: ۵۹-۱۸۵۷ء کی تحریک کے بعض پہلوؤں پر وہابی تحریک کا بالواسطہ اثر بھی معنی خیز ہے۔ وہابیوں کی پختہ و مستقل تنظیم نے جو تمام شمالی ہند پر حاوی تھی، ہندوستانی فوجوں میں اُن کے خفیہ گوشوں نے اور مختلف دیسی ریاستوں جیسے ٹونک حیدرآباد وغیرہ سے ان کے ساز باز ان کو ایک پختہ تنظیمی مرکز مہیا کر دیا تھا جس کی ۵۷-۵۹ کے قائدین نے براہِ راست نقلیں کی اور کام میں لائے۔ . . . .

. . . .

پٹنہ کی مرکزی حیثیت: ۵۷-۵۹ کی تحریک میں وہابیوں کی روش کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے دونوں تحریکوں کے ان فرقوں کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے بہار میں ہم دیکھتے ہیں کہ سید احمد کے زمانہ سے ہی پٹنہ انگریزوں کے خلاف جدوجہد کے فعال مرکز کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ وقتاً فوقتاً وہابی شورش انگیزوں کی ایک جماعت کے باوجود اور اسکی کارروائیوں کی رپورٹیں حکومت کو بھیجی جاتی رہی ہیں۔ بعد کے دس بیس سال کے دوران میں بھی مختلف جتھوں کا مرکز اجتماع رہا جو ایک دوسرے کے علم کے ساتھ مگر زیادہ تر اپنی مرضی سے حکومت کیخلاف کارروائیوں میں مصروف رہا۔ درحقیقت پٹنہ میں ۱۸۳۰ء سے وسط ۱۸۵۷ء کی شورش تک ان جتھوں کے قائدین کی کارگذاریوں کا مطالعہ ایک بڑا دلچسپ دلکشا میدان ہے جس کی طرف اب تک کافی توجہ نہیں دی گئی۔

ولیم ٹیلر جو ۱۸۵۵ء میں پٹنہ کا ڈویژنل کمشنر بہار کے معدودہ چند دوراندیش افسروں میں سے تھا۔ وہ صوبائی حکومت کو بار بار شہر میں حکومت کے خلاف جدوجہد کے بڑھتے ہوئے زور سے متنبہ کرتا رہا۔ اس بات کی اسے داد دینا پڑتی ہے کہ وہ بہار میں کام کرنے والے مختلف جتھوں کی علیحدہ علیحدہ شخصیتوں سے واقفیت رکھتا تھا اُسے اس حقیقت کا خاص طور پر احساس تھا کہ وہابی ایک منفرد جماعت ہے۔ وسط جون ۱۸۵۷ء میں اس ڈویژن کی صورت حال جن اطراف سے اُسے شورش کا احتمال تھا اور ان میں سے ہر ایک کے سدباب کے لئے اقدامات کے لئے سب کچھ لکھ کر وہ تبصرہ کرتا ہے[۱]

---

[۱] کمشنر پٹنہ کا خط سکریٹری حکومت بنگال کے نام مورخہ ۱۷ جولائی ۱۸۵۷ء

Marfat.com

"اگرچہ میرا خیال ہے کہ مخالفِ مسیحی لیگ کے چلانے میں ...... تمام فرقے اس وقت اپنے فرقہ وارانہ تفرقوں کو محو کر دینگے اور نصاریٰ کے مقابلے میں متحد ہو جائینگے، مگر دو خاص حلقے ایسے ہیں جن سے پٹنہ میں خطرے کا اندیشہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو اودھ کے الحاق کے بعد سے لکھنؤ کی پارٹی کے طرفداروں کی طرف سے، دوسرے وہابیوں کے متشدد اور کثیر التعداد فرقے کی طرف سے۔ ان کے علاوہ ایک بڑا خطرہ شورش پھوٹ پڑنے پر عوام الناس کی برافروختگی سے بھی متوقع ہے۔"

پیر علی کی خدمات: ٹیلر کے اس موازنہ کی تائید ۳ جولائی ۱۸۵۷ء کو پٹنہ کی اُس مختصر اور شاندار شورش کی بنا سے بھی ہوتی ہے۔ اس اہم واقعہ کی تفصیلات سے ابھی ہمیں یہاں کوئی بحث نہیں، صرف اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ حکومت کی بعض پالیسیوں کے سبب سے تمام بہار اور بالخصوص پٹنہ میں عام بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ جسے ٹیلر "غداری کا گندہ حوض" کہتا ہے۔ کئی جتھے حکومت کے خلاف کام کر رہے تھے۔ لکھنؤ کے جتھے کا بڑا کارگذار پیر علی تھا۔ جو ۳ جولائی کی شورش کا ہیرو تھا اور پٹنہ کے تھانہ کوٹ گشت کے داروغہ مہدی علی کے ساتھ ملکر کام کرتا تھا۔ ڈمری ضلع پٹنہ کا ایک دولتمند زمیندار علی کریم[1] تھانہ بندراح (ابدوراج)، مبلغ مظفر پور کے جمعدار وارث علی کے ساتھ ملکر کام کرتا تھا۔ یہ دہلی کے جتھے کے نمایندے تھے۔ پھر مقامی وہابی تھے جو زیادہ عرصہ سے حکومت کے خلاف کام کر رہے تھے مگر ان کی کارروائیاں زیادہ تر ان کی اصل جدوجہد کے مرکز یعنی سرحد پر آزاد ریاست کے استحکام و ترقی کے لئے مخصوص تھیں۔ پیر علی کا بڑا مقصد اپنے ساتھی مسیح الزماں لکھنوی کی ہدایت کے مطابق ان علیحدہ علیحدہ جتھوں کی کارروائیوں میں ہم آہنگی پیدا کرنا اور بے چینی کے نسبتہ منتشر احساسات کو ملا جلا کر حکومت کے خلاف ایک زبردست اور متجانس طاقت میں منتقل کر دینا تھا۔ پیر علی کے نام مسیح الزماں کے بہت سے خطوط

---

[1] علی کریم کی زندگی اور کارروائیوں کے مفصل بیان کے لئے دیکھیے مولف کا انڈین ہسٹوریکل ریکارڈس کمیشن کے جلد ۳۴ ۱۹۵۸ء صفحہ ۹-۱۵

جو شورش دبنے کے بعد پکڑے گئے وہ اس کے اس مقصد کے حصول کی جد و جہد کی بیّن دلیل ہیں۔ پیر علی کے نام ایک خط میں وہ اسے ہدایت کرتا ہے کہ علی کریم سے رابطہ قائم کرے جس کا تعاون بہت قیمتی اور ضروری ہے۔ اس نے مزید لکھا کہ "وہابیوں کے سرداروں ولایت علی یا مقصود علی کے خاندان میں سے کسی ایسے فرد سے تمہارے دوستانہ تعلقات ہوں جسے تم ہمارے کام کے لائق سمجھتے ہو تو مجھے مطلع کرو۔ میرا خیال ہے ہمیں کسی ذات یا نسل سے اختلاف نہ کرنا چاہیے ہندو سے بھی نہیں۔ کیونکہ ہمیں محنت سے اپنا کام انجام دینا ہے، اور اختلاف میں بیشمار جھگڑے ہوتے ہیں۔ میں اپنی نسبت کہتا ہوں کہ میرے تعلقات وہابیوں سے، ان لوگوں سے جو کمزور اور متزلزل ہیں اور بہتوں سے، شیعہ اور رافضی سے بھی، اچھے ہیں۔" اس معاصر خط سے ظاہر ہے کہ وہابی ایک علیحدہ جماعت تھی۔

پیر علی پٹنہ کے وہابیوں کے سردار فرحت حسین سے مجوزہ شورش میں شرکت کے متعلق گفتگو کا ذکر جو صاحب تذکرہ صادقہ نے کیا ہے ایک قیمتی شہادت ہے۔ فرحت حسین نے اس تجویز سے جن اسباب سے اختلاف کیا ان سے ابھی بحث کی جائیگی۔

ٹیلر نے اپنے مخصوص مکمل گو خلاف دیانت انداز میں سازش کے تینوں حصوں سے بحث کی ہے۔ ہمیں یہاں دراصل وہابیوں کے ساتھ اس کے سلوک سے بحث ہے۔ چونکہ یہ ان اہم وقائع میں سے ہے جن میں مقامی وہابی قائدین نمایاں حصہ رکھتے تھے اس کا ذکر خود ٹیلر کی روایت[1] کی بنا پر کیا جاتا ہے جو اس حزنیہ ڈراما کا سب سے نمایاں کردار ہے۔

وہابیوں کی غیر معمولی تنظیم و اطاعت: ٹیلر کے مطابق وہابیوں کی سب سے نمایاں خصوصیت اپنے سردار یا پیر کی کامل اطاعت ہے۔ ایک وہابی سردار ایک سطر لکھے بغیر ایک خفیہ پیغام ناقابل یقین قلیل مدت میں پٹنہ سے لاہور پہنچا سکتا تھا۔ اور سردار کے حکم کی تعمیل بے چون و چرا ہوتی تھی۔ اس لئے ٹیلر نے فیصلہ کر لیا کہ ان کے سرداروں کو گرفتار کر لیا جائے، نہ صرف اس امید پر کہ ان کو سزا دینے کے لئے کافی ثبوت حاصل کئے جائیں بلکہ زیادہ تر

---

[1] ٹیلر کی "اور کرائسس" کلکتہ ۱۸۵۸ء صفحہ ۲۶-۳۶

Marfat.com

ان کی پوری برادری کی نیک چلنی کے لئے یرغمال کے طور پر، مگر وہ ان کو کھلم کھلا گرفتار کرنے سے خائف تھا کہ کہیں گرفتاری سے مدافعت کی نوبت نہ آجائے۔ اس لئے اس نے ایک انوکھا اور غیر معمولی منصوبہ گانٹھا۔ اس نے شہر کے معزز باشندوں کے نام ایک گشتی چٹھی جاری کر کے اُن کو کسی شورش یا فساد کے برپا ہونے کی صورت میں کچھ امتناعی اقدامات پر بحث کرنے کے لئے اپنی کوٹھی پر بلایا۔

قائدین وہابی تحریک کی گرفتاری: دوسرے دن ۱۹ جون کو یہ معززین حاضر ہوئے جن میں احمد اللہ، محمد حسین اور واعظ الحق بھی شامل تھے۔ ان کے لئے کھانے کی میز کے گرد نشستیں مرتب کر دی گئیں۔ جب سب جمع ہوئے تو ٹیلر خود کپتان رڈٹرے کلکٹر، صوبہ دار ہدایت علی اور کچھ اور لوگوں کے ساتھ داخل ہوا۔ مفروضہ مشاورہ شروع ہوا اور ٹیلر اس دوران میں تین مقصود شکاروں کے طرز و انداز پر متحیّر تھا جنھیں ہونے والی گرفتاری کا کچھ علم تھا۔ لیکن اس نے ان کے صبر و استقلال کی تعریف کی۔ جب جلسہ کی برخاستگی کا اعلان ہوا تو ان تینوں وہابی سرداروں سے شائستگی کے ساتھ درخواست کی گئی کہ وہ اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں۔ جب اور سب لوگ جا چکے تو ٹیلر نے اعلان کیا کہ اگرچہ ہمارے پاس آپ کے جرم کا کوئی قطعی ثبوت تو نہیں مگر میں آپ کی گرفتاری کو ضروری احتیاطی اقدام سمجھتا ہوں۔ ان مولویوں نے اس ضرب کو ایسی حیرتناک حاضر دماغی اور شائستگی کے انداز سے سہار لیا کہ لائق تحسین ہے۔" جب وہ ایک سکھ رجمنٹ کی حفاظت میں اس وقت کے سرکٹ ہاؤس کو لیجا کر نظر بند کر دیئے گئے ٹیلر پھر آکر ایک دھمکی دے گیا۔ اس نے احمد اللہ سے کہا کہ "میں نے تمہارے والد الٰہی بخش کو جو بوڑھے اور ضعیف ہیں گرفتار نہیں کیا" مگر یہ بھی جتا دیا کہ تمہارے ساتھ عارضی رعایت منحصر ہوگی تمہارے ساتھیوں کی نیک چلنی پر۔ یاد رکھو کہ ...... کہ اُن کی (الٰہی بخش کی) زندگی تمہارے ہاتھوں میں ہے اور تمہاری ان کے ہاتھ میں۔"

ٹیلر کا غلط دعویٰ: ٹیلر اپنی ان شیطانی حرکات پر فخر سے اپنی پیٹھ یوں ٹھونکتا ہے "آج تک میں ان لوگوں کی نظر بندی کو سب سے کامیاب چال سمجھتا ہوں[1] جو میں چل سکتا تھا"

---

[1] ایضاً صفحہ ۳۲

Marfat.com

مورخوں میں ٹیلر کا فعل گرما گرم بحث کا موضوع رہا ہے۔ کسی نے اسے جنگ افغان میں اکبر خاں کے ہاتھوں میکناٹن کے قتل سے تشبیہ دی ہے کسی نے اسے عاقلانہ اور دلیرانہ پالیسی کا فعل قرار دیا ہے۔ ماضی کے پیش نظر یہ واضح ہے کہ محض حکومت کے مفاد کے لحاظ سے اس فعل نے وہ غرض پوری کر دی جس کے لئے اس کا ارتکاب کیا گیا۔ ان قائدین کی گرفتاری نے بے شک وہابیوں کے سرحد پر روپے کی ترسیل کا انتظام درہم برہم کر دیا جس سے وہاں سخت تنگ حالی اور مفلسی پھیل گئی۔ لیکن ٹیلر کا یہ دعویٰ غلط تھا کہ اس فعل نے وہابیوں کو ۱۸۵۷ء کی تحریک میں شرکت سے باز رکھا معلوم ہوتا ہے کہ ٹیلر اُن وسیع تر نظریاتی اثرات سے بے خبر تھا جن کے تحت یہ تحریک چل رہی تھی۔ جس بات کو وہ سمجھ نہ سکا وہ یہ تھی کہ اگر احتیاطی نظر بندی عمل میں نہ آتی جب بھی وہابیوں کا طرز عمل وہی رہتا۔ اس معاملے میں وہابیوں کا عمل سطحی و شخصی مصالح کی بجائے اصول کی عمیق تر نظر سے تھا۔

وہابیوں کی غیر آئینی نظر بندی: معلوم ہوتا ہے کہ ٹیلر اس خیال خام میں مبتلا تھا کہ وہابیوں کے قائدین کی احتیاطی نظر بندی اور ساتھ ہی آلہی بخش کو صاف صاف دھمکی ہی نے اُس نازک وقت میں وہابیوں کو روکے رکھا۔ وہابیوں کے اس غیر آئینی نظر بندی کو جائز قرار دینے کے لئے ٹیلر نے یہ دلیل پیش کی کہ اس عمل نے احمد اللہ کے والد آلہی بخش کو پیر علی کی متوقعہ شورش کے متعلق مقامی مجسٹریٹ کو اطلاع دینے پر مجبور کیا مگر اس میں ٹیلر واقعات کے قصداً چھپانے اور غلط تعبیر کرنے کا مجرم تھا۔ ان تمام چٹھیوں میں جو اُس نے اس زمانہ میں لکھیں وہ یہی کہتا رہا ہے کہ اطلاع احمد اللہ کے والد آلہی بخش نے دی تھی۔ اس کے بعد اس موضوع پر ایک حالیہ مصنف نے اس غلط الزام کا اعادہ کیا ہے

اصلی مخبر: مگر اس واقعہ کا اصلی اطلاع دینے والا ٹیلر کے پاس نہیں پٹنہ کے مجسٹریٹ لوئیس کے پاس آیا تھا اور اُس کا بیان مجسٹریٹ نے لکھ لیا تھا جو یہ ہے: "آلہی بخش ولد صفدر علی ساکن موضع درودہ، تھانہ باڑھ، بکم جولائی ۱۸۵۷ء کا بیان: پیر علی خاں کتب فروش علاقہ تھانہ خواجہ کلاں کے گھر میں اسلحہ اور آدمی جمع کیے گئے ہیں۔ مجھے مولوی الہی بخش (والد احمد اللہ) نے یہ اطلاع دینے کو بھیجا ہے۔ انھوں نے یہ بعض لوگوں سے سنا ہے جن کے نام میں نہیں

Marfat.com

جانتا"۔[1] اس طرح ظاہر ہے کہ اصل مخبر ایک لڑکا[2] مسمّی الٰہی بخش ساکن باڑھ تھا جس نے کہا کہ میں الٰہی بخش کے پاس سے آیا ہوں جو احمد اللہ کے بوڑھے ضعیف باپ تھے۔ ہمارے پاس اس لڑکے کے اس بیان کی تصدیق کے لئے کوئی دلیل نہیں کہ وہ واقعی اپنے ہمنام کا بھیجا ہوا تھا۔ لڑکا باڑھ کا باشندہ تھا اور صادق پور کے الٰہی بخش سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ بہت ممکن ہے کسی کے اپنے مخالف یا دشمن کے خلاف غلط الزامات عائد کرکے پھنسانے کا معاملہ ہو۔ ایسے طلسماتی اور جھوٹے الزامات کی اس زمانہ میں پٹنہ کی فضا میں بہتات تھی۔

سرکاری گوئندوں کی حرکات نتیجہ: اس زمانے میں معزز باشندوں کے خلاف جن سے بے ایمان گوئندے روپے اینٹھنا چاہتے جھوٹے اور بے سروپا الزامات اور جوابی الزامات کے متعلق پٹنہ کے مجسٹریٹ کا کہنا ہے "میں نے تمام گوئندوں اور ان کی خفیہ اطلاعات کو صرف آپ کے گوئندے سے فریب کھا کر ناقابل اعتماد قرار نہیں دیا بلکہ مجھے بعد میں اس گوئندے کے جو کرتوت معلوم ہوئے ان سے بھی میری اس بے اعتمادی کی تائید ہوتی ہے۔ یہ گوئندہ آپ کا پروانہ لیکر شہر کے بہت سے معزز ہندوؤں اور دوسرے لوگوں سے رقمیں وصول کرتا پھرتا تھا ایسے اختیارات عارضی طور پر بھی بے ایمان آدمیوں کے ہاتھ میں دے دینے سے بڑا فساد ہوتا رہا ہے"۔ یہ مجسٹریٹ ٹیلر کے ایک اور گوئندے کا حوالہ دیتا ہے جس نے اُسے (مجسٹریٹ) کو دھوکا دیکر ۲۰ جون ۱۸۵۷ء کو ایک وہابی مولوی کے گھر کی تلاشی کرائی جہاں سے سخت تلاش کے بعد کچھ بھی نہ ملا۔ مجسٹریٹ کو بعد میں معلوم ہوا کہ گوئندہ مذکور ایک امین تھا جس نے وہابی مذکور سے پانچ روپے کا ناجائز مطالبہ کیا تھا[3] اور اس نے دینے سے انکار کیا تھا۔

ایک اور معاصر افسر، ٹیلر کا جانشین کمشنر بھی اس موضوع پر یہ معنی خیز تبصرہ کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "اس ملک میں گوئندے بے گناہ آدمیوں کو ملزم ٹھہرا دینے کی دھمکی دیکر روپے اینٹھتے ہیں"

---

[1] دفتر ڈویژنل کمشنر پٹنہ کے کاغذات بندل میں جے لوئس مجسٹریٹ پٹنہ کی چٹھی میں ٹیلر کمشنر پٹنہ کے نام مورخہ ۲ جولائی ۱۸۵۷ء

[2] ٹیلر نے اس موضوع پر اپنی ایک چٹھی میں الٰہی بخش گوئندہ کے لئے یہ لفظ استعمال کیا۔ پس ظاہر ہے کہ الٰہی بخش احمد اللہ کا باپ نہیں ہو سکتا تھا جو بہت بوڑھے تھے۔

[3] لوئیس کی چٹھی محولہ بالا۔

Marfat.com

اُن مجرموں سے زیادہ دلیر ہیں جو اکثر رشوت یا تخویف سے ان کے منہ پر مہر سکوت لگا دیتے ہیں۔[۵۱] گویندہ زیر بحث الٰہی بخش بھی انھیں خود غرض گویندوں کے جتھے کا ایک فرد ہو سکتا ہے۔ ایک نامعلوم خاندان کے نوجوان چھوکرے کی حیثیت سے اس کا بیان حکام کے نزدیک قابل وقعت نہ ہوتا اس لئے اس نے صادقپور کے الٰہی بخش کا نام لے لیا ہوگا جو معزز ترین مقامی روسا میں سے تھے۔ یا ممکن ہے کہ صادقپور کے وہابیوں کے کسی دشمن نے اس چھوکرے کو اپنے مہرے کے طور پر استعمال کیا ہو، جو ان کو کسی سرکاری تحقیقات میں الجھانا چاہتا ہو۔ ایسے دشمنوں کی تعداد کچھ کم نہ تھی۔

خاندان صادقپور کا ایثار: یہ بحث زیادہ بہتر طور سمجھ میں آسکتی ہے اگر صادقپور کے سرداروں کے خاندان کی تاریخ پر ایک نظر ڈالی جائے۔ اپنے مقصد عظیم کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرکے اور قریب قریب تمام مادی املاک قربان کرکے ممکن نہ تھا کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں سے متاثر ہوں بالخصوص الٰہی بخش جو احمد اللہ کے علاوہ یحییٰ علی، فیاض علی اور اکبر علی کے بھی باپ تھے۔ یہ تینوں ایک طویل عرصے تک سرحد پر حکومت کے خلاف لڑتے رہے تھے اور ان کی جدوجہد سب کو معلوم تھی ان کے بھتیجے برادران علی مانے ہوئے باغی تھے . . . .

. . . .

. . . . اگر الٰہی بخش کی زندگی اور سلامتی حکومت کی نظر میں ان کے بیٹوں کی نیک چلنی پر منحصر ہوتی تو مذکورہ حساب سے وہ پہلے ہی اس سے محروم ہو چکے تھے اور یہ حق ضبط ہو چکا تھا۔ کسی صورت میں بھی ان کے ایک بیٹے کے افعال کی کوئی زیادہ اہمیت نہ ہو سکتی تھی۔ جس شخص نے اپنی مرضی سے اپنے تین بیٹوں اور کئی اور قریبی عزیزوں کو اپنی اور ان کی جانوں کے خطرات کو اچھی طرح سمجھ بوجھ کر حکومت کے خلاف لڑنے کو بھیج دیا ہو اس کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ اپنے ایک بیٹے کی جس کے خلاف کوئی الزام نہ تھا سلامتی کے مفروضہ خطرے سے خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ جائے یہ قطعی ناقابل فہم ہے کہ ایک شخص جس کے خاندان کے زیادہ افراد حکومت کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھے اور جس کی دولت کا زیادہ حصہ حکومت کے خلاف جدوجہد کی داؤں پر لگا ہوا تھا، حکومت کو اُس شورش کی اطلاع دے جو اُس کے خلاف برپا ہونے والی تھی۔ یہ شبہہ اور زیادہ

---

[۵۱] چٹھی کمشنر پٹنہ بنام سکریٹری بورڈ ریونیو مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۸۶۵ء

شدید ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ٹیلر نے جان بوجھ کر اس عجیب اتفاق سے کام لیا کہ اصل گوئندہ کا نام بھی الٰہی بخش تھا، مجسٹریٹ نے اپنی منقولہ بالا چٹھی میں خاص طور پر ٹیلر کی توجہ (غلط ملط سے بچنے کے لئے) اس امر کی طرف معطوف کی ہے کہ اصلی گوئندہ کا اور اُس شخص کا جس کی طرف سے اطلاع منسوب کی جاتی ہے، نام ایک ہی ہے۔ پھر بھی ٹیلر اس نام کو ہر موقع پر احمد اللہ کے والد کے نام سے ہی چلاتا رہا بایں طور پر وہ یہ حرکت احمد اللہ اور دوسرے لوگوں کو گرفتار کرنے کا جواز ثابت کرنے کی فضول کوشش میں کرتا رہا۔

وہابیوں کی سیاسی بصیرت: جیسا کہ پہلے کہا جا چکا وہابی تحریک نہایت اجتماعی و مرکزی تھی جو خاص اصول کی بنا پر چلتی تھی۔ ایک طرف سرحد اور دوسری طرف بہار اور بنگال دو دھرے تھے جن پر یہ گاڑی چلتی تھی۔ ان میں سے ہر ایک کے ذمہ الگ الگ کام تھے جن کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی۔ ہندوستان کے اندر کے مرکزوں کا اصل کام آدمی اور روپے فراہم کرنا اور ان کو سرحد پر بھیجنا تھا۔ وہابی قائدین نے اپنی اعلیٰ سیاسی دانائی سے یہ بات سمجھ رکھی تھی کہ اگر ہندوستانی مرکزوں کی جدوجہد زیادہ نمایاں طور پر انجام دی گئی تو قدرتاً حکومت ان کو کچلنے کے اقدامات کرے گی اور اس طرح ان کے آدمیوں اور ذخائر کی فراہمی کا رستہ ہی کٹ جائیگا۔ یہ ہے وہ اساسی منطق جو بظاہر اس متضاد مظہر کی تشریح و تاویل کر دیتی ہے کہ جہاں وہابیوں کا ایک گروہ عنایت علی کے زیر کمان ۱۸۵۲-۵۸ء میں سرحد پر مصروف جنگ تھا وہاں ان کے ہم وطن ہندوستان اور بالخصوص بہار میں خاموش رہے۔ اُس زمانہ میں مرکز پٹنہ کے سردار عنایت علی کے چھوٹے بھائی فرحت حسین تھے اور انگریزوں کے ساتھ ان کا برتاؤ ان کے بڑے بھائی کے برتاؤ سے مختلف نہ تھا۔ انھوں نے بھائی سے مختلف کیوں عمل کیا اس کا سبب تنظیم کی آہنی تربیت و تادیب تھا جس نے ان کو مختلف فرض سونپ دیا تھا جس کے وہ سختی سے پابند تھے۔ واقعات کے پیش نظر ماننا پڑتا ہے کہ وہابی قائدین نے سیاسی صورت حال کا جو اندازہ لگایا تھا وہ صحیح تھا۔ اگر وہابی بہار میں علانیہ محاربہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے تو وہ بھی کچل دیئے جاتے اور تحریک اُس سے بہت پہلے ختم ہو چکی ہوتی جب کہ واقعی ختم ہوئی۔ دبے رہنے کے سبب وہابی ۱۸۵۷-۵۹ء کے شدید طوفان سے بچ رہے۔ پٹنہ کا مرکز پہلے کی

Marfat.com

طرح بر قرار رہا اور کام کرتا رہا، اور ۱۸۶۳ء کے غزوہ امبیلہ میں جب کہ وہابیوں نے سب سے شدید جنگ کی بیش بہا خدمات انجام دیں اگر وہابی بہار میں ۱۸۵۷ء میں وہ نہ کرتے جو کیا تو ۱۸۶۳ء کا معرکۂ امبیلہ وقوع پذیر نہ ہوتا۔

مگر اس طرح پٹنہ مرکز کو زندگی کا جو نیا پٹا ملا وہ بہت مختصر تھا۔ سچ یہ ہے کہ تمام مادی سہارے کے لئے وہابیوں کا ہندوستان کے مرکزوں پر کامل انحصار ہی تحریک کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔

۱۸۵۷ء کی تحریک میں وہابیوں کی حکمت عملی: ۱۸۵۷ء کی تحریک کے حالیہ مورخین میں صرف ڈاکٹر ڈی این سین اور ڈاکٹر آر سی مجومدار نے یہ معنی خیز نکتہ پیش کیا ہے کہ وہابیوں نے من حیث الجماعت اس "بغاوت" کا ساتھ نہیں دیا۔ اگرچہ وہابیوں کے مرکز بہار کے متعلق یہ صحیح ہے (جس نے اپنے بعض اساسی پالیسی کی بنا پر ایسا کیا جس پر اوپر بحث ہو چکی) مگر ان دونوں مورخین نے یہ عمومی اظہار رائے کیا ہے جو تمام وہابی مرکزوں پر منطبق ہوتا ہے۔ انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر سرحد اور پنجاب میں بغاوت کے سرغنہ کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر لینے کا فیصلہ کر لیتے تو لارنس کے لئے پنجاب کو یورپی سپاہ سے خالی کرنا مشکل ہو جاتا۔ ۱۸۵۷-۵۸ء میں عنایت علی کی متذکرہ بالا کارروائیوں سے ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ہجینتویں ۱۰۸۷ (دیسی فوج) کے سپاہیوں سے مل گئے تھے جو بھاگ کر سرحد پار چلے گئے تھے۔ ان کو پناہ دی اور ان کے دوش بدوش سرحد میں کتنی لڑائیاں لڑے۔ یہ کہنا صحیح نہیں کہ ۱۸۵۷-۵۹ء کے نازک دور میں وہابی انگریزوں سے بالکل نہیں لڑے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ اُس تحریک کے سرغنہ اور سرداروں سے نہیں ملے مگر عنایت علی کے زیر کمان ان کی سرحدی جماعت نے اس زمانے میں انگریزوں سے برابر لڑائی کی ہے۔ مگر جہاں انگریزوں نے اپنے افضل اور بہتر منظم وسائل سے تمام شمالی ہند میں بغاوت کے منتشر مرکزوں کے چیلنج کا مقابلہ کیا وہاں ایک اور پریشانی کا بھی مقابلہ کر لیا انگریزوں کو اپنے ہندوستانی غنیم پر وہ مادی اور ذہنی برتری حاصل تھی کہ وہابیوں کی کارروائیوں سے اسے کوئی مادی ضرر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ڈاکٹر سین کا متذکرہ خیال اس معنی میں البتہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اس نازک وقت میں اگر پورا پنجاب انگریزوں کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوتا۔

Marfat.com

تو یہی نہیں کہ لارنس پنجاب کی فوجیوں کو چکمہ نہ دے سکتا بلکہ تحریک کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ مگر سارا پنجاب وہابیوں کے زیر اثر خطہ تو نہ تھا اور وہابی عام اہل پنجاب کے طرزِ عمل کے ذمہ دار نہیں قرار پا سکتے۔ دوسری طرف یہ سکھوں کا طرزِ عمل تھا (گو یہ کھا کو چھوڑ کر) جس نے اس کشمکش کو اس انجام پر پہنچایا۔

۱۸۵۷ء کی تحریک میں اہل پنجاب کی عدم شمولیت۔ ۵۹-۱۸۵۷ء کی تحریک سے اہل پنجاب کے عام احتراز کے اسباب متعدد اور مختلف تھے۔ طرح طرح کے اغراض و مقاصد[1] نے جو اکثر ایک دوسرے کے متضاد تھے آبادی کے سرکردہ طبقوں، سکھ، ہندو، مسلمان کو اس نازک وقت میں خاموش رکھا۔

سکھ سپاہ کو "پوربیہ سپاہیوں" کے خلاف جو صرف دس سال پیشتر انگریزوں کے ہاتھوں سکھ فوج کی تباہی میں آلہ کار رہ چکے تھے، لارنس کی شاطرانہ چال کا ذکر کیا جا چکا ہے اور سکھوں کے طرزِ عمل میں بھی اسی کا کچھ دخل تھا۔

ڈاکٹر سین لفٹنٹ گورنر بنگال کے نام اس کی ایک روداد مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۸۵۸ء میں اس کا یہ قول بھی نقل کرتا ہے کہ "کسی زمانہ میں وہابیوں کے خلاف نہ کچھ ثابت ہوا نہ کوئی الزام عائد کیا گیا" لفٹنٹ گورنر کا یہ قول صرف گمراہ کن ہی نہیں بلکہ اس کا پچھلا فقرہ قطعی غلط ہے۔ یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ ۱۸۳۹ء سے اور زیادہ خصوصیت سے ۱۸۵۲ء سے ہزارہ، پٹنہ، رام شاہی جیسی جگہوں سے مقامی حکام صوبائی حکومتوں نیز حکومت ہند کی توجہ سرحد پر ہندوستان کے مہاجرین کے ایک بڑے آشیانے اور ملک کے اندر ان کی باغیانہ جدوجہد کی طرف منعطف کرتے رہے ہیں۔ مقامی حکام کے خدشات کی طرف اعلیٰ حکام نے زیادہ اعتنا نہ کی۔ بہرحال یہ بات قابل ذکر ہے کہ خود لفٹنٹ گورنر بنگال نے ۲۶ اگست ۱۸۵۲ء کو ایک روداد میں لکھا تھا کہ "پٹنہ کے آدمیوں اور ستھانہ اور سوات کے مذہبی دیوانوں کے درمیان مراسلت کا سلسلہ موجود ہے . . . . . ." اور یہ کہ "جو جماعتیں ان میں ملوث ہیں ان کی حرکات و سکنات پر نظر رکھنا مناسب ہے"۔ ان بیانات کے مقابلے میں یہ خیال کر وہابیوں کے خلاف کوئی

---

[1] ان اغراض و مقاصد کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو بغاوت عظیم، مولفہ تلمیذ خدودین "زیلین" ایک مجلس مذاکرہ ۱۹۵۷ء

الزام عائد ہی نہیں کیا گیا عجیب بات ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شروع میں اعلیٰ حکام نے وہابیوں کی کارروائیوں سے متعلق اطمینان کا عجب اغماض کا رویہ رکھا۔ واقعات کی سنگین اور اٹل منطق نیز غزوہ امبیلہ میں انگریزی فوج کی زبردست پٹائی نے بعد میں ان عالی مرتبت حکام کی آنکھیں خطرے کی واقعی حد وغایت اور شدت کی طرف سے کھول دیں۔

وہابی تحریک کے متعلق ایک غلط خیال: ایک غلط خیال عام طور پر پھیلا کہ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ وہابی برطانوی ہند اور خصوصاً بہار میں من حیث الجماعتہ ۱۸۵۷-۵۹ء کی تحریک سے الگ رہے تو یہ تحریک کے مخالف انگریز اصول سے خلاف ہوگا۔ یہ عجیب گمان دوہرے منطقی مغالطے پر مبنی ہے۔ اولاً یہ فرض کر لینا پڑتا ہے کہ بہار کے وہابی پوری جماعت سے مختلف لوگ تھے اور یہ کہ پوری تحریک کا طرز عمل صرف ۱۸۵۷-۵۹ء میں ان کے رویہ کی بنا پر کہنا چاہئے (مقدمۂ کبریٰ) ثانیاً یہ کہ انگریزوں کے خلاف کشمکش میں انھوں نے کوئی حصہ لیا ہی نہیں (مصدقہ صغریٰ) دونوں قضیے صریحاً بالکل غلط ہیں۔ اور تمام صوبوں کی طرح بہار کے وہابی بھی ایک وسیع وہمہ گیر کُل کے جزولازمی تھے۔ اور وہ سب کے سب ایک مرکزی نقشے کے مطابق کام کر رہے تھے۔ ایک ایک ہی قسم کے لوگ اخوت کے سخت بندھن میں بندھے ہوئے بہار اور سرحد دونوں جگہوں میں کام کر رہے تھے، بلکہ ایک ہی اشخاص، مثلاً برادران علی، یحییٰ علی، فیاض علی اور دوسرے باری باری دونوں جگہوں میں کام کرتے رہے۔ انگریزوں کے حق میں بہار کے وہابی سرحد کے وہابیوں سے زیادہ نرم نہ تھے۔ دونوں گروہوں نے اپنے اپنے مرکزوں میں حالات کے مطابق جنگ جاری رکھی۔ پالیسی کی بعض بنیادی اصول کی بنا پر بہار میں سرحد کی سی کھلم کھلا جنگ تو ممکن نہ تھی لیکن زیادہ زبردست مادّی وسائل، شاندار نہ سہی مگر جانفزا اور قوت بخش، کی فراہمی بے روک جاری رہی۔

ہم میں سے اکثر اشخاص کسی بم انداز کے طیارہ راں کے کارناموں کو تعجب کی نظر سے دیکھتے ہیں جو کسی بم اندازی کی ڈیوٹی پر دشمن کی سرزمین پر حیرت انگیز پرواز کرتا ہے اور اس کے فخر و ناز و تحسین و آفرین میں شریک ہو جاتے ہیں۔ مگر ہم میں سے کتنے ہیں جو زمینی فوج کے اُن افراد کی لگاتار محنت و مشقت کی طرف کوئی دھیان دیتے ہوں جن کی خاموش گو غیر دلچسپ کارگذاریوں سے بغیر

Marfat.com

ایسی پروازیں ممکن نہیں؟ اگر زمینی سپاہی اپنے کاموں میں کسی ادنیٰ سے جزوی کام میں غفلت برتتے تو کام کا بالکل ٹھپ ہوجاتا تو الگ رہا طیارہ راں اور اُس کا بلند پروانہ طیارہ کہاں ہوتے؟ پٹنہ کے مرکز کا کام بھی ایسا ہی تھا۔

قائدین پٹنہ کا ایثار و استقامت: ان دو مختلف قسم کے کاموں کی جدا جدا صفات بیان کرتے ہوئے مہر لکھتے ہیں[1] اس میدانِ عمل (تنظیم و ترسیل) کی مصیبتیں کسی طرح میدان جنگ کی آزمائشوں سے کم نہ تھیں۔ بلکہ اس کے برعکس میں تو کہونگا کہ میدان جنگ کی لہکتی ہوئی آگ میں گر کر فوراً مرجانا دائمی پریشانیوں اور ہر وقت کے خطرات کے طویل اور غیر مختتم دنوں کے طویل و سست رفتار گھنٹوں میں بسر کرنے سے سہل تر ہے۔ ان جنگ آوروں (قائدین پٹنہ) نے گھربار سے دور زندانوں کے تاریک تہہ خانوں اور جزائر انڈمان کے ہولناک ویرانوں میں ایک دوسرے سے دائمی مفارقت کے دن اس طرح گذارے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی ان بھائیوں (احمد اللہ و یحییٰ علی) کے ساتھ اتنی سی رعایت بھی روا نہ رکھی گئی کہ ان کی قبریں ایک جگہ پر ہوتیں۔ بایں ہمہ نہ ان کے عزم میں تزلزل ہوا نہ ان کے قدم لڑکھڑائے"۔

خاندان صادق پور کا کارنامہ: یہ قابل توجہ حقیقت ہے کہ نصف صدی سے زیادہ ایک زبردست غیر ملکی حکومت کے خلاف ایک زوردار تحریک کی قیادت کا عملاً سارا بوجھ ایک واحد خاندان اہل صادق پور نے اٹھایا۔ انھوں نے محاربین و غیر محاربین دونوں کے کاموں کی نگرانی کی اور دونوں مرکزوں میں کام کئے۔ اور یہ سب کچھ انھوں نے اُس زمانے میں کیا جب کہ انھیں کے بہت سے ہم وطنوں کی طرف سے تعاون درکنار، قدردانی کی بھی کوئی امید نہ تھی۔ یہ ہے ملک کی آزادی کے لئے ان کے خود فراموشانہ جوش اور قربانیوں کے جانچنے کا حقیقی معیار۔

---

[1] مہر جلد ۴ صفحہ ۲۰۳۔ عبارت منقولہ اصل متن کا انگریزی ترجمہ تھی (جس کا یہ دوبارہ اردو ترجمہ ہے) (مترجم)

Marfat.com

باب ۸

۱۸۶۳-۶۵ء میں کچھ وہابیوں پر سرکاری مقدمات

ایک گذشتہ باب میں بتایا جاچکا ہے کہ آدمی اور روپے کی تحصیل اور سرحد شمالی و مغربی میں ان کی ترسیل اندرون ملک میں وہابی مرکزوں کا اصل کام تھا۔ اس قیمتی امداد کی مسلسل و مستقل روانی ہی نے سرحد پر وہابیوں کی جد و جہد قائم رکھی و قتاً فوقتاً متعدد مقامی افسران وہابی مرکزوں اور ان کے ناظموں کی خطرناک اور باغیانہ کارروائیوں کی طرف توجہ دلاتے رہے تھے، مگر حکومت نے ان بروقت تنبیہوں کی طرف کوئی اعتنا نہیں کی۔ وہابیوں یا ان کے قبائلی حلیفوں کے خلاف سرحدی مہموں نے بالخصوص معرکۂ امبیلہ میں انگریزی فوج کی ہزیمت نے اعلیٰ حکام کو جھنجھوڑ کر وہابیوں کی سازشوں کے گھونسلوں یعنی ملک کے اندر ان کے مرکزوں کے ساتھ اپنے طرز عمل کے احساس کو زیادہ بیدار کر دیا۔ ہندوستان میں وہابی مرکزوں کی خطرناک طاقت اور ساتھ ہی کچھ اتفاقی واقعات کے بڑھتے ہوئے احساس ہی کا نتیجہ تھا ملک میں کچھ سربرآوردہ وہابی قائدین کے خلاف سرکاری مقدمات کا سلسلہ ان میں مقدمات انبالہ اور پٹنہ اولین اور اہم ترین تھے۔

(۱) ۱۸۶۴ء کا مقدمہ انبالہ

واقعات کا وہ سلسلہ جو مقدمہ انبالہ تک پہنچا اار دسمبر ۱۸۶۳ء کو ضلع انبالہ کے شہر تھانیسر کے ایک لمبر دار[۱] محمد نفر کی گرفتاری سے شروع ہوا۔ یہ گرفتاری ایک اتفاقی واقعہ کا نتیجہ تھی جو کئی ماہ

---

[۱] لمبردار چھوٹے شہر کا کی مالیات کا نمائندہ ہوتا تھا جو اُس شہر کی طرف سے حکومت کے اعلیٰ تر افسران مالیات سے تعلق رکھتا

Marfat.com

قبل وقوع میں آیا تھا۔ مئی ۱۸۶۳ء میں چوکی پانی پت ضلع کرنال میں ایک پٹھان پولیس سارجنٹ غزان خاں نے چند آدمی دیکھے تھے جن کے قیافوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ گرینڈ ٹرنک روڈ (شارع شیرشاہ) سے آنے والے مشرقی صوبوں کے لوگ ہیں۔ سرجنٹ کے جذبہ تجسس کو حرکت ہوئی اور ان سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہیں۔ اس کو بتایا گیا کہ وہ بنگال سے آرہے ہیں اور حکومت برطانیہ سے جنگ کرنے کو سرحد جا رہے ہیں۔ انھوں نے سرجنٹ کو دعوت[1] دی کہ وہ بھی ان سے مل جائے مگر اس نے ان کو فوراً گرفتار کرکے مقامی حکام کے سامنے پیش کر دیا۔ مقدمہ کی سماعت اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر انبالہ کی عدالت میں ہوئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ گرفتار لوگ واقعی مسافر ہیں اور ان کی رہائی کا حکم دیا۔ غزان خاں نے اس رہائی کو اپنی خفت کا موجب سمجھا۔ اور اپنے الزام کی صحت ثابت کرنے پر تُل گیا۔ اس نے اپنے بیٹے کو سرحد کے مرکز پر جانے، اس میں شریک ہونے اور وہاں وہابیوں کی کارروائیوں کے متعلق جو کچھ معلومات حاصل کر سکے فراہم کرنے پر متعین کیا۔ فرمانبردار لڑکے نے یہ کام بوجہ احسن انجام دیا۔ وہابی ریاست سے لوٹ کر اس نے رپورٹ کی کہ تمام ہندوستان سے سرحد کے لئے آدمی اور روپے کی فراہمی کا ایک وسیع جال پھیلا ہوا ہے، ان میں سے تھانیسر بھی ایک اہم کوٹھی ہے اور جعفر اس کے منتظمینِ اعلیٰ میں سے ہے۔

مہر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ غزان خاں کی منتقمانہ کارروائیاں معرکۂ امبیلہ سے بہت پہلے سے شروع ہو چکی تھیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ جعفر کے بیان کردہ واقعات سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ غزوۂ امبیلہ کے شروع ہونے سے پہلے وقوع پذیر ہو چکی تھیں۔ گو یہ صحیح ہے کہ وہابی رضاکاروں کی گرفتاری بہت پہلے عمل میں آچکی تھی مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ غزان خاں کا ذاتی فعل تھا اور حکومت سے اس کا کوئی واسطہ نہ تھا۔ حکومت نے اس مقدمے کی باقاعدہ تحقیقات اکتوبر نومبر ۱۸۶۵ء کے لگ بھگ شروع کی تھی جب کہ سرکاری فوجیں درۂ جمیلا میں مبتلائے آفت تھیں البتہ فوجی صورت حال کی نزاکت نے ان تحقیقات کو اہمیت ضرور دے دی۔ ہنٹر بھی یہی رائے رکھتا ہے کہ ۱۸۶۴ء کا مقدمہ ۱۸۶۳ء کی مذہبی جنگ کا قدرتی نتیجہ تھا۔

---

[1] وہابی رضاکاروں کو غزان خاں نے مئی میں گرفتار کیا تھا۔ اسی کے بیٹے کی سرحد پر (باقی صفحہ ۲۶۶ پر)

Marfat.com

جعفر تھانیسری: غزان خاں نے وہ ساری اطلاعات حکومت کو پہنچا دیں جو اُس کا بیٹا لایا تھا۔ حکومت پنجاب نے تفتیش شروع کر دی۔ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس، پارسن نے ۱۲ دسمبر ۱۸۶۳ء کی صبح کو تھانیسر میں جعفر کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اس نے اسی وقت اور اُسی جگہ گھر کی تلاشی پر اصرار کیا۔ جعفر کے گھر سے کچھ خطوط برآمد ہوئے جن میں انبالہ کے ایک ٹھیکیدار گوشت محمد شفیع اور انبالہ کے دوسرے ٹھیکیداروں اور پٹنہ کے کچھ آدمیوں کے نام برآمد ہو گئے۔ اگرچہ بہت سے مرموز خطوط کا پورا مطلب حکام کو بعد میں معلوم ہوا۔ ان تمام مقامات کے پولیس انسپکٹروں کو تار سے حکم دیا گیا کہ کل مشتبہین کے گھروں کی تلاشی لی جائے اور ان کو گرفتار کر لیا جائے۔ ہزاری باغ کے ایک عبدالغفور اور ایک بنگالی لڑکا بھی جو جعفر کے گھر میں موجود تھے اسی رات گرفتار کر لئے گئے۔ تعجب ہے کہ خود جعفر اُس رات گرفتار نہیں کئے گئے اور اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر انھوں نے فرار کرنے کا دلیرانہ ارادہ کر لیا۔ چنانچہ اسی رات وہ انبالہ سے نکل بھاگے اور پانی پت کے راستے سے دلّی چلے گئے۔ دلّی میں وہ اپنے ایک ہم پیشہ بشیر الدین کے ہاں ٹھہرے۔ وہاں ان کو پٹنہ کے دو شخص حسینی اور عبداللہ عرف معظم سردار ملے جو پٹنہ سے سرحد کو اشرفیاں لے جا رہے تھے۔ جعفر نے حسینی سے رقم لے لی اور اس نام کے ایک دوسرے شخص باشندہ تھانیسر کو دے دی اور اسے ہدایت کر دی کہ اُسے سرحد پہنچا دے۔ جعفر خود پٹنہ کے حسینی اور عبداللہ کے ہمراہ مشرق کی طرف سفر پر چل پڑے۔

.... اس دوران میں شفیع اور اُس کا بھتیجا عبدالکریم انبالہ میں گرفتار کر لئے گئے۔ دوسری شام (۱۳ دسمبر) کو جب پارسن جعفر کے گرفتار کرنے تھانیسر پہنچا تو اسے ان کے فرار کرنے کی خبر ملی۔ اس نے فوراً جعفر کے خاندان اور رشتہ داران پر دہشت کا مینہ برسا دیا۔ ان کو خوب مارا پیٹا اور آبرو ریزی کی۔ جعفر کے چھوٹے بھائی سے یہ معلوم کر کے کہ وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۵) ——— تعیناتی، وہاں اس کے قیام و مراجعت میں کچھ وقت صرف ہوا ہوگا۔ چنانچہ جعفر کی گرفتاری ۱۱ دسمبر کو وقوع میں آئی اور باقی تحقیقات شروع ہوئی۔

۲؎ اور انڈین مسلمان صفحہ ۲۴

Marfat.com

دہلی فرار ہو گئے پارسن فوراً ان کے چھوٹے بھائی کو ساتھ لیکر دہلی روانہ ہو گیا۔ دہلی میں بھی چند گھنٹوں کے فرق سے اُس نے جعفر کو ہاتھ سے کھو دیا وہ سڑک سے کویل (علی گڑھ) جا چکے تھے۔ جعفر کا کھوج لگانے کے لئے علی گڑھ برقی پیغام بھیجے گئے۔ وہ اور ان کے رفقاء وہاں گرفتار کر لئے گئے اور انبالہ واپس لائے گئے۔ حسینی تھانیسری بھی جسے جعفر نے اشرفیاں سرحد لے جانے پر تعینات کیا تھا راستے میں تھانیسر کے تحصیلی صدر مقام پیپلی میں گرفتار کر لیا گیا حکام سازش میں ملوث پنجاب والوں کو گھیر کر پٹنہ والوں کو گھیرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔

الٰہی بخش اور محی الدین : جعفر کے گھر سے جو کاغذات ضبط ہوئے تھے اُن میں پٹنہ کے دو آدمیوں الٰہی بخش اور محی الدین کے لکھے ہوئے دو خط بھی تھے۔ پٹنہ کا حسینی جب جعفر کے ساتھ گرفتار ہوا تھا تو اُس نے یہ بیان بھی دیا تھا کہ الٰہی بخش مذکور نے اُسے ڈھائی ہزار کی ہنڈی ایک شخص علاء الدین دہلی کے کفش ساز، کے پاس جمع کرنے کو بھیجا تھا۔ دوسرا حسینی تھانیسری جو پیپلی میں گرفتار ہوا تھا اُس کے جسم پر سے بھی کچھ اشرفیاں برآمد ہوئی تھیں ان اشرفیوں کی تعداد ٹھیک وہی تھی جو تھانیسر میں گرفتار ہونے والے عبد الغفور کے نام محی الدین[1] کے خط میں درج تھی۔ اس محی الدین کی شناخت بعد میں متعین ہو گئی۔

الٰہی بخش : ——— پنجاب پولیس نے الٰہی بخش کے گرفتار کرنے کے لئے پٹنہ کے حکام کو خفیہ اور ضروری خطوط کا ایک طومار بھیجا۔ شروع میں اس الٰہی بخش کی شناخت میں کچھ پیچیدگیاں تھیں۔ پنجاب پولیس نے جو تفصیلات دی تھیں وہ ان معلومات سے پوری مطابقت نہ رکھتی تھیں۔ جو پٹنہ کے مجسٹریٹ کو مہیا کی گئی تھیں۔ مجسٹریٹ نے ۸ دسمبر کو احتیاطاً ایک سوداگر پاپوش مسمّی الٰہی بخش کے گھر کی تلاشی بھی لی جو شہر میں رہتا تھا اور جو کچھ کاغذات تھے ضبط کر لئے۔ تحقیقات سے مجسٹریٹ کو معلوم ہوا کہ الٰہی بخش کریم بخش کا بیٹا تھا اور وہ بھی زندہ تھا۔ وہ غدر کے وقت مفلوک الحال دہلی گیا تھا اور کچھ عرصہ کے بعد وہ دولتمند لوٹا اور پھر ہٹہ پٹنہ سٹی میں ایک جوتے کی دکان قائم کی۔ وہ مختلف مقامی مہاجنوں سے قرض لیکر دہلی سے جوتے درآمد کرتا اور منافع میں وہ خود اور مہاجن

---

[1] خطوں کی مرموز زبان میں اشرفیوں کو ۱۹۴ بڑے پتھروں اور ۹۶ چھوٹے پتھروں سے تعبیر کیا گیا تھا اور حسینی کے کوٹ میں جو اشرفیاں سلی ہوئی تھیں وہ انھیں تعدادوں میں پائی گئیں۔ یہ ایک کاغذ میں کسکر باندھی ہوئی تھیں تاکہ جھنکار نہ ہو۔

Marfat.com

برابر برابر کے حصہ دار ہوتے۔ پٹنہ کے مجسٹریٹ جیمز الکزینڈر نے اسے گرفتار کر لیا اور پانچ پانچ ہزار کی دو ضمانتیں طلب کیں۔ اس کے فوراً بعد پنجاب کے حکام نے تار سے اطلاع دی کہ پارسن تحقیقات کے لئے پٹنہ جا رہا ہے۔ چنانچہ ۱۰ جنوری ۱۸٦۴ء کو وہ پٹنہ پہنچا۔

خاندان صادقپور کی خانہ تلاشی الٰہی بخش کے گھر سے بہت سے خطوط برآمد ہوئے جن سے ظاہر ہوا کہ الٰہی بخش نے حسینی کی معرفت وقتاً فوقتاً جعفر اور دہلی میں مختلف اشخاص کو جوتے اور دوسرے سودے خریدنے کو متفرق رقوم بھیجی تھیں۔ ان کاغذات میں ایک خط یحییٰ علی صادق پوری کا فخر الدین ساکن آرہ کے نام ملا جس سے سب سے اہم انکشاف ہوا۔ اس خط کا خط (طرز تحریر) بجنسہٖ وہی تھا جو مذکورہ بالا عبدالغفور کے نام محی الدین کے خط کا تھا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ محی الدین کوئی اور شخص نہ تھا بلکہ خود یحییٰ علی تھے جو "پوری جماعت کے سردار اور بڑے صاحب اثر تھے" اس لئے اب تحقیقات صادقپور کی طرف مڑ گئی۔ ۱۲ جنوری کو الیکزینڈر اور پارسن نے ایک مسلح فوجی ٹولی کے ساتھ صادقپور کے مکانات پر دھاوا کیا اور احمد اللہ اور یحییٰ علی کے گھر کی تلاشی لی۔ احمد اللہ لفٹنٹ گورنر کے ایک جلسہ میں شرکت کیلئے کلکتہ چلے گئے تھے۔ تمام کاغذات، مسودات اور بہی کھاتے جو کچھ بھی گھر میں ملے سب ضبط کر لئے گئے۔ عبدالرحیم پر بھی صبح سے شام تک جرحی سوالات ہوتے رہے۔

عبدالرحیم اور عبدالغفار کی گرفتاریاں: ایک شخص عبدالغفار جو گھر میں موجود تھا اس نے استفسار کے جواب میں بتایا کہ وہ عبدالرحیم کا ملازم ہے۔ اس سے بھی سوالات کئے گئے اس نے بیان کیا کہ "میرے آقا عبدالرحیم میرے نام سے الٰہی بخش کے ساتھ لین دین کیا کرتے تھے"۔ الٰہی بخش کا کھاتا دیکھنے سے ظاہر ہوا کہ عبدالغفار نے الٰہی بخش کے پاس اپنی جمع کی مد سے بڑی بڑی رقمیں نکالی تھیں۔ یہ شبہہ عائد کیا گیا کہ برآوردہ رقوم جن کے خرچ کا کوئی حساب نظر نہ آیا جعفر کی معرفت سرحد پہنچی گئیں۔ عبدالرحیم کے گھر سے ایک خط کا مسودہ برآمد ہوا جس سے اور باتوں کے ساتھ بعض آدمیوں (یعقوب، نصیر الدین وغیرہ) کے نام ظاہر ہوئے جن کے بارے میں معلوم تھا کہ سرحد پر تھے۔ آخر عبدالرحیم اور عبدالغفار دونوں گرفتار کر لئے گئے۔ دونوں دو روز حوالات میں رکھے گئے پھر جیل بھیج دیئے گئے۔ یحییٰ علی سے بھی دس ہزار کی ضمانت طلب کی گئی۔ ان کے بھتیجے عبدالحمید (احمد اللہ کے بڑے بیٹے) نے اس کا بندوبست کر دیا۔

Marfat.com

یحییٰ علی کی گرفتاری: اس کے فوراً بعد ہی دو گواہ سلیم الدین اور امین الدین ڈھاکہ سے لائے گئے۔ انھوں نے بیان کیا کہ "ہم اپنے سرحد کے راستے میں صادقپور کے مکان قافلہ میں ٹھہرائے گئے۔ وہاں یحییٰ علی انگریزوں سے جہاد کرنے کی فضیلت پر وعظ کہا کرتے تھے۔ ہمارے علاوہ اور بہت سے اپنے راستے میں قافلہ میں ٹھہرے تھے"۔ یہ اطلاع ملنے پر یحییٰ علی کی ضمانت منسوخ ہوگئی اور ۸ رفروری ۱۸۶۴ء کو گرفتار کرکے عبدالرحیم اور عبدالغفار کے ساتھ ان کو بھی جیل میں ڈال دیا گیا۔

قیدیوں سے انسانیت سوز سلوک اوائل مارچ ۱۸۶۴ء میں ان تینوں قیدیوں کو انبالہ چالان کر دیا گیا۔ مارچ سے سشن کی سماعت کے اختتام تک یہ قیدی علیحدہ علیحدہ تنہا تہ خانوں میں ڈال دیئے گئے جن کا رقبہ ۴ × ۵ فٹ تھا، چھت بہت بلند تھی اور دیوار میں بہت بلندی پر ایک چھوٹا سا سوراخ تھا۔ اس زندان کا دروازہ چوبیس گھنٹوں میں ایک بار کھلتا، جمعدار قیدیوں کو ایک کٹورہ پانی اور کچھ روٹی اندر ڈال دیے جایا کرتا اور مہتر گلا صاف کر جاتا۔ اس تمام مدت میں قیدیوں کے ساتھ نہایت خلاف انسانیت سلوک کیا جاتا۔

قیدیوں کے اسمائے گرامی حکم سزا کی ابتدائی کارروائیاں تیکھے ڈپٹی کمشنر انبالہ کی عدالت میں ایک ہفتہ سے زیادہ جاری رہیں۔ اپریل ۱۸۶۴ء میں ہربرٹ سشن جج انبالہ کی عدالت میں سشن کی سماعت شروع ہوئی۔ جج کے معاون چار اسیسر مقرر کئے گئے تھے دو ہندو اور دو مسلمان۔ ملکہ (وکٹوریہ) کے خلاف جنگ کرنے کے الزام میں کل گیارہ آدمیوں پر مقدمہ چلایا گیا۔ وہ یہ تھے۔

۱۔ یحییٰ علی صادقپوری۔ عمر ۴۷ سال (سوانح حیات کے لئے ملاحظہ ہو تتمہ)

۲۔ محمد جعفر ولد میاں جیون، لمبردار تھانیسر۔ ایک خوشحال سوداگر۔ مرموز خطوط میں بیرو خاں کے نام سے موسوم۔ عمر ۲۸ سال۔

۳۔ عبدالرحیم ساکن صادقپور پٹنہ۔ عمر ۲۸ سال۔ (سوانح حیات کے لئے ملاحظہ ہو تتمہ)

۴۔ محمد شفیع ولد محمد تقی، فوجی چھاؤنی کا ٹھیکہ دار گوشت۔ خوشحال تاجر۔ سرکاری گواہ بن گیا، مرموز خطوط میں شجاعت علی کے نام سے موسوم۔

Marfat.com

۶۔ عبدالغفار۔ ملازم عبدالرحیم۔ حقیقۃً وہ تحریک کے ایک معتمد کارکن تھے اور قائدین صادقپور کے ایک شریک کار بھی۔

۷۔ قاضی میاں جان ساکن کوم کولی ضلع پٹنہ ان کے عرفی نام کئی تھے۔ گرفتاری کے وقت بہت بوڑھے تھے۔ انبالہ کی نظر بندی کے دوران جب کہ انڈمان میں حبس دوام کی تجویز زیر غور تھی انتقال کر گئے۔

۸۔ عبدالغفور پسر شاہ علی ساکن ہزاری باغ۔ عمر ۲۵ سال۔ جعفر کے گھر سے گرفتار کیے گئے۔

۹۔ حسینی ولد میگھو ساکن پٹنہ سٹی۔ عمر ۳۵ سال۔ ملازم الٰہی بخش۔

۱۰۔ حسینی ساکن تھانیسر ولد محمد بخش۔ عمر ۲۵ سال۔ عنایت علی کے زیر کمان سرحد پر جہاد کیا تھا۔

۱۱۔ الٰہی بخش ولد کریم بخش۔ تاجر پاپوش پٹنہ سٹی۔ احمداللہ کے مختار کی حیثیت سے بھی کام کیا تھا۔ احمداللہ کے خلاف مقدمہ میں سرکاری گواہ بن گیا۔ ۱۸۶۵ء میں رہا کیا گیا۔

مقدمہ کا آغاز: یہ قیدی تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۲۱ کے تحت ملکہ (وکٹوریہ) کے خلاف جنگ کرنے کے ملزم قرار دیئے گئے تھے۔ اس مقدمے کے قانونی مباحثوں سے ہمیں یہاں بحث نہیں مقدمہ کی سرکاری ضخیم رودادوں میں ان کی تلخیص موجود ہے۔ اور دو سزا یافتہ شخصوں کی تصانیف میں بھی شامل ہیں جو اپنی گرفتاری اور مقدمات کے بارے میں لکھنے کو زندہ بچ رہے تھے۔ استغاثہ کے موٹے موٹے واقعات بہت حد تک درست تھے مگر حکومت کے پاس ان تمام ملزموں کے واقعی جرم کے ثبوت میں کافی مواد اور گواہ نہ تھے۔ جیسا کہ آگے چل کر تفصیل سے بحث کی جائیگی۔ جس طور سے گواہوں کو سکھایا پڑھایا جاتا سخت جسمانی ایذائیں اور پھانسی کی دھمکی بھی دی جاتی۔ اس نے ان کارروائیوں کی قانونی حیثیت اور وقار کی مٹی اور زیادہ پلید کی۔

قیدیوں کے وکلاء: جواب دعویٰ میں قیدیوں کی طرف سے زیادہ کچھ نہیں کہا گیا۔ صرف شفیع نے جو ایک دولتمند آدمی تھا شروع میں ایک وکیل مقرر کیا۔ جعفر نے اپنی طرف سے خود جرح کی اور اپنے مقدمے میں خود بحث کی یحییٰ علی نے وکیل مقرر کرنے سے انکار کیا اور اپنی مدافعت میں کچھ نہیں کہا۔ تمام دوران سماعت مقدمہ میں قرآن کی آیتیں تلاوت کرتے یا عربی قطعہ

Marfat.com

پڑھتے رہے جس کا مضمون یہ تھا کہ انسان کو اس کی پروا نہ کرنا چاہیئے کہ اس کی موت کس طرح واقع ہوتی ہے، کیونکہ بہرحال انسان کو خدا کے ہاں واپس جانا ہی ہے۔[۵]

مگر۔ بعد میں عبدالرحیم نے شفیع کے اصرار سے اپنے اور یحییٰ علی کے لئے کلکتہ کے ایک مشہور بیرسٹر مسمیٰ پلوڈن[۶] کو وکیل مقرر کیا۔ وہ ناقابل قیاس فیس اکیس ہزار روپے پر کام کرنے کو راضی ہوا۔ ولایت علی کے چھوٹے بیٹے محمد حسن جو اس وقت اٹھارہ سال کے تھے اور حاجی مبارک علی نے مدافعت کے ضروری انتظامات میں غیر معمولی سوجھ بوجھ کا ثبوت دیا۔

عدالت کا فیصلہ: ۲ مئی کو فیصلہ سنایا گیا۔ یحییٰ علی، محمد جعفر اور محمد شفیع کو سزائے موت اور باقی کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزائیں سنائی گئیں اور ملزمین کی تمام جایدادوں کی ضبطی کا حکم صادر ہوا۔ فیصلہ روداد کے ایک سو صفحوں سے زیادہ پر محیط ایک طویل دستاویز ہے ہنٹر نے فیصلہ کے متن سے جو کچھ نقل کیا ہے اس میں ہر قیدی کے علیحدہ علیحدہ جرم کا یہاں خلاصہ دینا کافی ہوگا۔

یحییٰ علی اس عظیم بغاوت کی بڑی کمانی تھے جسے اس مقدمہ کی سماعت نے کھول دیا ہے .... اس نے اپنے سیکڑوں ہزاروں ہموطنوں کو بہکا کر غدر اور بغاوت پر آمادہ کیا۔ اس نے اپنی سازشوں سے برطانوی حکومت ہند کو سرحد کی جنگ میں مبتلا کر دیا جس میں سیکڑوں جانیں ضائع ہو گئیں۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص ہے اور ناواقفیت کا عذر پیش نہیں کر سکتا۔ جو کچھ اس نے کیا ہے پہلے سے سمجھ بوجھ کر، پختہ ارادے اور سخت غداری سے کیا ہے۔

جعفر۔ اس قیدی کی شدید عداوت اور باغیانہ، مفسدانہ قابلیت کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ وہ ایک تعلیم یافتہ شخص ہے اور اپنے گاؤں کا مکھیا ہے۔ اس کے جرم میں کوئی شک و شبہ نہیں، نہ اس میں تخفیف کی کوئی وجہ ہے۔

---

[۵] تاریخ احمدی صفحہ ۳۹۔ تذکرہ صادقہ ۶۹، ۷۰۔

[۶] اس کے انبالہ آنے پر جج نے اسے جیل میں اپنے موکلوں سے ملنے کی اجازت نہ دی۔ جوڈیشیل کمشنر کے ہاں اپیل کی۔ اس نے بھی عذر سننے سے انکار کر دیا۔ آخر لفٹننٹ گورنر کے پاس اپیل کی تو اپنے موکلوں سے ملنے کی اجازت ملی۔ اسی طرح ایک وکیل دفاع کو اتنے سے معمولی قانونی حق حاصل کرنے میں دو ہفتے ضائع ہو گئے۔ (تذکرہ صادقہ ص ۷۰)

Marfat.com

عبدالغفار۔ یہ مہمان خانے کے تمام دنیاوی معاملات کا بندوبست کرتا اور روزانہ رنگروٹوں کو جہاد کے فرضِ عظیم پر لیکچر دیا کرتا .... جو کچھ اس نے کیا کامل خلوص دل سے کیا اور آخر آخر تک انبالہ میں گواہوں کے کٹہرے میں اپنے آقا کے پہلو میں بیباکانہ کھڑا رہا۔[۵]

قیدی عبدالرحیم کے خلاف یہ ثابت ہے کہ یہ غدارانہ کارروائیاں اسی کے مکان میں ہوتی تھیں .... اسی کا نوکر خزانچی بھی تھا، رنگروٹوں کو کھلاتا پلاتا اور مذہبی دیوانوں کو چندے کی رقمیں بھی بھیجتا .... جو کچھ اس کے بس میں تھا اس نے حکومت کے خلاف کیا۔

حسینی ساکن پٹنہ (الٰہی بخش کے نوکر) کے خلاف ثابت ہے کہ .... مالک نے اُسے باغیانہ اغراض کے لئے ترسیل رقوم پر مامور کیا تھا .... اور یہ کہ جس خدمت پر وہ مامور تھا اس کی باغیانہ نوعیت کو وہ خوب سمجھتا تھا۔

عبدالغفور کے خلاف یہ ثابت ہے کہ وہ پٹنہ کے یحییٰ علی کا مرید تھا، اور یحییٰ علی نے اس کو تھانیسور میں باغیوں کو بھرتی کرنے والے گروہ میں قیدی جعفر کا مددگار متعین کیا تھا اور مدد کرتا رہا۔

قاضی میاں جان کے خلاف یہ ثابت ہے کہ وہ بنگال میں جہاد کی تبلیغ کرتا اور آدمی بھرتی کرتا .... روپے تحصیل کرتا اور بھیجتا اور خطوط کو آگے بڑھاتا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے گھر سے نہایت باغیانہ قسم کی مراسلت پکڑی گئی .... وہ چار فرضی نام استعمال کرتا تھا۔

الٰہی بخش کے خلاف یہ ثابت ہے کہ یہی واسطہ تھا جس سے پٹنہ کے مولوی اپنی تحصیل کردہ رقوم بالائی حصۂ ملک میں جعفر تھانیسوری کو ملکہ اور ستھانہ منتقل کر دینے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔

عبدالکریم کے خلاف ثابت ہے کہ باغیانہ کاموں کے لئے پٹنہ کے منی آرڈروں کو بھنانے کے لئے محمد شفیع ٹھیکہ دار گوشت کا خفیہ کارپرداز تھا۔

حسینی تھانیسری محمد جعفر اور محمد شفیع قیدیوں کا ان کی غداریوں کا خفیہ کارپرداز اور

۵؎ یہ تبصرہ خود ہنٹر کا ہے صفحہ ۹۱

Marfat.com

دلال تھا۔ اور جعفر کی طرف سے محمد شفیع کے پاس ملکہ (وکٹوریہ) کے دشمنوں کو پہنچانے کے لئے دو سو نوے اشرفیاں لے جاتے ہوئے پکڑا گیا۔

شفیع کو پہلے موت کی سزا کا حکم دیا گیا۔ لیکن سرکاری گواہ ہو جانے کے بعد یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور دو برس جیل میں رہنے کے بعد بری ہو گیا۔ مگر اس کی جایداد جو پہلے ضبط کر لی گئی تھی واپس نہیں کی گئی۔

عدالتی فیصلے کی توثیق: یہ فیصلے توثیق کے لئے جوڈیشیل کمشنر روبرٹس کے پاس بھیجے گئے۔ داخلی حکومت سے مشورہ کرنے میں مسلسل التواؤں کے بعد فیصلہ ۲۴ راگست ۱۸۶۴ء کو صادر ہوا۔ سزاؤں میں خفیف سی ترمیم کر دی گئی۔ تین ملزموں کیلئے جو موت کی سزا مقرر کی گئی تھی اسے حبس دوام میں بدل دیا گیا۔ لفٹننٹ گورنر کا آخری حکم ستمبر میں صادر ہوا۔ قیدی مقدمہ کے آغاز سے فروری ۱۸۶۵ء تک انبالہ جیل میں رہے۔ چھاؤنی کے احاطے میں جو یورپی خاندان رہتے تھے وہ آکر ان کو اعجوبہ منظر کی حیثیت سے دیکھا کرتے۔ اس زمانہ میں ایک بار جیل کے وارڈر (محافظ) نے یہ پیشکش کر دی کہ وہ ان کو نکل بھاگنے کا موقع دے گا اور فرض منصب میں غفلت کی جو سزا بھی ہو وہ بھگت لیگا۔ مگر قیدیوں نے اسے قبول نہ کیا۔

ہنٹر کا قیدیوں کو خراج تحسین: سر کردہ "سازشیوں" کے چال چلن اور "جرائم" پر تبصرہ کرتے ہوئے ہنٹر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے کہ چار و ناچار، یحییٰ علی اور جعفر کے خلوص اور ایمانداری کی تحسین کرے۔ "جنھوں نے نہ کبھی وفاداری کا اظہار کیا نہ ہم سے کوئی رعایت طلب کی۔ یہ مخلص اور ایماندار لوگ تھے جنھوں نے اپنے تئیں زہر میں بجھے ہوئے ہتھیار سمجھ لئے تھے جو ایک باطل دین نے ان کے ہاتھ میں دے رکھے تھے۔ اور اب جب کہ انھوں نے اپنی غداری کا خمیازہ بھگت لیا تو تاریخ ان کے حشر کو ایسے جذبے سے یاد رکھیگی جو ترحم و تاسف سے ملتا جلتا ہوگا۔"

شفیع کے بارے میں جس نے اپنی جان بچانے کو اپنے رفقاء اور مقصد دونوں سے غداری کی ہنٹر لکھتا ہے۔ "مگر محمد شفیع کے لئے ایسا کوئی جذبہ ابھر نہیں سکتا۔ اس نے ہمارا ہاتھ چاٹا اور اسی کو کاٹا، اور وہ شروع سے آخر تک ذہین چالاک اور کمینہ منصوبہ ساز دکھائی دیتا ہے۔

Marfat.com

قیدیوں پر ظلم و تعدی: فروری ۱۸۶۵ء سے جب کہ قیدیوں کی پہلی کھیپ جزائر انڈمان کی مہیب نوآبادی کے سفر میں جہاں وہ تقریباً ایک سال میں پہنچی، راستے میں لاہور میں رکی تو قیدیوں کے لیئے ہولناک بدخوابیوں اور خلاف انسانیت ایذا رسانیوں کا دور شروع ہوا۔ ۲۲ فروری کو وہ انبالہ سے لاہور منتقل کیے گئے۔ ان دونوں مقامات کے درمیان پیدل سفر کیا گیا۔ عبدالرحیم کو کچھ دنوں کے لیئے اس امید میں انبالہ میں روک لیا گیا کہ سرحد پر عبداللہ اور دوسرے رفقا سے اطاعت قبول کرلینے کی تجویز میں ان کو واسطہ بنایا جائے۔ مگر انھوں نے اپنے گرفتار کرنے والوں کی بات نہ مانی اور فوراً ہی انڈمان چالان کر دیئے گئے۔ قیدی اسی سال اکتوبر کے آخر میں لاہور سے ملتان کے جیل میں منتقل کر دیئے گئے۔ سفر کے دوران سب قیدی اکٹھے زنجیر میں بندھے ایک مقفل ڈبے میں بند رہتے تھے جو منزل پر پہنچکر ہی کھولا جاتا۔ ملتان کے قریب ایک مقام سے اسٹیمر میں بٹھائے گئے اور دریائے سندھ سے کراچی لائے گئے۔ سفر کے دوران پورے ایک ہفتہ قیدی اکٹھے ایک تختوں کے فرش پر بٹھلائے گئے اور ان کی زنجیروں سے ایک اور زنجیر ایک سرے سے دوسرے سرے تک یوں گذار دی گئی تھی کہ وہ اپنی جگہوں پر کھڑے بھی نہ ہوسکتے تھے۔ اسی جکڑ بند ہیئت میں حاجت ضروری سے بھی نمٹا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں ان کی آہنی ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کا مجموعی وزن فی کس آدھ من سے کم نہ ہوگا کراچی سے وہ ممبئی لائے گئے اور اس زمانہ کے ہولناک تھانہ جیل میں رکھے گئے جو ایک پرانے ویران مرہٹہ قلعہ میں واقع تھا۔ یہ قیدخانہ قیدیوں پر نہایت سخت اور بے دردانہ ایذاؤں کے لیئے مشہور تھا اور صرف بدترین قسم کے مجرم یہاں رکھے جاتے تھے۔[1]

اس مختصر بیان سے ہمیں ان جسمانی ایذاؤں کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے جو وہابیوں کو انڈمان جاتے ہوئے راہ میں جھیلنا پڑیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کی سیاسی قیدیں جن میں اخباروں وغیرہ تک کی فراہمی کا انتظام ہوتا ہے اس زمانے میں قیدیوں پر شدائد کے مقابلہ میں کتنی آسان ہیں۔ انڈمان کا سفر ۸ دسمبر کو شروع ہوا اور ۱۱ جنوری ۱۸۶۶ء کو ختم ہوا۔ اس کے بعد جزیرہ انڈمان میں قیدیوں کی زندگیوں کو علیحدہ بیان کیا گیا ہے

---

[1] تواریخ عجیب ص ۵۲ - ۵۶

(ب) ۱۸۶۵ء کا مقدمہ پٹنہ

انبالہ کے مقدمہ کا لازمی نتیجہ تھا پٹنہ کا مقدمہ۔ اُس زمانہ میں پٹنہ میں تلاشیاں ہوئی تھیں تو احمد اللہ کے گھر کی بھی تلاشی لی گئی تھی۔ مگر پنجاب اور پٹنہ کے حکام کے درمیان ان کی گرفتاری کے مناسب ہونے پر اختلاف رائے کے سبب سے وہ اُس وقت گرفتار نہیں کئے گئے۔

احمد اللہ: اوائل اکتوبر ۱۸۶۴ء میں حکومت پنجاب کے سکریٹری نے حکومت بنگال کے سکریٹری کے نام ایک چٹھی بھیجی جس میں ڈپٹی کمشنر انبالہ کے دو مراسلے مورخہ ۱۶ اور ۱۹ ستمبر ۱۹۶۴ء احمد اللہ کے حکومت کے خلاف سازش میں ملوث ہونے کے موضوع پر منسلک تھے۔ ان میں لکھا تھا کہ انبالہ کے مقدمہ میں استغاثہ کے بعض گواہوں کے بیانات سے ظاہر ہوا کہ احمد اللہ اکثر ان خفیہ جلسوں میں موجود ہوتا تھا جن میں یحییٰ علی تقریر کرتا تھا۔ مقدمہ انبالہ کے ایک ملزم الٰہی بخش کے بیان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کچھ رقوم جو سرحد بھیجنے کیلئے اسکے پاس جمع کیجاتی تھیں۔ وہ احمد اللہ ہی کی معرفت جمع ہوتی تھیں۔ اور یہ کہ اُسی کے حکم سے رقمیں برآمد کی جاتیں اور بھیجی جاتی تھیں۔ اُسی کی ہدایت سے الٰہی بخش حسابات بجائے اس کے (احمد اللہ کے) نام کے عبدالغفار کے نام رکھتا تھا۔

وہابیوں کی کارروائیوں کے موضوع پر حکومت پنجاب کے محافظ خانوں میں پرانے کاغذات کی چھان بین کی گئی۔ ان میں سے ایک سے احمد اللہ کے متعلق یہ رپورٹ برآمد ہوئی۔

"جس زمانے میں فیاض علی اور یحییٰ علی کا پڑاؤ ستھانہ میں تھا" عظیم آباد میں مولوی فرحت حسین برادر مولوی ولایت علی اور .... مولوی احمد اللہ اپنے گھروں میں اپنے گاؤں سے روپے تحصیل کرتے اور اسلحہ اور سامان جمع کرتے تے"

احمد اللہ پر الزامات: ان حالات کے پیش نظر جبکہ مزید تفصیلات حاصل کرنے کے لئے مزید تحقیقات کی امید کی جاتی تھی، ڈپٹی کمشنر انبالہ نے پٹنہ کے حکام کو مشورہ دیا کہ بالخصوص ان الزامات پر احمد اللہ کو گرفتار کر لیا جائے: (۱) ان مکانات کو جن میں وہ اور خود خاندان کے دیگر ارکان کے ساتھ رہتے تھے ستھانہ کے مذہبی دیوانوں کے لئے رنگروٹ بھرتی

کرنے کے دفتر کے طور پر استعمال کرنا (۲) پچھلے[۱] غدر کے ایام میں پٹنہ میں سازش کرنا (۳) اس خاندان کا سردار ہونا جسے بہت پیشتر پنجاب کے بورڈ ایڈ منسٹریشن (مجلس منتظمہ) نے ۱۸۴۷ء میں متنبہ کر دیا تھا کہ سرحد پہ گڑبڑ نہ پھیلائے (۴) ایسی کارروائیوں کو اپنے گھر میں موقوف کرنے میں قاصر رہنا ہی نہیں بلکہ برعکس ان کی حوصلہ افزائی اور اعانت کرنا۔

احمد اللہ کے خلاف شکایات: حکومت پنجاب کا یہ مراسلہ اپنے وقت پر یا کچھ قبل تو نہیں پہنچا۔ واقعہ یہ ہے کہ احمد اللہ پر یحییٰ علی کی گرفتاری کے وقت سے ہی ایک دھند چھائی ہوئی تھی۔ پٹنہ کے مقامی حکام ان حرکات میں جن کے لئے یحییٰ علی اور دوسرے ملزموں پر مقدمہ چل رہا تھا احمد اللہ کی شرکت کا شدید شبہہ رکھتے تھے۔ ۱۸۶۴ء کے وسط میں ہی جب کہ ملزمین انبالہ کی اپیل ہائی کورٹ میں دائر تھی پلوڈن وکیل صفائی نے قیدیوں کو احمد اللہ کی متوقعہ گرفتاری کی خبر دی تھی عظیم آباد کے کچھ خود غرض آدمیوں نے جو احمد اللہ کے سماجی مرتبہ اور سرکاری اعزاز پہ اُن سے حسد رکھتے تھے ان کی شرکت سازش کے متعلق افسروں کے کان بھر دئے تھے ٹیلر پٹنہ کا برطرف کردہ ڈویژنل کمشنر اور وہابیوں کے خلاف زبردست پیروکار ابھی شہر ہی میں تھا۔ اسی نے اور ایک جوان سارجنٹ پولیس ایشری پرشاد نے وہابیوں پر مقدمہ چلانے کی جدوجہد میں حکومت پر اپنے جوش و مستعدی کے اظہار کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ ایشری پرشاد نے اس نفع بخش تفویض[۲] کے لئے ایسی سرگرمی دکھائی کہ بعد میں حکومت نے اس کی خدمات دوبارہ طلب کر لیں۔

احمد اللہ کا وہابی تحریک میں حصہ: احمد اللہ کی ان باغیانہ سازشوں میں شرکت کے سوال پر کچھ تشریح کی ضرورت ہے کیونکہ بعض لوگوں نے اس تحریک میں ان کے حصہ کی مقدار پر شک کا اظہار کیا ہے۔ مہر کہتے ہیں کہ احمد اللہ نے اس تحریک کی تنظیم یا زیادہ عملی کاموں میں

---

[۱] اوائل جون ۱۸۵۷ء میں احمد اللہ کے گھر کی تلاشی لی گئی تھی اور اس کے چند دنوں بعد ٹیلر نے خود ان کو گرفتار کر لیا تھا۔ [۲] ان مقدمات میں ایشری پرشاد کو اس کی خدمات کے صلے میں ڈپٹی کلکٹر کا عہدہ ملا اور ڈھائی ہزار روپے نقد انعام بھی (تاریخ عجیب صفحہ ۹۷، گورنمنٹ بنگال جوڈیشیل ڈپارٹمنٹ نمبر ۲۳۶ مورخہ اکتوبر ۱۸۶۵ء)

Marfat.com

زیادہ عملی حصہ نہیں لیا[1]۔ صرف یہی نہیں کہ یہ دعوی بے دلیل ہے بلکہ اس مقدمہ میں جو بہت سارے دستاویزی ثبوت پیش کئے گئے ہیں اُن کے خلاف ہے استغاثہ کا ایک جعفاری گواہ آلہی بخش کا بیان ہے کہ احمداللہ کو سید احمد کے ایک خلیفہ نے ان تمام رقوم کا جو جمع ہوں ذمہ دار اور تمام متعلقہ امور کا نگران بنایا تھا۔ اور جعفر کی طرف سے احمد علی کے فرضی نام سے جو خطوط لاتے تھے اُن کو وہی وصول کرتے تھے' اوپر ہم دیکھ آئے ہیں کہ یحییٰ علی کی وفات[2] کے بعد احمداللہ صادقپور کی مجلس عاملہ کے صرف سردار ہی نہ تھے بلکہ پہلے سے مشیر کی حیثیت سے کام بھی کرتے تھے۔ اسی حیثیت سے رقوم کو جمع کرنے اور تقسیم کرنے کا کام بھی انھیں کے ذمہ تھے اصلاً اسی بنا پر ۱۸۶۵ء میں ان کی سزا ہوئی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ وہ سرحد نہیں گئے اور وہاں کے معرکوں میں حصہ نہیں لیا۔ مگر یحییٰ علی کی غیر حاضری کی پوری مدت میں پس منظر میں وہ خاموش اور غیر نمایاں روح تنظیم رہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ احمداللہ صرف ایک تنخواہ دار سرکاری افسر ہی نہ تھے بلکہ کئی اور اعزازی عہدے بھی رکھتے تھے اور اس حیثیت سے خاندان کے اور ارکان کی طرح وہ کھلم کھلا حکومت کے خلاف کارروائیوں میں حصہ نہ لے سکتے تھے۔

احمداللہ کی گرفتاری: احمداللہ کی بغاوت میں شرکت سے متعلق حکومت پنجاب کے خیال سے حکومت بنگال نے پٹنہ کے ڈویژنل کمشنر اور مجسٹریٹ کو تحقیقات اور ان کی رائے کے لئے باقاعدہ لکھ بھیجا۔ لفٹنٹ گورنر نے بھی ہدایت جاری کر دی کہ احمداللہ کو فوراً سرکاری عہدوں سے برطرف کر دیا جائے اور آئندہ کبھی کسی حیثیت سے حکومت کے تحت کسی ملازمت کے لائق نہ سمجھا جائے۔ مجسٹریٹ نے بنگالیوں کو جان بوجھکر اُن مقاصد کے لئے

---

[1] یہاں مولانا یحییٰ علی کے لئے وفات (ڈیتھ) کا لفظ بظاہر مولف کی لغزش قلم معلوم ہوتا ہے۔ صحیح لفظ "سرحد کو رخصت" ہونا چاہیے دونوں بھائیوں کی رحلت جزیرہ انڈمان کے حبس دوام میں ہوئی۔ مولانا یحییٰ علی کی ۱۸۶۸ء میں اور مولانا احمداللہ کی ۱۸۸۱ء میں صحیح یہ ہے کہ جب مولانا یحییٰ علی پٹنہ سے سرحد کو رخصت ہو گئے" تو پٹنہ میں مولانا احمداللہ تحریک کے ذمہ دار سربراہوں میں سے تھے۔ (مترجم)

[2] مہر خود اقرار کرتے ہیں کہ انکو احمداللہ کے مقدمہ کی پوری روداد دستیاب نہیں ہوئی۔ یہ انتخاب دستاویزات حکومت بنگال جلد ۴۲ میں شائع ہو چکی ہے ان کے مطالعہ سے اُنکو اس تحریک میں ان کی قیمتی خدمات کی حقیقت معلوم ہو جاتی۔

Marfat.com

جن کو وہ باغیانہ جانتے تھے اپنے گھر میں جمع ہونے دینے کے الزام کو ایک قانونی عدالت میں ثابت کرنے کے لئے کافی قانونی دلائل حاصل کرنے میں سخت شکوک کا اظہار کیا تھا۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ احمداللہ کے جرم کے سوال کو ناکامیابی سے اٹھانے سے بہتر ہوگا کہ اس قضیہ ہی سے ہاتھ اٹھا لیا جائے مگر آخر میں بڑی موشگافی کے بعد اس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس مقدمے میں اصل ثبوت پچھلے مقدمہ کے گواہان استغاثہ کے بیانات پر مبنی ہونگے اور ان کا مزید اثبات و توثیق اُن اطلاعات سے ہوگی جو مقامی تحقیقات سے حاصل ہوں۔ اس لئے اس نے یہ رائے ظاہر کی کہ ملزم کے خلاف تفتیش شروع کر دی جائے۔

احمداللہ نومبر میں گرفتار کئے گئے تھے۔ اس سے ایک سال پیشتر ہی محکمہ انکم ٹیکس کی تخفیف کے ساتھ وہ اس کی ڈپٹی کلکٹری سے علیحدہ کئے جا چکے تھے۔ مقدمہ انبالہ کے فیصلے کے اعلان اور اپنے بھائی یحییٰ علی کے جرم "غداری" میں سزایابی کے بعد وہ پٹنہ کی کمیٹی پبلک انسٹرکشن سے برطرف کر دیے گئے۔

احمداللہ کے خلاف جرائم کی فہرست: اس مقدمہ کے چلانے کا کام پٹنہ کے مجسٹریٹ راونشا کے ذمہ کیا گیا تھا جو رخصت پر شملہ چلا گیا تھا۔ اس کو ہدایت کی گئی کہ وہ انبالہ ہوتا ہوا پٹنہ آجائے اور یہاں کے حکام سے ضروری صلاح و مشورہ کرے۔ تمام مقامی افسروں کو ہدایت کر دی گئی۔ کہ راونشا کو اس کی تفتیش میں ہر طرح کی مدد بہم پہنچائیں۔

الزامات کے تعین کے متعلق تمام ابتدائی کارروائیاں قائم مقام مجسٹریٹ پٹنہ موترد کی عدالت میں انجام پائیں۔ ۱۶ر جنوری ۱۸۶۵ء کو احمداللہ پر یہ الزامات عائد کئے گئے

۱۔ کہ ۱۸۶۱ء، ۱۸۶۲ء اور ۱۸۶۳ء کو یا ان کے قریب قریب انھوں نے ملکہ (وکٹوریہ) کے خلاف جنگ کا ارادہ کیا .... یہ جرم دفعہ ۱۲۱ تعزیرات ہند کے تحت قابل سزا ہے

۲۔ کہ اسی زمانے میں ملکہ (وکٹوریہ) کے خلاف جنگ میں اعانت کی .... یہ دفعہ ۱۰۹ اور ۱۲۱ کی رو سے جرم ہے۔

۳۔ کہ اسی زمانے میں انھوں نے ملکہ کے خلاف جنگ کے ارادے میں اعانت کی (تعزیرات ہند ۱۰۹ و ۱۲۱) یہ اقدام اسی اعانت کے نتیجے میں کیا گیا۔

Marfat.com

۴۔ کہ اسی زمانہ میں انھوں نے ملکہ کے خلاف جنگ کرنے کے ارادے سے آدمیوں کو جمع کرنے میں اعانت کی۔

۵۔ کہ انھوں نے اپنے عمل اور ناجائز فرو گذاشتوں سے ملکہ کے خلاف جنگ آوری کے منصوبے کی موجودگی کا اخفا کیا۔

سشن کی سماعت ایشلی ڈسٹرکٹ جج پٹنہ کی عدالت میں منعقد ہوئی۔ اسیسروں کا ایک بورڈ اس کا مددگار مقرر ہوا۔ انبالہ سے بہت سے گواہان استغاثہ بلائے گئے جن میں سب سے اہم آلہی بخش اور عبدالکریم تھے۔

احمد اللہ کے خلاف عدالت کا فیصلہ: وکیل صفائی نے بحث میں دکھایا کہ دفعہ ۲۱ ملک کے اندر سے جنگ کرنے کے ارادے سے تعلق رکھتی ہے اور یہ بھی دکھایا کہ کوئی شخص دو آدمیوں کی شہادت کے بغیر بغاوت کا مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا (دفعہ ۲۸ ایکٹ ۲۔ ۱۸۵۵ء) اور یہ کہ اس مقدمہ میں احمد اللہ کو صرف ایک الٰہی بخش کی شہادت پر ملزم قرار دیا گیا ہے۔ اس نے آلہی بخش کی شہادت کی قدر وقیمت پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس لائق بھی نہیں کہ ایک کتے کو بھی پھانسی دینے کے لئے کافی سمجھی جائے۔ یہ وہ شخص ہے جسکے خلاف حبس دوام بعبور دریائے شور اور ضبطی جائیداد کی سزا کا حکم صادر ہوا تھا۔ جس کے پاس کچھ نہ رہا تھا جس کا اسے اندیشہ ہو نہ کوئی امید باقی رہی تھی۔ اس نے یہ بھی واضح کیا کہ گواہان استغاثہ جنھوں احمد اللہ کی شناخت اب کی ہے۔ اب سے پہلے انبالہ یا ہوڑا میں نہیں کی تھی۔ مگر جج نے یہ تمام دلائل رد کر دئے، اور اپنے فیصلے میں لکھا کہ "یہ امر بالکل صاف ہے کہ حکومت برطانیہ کے خلاف جنگ جاری رکھنے کے لئے آدمی اور روپے سرحد پر بھیجنے کا ایک باقاعدہ منظم سلسلہ تھا۔ اور یہ کہ اس باغیانہ کام کے لئے جو شخاص مقرر تھے ان میں قیدی (احمد اللہ) کے بعض بہت قریبی قرابت مند تھے۔ اور یہ کہ قیدی قافلہ کی املاک کا جنرل منیجر مقرر کیا گیا تھا، اور یہ کہ وہ روپے وصول کرتا اور ان جلسوں میں شریک ہوتا جہاں بغاوت کی تبلیغ کی جاتی، اور یہ کہ وہ اس کمیٹی کا ممبر تھا جس

Marfat.com

نے بغاوت کی تنظیم کی تھی۔" ؎

جج نے قیدی کو دوسرے چوتھے اور پانچویں الزامات کا مجرم قرار دیا۔ اس نے پہلے الزام سے اُسے بری کر دیا اور دوسرے الزام کو تیسرے میں مدغم تصور کیا۔ اسیروں نے بھی اس کو پانچویں الزام کا مجرم تسلیم کیا۔ ۲۷ر فروری ۱۸۶۵ء کو قیدی کو سزائے موت کا حکم سنایا اور اس کی املاک کو ضبط کرنے کی ہدایت کی۔

احمد اللہ کو حبس دوام کی سزا: فیصلہ توثیق کے لئے ہائی کورٹ کے سپرد کیا گیا۔ ہائی کورٹ نے سشن کورٹ کی تمام کارروائیوں کو پیش نظر رکھکر ۱۳ر اپریل ۱۹۶۵ء کو طے کیا کہ ان کے سامنے جو شہادتیں ہیں وہ قیدی پر دوسرے الزام کے لئے تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۲۱ کی رو سے سزا کی تائید میں کافی ہیں لیکن شہادتوں سے ہم یہ نہیں پاتے کہ قیدی نے اس سازش میں دوسرے سزا یافتگان سے زیادہ سے زیادہ عملی حصہ نہیں لیا۔ اس لئے ہم سشن جج کی دی ہوئی سزائے موت کی توثیق سے انکار کرتے ہیں، البکہ ہدایت کرتے ہیں کہ قیدی احمد اللہ کو حبس دوام بعبور دریائے شور دیا جائے اور اس کی تمام املاک بحق سرکار ضبط کی جائے۔

احمد اللہ کی جزائر انڈیمان روانگی: چنانچہ احمد اللہ جزائر انڈمان منتقل کر دئے گئے۔ وہ کلکتہ کے راستے سے بھیجے گئے۔ اور جون ۱۸۶۵ء میں انبالہ کے پہلے مقدمہ کے اور سزا یافتہ ملزموں سے پہلے وہاں پہنچے۔

انبالہ اور پٹنہ کے مقدمات ایک دوسرے سے بالکل وابستہ تھے۔ دونوں مقدموں میں گواہان استغاثہ کا ایک ہی گروہ اور بہت حد تک ایک ہی طرز کی شہادتیں کام میں لائی گئیں سزا یافتگان جعفر اور شفیع کے سوا دونوں مقدموں کے اہم ملزمین ایک ہی مخصوص جگہ کے باشندے اور قریبی قرابتدار تھے۔ درحقیقت اگر انبالہ اور پٹنہ کے افسروں میں کچھ بیشتر ہم آہنگی اور منصوبہ بندی ہوتی تو احمد اللہ پہلے گرفتار کر لئے جاتے۔ پٹنہ کا مجسٹریٹ اس عدم

؎ انتخابات دستاویزات حکومت بنگال جلد ۴۲ صفحات ۷۹ تا ۸۳

Marfat.com

ہم آہنگی پر اپنے افسوس کے اظہار سے باز نہ رہا۔

مقدمہ انبالہ کے نمایاں پہلو مقدمہ انبالہ کے تین نمایاں ترین پہلوؤں پر تبصرہ کرتے ہوئے، ہنٹر کہتا ہے کہ قابل تعریف ہے وہ دانشمندی جس سے ایسی وسیع الذیل بغاوت کی تنظیم کی گئی، وہ اخفا جس سے اس کی پیچیدہ کارروائیاں چلائی گئیں اور وہ کامل وفاداری جو اس کے ممبروں نے ایک دوسرے کے ساتھ قائم رکھی۔ بے شبہہ منصوبہ پر عمل درآمد بڑی ذہانت سے منظم کیا گیا تھا۔ قانوناً درست اور جائز مشاغل خلافِ حکومت کارروائیوں سے اس عیاری سے خلط ملط کر دئے گئے تھے کہ حکام کے لئے ان دونوں میں تمیز کرنا سخت دشوار تھا۔ مثلاً الٰہی بخش ان رقوم کے علاوہ جو وہ سرحد بھیجتا تھا وہ واقعی جوتوں اور دوسری چیزوں کی جائز خریداری کے لئے بھی روپے بھیجا کرتا تھا۔ تحریک کے جمہور کارکنوں کی ایمانداری بھی بہت نمایاں تھی۔

ان دونوں مقدموں میں استغاثہ نے جو طریقے اختیار کئے وہ بھی غور طلب ہیں یہ سچ ہے کہ دونوں مقدموں میں قیدیوں پر جو الزامات عائد کئے وہ نفس الامر میں درست تھے۔ یہ بھی سچ ہے کہ صفائی کی تمام بحثوں میں بھی آدمی اور روپے کی فراہمی کے ایک وسیع وعریض جال کے وجود سے انکار نہیں کیا گیا۔ ملزمین میں سے یحییٰ علی نے کوئی بھی صفائی دینے سے قطعاً انکار کیا۔

بہر حال ان تمام واقعات کو یکجا کر کے یہ معنی نہیں نکلتے کہ ان کے جرائم دستاویزی اور زبانی شہادتوں کی بنیاد پر ایک قانونی عدالت میں قانوناً ثابت ہو سکے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا حکام استغاثہ خود مشتبہ تھے ایا احمد اللہ کا باغیانہ منشا تنشقی بخش طور پر ثابت کیا جا سکتا ہے احمد اللہ کے مقدمہ کی سماعت کے موقع پر پٹنہ کے مجسٹریٹ نے کہا تھا کہ اس مقدمہ میں انبالہ کے گواہوں کے بیانات بنیادی ثبوت ہونگے، باقی دوسرے ثبوت جو مقامی طور پر مہیا ہوں گے وہ انھیں کا تکملہ ہوں گے اور ہم یہ بھی دیکھ آئے ہیں کہ انبالہ کے گواہوں کے بیانات یکتا کر ایک ہی شخص الٰہی بخش کی شہادت کی شکل میں تیار ہوئے ہیں جیسا کہ راؤنشا نے خود اقرار کیا یہ وہی شخص ہے جو خود اس قسم کا سزا یافتہ[1] تھا اور جسے مجسٹریٹ نے سماعت مقدمہ

---

[1] سلکشنز (انتخابات) مصرحہ بالا صفحہ ۱۶۵

Marfat.com

دوران عملاً حراست میں رکھا اور کسی سے ملنے کی کبھی اجازت نہ دی۔

قیدیوں کے خاندانوں کو دھمکیاں: جعفر اور عبدالرحیم نے دوران تفتیش اور بعد میں جیل کے اندر پولیس نے جو بہیمانہ سلوک کئے ان میں سے بعض کا تفصیلی تذکرہ اپنی تصنیفوں میں کیا ہے۔ ملزموں کے خلاف بہت سے لوگوں کو خوفزدہ کر کے شہادت دلوانے کے لئے بے تحاشا اور بلا امتیاز گرفتار کر لیا گیا۔ مقدمہ انبالہ میں جعفر اور شفیع کے خاندان کے بعض افراد کو جعفر کے انبالہ سے فرار ہو جانے کے بعد ان کا پتہ بتانے کے لئے بہت مارا پیٹا گیا۔ پارسنز نے جعفر کی تلاش میں دہلی پہنچکر شہر میں دہشت و ہراس کا عالم برپا کر دیا۔ شہر کے سب دروازے اور سرائیں بند کر دی گئیں، ہزاروں آدمیوں کو تخویف، گرفتاری اور پھانسی تک دھمکیوں اور مالی ترغیب و تحریص سے بھی ملزموں کے خلاف شہادت دینے کے لئے پھانس لیا گیا۔

سرکاری گواہوں پر نوازشات: خود سرکاری کاغذات بھی گواہوں کو روپے دینے کی تصدیق کرتے ہیں۔ مقدمہ کے اختتام کے بعد آلہی بخش کو نہ صرف معاف اور بری کر دیا گیا۔ بلکہ پٹنہ سٹی محلہ نگلا میں اس کا مکان جو پہلے ضبط کر لیا گیا تھا اُسے واپس کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ اس کے اور ضبط شدہ مال کی فروخت سے جو زرِ ثمن حاصل ہوا تھا اس میں سے پانسو روپے کوئی کاروبار کرنے کے لئے اسے دئے گئے۔ اور گواہوں کو جو پنجاب سے لائے گئے تھے اور جن کی تعداد دس تھی، ۴۷۰ روپے دئے گئے۔ (نو کو پچاس پچاس روپے فی کس اور ایک کو بیس روپے) یہ بظاہر ان کے وقت کی بربادی اور اپنے مختلف کاموں سے غیر حاضری کی تلافی کے طور پر دئے گئے تھے۔ مجسٹریٹ نے اپنی رپورٹ میں ان عطیات کی سفارش کرتے ہوئے اس امر پر بہت زور دیا کہ یہ گواہ اپنی مرضی سے رکے ہوئے تھے۔ لیکن ہمیں اسی مجسٹریٹ کی ایک دوسری چھٹی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گواہ پٹنہ کے قیام کے دوران میں مجسٹریٹ کے احاطے میں رکھے گئے تھے اور ان کو باہر جانے یا کسی سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لیے قرینِ قیاس ہے کہ ان کو کھانا بھی مجسٹریٹ کے ہاں سے ہی ملتا ہوگا۔ پھر تلافی کی رقم کا جواز کہاں رہا؟

Marfat.com

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ انبالہ کے مقدمہ میں بھی ایسے ہی عطیات دیئے گئے تھے۔

ایک گواہ سے بہیمانہ سلوک: جیل میں قیدیوں کے ساتھ ساتھ طرح طرح کے بہیمانہ سلوک کیئے گئے۔ جعفر اس وحشیانہ خوشی کا ذکر کرتے ہیں جو جیل کے افسروں نے سزا یافتہ قیدیوں کے پھانسی دینے کے سامان (نئی ریشمی ڈوری اور چوبی تختے خرید کر) فراہم کرنے میں دکھائی ؎ ساتھ ہی ساتھ قیدیوں سے معلومات حاصل کرنے کے لئے ان کی رہائی یا جیل میں بہتر سلوک کی پیشکش کر کے ان کو ورغلایا جاتا تھا۔ شفیع کو جو سرکاری گواہ بن گیا تھا دوسرے قیدیوں کے سامنے جو مرض یا مشقت کے سخت حملے کے بعد فاقہ زدہ ہوتے تھے، بہترین غذا ملتی تھی۔ جعفر ایک چودہ سالہ لڑکے کا واقعہ بھی بیان کرتے ہیں جسے استغاثہ ایک خاص طرز پر شہادت دینے کی تعلیم کرتا تھا کٹہرے میں پہنچکر اپنا پڑھایا ہوا سبق بھول گیا۔ اس پر پولیس نے اسے مارتے مارتے مار ڈالا۔ بعد میں ظاہر کیا گیا کہ وہ قدرتی موت سے گیا۔

جج کا انتقامی رویہ: جعفر کے خیال کے مطابق سزائے موت کی تنسیخ میں جوڈیشنل کمشنر کے ترحم کا اظہار بھی خواہش انتقام کے تحت تھا۔ اس نے لکھا کہ جب حکام کو معلوم ہوا کہ قیدی نے سزائے موت کا خیر مقدم کیا کہ اب وہ اپنے مقصد عظیم کے لئے مرکر شہادت کا درجہ پائینگے انھوں نے ان کو اس خوشی سے محروم کرنے کے لیئے ان کی سزائیں بدل دیں۔ ہنٹر بھی "ان میں سے بدترین غدار باغیوں (ملزمین انبالہ) کو شہادت کی سعادت سے محروم کر کے حکام نے جو دانشمندانہ انتقام لیا اس کی تحسین" کر کے جعفر کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ پٹنہ کے مقدمہ کے متعلق عبدالرحیم پٹنہ کے سشن جج احمداللہ کی سماعت کے آغاز میں پٹنہ کے سیشن جج کے تبادلے کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ جج اپنے جذبۂ عدالت اور آزادی رائے کے لیئے معروف تھا۔

؎ یہ عجیب اتفاق تھا کہ جعفر اور دوسرے قیدیوں کی سزائے موت میں تخفیف ہوگئی اور وہ ڈوری اور چوبی تختہ اس جیل میں ایک یورپی کو پھانسی دینے کے لیئے استعمال ہوئے۔

Marfat.com

اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی کہ یہ بیانات ان لوگوں کے ہیں جو خود سزا رسیدہ تھے کم سے کم یہ حقیقت صاف عیاں ہے کہ استغاثہ نے غیر معمولی طریقے استعمال کئے۔

جعفر تھانیسری کی صاف گوئی: اس باب میں یہ ذکر بے جا نہ ہوگا کہ جعفر گرفتاری مقدمہ کی سماعت اور فیصلے سے متعلق واقعات بیان کرتے ہوئے اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کی واردا تیں بھی آزادانہ بیان کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب شفیع کو عمدہ عمدہ غذا مل رہی تھی اور دوسرے فاقہ کھینچ رہے تھے ایک بار انھوں نے شفیع کے کھانے میں سے کچھ پلاؤ چرا لیا تھا۔ اسی طرح شفیع کو جو روپے بھیجے گئے تھے ان سے انھوں نے دس روپے رکھ لئے تھے (انھوں نے انڈمان میں کچھ روپے کما لئے تو وہ رقم اس کو واپس کر دی)۔ یہ واقعات انسانی کمزوریوں کو ظاہر کرتے ہیں جو قیاس کئے جا سکتے ہیں۔ ان سے جعفر کے بیانات کی صداقت و وقعت بھی ثابت ہوتی ہے۔

الہی بخش پر غیر معمولی نگرانی: سرکاری روددادوں سے بھی استغاثہ کے اطوار اور نیت کا پتہ چلتا ہے۔ خود پٹنہ کے مجسٹریٹ[1] نے کمشنر کو رپورٹ دی کہ الٰہی بخش چھپا کر انبالہ سے لایا گیا اور کھگول اسٹیشن پر اتار دیا گیا، وہاں سے عورت کے بھیس میں یکہ پر لایا گیا اور مجسٹریٹ کے احاطے میں ایک بنگلے میں سخت پہرے میں رکھا گیا۔ پٹنہ میں اس کی موجودگی کی خبر کسی کو نہ تھی جب تک کہ وہ گواہ کے کٹہرے میں کھڑا نہ کر دیا گیا۔ اور قیدی بھی جو پنجاب سے لائے گئے اسی طرح مجسٹریٹ کے احاطے میں بند رکھے گئے۔ الہی بخش کو اس کی نظربندی کے دوران پنجاب پولیس فورس کے تین آدمیوں کی نگرانی میں رکھا گیا۔ وہ بھی خاص طور پر پنجاب سے ہی بلائے گئے تھے۔ بعد میں احمد اللہ کے متعلق فیصلے کے بعد پولیس کے ان تین افسروں کو ان کے پٹنہ میں اقامت کے صلے میں، جملہ چار سو روپے انعام میں عطا کئے گئے جب ہم یہ یاد کرتے ہیں کہ الہی بخش ہی کی شہادت پر احمد اللہ سزایاب ہوئے اور اس بات پر نظر کرتے ہیں کہ تمام دوران سماعت مقدمہ میں حکام نے کس طرح اس کو بند رکھا

---

[1] سلیکشنز (منتخبات) متذکرہ بالا صفحات۔ ۳۔ ۴۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱

اور پھر اس کو کثیر رقم انعام میں دی تو معاملہ سخت مشتبہ ہو جاتا ہے۔ ایک مقامی معمولی افسر ایشری پرشاد کے متعلق جس نے مقدمہ کی تفتیش میں اتنی سرگرمی دکھائی مجسٹریٹ لکھتا ہے کہ "میں اس کی کماحقہ تعریف نہیں کر سکتا"۔ اس کو بھی ملازمت میں ترقی کے علاوہ نقد انعام دیا گیا۔

(ج) سزا رسیدگان کی زندگی جزائر انڈمان میں

جزائر انڈمان جسے عام طور پر "کالا پانی" کہتے ہیں سزا یافتہ قیدیوں کی نو آبادی ہے۔ یہ مختلف رقبوں کے کئی جزیروں کا مجموعہ ہے جن کو اتھلا سمندر اور چوڑی ندیاں ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں۔ زیادہ تر جزائر جنگلات سے ڈھکے اور پہاڑوں کے سلسلے سے بھرے ہیں۔ کوہ ہیریٹ کی بلند ترین چوٹی گیارہ ہزار فٹ سے زیادہ بلند ہے ان اسباب سے مزروعہ زمین کا رقبہ کچھ زیادہ نہیں۔ جزائر کے قدیم باشندے جنگلوں میں رہتے ہیں، جہاں انھوں نے مزروعہ اراضی کے چھوٹے چھوٹے قطعے تیار کر لئے ہیں۔ قیدیوں اور ان کی نو آبادی کے افسروں کے لئے غلے کلکتہ سے آتے تھے جو اسٹیمر سے پانچ دن کا راستہ ہے۔ غلے یکساں شرح سے تقسیم کر دئے جاتے تھے۔ ذرائع آمد و رفت قریب قریب نابود ہیں اور ضروری اشیا کی فراہمی شاذ و نادر۔ آب و ہوا ایسی مسموم ہے کہ کسی کو کوئی زخم یا خراش لگ جائے تو ناسور ہو جاتا ہے اور عموماً زخمی جلد ہی مر جاتا ہے۔

قیدیوں کے لئے قواعد و ضوابط: ایک اعتبار سے قیدیوں کو اس نو آبادی میں منتقل کر دینا دوسرے قید خانوں میں بند کرنے سے بہتر تھا۔ خاص طور پر خطرناک قیدیوں کے گروہ کے سوا باقی قیدخانوں یا کوٹھریوں میں بند نہیں کئے جاتے تھے۔ جزیروں میں پہنچ کر قیدیوں کی زنجیریں کاٹ دی جاتیں اور بعض جسمانی مشقتیں جو نو آبادی کے مجریہ قواعد و ضوابط کے مطابق عائد کی جاتی تھیں ان کو ختم کرنے کے بعد ان کو معمولی طور پر زندگی بسر کرنے کی اجازت ہوتی۔ پڑھے لکھے لوگ کسی محرری یا فنی شغل میں لگا دئے جاتے جس کی لئے ان کو معاوضے دئے جاتے۔ اگر ان کو مقدرت ہوتی تو نوکر رکھنے کی اجازت بھی ہوتی۔

Marfat.com

بارہ برس قید بھگتنے کے بعد قیدی اپنے پس اندوختہ سرمایہ سے کوئی کاروبار بھی چلا سکتا تھا وہ اپنا گھر رکھ سکتا اور کسی مقامی یا قیدی عورت سے شادی بھی کر سکتا اور بچوں کی پرورش بھی کر سکتا تھا۔

غیر انسانی رواج کا خاتمہ: ایک غیر انسانی حرکت جو جزیروں میں پہلے رائج تھی یہ تھی کہ قیدی کے ماتھے پر "دائم الحبس" کے لفظ داغ دئے جاتے تھے۔ وہابی قیدیوں کے وہاں پہنچنے سے کچھ پہلے سے یہ رواج ترک ہو چکا تھا اور وہ اس اذیت سے محفوظ رہے۔ پھر بھی ہر قیدی کو ایک نمبر دے دیا جاتا اور نام کی جگہ وہی استعمال کیا جاتا۔ ۱۸۸۲ء میں جب وہابی قیدیوں کی رہائی کا سوال اٹھا تو جزیرے کے سپرنٹنڈنٹ نے قیدیوں کے چال چلن پر ایک مفصل رپورٹ دی۔ اس میں ان قیدیوں کا ان کے نمبروں کے ساتھ ذکر کیا[1] عبدالرحیم کا نمبر ۱۱۵۶۱ محمد جعفر کا نمبر ۱۱۴۵۰، عبدالغفار کا نمبر ۱۱۴۵۱ تھا۔

یورپی قیدیوں کے ساتھ ترجیحی سلوک: جزیروں کی زندگی کا ایک نفرت انگیز پہلو حکام نے پیدا کر دیا تھا وہ سماجی مذہبی امتیاز تھا جو جدید تفرقہ اندازی کی پالیسی کی ابتدائی شکل تھا۔ یورپی قیدیوں بلکہ ہندوستانی عیسائیوں کے ساتھ ترجیحی برتاؤ کیا جاتا۔ ان کو نہ صرف اول درجے کے بنگلے ملتے بلکہ مفت نوکر بھی دئے جاتے۔ جعفر راجہ جگر ناتھ پوری کا ایک افسوسناک قصہ بیان کرتے ہیں جو ۱۸۷۹ء میں اس جزیرے میں بھیجے گئے تھے۔ وہ کالے تھے اس لئے ان کو موچیوں کے ساتھ کام پر لگایا گیا اور نہایت گھٹیا کھانا ملتا، مگر ایک نیچی قوم کے دوغلے عیسائی (اینگلو انڈین) کے ساتھ جو ان کے ساتھ ہی آیا تھا نہایت ترجیحی سلوک کیا جاتا۔ بدنصیب راجہ ان ذلتوں اور جسمانی سزاؤں کی تاب نہ لا سکا اور جلد ہی مر گیا۔

احمد اللہ کی پورٹ بلیر میں آمد: جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا وہابی قیدیوں میں احمد اللہ سب سے پہلے پورٹ بلیر پہنچے۔ اور سب سے پہلے جزیرہ کے چیف کمشنر کے رحمدل منشی اکبر زماں ان سے ملے۔ وہ خود ۱۸۵۷ء کی تحریک میں حصہ لینے کے جرم میں بیس سال کی قید کے سزا

---

[1] یحییٰ علی اور احمد اللہ اس وقت تک وفات پا چکے تھے اس لئے ان کے نام نہیں لئے گئے

یافتہ تھے لہ۔ بعد میں ان کا منشی کی حیثیت سے تقرر ہوگیا۔ انھوں نے احمد اللہ کو اپنے ساتھ ٹھہرانے اور اپنے نائب کے طور پر کام لینے کی اجازت حاصل کرلی۔ احمد اللہ پانچ سال ان کے ساتھ رہے یہ ان کے لئے نسبتہً عافیت کی مدت تھی۔ جنوری ۱۸۶۶ء میں جب یحییٰ علی اور عبدالغفار آئے تو احمد اللہ غالباً اکبر زماں ہیڈ منشی سے ان کے آنے کی خبر سنکر ان کے خیر مقدم کے لئے تیار ہوگئے۔ ان دونوں کو بھی اکبر زماں نے اپنی اسسٹنٹی (نیابت) دلوادی۔ اس طرح ایک مدت کے بعد یعنی ۸ ر فروری ۱۸۶۴ء کی منحوس تاریخ کے بعد جب کہ یحییٰ علی کو یک بیک گرفتار کر کے انبالہ بھیج دیا گیا تھا دونوں بھائی ملے اور کچھ دن ایک ہی چھت کے نیچے رہے۔ عبدالرحیم جو دسمبر ۱۸۶۷ء کو پہنچے گھاٹ منشی بنادئے گئے۔ اس وقت تک وہابی قیدی جزیرۂ راس میں رہتے تھے جہاں زیادہ تر حکام بھی مقیم تھے۔

یحییٰ علی کی وفات: یحییٰ علی پر رفتہ رفتہ پیری اور کمزوری غالب آرہی تھی اور طویل شدائد جھیلتے جھیلتے آخر فروری ۱۸۶۸ء میں بیمار پڑ گئے اور جزیرہ کے ہسپتال میں داخل کر دئے گئے۔ عبدالرحیم اُس وقت محکمہ بحریہ میں محرر تھے اور دور کے جزیرے میں رہتے تھے۔ روزانہ ان کو دیکھنے آیا کرتے۔ یہ ضروری تھا۔ اس لئے کہ ان کے بڑے بھائی احمد اللہ خود ایسے بوڑھے اور کمزور تھے کہ روزانہ ہسپتال جانہ سکتے تھے، جو اونچی سطح پر واقع تھا۔ آخر یحییٰ علی دو ہفتے بیمار رہکر ۲۰ ر فروری ۱۸۶۸ء کو قضا کر گئے اور جزیرہ راس کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔ مختلف جزیروں سے کوئی ڈھائی ہزار مسلمان اور بہت سے ہندو بھی شریک جنازہ ہوئے۔

لارڈ میو کے قتل کا وہابیوں پر الزام: فروری ۱۸۷۲ء میں انڈمان کے دور افتادہ جزیرے میں ایک ایسا زلزلہ خیز واقعہ رونما ہوا جس کا جھٹکا سارے ملک میں محسوس کیا گیا۔ یہ ایک سرحدی پٹھان مسمی شیر علی کے ہاتھوں لارڈ میو کا قتل تھا۔ اگرچہ اس فعل سے وہابیوں کا کسی طرح کا تعلق نہ تھا ان کو اس میں ملوث کرنے اور حکام جزائر کے انتقام

لہ اپنی مدت قید تمام کر کے وہ اپنے وطن آگرہ واپس آئے اور ۱۹۰۷ء میں وفات پائی

Marfat.com

اور غیظ و غضب کا نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی۔

ایشری پرشاد کی روانگی انڈمان: بنگال صوبائی سروس کے افسر وہابی تحریک کی پوری تاریخ اور حکومت کے لئے تحریک کے خطرات کی کیفیت و کمیت سے خوب واقف تھے اس لئے وہابی قیدی ان کے انتقام اور بہیمیت کا خاص نشانہ بنے۔ لارڈ میو کے قتل کی خبر جیسے ہی کلکتہ پہنچی مخالف وہابی افسروں کے پرانے طبقے نے اس حادثہ میں وہابیوں کو ملوث کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ ایشری پرشاد جس نے اب تک سرکاری حلقوں میں مسئلہ وہابیات کا ماہر ہونے کی شہرت حاصل کر لی تھی پولیس کمشنر پٹنہ کے ساتھ وہابیوں کی مفروضہ شرکت کا سراغ لگانے کے لئے فوراً جزائر انڈمان روانہ کیا گیا۔ مگر ایک مدراسی صوبائی افسر جنرل اسٹوارٹ نے جو جزیرے کا ذمہ دار حاکم اور وہابیوں کے پس منظر سے ناآشنا اور قیدیوں سے کوئی تعصب نہ رکھتا تھا اس فضول جستجو کی حوصلہ افزائی کو نامنظور کر دیا۔

جنرل اسٹیوارٹ کا غیر جانبدارانہ رویہ: لیکن جنرل اسٹیوارٹ کی غیر جانبدارانہ روش کے باوجود وہابیوں کو شبہہ کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ اب تک ان میں سے اکثر بڑے جزیرے میں جہاں زیادہ تر افسر رہتے تھے مختلف ملازمتوں پر مقرر کئے جاتے تھے۔ مگر اب وہ جنگلوں سے بھرے ہوئے چھوٹے چھوٹے دور افتادہ جزیروں میں منتقل کر دئے گئے۔ احمد اللہ جزیرہ وائپر میں بھیج دئے گئے جہاں بدترین قسم کے عادی مجرم رکھے جاتے تھے۔ وہ میڈیکل ڈیپارٹمنٹ میں دس روپے ماہانہ تنخواہ پر محرر مقرر کئے گئے اور رہنے کو بغیر کرائے کا مکان دیا گیا۔ عبدالرحیم ایک دوسرے دور افتادہ جزیرے میں منتقل کر دئے گئے جہاں وہ ایک ہسپتال میں محرر مقرر ہوئے۔

احمد اللہ کی حالت زار: احمد اللہ اب زیادہ بوڑھے اور کمزور ہوتے جاتے تھے۔ ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ یحییٰ علی کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے عبدالرحیم روزانہ ان کی خدمت کو آیا کرتے۔ مدتِ قید کے بارہ برس پورے کرنے کے بعد اس قیدیوں کی نو آبادی کے ضابطے کے مطابق ان کو اپنے پس انداختہ سے کوئی کاروبار کرنے

Marfat.com

کی اجازت مل گئی اور انھوں نے بڑے جزیرے کے قریب ابرڈین میں ایک دوکان کھول لی۔ ان کے بیٹے عبدالفتاح کو جزیرے میں ان سے آملنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ وہ ایک سال سے کچھ زیادہ باپ کے پاس ٹھہرے رہے، مگر اس جگہ کی آب و ہوا کی ناسازگاری کے سبب سے اُن کو واپس چلے جانا پڑا۔ اسی قسم کی ایک درخواست احمداللہ نے بھی دی تھی کہ ان کے بیٹے محمد یقین کو جو اُن دنوں کلکتہ میں رہتے تھے ان سے ملنے دیا جائے مگر منظور نہ کی گئی۔

احمداللہ کی حسرتناک موت: کاروبار سے عبدالرحیم کی مالی حالت بہتر ہوگئی تھی۔ احمداللہ کی صحت تیزی سے گرتی جاتی تھی۔ اس لئے عبدالرحیم نے حکام سے درخواست کی کہ ان کو اپنے چچا کے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دی جائے مگر یہ منظور نہ ہوئی۔ اس کے بعد بھی بار بار اس سلسلہ میں کوششیں ہوتی رہیں اور سب ناکام ہوئیں۔ عبدالرحیم ان کی خدمت کے لئے بار بار جاتے رہے مگر ان کے پاس ٹھہرنے کی اجازت نہ ملی۔ دو ہفتے تک وہ روزانہ ان کو دیکھنے جاتے۔ اس ضرورت سے صبح سویرے ان کو گھر سے نکلنا پڑتا، دو میل پیدل گھاٹ پر پہنچتے۔ دو میل سے زیادہ چوڑی اتھلی ندی پار کرکے جزیرہ وائپر کے گھاٹ اور پھر احمداللہ کے گھر پیدل جاتے۔ ان کی غیر حاضری میں ان کے بیٹے عبدالفتاح دوکان پر بیٹھتے۔ ایک روز ۲۲ نومبر ۱۸۸۱ء کو جب عبدالرحیم حسب معمول جزیرہ وائپر کو چلے جارہے تھے انھوں نے سُنا کہ پچھلی رات احمداللہ تنہائی اور بے کسی میں انتقال کر گئے۔ عبدالرحیم اس ناگہانی صدمہ سے بدحواس ہو گئے، ان کی تدفین کے ضروری انتظامات کے لئے گھر لوٹ گئے۔ مرحوم کی طرف سے ایک آخری درخواست ان کے چھوٹے بھائی یحییٰ علی کے پہلو میں دفن کرنے کی اجازت کے لئے دی گئی مگر مقامی حاکموں کو ان کے مرنے پر بھی اتنا رحم نہ آیا کہ ان کے لئے اتنی سی رعایت روا رکھتے۔ جزائر انڈمان کے ویرانوں میں بھی دونوں بھائیوں کو ایک جگہ مدفون ہونا نصیب نہ ہوا۔ احمداللہ جزیرہ وائپر میں ڈونڈا از پوائنٹ میں سپرد خاک کئے گئے[۱]

---

[۱] "مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دور رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم" غالب (مترجم)

Marfat.com

(د) وہابیوں کی جائیدادوں کی ضبطی

اگرچہ پٹنہ کے وہابیوں کی جسمانی سزاؤں کا، کچھ بیان کتنا ہی مختصر سہی، موجود ہے مگر ان کی گرفتاریوں اور سزاؤں کے بعد ان کے مادی نقصانات کی کوئی اطلاع دستیاب نہیں۔ اس خصوص میں وہابی ذرائع بھی خاموش ہیں۔

وہابیوں کا سماجی مرتبہ: وہابی خاندان جو سید احمد کی وفات کے بعد اس تحریک کا مشعل بردار تھا، صرف علمی سربلندی کے سبب سے نمایاں نہ تھا بلکہ اعلیٰ سماجی رُتبے کے لئے بھی جو اس کے ارکان کو حاصل تھے ممتاز تھا۔ خاندان تین بڑی شاخوں میں منقسم تھا جس کے ارکان ایک دوسرے سے مضبوطی سے وابستہ اور منسلک تھے۔ ان تین شاخوں کی اصل یہ تھے (۱) محمد حسین، (۲) الٰہی بخش، (۳) فتح علی۔ محمد حسین کے چھ بیٹیاں تھیں جن میں سے چار الٰہی بخش کے بیٹوں سے بیاہی گئیں اس طرح دو شاخیں ملکر ایک ہوگئیں۔ فتح علی، اور الٰہی بخش بھی شادیوں کے بندھن سے باہم وابستہ تھے۔

الٰہی بخش نوابان مرشد آباد کی ریاست میں بہت اعلیٰ خدمات پر مامور تھے اور ان خدمات کے صلے میں ان کو موضع بھولی (جس کا رقبہ ۴۰۰ بیگھہ اور آمدنی ڈیڑھ ہزار روپے تھی) اور بجے گوپال پور (جس کا رقبہ ۷۰۰ بیگھہ اور آمدنی چار ہزار روپے تھی) ضلع پٹنہ میں عطا ہوئے۔ یہ احمد اللہ، یحییٰ علی اور دوسرے ورثہ کو پہنچے اور حکومت کی ضبط کردہ جائیدادوں کے حصے تھے۔ احمد اللہ خود بھی اپنے زمانے میں پٹنہ کی نہایت اہم سماجی شخصیتوں میں سے تھے اور متعدد اعزازی اور باتنخواہ عہدوں پر بھی مامور رہے۔

فتح علی، رفیع الدین حسین ولد روح الدین حسین خاں کے داماد تھے۔ آخر الذکر کو شاہ عالم ثانی نے نائب ناظم بہار مقرر کیا تھا۔ عہد دیوانی میں بھی وہ اسی عہدے پر برقرار رہے۔ ۱۷۶۳ء کی شورش کے زمانے میں پٹنہ کے ایک انگریز حاکم ایلس کی جان بچانے کے صلے میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ان کو معین الملک امین الدولہ ناصر جنگ کا خطاب بخشا تھا۔ ان کے بیٹے رفیع الدین حسین اپنے باپ کے عہدے اور

جاگیروں کے وارث ہوئے۔ اس کا ایک حصہ ان کے داماد کو ترکے میں ملا۔ اتنا حصہ بھی یقیناً بڑا بیش قیمت ہوگا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ فتح علی کے ایک بیٹے عنایت علی نے ۱۸۵۰ء میں ہندوستان سے آخری ہجرت کے وقت اپنا جو حصہ بیچا اس کا زرِ ثمن بیس ہزار روپے[1] سے زائد تھا۔

خاندانِ صادق پور کی املاک کی ضبطی: ہم ان حقائق سے خاندان صادق پور کی جائداد غیر منقولہ کی کمیت اور قیمت کا کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مقدمہ انبالہ کے فیصلے کے اعلان کے بعد ملزمین پٹنہ کی ایک فہرست حکومت بنگال کو اس ہدایت کے ساتھ روانہ کی گئی کہ ان کی جایدادیں ضبط کر لی جائیں۔ چنانچہ ایک گوشوارہ تیار کیا گیا۔

لفٹنٹ گورنر نے بھی کمشنر کو ازروئے دفعہ ۷ ضابطہ ۱۹ سنہ ۱۸۱۰ء رپورٹ کرنے کی ہدایت کی کہ جائیداد غیر منقولہ کا کیا کیا جائے اور کس طرح نمٹا جائے۔ ساتھ ہی اُس نے حکومت ہند کو مشورہ دیا کہ شہر کے اندر اراضی اور مکانات شہر کے مصرف کے لئے میونسپل کمشنر کے سپرد کر دیئے جائیں۔" اس مشورے کے جواب میں حکومت ہند نے ہدایت کی کہ صادق پور کی عمارت جہاں سازش چل رہی تھی میونسپلٹی کو دی جائے کہ " منہدم کر دی جائیں اور اس جگہ ایک کھلا بازار بسایا جائے اور، باغیوں کی ضبط کردہ جایداد کے زرِ ثمن کا ایک حصہ میونسپلٹی کے لئے وقف کر دیا جائے۔

حکومت ہند کے اس حکم کی تعمیل میں بعد میں ایک قانونی روڑا پڑ گیا۔ دیکھا گیا کہ صادق پور کی عمارات مشترکہ طور پر خاندان کی ملکیت تھیں۔ سب سے زیادہ حصہ تینوں بھائیوں احمد اللہ، یحییٰ علی اور فیاض علی کی ملک تھا۔ چھوٹا حصہ ولایت علی اور ان کے بھائیوں عنایت علی و فرحت حسین کی ملک تھا۔ ولایت علی کے چار بیٹے تھے۔ ان میں سے دو عبداللہ اور عبدالقادر جو سرحد پہ تھے ان کے باغی ہو جانے کا اعلان کیا جا چکا تھا۔ دوسرے دو بیٹے

---

[1] تذکرہ صادقہ صفحہ ۱۳۷ (مولوی عبدالرحیم کی اصل تذکرہ صادقہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں، یہ دوسرے ایڈیشن کا الحاق ہے اور اس افسانہ کی حقیقت کے باب میں مترجم نے اپنے نوٹوں میں واضح کر دی ہے۔ اس ذکر و حکایت سے ناشر دوم کا مقصد یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ مولانا عنایت علی نے ہجرت کے وقت اپنا حصہ فروخت کر دیا تھا اور اپنے ورثا کے لئے کوئی جائداد غیر منقولہ باقی نہ چھوڑی تھی۔ اور یہ معاملہ فروخت صرف انہیں کے متعلق مخصوصاً کیوں کہا گیا، مولانا ولایت علی کے متعلق کیوں نہیں؟) مترجم

Marfat.com

محمد حسن پٹنہ میں اور ہدایت اللہ باڑھ میں رہتے تھے۔ ان کے حصے ضبط نہیں کئے جا سکے۔ عنایت علی کے صرف ایک بیٹے عبدالمجید[۱] تھے۔ وہ بھی باغی اعلان کئے جا چکے تھے، اس لئے ان کا حصہ بھی ضبط کر لیا گیا۔ فرحت حسین کے دو بیٹے تھے۔ ان میں سے عبدالرحیم نے انبالہ میں سزا پائی، دوسرے عبدالرؤف پٹنہ میں رہتے تھے اور ان کا حصہ ضبط نہ کیا جا سکا۔

اس پیچیدگی کے پیش نظر لفٹننٹ گورنر نے سفارش کی کہ بقیہ حصے جو ضبط نہ ہوئے ضابطہ ۱۸۵۷ء کے تحت رفاہ عام کے لئے رکھ لئے جائیں اور ان حصوں کا معاوضہ ضبط شدہ جائداد کے زرِ ثمن سے ادا کر دیا جائے۔ اور پورا حصہ میونسپلٹی کو دے دیا جائے۔

خاندان پٹنہ کی املاک کا حشر: آبائی مکانات کے علاوہ قائدین پٹنہ کی جائداد غیر منقولہ پٹنہ اور دوسرے ضلعوں میں بھی تھی۔ یحییٰ علی اور احمد اللہ کی غیر منقولہ جائیداد کی مجموعی سالانہ آمدنی ۱۷۹۷ روپے سات آنے ۱ پائی تھی۔ عبدالرحیم کی جائداد کی کل سالانا آمدنی ۱۳۹۵ روپیہ ۷ آنے ایک پائی تھی۔ یہ ساری قیمتی جایدادیں ایک جنبش قلم سے ضبط کر لی گئیں اور گاجر مولی کی طرح بیچ دی گئیں (گھروں کی ضبطی کے نتیجے میں) عورتیں، بچے لغوی معنی میں گلیوں کوچوں میں ڈال دئے گئے۔ اور کوڑی کوڑی کے محتاج بنا دیے گئے۔

مکینوں کو صرف اپنے تنوں پر کپڑے پہنے ہوئے خانہ بدر ہونا پڑا۔ ان کو اپنے ساتھ ایک سوئی بھی لے جانے کی اجازت نہ تھی۔ ایک ایک چیز جو گھروں میں تھی اور پہلے سے تیار کئے ہوئے گوشوارے میں درج کر لی گئی تھی حوالہ کر دینا پڑی ان میں سے اگر کوئی چیز

---

[۱] حافظ عبدالمجید کی صحیح تاریخ وفات کہیں نہیں ملتی۔ مولانا عبدالرحیم نے اصلی تذکرہ صادقہ طبع اول ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۰۹ میں لکھا ہے کہ "جب منجھلے حضرت مولانا عنایت علی کا انتقال سوات میں ۱۸۵۸ء میں ہوا تو آپ کی زوجہ ثانیہ و حافظ عبدالمجید کا بھی انتقال تھوڑے ہی عرصہ میں وہیں ہوا"۔ بقول مولانا غلام رسول مہر وہ مولانا عنایت علی کے مرض موت کے زمانے میں ہی سخت علیل تھے۔ بہرحال ان کا انتقال بھی ۱۸۵۸ء کے لگ بھگ یعنی ۱۸۶۰ء سے قریب ہو چکا تھا۔ اور مقدمات ۱۸۶۴ء سے شروع ہوئے۔ اس لئے حافظ عبدالمجید کے باغی اعلان کئے جانے اور ان کی جائداد کی ضبطی کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے مولف کا یہ قول محلِ نظر ہی نہیں بلکہ غرضمند پارٹی سے مسموع و غیر مستند ہے۔ مقصد ظاہر کیا جا چکا ہے] مترجم

Marfat.com

غائب پائی گئی تو اس کی قیمت تخمینی قیمت سے دس گناہ زیادہ ادا کرنا پڑتی لہ۔"

احمد اللہ کے خاندان کی تباہی: احمد اللہ کے بڑے بیٹے عبدالحمید جی کو خاندان کے سب سے معمّر رکن کی حیثیت سے حکمِ اخراج کا بارِ گران اٹھانا پڑا ان معصوم عورتوں اور بچوں کی خاموش فریاد کا اپنی فارسی مثنوی میں جامع و مانع طرز میں نقشہ کھینچتے اور خاندان کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"احمد اللہ بود مجـرم شاہ   طفلکِ بے گناہ راچہ گناہ"

گردش تقدیر سے خاندان کے ان بدنصیب مکینوں کے سروں پر یہ آفت ٹھیک عید کے خوشی کے تہوار کے دن پڑی۔ احمد اللہ نے بجا طور پر یوں فریاد کی ہے۔

"چون شبِ عید را سحر کردند   ہمہ را از مکاں بدر کردند
مایۂ عیش سازِ ماتم شد   عید ما غُرّۂ محـرّم شد"

(جب عید کی صبح ہوئی، سب گھر سے نکال دیئے گئے عید کا نغمہ عیش سازِ ماتم بن گیا۔ ہماری عید محرّم کی پہلی تاریخ ہو گئی)۔

لفٹننٹ گورنر نے مشورہ دیا کہ مناسب ہے کہ جایدادوں کا زرِ ثمن عام مالگذاریوں میں جذب کر لیا جائے۔ اور زیادہ موزوں یہ ہوگا کہ یہ روپے مقامی ضرورتوں پر صرف کئے جائیں۔

لہ قائدین صادقپور ہجرت کے وقت یا پہلے ہی اپنی غیر منقولہ جائدادیں عورتوں کے نام منتقل کر گئے تھے۔ وہ سب بچ گئیں حکومت نے ان پر قبضہ نہیں کیا۔ اور آخر تک جو ارکان مقدمات میں ملوث نہ تھے وہ اور ان کے ورثہ ان جایدادوں پر قابض و مستفید رہے۔ جہاں کتابوں اور سرکاری کاغذات میں جایداد غیر منقولہ کی فروخت کا کثرت سے ذکر ہے وہاں املاک منقولہ کی فروخت کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ مستورات بے خانماں ہو کر گلیوں میں تو ماری نہ پھریں بلکہ چند دن ان قرابت مندوں کے گھروں میں پناہ گزیں ہو گئیں جو الزام بغاوت سے بری تھے۔ مگر وہ کبھی آئی قلاش و بے مایہ نہ ہوئیں کہ مالی امداد کی محتاج ہوتیں۔ سر چھپانے کے لئے مکان یا جائے امن حاصل ہوتے ہی مطمئن ہو گئیں اور کئی پشت تک مرد بھی تنگدست نہ ہوئے وہ عورتوں کے نام غیر منقولہ جائدادوں سے عزت آبرو سے بسر کرتے رہے۔ ان کی مالیت لاکھوں روپے تھی] مترجم

Marfat.com

نقل از نقشہ مندرجہ پبلکیشنز

نقشہ سطحی مکان مملوکہ مولوی احمد اللہ وقافلہ ملحقہ آں در محلہ صادق پور پٹنہ سٹی

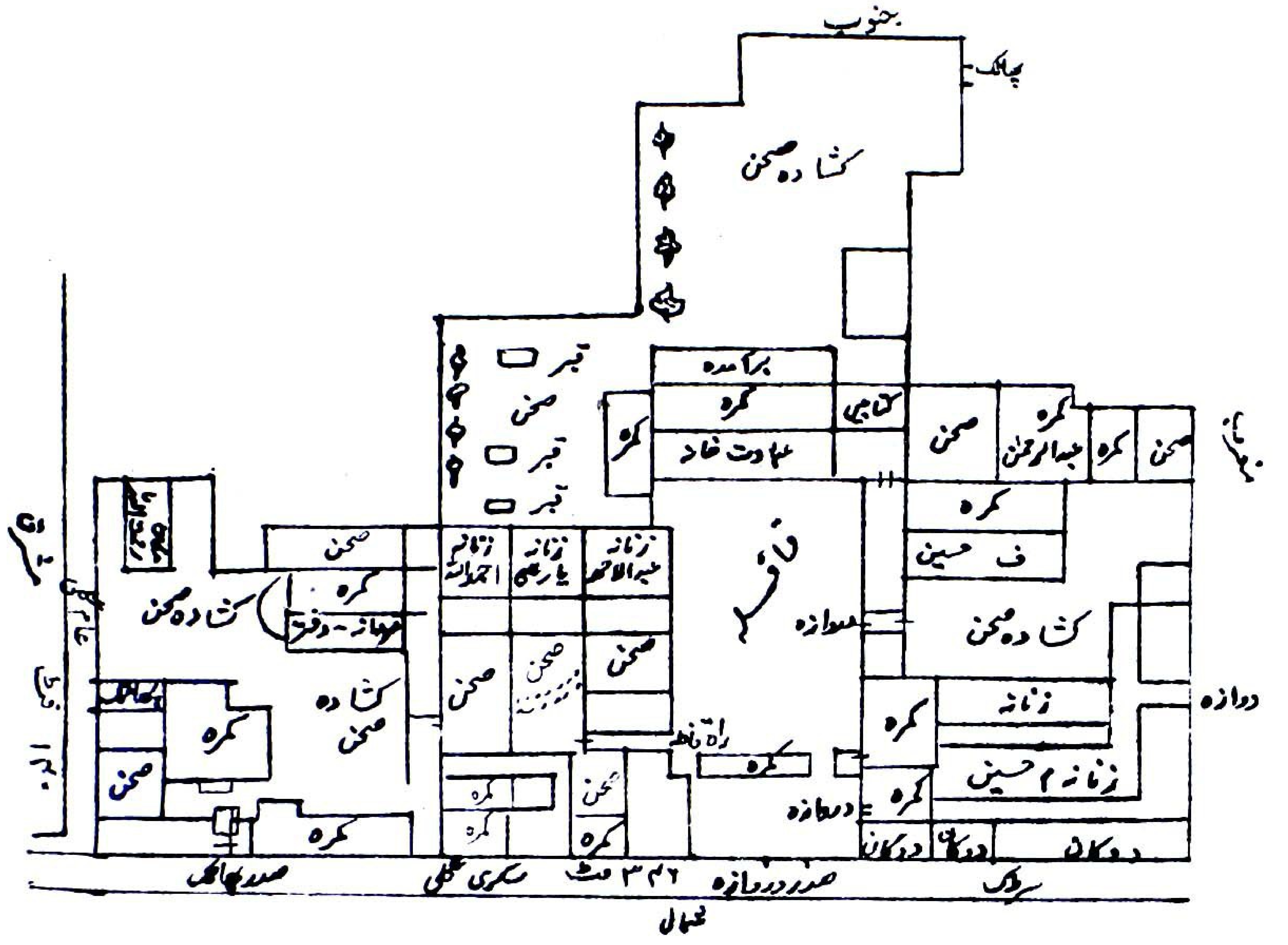

Marfat.com

حکومت ہند نے لفٹننٹ گورنر کے تمام مشورے قبول کر لئے۔ غیر منقولہ جائدادوں کے زرثمن کے مصرف کے بارے میں کہا گیا کہ جب حکومت ہند اس رائے سے متفق نہیں کہ یہ سارا زرثمن عام مالگذاریوں میں مخلوط کر دیا جائے اس خاص صورت میں اسے لفٹننٹ گورنر کی تجویز میں کوئی عذر نہیں۔ چنانچہ یہ حکم نافذ کر دیا گیا۔

وہابی فنڈ کا مصرف: وہابیوں کی جائداد غیر منقولہ کی فروخت سے حکومت نے جو خطیر رقمیں فراہم کیں اور جسے وہابی فنڈ کہا گیا اس کی بعد کی تاریخ بھی بہت دلچسپ ہے[1]

فروخت سے جو مجموعی رقم حاصل ہوئی اس کی تعداد ۱۲۱۹۴۸ روپے ۴ آنے ایک پائی تھی۔ اس میں سے احمداللہ کے حصے کی رقم ۱۱۲۱۴۹ روپے ۱۰ آنے ۳ پائی تھی۔ یہ رقم حکومت نے اپنے خزانے میں جمع کر لی کیونکہ ان کی بیوی نے ایک مقدمہ دائر کر کے دعویٰ کیا تھا کہ یہ جائدادیں ان کو حق مہر میں ملی تھیں۔ باقی ۹۸۲۸، روپے ۹ آنے دس پائی میں سے ۳۴۴۰۷ روپے ۷ آنے ۶ پائی ۱۸۶۹ء کو پٹنہ میونسپلٹی کو اسی جگہ پر جہاں وہابیوں کے آبائی مکانات بنے ہوئے تھے ایک میونسپل مارکیٹ (بازار) کی تعمیر کے لئے بطور عطیہ امداد دے دئیے گئے۔ یہ فعل میونسپل کمشنر کی اس تجویز کے جواب میں عمل میں لایا گیا کہ ایک مربع رقبہ کے تین طرف یک منزلہ پختہ دوکانیں تعمیر کی جائیں اور چوتھی طرف شمالی کی جانب کا حصہ سڑک کے مقابل راستے کے لئے کھلا چھوڑ دیا جائے۔ تخمینہ کیا گیا کہ ان دوکانوں سے تین ہزار روپیہ سالانہ کرایہ وصول ہوگا۔ مزید تین ہزار کی رقم پٹنہ سٹی ریلوے اسٹیشن سے پٹنہ گھاٹ اسٹیشن تک ایک سڑک کی تعمیر پر صرف کی گئی۔ مزید تیس ہزار روپے پٹنہ کالج کی عمارتوں کی توسیع و تجدید کے کچھ کاموں پر صرف ہوئے۔ ان میں پرانے قطعہ کے مشرقی بازو پر ایک لکچر روم، ایک دارالتجربہ، بڑا زینہ، میوزیم (عجائب خانہ) کی تعمیر اور سڑک پر ڈامر بچھانا شامل تھا۔ ان کاموں پر مجموعی خرچ

---

[1] یہ تفصیلات خفیہ کاغذات کے ایک پلندے سے لی گئی ہیں جو پٹنہ کمشنری کے دفتر میں علیحدہ محفوظ ہیں۔ یہ رسمی سرکاری چٹھیاں نہیں بلکہ دفتر کے نوٹ اور مسودات ہیں جن پر پنسل کے مختصر دستخط ہیں۔ بہرحال ان کاغذات کے غائر مطالعے اور جائزے سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ کون سا مسودہ کس کی طرف سے اور کس کے نام ہے۔

Marfat.com

کا تخمینہ ۱۲۷۰۱۷ تھا جس میں سے متذکرہ بالا رقم وہابی فنڈ سے اور باقی اخراجات کالج فنڈ اور دوسرے ذرائع سے پورے کئے گئے۔

مقامی افسروں نے صادقپور میں وہابی تعمیرات کو منہدم کرنے کے لئے حکومت کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے خاندان کے مقبرے کو بھی نہیں بخشا قبروں کو توڑ کر زمین کے برابر کر دیا اور ان کو کھود ڈالا۔ عبدالرحیم بھی جنھوں نے اپنی تالیف (تذکرہ صادقہ) میں نہایت احتیاط سے وہابیوں کے ساتھ حکومت کی معاندانہ حرکات پر متشددانہ تبصرے سے بہت احتراز کیا ہے۔ اس گندے پن کی حرکت کے خلاف اپنے دلی رنج اور فریاد پہ قابو نہ رکھ سکے۔ اپنے آباد اجداد کی اکھاڑی ہوئی اور بے نشان قبروں کو دیکھکر اپنے تاثر کا یوں اظہار کرتے ہیں "اپنے مردوں کے ساتھ یہ سلوک دیکھکر اُس صدمے کے احساس کو الفاظ میں ظاہر کرنا دشوار ہے۔ آج تک اُسے یاد کر کے میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہمارے اسلاف کی قبریں کیوں کھود ڈالی گئیں؟[2] وہ مقبرہ کیوں ضبط کر لیا گیا؟ اور ہماری عادل حکومت نے اس طرح کی حرکت کیوں کی؟"

خاندان صادقپور کی نشأۃ ثانیہ: خاندان کے سرمایہ کے شکستہ اور منتشر اجزا پھر آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ اکھٹے کئے گئے۔ خاندان کے کچھ ارکان بالخصوص عبداللہ ایک چھوٹا سا ہیولیٰ کھڑا کرنے کے لئے جو اب بھی وہاں موجود ہے سرحد پر ہی اقامت پذیر رہے۔ باقی دوسرے ارکان نے دوبارہ گھٹنوں پر اُٹھ کھڑے ہوجانے کی صلاحیت اور قوت ارادی کا ثبوت دیکر اپنی ایک نئی راہ نکال لی .... اور ایک جدا معاشرت اختیار کی۔ وہ سرحد سے لوٹ آئے، اپنے نام بدل لئے، انگریزی تعلیم حاصل کی اور اس نئے میدان عمل میں بھی نمایاں فضیلت حاصل کی۔ احمداللہ کے بیٹے اشرف علی علی گڈھ کالج میں ریاضی کے پروفیسر ہوئے اور مختلف ریاستوں، بہاولپور، جوناگڈھ وغیرہ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے یحییٰ علی کے بیٹے امجد علی نے بھی اعلیٰ تعلیمی امتیاز حاصل کیا اور شمس العلما کے خطاب سے بھی سرفراز ہوئے۔ انھوں نے بنارس ہندو یونیورسٹی[1] سے ایم اے کیا اور علی گڈھ

---

[1] اس وقت بنارس میں نہ ہندو یونیورسٹی تھی نہ ایم اے کا امتحان جو صرف کلکتہ یونیورسٹی میں ہوتا تھا مولانا اشرف علی و مولانا امجد علی نے کلکتہ یونیورسٹی سے ایم اے کا امتحان پاس کیا تھا] مترجم۔

[2] مری خاک بھی لحد میں نہ رہی امیر باقی
اُنھیں مرنے ہی کا نہیں اعتب رہوتا (مترجم)

کالج میں فلسفہ کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ احمد اللہ کے بڑے بیٹے عبدالحمید نے علم کے دوسرے میدان (طب) میں بے نظیر عزت و شہرت حاصل کی۔ وہ اپنے زمانہ کے ایک مشہور ترین طبیب تھے اور کثیر دولت کمائی۔ ولایت علی کے چھوٹے بیٹے محمد حسن پٹنہ کے قدیم ترین اردو[۵۱] اخباروں میں سے ایک اخبار پٹنہ انسٹیٹیوٹ گزٹ اور مقامی ایم۔ اے۔ اے اسکول (محمڈن اینگلو عربک اسکول) کے بانی تھے، اور کلکتہ میں ایک کامیاب کاروبار قائم کیا۔ ان سربرآوردہ ارکان کی مشترکہ جدوجہد سے خاندان کی قسمت نے پھر پلٹا کھایا۔ خاندان کے سب سے کبیر السن رکن جو ابھی بقید حیات ہیں، حکیم عبدالخبیر کا خاندانی مکان میونسپل عمارت کے جو قدیم عمارت کے مقام پر بنی ہے، عین مقابل واقع ہے۔ اس کے پہلو میں ولایت علی کے پرپوتے سکونت پذیر ہیں۔ عبدالحمید اپنے مکان کی ضبطی کے بعد ایک میل مشرق محلہ خواجہ کلاں میں جا بسے، وہاں مطلب قائم کیا اور ایک مکان بھی خریدا جس کی ان کے نواسے ڈاکٹر عظیم الدین احمد[۵۲] نے تجدید و توسیع کی۔ ان کے بیٹے اب بھی وہیں سکونت پذیر ہیں۔

(۵) وہابی قیدیوں کی رہائی

وہابی قیدیوں کی رہائی اگرچہ ترتیب زمانی میں بہت بعد کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے اسے ۱۸۶۳-۶۵ء کے سرکاری مقدمات کے بیان کی تکمیل کے لئے یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ رہائی ۱۸۸۳ء میں عمل میں آئی۔ ۱۸۶۳ء اور ۱۸۸۰ء کی درمیانی مدت میں حکومت وہابی تحریک کو کچلنے میں بہت حد تک کامیاب ہو چکی تھی اس سے بھی اس فیصلے کو تقویت پہنچی اور ان کی رہائی کے مسئلے پر زیادہ نرم اور اعتدال کی نظر ڈال سکی۔

۱۸۸۳ء تک وہابی تحریک بالکل کچلی جا چکی تھی۔ اب حکومت ہند کے لئے یہ سیاسی خطرہ باقی نہ رہا تھا۔

---

۵۱ [صرف اردو نہیں انگریزی بھی۔ علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے نمونے پر اردو اور اس کے انگریزی ترجمے کے دو کالم پہلو بہ پہلو ہوتے تھے] مترجم۔ ۵۲ وہ پٹنہ کالج میں عربی کے پروفیسر اور صدر شعبہ عربی تھے ۱۹۴۹ء میں وفات پائی۔

Marfat.com

اِس صورتِ حال میں ۱۸۸۲ء میں عبدالرحیم کی بیوی نے گورنر جنرل کو ایک عرضداشت روانہ کی جس میں انھوں نے گذارش کی کہ انبالہ کے سشن جج نے عبدالرحیم کے متعلق کہا تھا کہ ۱۵ برس کے بعد ان کی میعادِ سزا پر نظرِ ثانی کی جا سکتی ہے بشرطیکہ قید میں ان کا چال چلن تشفی بخش رہا ہو۔ انھوں نے استدعا کی کہ اب پندرہ کے عوض اٹھارہ سال گذر گئے۔ حکومت ہند نے یہ معاملہ حکومت پنجاب کو اس کی رائے کے لئے بھیج دیا۔ اس نے سفارش کی کہ ان کی سزا پر مدت دراز گزر چکی اور بدلے ہوئے حالات کی بنا پر صرف عبدالرحیم ہی نہیں بلکہ دوسرے سزا یافتگان بھی جن کو بعد میں سزائیں دی گئی تھیں رہا کئے جائیں۔ تب حکومت ہند نے حکومت بنگال کو اس سفارش سے مطلع کر کے اس کی رائے طلب کی۔ مگر اس نے رہائی کی تجویز سے اتفاق نہ کیا۔ اس نے ہیلیڈے کمشنر پٹنہ کی رائے کا حوالہ دیا جس سے مشورہ کیا گیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ احمد اللہ کے تین بیٹے شہر میں موجود ہیں۔ اور اگر عبدالرحیم اور عبدالغفار واپس لائے گئے تو موقع ملنے پر فساد کھڑا کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔

تب نو آبادی سزا یافتگان انڈمان کے سپرنٹنڈنٹ سے قیدیوں کے چال چلن پر رپورٹ دینے کو کہا گیا۔ اس میں بھی حکومت کو قیدیوں کے خلاف کوئی تقصیر نہ ملی۔ جزیرے میں تمام وہابی قیدیوں کا چال چلن نہایت محتاط، متدین اور بے داغ رہا تھا۔ احمد اللہ، یحییٰ علی[۵۱] اور دیگر اسیر اپنے معمولی دفتری فرائض ختم کر کے اپنا وقت عبادت اور وعظ پر صرف کرتے تھے۔

نو آبادی انڈمان کے سپرنٹنڈنٹ کی مرسلہ رپورٹ سے ظاہر ہوا کہ اٹھارہ سال کی مدت میں قیدیوں کا چال چلن غیر معمولی طور پر عمدہ رہا۔ اس تمام مدت میں عبدالرحیم سے کوئی مقامی تقصیر بھی سرزد نہ ہوئی۔ عبدالغفار پر صرف ایک بار یکم فروری ۱۸۷۰ء کو غیر حاضری کے لئے جرمانہ ہوا۔ جعفر کو کسی ضمنی ضابطہ کی خلاف ورزی کے لئے ایکبار اسم نویسی اور تنبیہ کی گئی تھی۔ پھر بھی جعفر کا چال چلن مجموعی طور پر اچھا تھا اور وہ نمایاں طور پر لائق اور ذہین آدمی ہے۔

---

۵۱ مگر اس تحقیقات کے وقت نہ مولانا احمد اللہ زندہ تھے نہ مولانا یحییٰ علی

Marfat.com

وہابیوں کی رہائی اور پابندیاں: ان تمام تحقیقات کے ختم ہونے کے بعد حکومت ہند نے دسمبر ۱۸۸۲ء میں فیصلہ کیا کہ تمام وہابی قیدی جو اب تک سزائے قید بھگت رہے ہیں رہا کر دیئے جائیں۔ انھیں اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت دی جائے اس شرط کے ساتھ کہ پولیس کے زیر نگرانی رہیں اور رہنے سہنے میں مقامی حکومت کے عائد کردہ احکام کے پابند رہیں۔

۵ر فروری ۱۸۸۳ء کو چھ(۶) قیدی رہا کر دئے گئے۔ ان میں سے عبدالرحیم عبدالغفار پٹنہ کے تھے اور یہیں رہنے کی اجازت چاہی۔ پٹنہ کے مجسٹریٹ نے ان کو اس شہر میں واپس آنے دینے کی درخواست کی مخالفت کی۔ اُس نے یہ عذر پیش کیا کہ "اگرچہ وہابی قضیہ دب گیا ہے، اس فرقے کا مذہبی جوش اب بھی موجود ہے اس لئے بے شبہہ رہا کردہ وہابی باعث ہمدردیٔ عالم بن جائینگے .... اور ان کے فرضی جرائم کا چرچا اور ان کی سزا یابی اور حبس دوام جذبات کو اُبھار دینگے۔ لیکن اس نے مزید لکھا کہ اگر حکومت ان کی رہائی کے ہی حق میں ہے تو بہتر یہ ہوگا کہ ان سے پٹنہ کے عوض بھاگلپور میں سکونت اختیار کرنے کو کہا جائے۔ پٹنہ جیسے کثیر آبادی کے شہر میں پولیس کی نگرانی مشکل سے قابل عمل ہوگی۔ دانا پور اور پھلواری کے متصل شہر بھی وہابیوں سے بھرے پڑے ہیں اور وہاں کی آمدورفت کے روابط کا روکنا بھی مشکل ہوگا۔"

مگر حکومت نے اس خیال سے اتفاق نہ کیا اور پٹنہ کے وہابیوں کو اس شرط کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹنے کی اجازت دے دی گئی کہ اپنے نقل وحرکت کی باقاعدہ رپورٹ پولیس کو دیتے رہیں۔

عبدالرحیم کی مراجعت پٹنہ: چھ رہا شدہ وہابیوں میں سے عبدالرحیم اور چار اور قیدی[1] اوائل مارچ ۱۸۸۳ء میں پورٹ بلیر سے روانہ ہوئے اور دوسرے مہینے میں پٹنہ پہنچے۔ اُن سے کہا گیا کہ اقرار ناموں پر دستخط کر کے اقرار کریں کہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو ذاتی طور پر مقامی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ہاں حاضری دیں اور پہلے سے اجازت لئے بغیر کہیں باہر نہ جائیں۔ سات سال تک یہ حکم سختی سے نافذ رہا۔ اس کے بعد جزواً ڈھیلا کر دیا گیا۔

باقی دو قیدیوں میں سے مسعود نے پہلے اپنے معاملات کے ختم کرنے کے لئے چھ

---

[1] یہ عبدالرحیم تبارک علی، جعفر اور عبدالغفار تھے۔

Marfat.com

ماہ اور ٹھہرنے کی اجازت چاہی اور دے دی گئی۔ بعد میں اس نے اس حکم میں ترمیم کرائی اور ۲۸ اپریل ۱۸۸۳ء کو ایس ایس مہارانی جہاز سے رخصت ہوگیا۔

جعفر تھانیسری کی رہائی: جعفر کی رہائی کچھ دنوں کے لئے ملتوی رہی اس لئے کہ ان کی دوام حبس کی سزا یافتہ بیوی رہا نہ ہوئی تھی۔ آخر مئی ۱۸۸۳ء میں جعفر کی عرضداشت کے جواب میں وہ بھی رہا کر دی گئی اور وہ گھر جانے کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ جعفر نے اپنی رخصت کے وقت چاہا کہ اپنے گھر کو مسجد میں مبدّل کر دیں اور مقامی مسلمانوں کے لئے وقف کر دیں۔ مگر ڈپٹی کمشنر برچ نے اس کی اجازت نہ دی تاکہ کہیں مزید وہابی سازشوں کا مرکز نہ بن جائے۔ آخر جعفر نومبر میں روانہ ہوئے اور سال کے آخر میں اپنے وطن پہنچ گئے۔

Marfat.com

باب ۹

تحریک کا آخری منظر

وہابی جدوجہد ہندوستان میں ۱۸۶۸ء–۸۲ء

احمد اللہ کا مقدمہ وہابی تحریک کی تاریخ میں ایک سنگِ میل تھا۔ ان کی گرفتاری اور سزا نے ہندوستان میں وہابی تنظیم کو کمزور ضرور کر دیا مگر جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے یہ اس کے خاتمے کی نشان دہی نہیں کرتی بلکہ انجام کا آغاز تھی۔ وہابیوں کے کام کے جاری رہنے کا ثبوت ۱۸۶۵ء کے مقدمات کے بعد کئی اور مقدمات کے چلانے سے ملتا ہے۔ جو تفتیشیں ان مقدمات پر منتج ہوئیں وہ بہت ہمہ گیر تھیں اور عملاً قریب قریب سارے ملک پر چھا گئیں۔ پولیس کے حکام کے علاوہ بالخصوص ریلی ڈی آئی جی پولیس محکمہ خاص اعلیٰ افسر تحقیقات تھا۔ انھوں نے پیچیدہ تحقیقات میں اور پشاور، ڈھاکہ اور راولپنڈی، پونا جیسی بعید المسافت جگہوں میں الجھے ہوئے سلسلوں کا کھوج لگانے اور مربوط کرنے میں نمایاں مستعدی اور قابلیت دکھائی۔ اس وقت کے ریلی اور اس کے نائبین نوبوکسٹو گھوش اور ایشری پرشاد کے روزنامچے اور ان کی تحقیقات کی رپورٹیں جو اس زمانے میں معلومات کے اصل ذرائع ہیں سرسری نظر میں بہت اُلجھے ہوئے سے ہیں۔ ایک دن یہ مورخہ ایبٹ آباد ہے، دوسرے ہفتے میں مورخہ مالدہ یا راج محل ہے۔ ذیل کے بیان میں مختلف وہابی مرکزوں کی تحقیقات کا ذکر ان کے سیاق و سباق اور ترتیب زمانی کے لحاظ سے پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس

Marfat.com

موضوع کا مطالعہ دو نمایاں عنوانات کے تحت کیا گیا ہے (۱) برطانوی ہند کے اندر تحریک کی کارکردگی اور مقدمات، (۲) وہابیوں کی سرحدی ریاست میں اس کا آخری منظر۔

احمد اللہ کی گرفتاری پر وہابیوں میں بے چینی: احمد اللہ کی یک بیک گرفتاری اور پھر جزیرہ انڈمان میں قید عمر نے وہابیوں کو حواس باختہ اور کچھ مدت کے لئے تنظیم کو مفلوج ضرور کر دیا۔ تاہم حاجی پور ضلع مظفر پور کے حاجی مبارک علی نے کام پھر شروع کر دیا۔ وہ ولایت علی کے قدیم رفقا میں سے تھے۔ اُن سے اپنے تعلقات مستحکم کرنے کے بعد مبارک علی پٹنہ سٹی چلے آئے اور ولایت علی کے مکان کے برامد ایک گھر میں رہ پڑے۔ احمد اللہ نے اپنی گرفتاری کے وقت تنظیم کا کام ان کے سپرد کر دیا۔ کچھ عرصہ تک وہ احمد اللہ کی مدافعت اور مقدمہ سے متعلق دوسرے امور میں مصروف رہے۔ مقدمہ کے اختتام کے بعد تنظیم کی طرف توجہ کی۔

بہار اور بنگال میں بعض مرکز اب بھی کام کر رہے تھے۔ مرکز مالدہ اور اس کے قائد رفیق منڈل کا ذکر ہو چکا ہے۔ ۱۸۶۵ء میں ان کے بیٹے امیر الدین کی کارروائیوں کی کچھ اطلاع حکام کو مل چکی تھی لیکن اس وقت ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی، غالباً اس لئے کہ حکام اس وقت احمد اللہ کے معاملہ میں زیادہ الجھے ہوئے تھے۔

۱۸۶۸ء کے اواخر میں حکومت کی توجہ اُن مراکز خصوصاً راج محل[1] اور مالدہ کی جاری کارروائیوں کی طرف مبذول کی گئی۔ ریلی ڈی آئی جی پولیس نے اپنی دو مسلسل چٹھیوں میں ان دنوں مقامات پر وہابی کارروائیوں کی بنا اور طریق کار پر ایک سیر حاصل رپورٹ دی۔

راج محل کے ابراہیم منڈل:-

اس علاقے میں وہابیوں کی کارروائیوں پر راج شاہی اور بھاگلپور کے کمشنروں نے پہلی رپورٹ دی۔ ڈبلوٹ اسسٹنٹ کمشنر راج محل نے ریلی کو ہدایت کی کہ نو بہ کشتو اکشٹ اسسٹنٹ کمشنر پولیس کو موضع کلیا چک ضلع مالدہ میں جو اصل مرکز معلوم ہوتا ہے تعینات

---

[1] راج محل پہلے ضلع مالدہ تھا، بعد میں وہ ضلع مرشد آباد میں داخل کر دیا گیا۔ فی الحال وہ بہار کے ضلع سنتھال پرگنہ کا ایک سب ڈو ضلع مالدہ اگرچہ بنگال میں ہے مگر راج محل علاقہ کے مقابل گنگا کے پار واقع ہے۔ دونوں مرکز باہم مل جل کر کام کر رہے تھے۔

Marfat.com

کر دیا جائے۔ چنانچہ گھوش وہاں چلا گیا اور ایک ہفتہ تک تاجر پارچہ جات ریشمی کے بھیس میں قیام کر کے بہت سی اطلاعات اور شہادتیں جمع کیں جن سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ کلیا چک سے متصل کئی گاؤں میں اس مقصد سے کھلم کھلا چندے جمع کئے جاتے تھے تاکہ اسلامی حکومت قائم کی جائے اور انگریز کفّار کو ملک سے نکال باہر کیا جائے۔ اس نے یہ پتہ بھی لگایا کہ ایک شخص نظیر سردار اس علاقے میں چندوں کی تحصیل کے خاص کارکنوں میں تھا۔ کچھ دنوں کے بعد گھوش نے دیکھا کہ اس کی شخصیت کا راز کھل گیا، اور اب اس کے ٹھہرنے کا کوئی فائدہ نہیں تو وہ مجسٹریٹ مالدہ کے پاس گیا اور آٹھ آدمیوں[له] کے خلاف جن پر وہابیوں کے لئے چندے کی تحصیل کے کام میں مصروفیت کا شبہہ تھا گرفتاری کے وارنٹوں کی درخواست کی۔

شہادتوں سے ظاہر ہوا کہ نظیر سردار ساکن قاضی گرام مقامی سردار ہے کئی سال سے (تحریک میں) عملی اور نمایاں حصہ لیتا رہا ہے اور یہ کہ اس نے ضلع کے بہت سے آدمیوں کو سرحد جانے کی ترغیب دی ہے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے چندوں کی تحصیل مختلف شکلوں میں ہوتی تھی۔ جو چندہ نہ دیتے ان کا سماجی بائیکاٹ (مقاطعہ) کیا جاتا۔

ابراہیم منڈل کی گرفتاری: شہادتوں سے ایک شخص ابراہیم منڈل کو بھی مرکز کے سردار کی حیثیت سے جن کے پاس نظیر سردار ساری محصلہ رقوم بھیج دیا کرتا تھا، مان لیا گیا۔ ابراہیم منڈل پاکر میں ڈپٹی مجسٹریٹ کی عدالت کے قریب موضع اسلام پور میں رہتے تھے۔ جو ریلوے لائن سے کچھ دور نہ تھا۔ مجسٹریٹ مالدہ سے درخواست کی گئی — کہ ابراہیم کے خلاف وارنٹ جاری کر دے۔ ریلی احتیاطاً خود براہ راست راج محل نہیں گیا تاکہ کہیں اس کی آہٹ پاکر ابراہیم نکل نہ بھاگے۔ اس نے گھوش کو سڑک سے اسلام پور بھیج دیا گھوش

[له] یہ تھے نظیر سردار ساکن موضع قاضی گرام، عبدالواحد ساکن موضع لکھی پور، گھورن خان ساکن موضع معظم پور، جھومن شیخ ساکن موضع لاکھو پور، نبو عارسی ساکن موضع معظم پور، سورکٹ ملا ساکن موضع معظم پور اور دھو کا ملا ساکن موضع آغا ملکی۔

Marfat.com

ایک مسلمان معلم کے بھیس میں ٹیوشن (معلمی) کی تلاش کے بہانے سے وہاں جا ٹھہرا اتفاق سے اُس کی مڈبھیڑ ابراہیم کے ایک بھتیجے سے ہو گئی جو سیدھا اسے اپنے چچا کے گھر لے گیا جو مطلوب شکار تھا۔ لڑکے نے بتایا تھا کہ میرے چچا کسی معلم کی اعانت کے لئے گاؤں بھر میں سب سے موزوں آدمی ہیں۔ الغرض ابراہیم دو کانسٹبلوں کی مدد سے جو گھوش کے پیچھے پیچھے آئے تھے گرفتار کر لئے گئے۔ اسسٹنٹ کمشنر ولموٹ اور اس کا نائب ہمیز بھی اُس جگہ پہنچ گئے۔ وہ ابراہیم کی گرفتاری میں گھوش کی مدد کے لئے راج محل سے ہاتھی پر آئے تھے۔

وہابی تحریک سے متعلق شہادتیں: جو شہادتیں لی گئی تھیں ان کی روشنی میں ریلی نے رپورٹ دی کہ دوسرے ضلعوں میں بھی مسلمانوں میں اسی طرح کی تحصیل و تبلیغ عام ہے اور جب تک اس مجنونانہ تحریک کو بند کرنے کے لئے عملی اقدامات نہ کئے جائیں اس کے اور پھیلنے کا امکان ہے"۔ اس نے اس خیال کا اظہار بھی کیا کہ "اس تحریک میں کوئی با اثر زمیندار یا کاشتکار شامل نہیں"۔ زمین نہ رکھنے والے کاشتکاروں کو زیادہ تر یہ امید دلا کر راغب کیا گیا کہ کامیابی کے بعد ان کی زمین پر سے لگان اُٹھا لیا جائیگا۔ اس لئے قدرۃً زمینداروں سے یہ امید نہ تھی کہ وہ اس تحریک میں ساتھ دیں۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ بہار اور بنگال میں ہمیشہ اس تحریک پر سرگرمی سے لبیک کہنے والے زیادہ تر یہی بے زمین کاشتکار تھے۔ باراسٹ کی شورش میں بھی یہی لوگ پیش پیش تھے۔ اگرچہ تحریک کی زیر سطح اعتقادی لہریں خصوصاً بنگال میں، اس کے سیاسی دھارے میں دب کر رہ گئیں (اور اس لئے ہنٹر اور اوکینلی جیسے مصنفین نے اس کی دم میں مذہبی لیبل (چٹ) باندھ دیا) بہرحال وہ معنی خیز اور لائق توجہ ہیں۔

گرے کی تحقیقات: یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ ایک نیل کا کاشتکار گرے ان تحقیقات میں نمایاں طور پر اوکینلی کا شریک اور اس کا بڑا مددگار تھا۔ باراسیٹ کے بلوے سے بھی نیل کے کاشتکاروں کی غرض بہت کچھ متعلق تھی اور پہلا جوابی حملہ انھیں نے کیا تھا وہ وہابیوں کے اس علاقے کے کاشتکاروں میں کام کرنے اور اپنے مفاد پر اس کے ممکن ردعمل سے اب تک متشوش تھے۔

Marfat.com

وہابی تحریک کے متعلق رسائل: روپیہ تحصیل کرنے کے متعلق شہادت کے علاوہ بعد میں یہ بھی معلوم ہوا کہ باغیانہ رسالے بھی تقسیم کئے جا رہے تھے۔ مالدہ کے مجسٹریٹ نے رپورٹ کی کہ پولیس نے جو رسائل پکڑے ہیں ان میں سے دو کا اس نے مطالعہ کیا۔ ایک تھا تفسیر مرادیہ جو ۱۲۸۰ھ ہجری میں مصری گنج میں طبع ہوا۔ یہ ایک بہت کثیر الاستعمال پارۂ عم کی تفسیر تھا۔ دوسرا رسالہ مشرقی بنگال میں پٹنہ کے سازشیوں کے ایک نہایت سرگرم حامی ڈھاکہ کے حاجی بدرالدین کے مختلف مذہبی مسائل پر فتاوی کا مجموعہ تھا۔ یہ جاہل بنگالیوں کی ترغیب کے لئے "بڑی خوبی سے بنگلہ میں نظم کیا گیا تھا۔"

مقدمہ قائم کرنے میں حکومت کی بے بسی: آخر میں ریلی نے اپنی رپورٹ میں یہ ارادہ ظاہر کیا کہ گرفتار شدہ لوگوں کو تعزیرات ہند کی دفعات ۱۰۸ اور ۱۲۲ کے تحت ملکہ (وکٹوریہ) کے خلاف جنگ کرنے کی کوشش میں اعانت کا مجرم قرار دے۔ اس نے اقرار کیا کہ اگرچہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ فراہم کردہ روپے ابراہیم منڈل کی تحویل سے آگے گذرے لیکن اس مقصد کے لئے گرفتار شدہ آدمیوں کا طرز عمل قلمبند شہادتوں سے ثابت ہے۔

صوبائی حکومت نے اس معاملے کو گرفتار شدہ آدمیوں کے خلاف الزامات قائم کرنے کے لئے مشورے کے لئے قانونی مشیر کے حوالہ کر دیا۔ اُس نے جواب دیا کہ اگرچہ یہ واضح ہے کہ کئی اضلاع میں باغیانہ نفرت پھیلانے کی تبلیغ برابر جاری رہی لیکن تحصیل کردہ رقم کی آخری حوالگی کے متعلق کسی ثبوت کی بغیر موجودگی باعث دشواری ہے۔ احمد اللہ کے مقدمے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے جو اسی نوعیت کا تھا اُس نے لکھا کہ اُس مقدمے میں روپے کا کھوج پٹنہ سے سرحد تک لگا لیا گیا تھا۔ اس مقدمے میں یہ بات نہیں۔ اس نے شبہہ ظاہر کیا آیا جب تک روپے کی حوالگی کے متعلق مزید ثبوت مہیا نہ ہو تعزیرات ہند کی دفعات ۱۲۰ اور ۱۲۲ کے تحت ان پر الزامات عائد ہو سکتے ہیں۔ اُس نے یہ مشورہ بھی دیا کہ ان تمام افسروں میں جو اس مقدمے میں کام کر رہے ہیں احمد اللہ کے مقدمے کی

Marfat.com

مطبوعہ روداد کے نسخے تقسیم کر دئے جائیں کیونکہ وہابیوں، ان کی تنظیم اور ان کے بعض سربراہوں کی گرفتاری اور قانونی چارہ جوئی کے موضوع پر یہ کارآمد رہتا ہے۔

حکومت ایک قانونی دشواری سے دوچار ہوگئی۔ متذکرہ بالا اشخاص گرفتار تو کئے گئے تھے بعض بدیہی شہادتوں پر، مگر ان کے جرم کے واقعی ثبوت جمع کرنے کے لئے کئی مقامات میں بالتفصیل تفتیش چلانا ضروری تھا جب تک حکومت ہند سے ۱۸۱۸ء کے آئین ۳ کے لئے التجا نہ کی جائے یہ سب اشخاص غیر معینہ مدت تک بند نہیں رکھے جا سکتے تھے۔ اس آئین نے جو قانونِ تحفظ ہند کا پیش خیمہ تھا مرکزی حکومت کو آدمیوں کی احتیاطی نظر بندی اور ان کو حبس مدت تک ضروری سمجھے مقدمہ چلائے بغیر زندان میں محبوس رکھنے کے لئے کچھ غیر معمولی اختیارات سے مسلح کر دیا تھا۔ لفٹننٹ گورنر نے حکومت ہند سے اپنی رپورٹ میں سفارش کی کہ تحریک کے صرف سرکردہ کو گرفتار رکھا جائے اور باقی کو رہا کر دیا جائے مگر رہا کردہ اشخاص کی حرکات پر نظر رکھی جائے۔ . . . .

. . . . لفٹننٹ گورنر نے اس رائے کا اظہار بھی کیا کہ اگرچہ تحصیل کردہ رقوم کے سرحد پہنچنے کا کوئی ثبوت نہیں خود موضع اسلام پور میں ان لوگوں کے خاندان موجود ہیں جو سرحد پر ہیں یا وہیں مر گئے۔ ان کے خاندانوں کے ارکان کی پرداخت ابراہیم ہی تحصیل کردہ رقوم سے کرتے تھے۔ دونوں صورتوں میں مقصد حقیقتاً ایک ہی تھا، وہابیوں کی امداد۔ اس رائے کے مطابق لفٹننٹ گورنر نے حکم دیا کہ صرف ابراہیم منڈل اور نظیر سردار کو مقید رکھا جائے، باقی رہا کر دئے جائیں۔

ابراہیم منڈل سے ناروا سلوک: ابراہیم منڈل راج محل جیل میں قید کئے گئے۔ وہ کافی عمر رسیدہ تھے مگر وہ ایک بہت چھوٹی سی مرطوب کوٹھری میں رکھے گئے جس کی تشریح خود جیل کے ڈاکٹر نے یوں کی ہے کہ "یہ مرطوب اور غیر ہوادار ہے، سونے کے لئے کوئی چارپائی نہیں۔ اس سے متصل کوئی بیت الخلا نہیں، کوٹھری ہی کا ایک گوشہ اس مقصد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس طریقے سے لامحالہ بعض اوقات اس کوٹھری ہی کا خوابگاہ کے طور پر استعمال کرنا بالکل ناپسندیدہ اور تکلیف دہ ہو جاتا ہے"۔ ملحوظ رہے کہ یہ تھا وہ سلوک جو

Marfat.com

اُس شخص کے ساتھ روا رکھا گیا جو ضابطہ ۳ کے تحت گرفتار کیا گیا تھا۔ اس قانون کی وجہ اجرا میں صاف صاف درج ہے کہ اس کے تحت قیدی کی صحت کی طرف "مناسب توجہ" رکھی جائے اور قیدی کے "سماجی رُتبے" کے مطابق "مناسب سامان" مہیا کیا جائے۔ علاوہ بریں حکومت بنگال نے ہر جیل کے جس میں ایسے قیدی رکھے جائیں، ذمہ دار افسر کو متنبہ کر دیا تھا کہ یہ ریاست کے قیدی ہیں اور ان کے ساتھ مجرموں جیسا برتاؤ نہ کیا جائے ابراہیم کو بعد میں راج محل سے مونگیر جیل میں منتقل کر دیا گیا۔

مبارک علی عظیم آبادی :۔

ان گواہوں میں جنھوں نے مالدہ میں بیان دیئے تھے عنایت اللہ ولد فیض اللہ ساکن موضع شیخپورہ ضلع مونگیر بھی تھا۔ اس کے تفصیلی بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ پٹنہ کلیدی مرکز تھا اور بنگال اور سرحد کے درمیان رابطہ کی کڑی کا کام دیتا تھا۔

عنایت اللہ ولد فیض اللہ کی شہادت: عنایت اللہ نے بیان کیا کہ میرے سسر حاجی مبارک علی عظیم آبادی کے مرید ہیں جو احمداللہ کی گرفتاری کے بعد سردار ہو گئے۔ انھوں نے ذیقعدہ ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ء) کو مجھے بلا بھیجا اور روپے کی ترسیل کی خدمت کے بارے میں مجھ سے گفتگو کی اور اس کام میں حصہ لینے کے فضائل بتائے۔ مزید استفسارات پر انھوں نے فرمایا کہ راج محل جا کر ابراہیم سے ملو، وہ تمھیں مفصل ہدایات دینگے۔ انھوں نے مجھے ابراہیم کو دینے کے لئے کچھ کتابیں بھی دیں۔ میں جا کر دو ہفتے ابراہیم کے ہاں ٹھہرا اس مدت میں نظیر سردار اور بہت سے دوسرے لوگوں کو ابراہیم کے ہاں آتے اور مختلف رقوم جمع کرتے دیکھا۔ بالخصوص بقرعید کے موقع پر بڑی بڑی رقمیں جمع کی گئیں، کبھی کبھی پچاس ہزار اور ساٹھ ہزار تک جمع کی گئیں نقد روپے اکثر پٹنہ کے ایک مشہور سوداگر حشمت میر خاں کی مدد سے جس کی آڑھت کلکتہ میں تھی اشرفیوں میں تبدیل کرا لئے جاتے۔ تب یہ رقمیں مبارک علی کو بھیج دی جاتیں، خفیہ کارپردازوں کی معرفت ان کو سرحد بھیج دیتے۔ ان میں ایک منیر ضلع پٹنہ کا باشندہ مولا بخش بھی تھا یہ ایک پست قد گندمی رنگ کا آدمی تھا، پشتو

Marfat.com

روانی سے بولتا اور بڑا ہوشیار اور معتبر شخص تھا۔ اور کارپرداز بھی کام کرتے تھے۔ سرحد کے راستے پر بنارس ایک اہم منزل تھی۔

ایشری پرشاد کی پٹنہ میں تقرری: عنایت اللہ کی شہادت نے پٹنہ کے کئی آدمیوں کو بھی پھنسا دیا۔ ریلی نے کوشش کی کہ ایشری پرشاد کو جو وہابیوں کے خلاف پچھلے مقدمات میں اتنا ہوشیار اور کارآمد ثابت ہوا تھا پٹنہ میں تعینات کرادے۔ لیکن وہ مونگیر میں اپنے محکمہ جاتی امتحان کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نے وہاں سے ہٹنا نہ چاہا۔ اس لئے گھوش کو پٹنہ میں تعینات کیا گیا۔ لیکن وہ ایسا ناپسندیدہ اور پٹنہ کے عوام الناس اسکی پہلے کی بعض حرکات سے اس کے اتنے خلاف تھے کہ کمشنر نے اُسے فوراً پٹنہ چھوڑ دینے کا حکم دیا اور اس کے مشورے کے بغیر گھوش کو پٹنہ تعینات کرنے پر ریلی سے باز پرس کی۔ گھوش کی حمایت میں ریلی کا احتجاج مسموع نہ ہوا۔ اس کی بجائے الٰہی بخش پورنیہ سے تیسرے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کو پٹنہ بلایا گیا اور تفتیش کا کام اس کے سپرد کیا گیا۔ بعد میں ایشری پرشاد کو ریلی کی اعانت کے لئے پٹنہ میں تعینات کیا گیا۔

ایشری پرشاد کی تحقیقات: ایشری پرشاد کی آمد کے بعد تحقیقات پورے زور شور سے شروع ہوگئی۔ پتہ چلا کہ سازشی تنظیم عملاً سارے شمالی ہند میں پھیلی ہوئی ہے حکومت پنجاب و صوبہ شمالی مغربی (یوپی) کو مراسلے بھیج کر ان سے درخواست کی گئی کہ ریلی اور اس کے معاونوں کو ان کی تحقیقات میں تمام سہولتیں بہم پہنچائیں۔ مدراس اور بمبئی کی حکومتوں سے بھی کہا گیا کہ اپنے علاقوں میں وہابیوں کی کارروائیوں کی صورت حال کی رپورٹ دیں۔ بہرحال اصلی تحقیقات پٹنہ میں ہوتی رہی۔

وہابیوں کی کارروائیاں مدراس اور بمبئی کے صوبوں میں:

جس زمانے میں ریلی بنگال میں وہابی کارروائیوں کی تفتیش میں مصروف تھا اُس کو معلوم ہوا کہ روپے اکثر ہندوستان سے مکہ کو بمبئی کے راستے بھیجے جاتے تھے جو حاجیوں کے بحری سفر کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے۔ اس کے بعد روپے وہاں سے سرحد کو

Marfat.com

بھیج دئے جاتے۔ اس نے انسپکٹر جنرل پولیس سے کہا کہ حکومت بنگال سے تحریک کرے کہ وہ صوبہ مدراس و بمبئی کی حکومتوں سے رابطہ قائم کرکے ان علاقوں میں وہابیوں کی کارروائیوں کی تحقیقات کرائے، اور یہ بھی پتہ چلائے آیا ان کے اور بہار و بنگال کے وہابیوں کے درمیان کوئی تعلق موجود ہے۔ جنوبی مغربی ہندوستان میں اس تحریک کا مندرجہ ذیل مختصر تذکرہ دونوں حکومتوں کی دو رپورٹوں پر مبنی ہے۔ اگرچہ یہ رپورٹیں ۱۸۶۹-۷۰ء میں وہابیوں کی عام تحقیقات کے متعلق رودادوں کا ایک حصہ ہیں تاہم ایک علیحدہ مجموعہ دستاویزات ہیں۔ ریلی کو خاص طور پر یہ معلوم کرنا مقصود تھا آیا سرحد اور جنوب مغرب کے وہابیوں کے درمیان کسی رابطے کا امکان موجود ہے۔ اس سوال کا جواب اکثر حالات میں یہ تھا کہ اس مسئلہ پر کوئی نمایاں اور کھلی شہادت موجود نہیں۔ اس لئے ریلی نے جس طرح شمالی اور مغربی علاقوں کا معاینہ کیا، ان علاقوں کا بذات خود نہیں کیا اور ان میں کوئی دلچسپی نہ لی اور معاملہ جہاں کا تہاں رہ گیا۔

بہرحال وہابی جنوبی مغربی ہند کے خطوں میں کافی چاق و چوبند رہے۔ خند بڑے کام جو اندرون ہندوستان میں وہابیوں کو کرنا تھے یعنی چندے جمع کرنا اور انگریزوں کے خلاف لٹریچر کا پھیلانا، سرگرمی سے ہوتے رہے۔ فوج میں تداخل (اپنے آدمیوں کے گھسانے) کا کام جو ۱۸۳۹ء میں شروع ہوا تھا۔ اب بھی جاری تھا۔ اخبار اور رسائل بھی مشتہر کئے جاتے اور ان میں کثرت سے مضامین شائع کئے جاتے۔

وہابی تبلیغ، اسمٰعیل کی مدراس میں خدمات: انسپکٹر جنرل پولیس مدراس نے رپورٹ دی کہ کچھ عرصہ سے مدراس میں وہابی تحریک پر نگرانی رکھی جاتی رہی ہے۔ ۱۸۶۶ء میں ایک شخص ...... مسمٰی اسماعیل جو پہلے ۲۷ دیسی فوج میں سپاہی تھا اور ایک پرجوش وہابی مبلغ ہے ۱۸۱۹ء کے ضابطہ ۲ کے تحت (جو بنگال کے ۱۸۱۸ء کے ضابطہ ۳ کے مساوی ہے) مدراس میں مقید ہے۔ وہ پہلے ۱۸۵۲ء میں بغاوت پھیلانے کی علت میں فوجی لائنوں سے خارج کر دیا گیا تھا۔ ۱۸۵۷ء میں گنتور میں اس پر اس قسم کی حرکات کا شبہہ ہوا۔ اس کے بعد وہ برما چلا گیا جہاں وہ دیسی فوجوں میں وہابی تعلیمات کی تبلیغ کرتا رہا اس لئے وہ

Marfat.com

تھیٹمیو (برما) سے کلکتہ چالان کر دیا گیا۔ اور پھر ۱۸۶۳ء میں اُس پر وزیا نگرام میں باغیانہ حرکات کا شبہہ کیا گیا۔ آخر ۱۸۶۶ء میں شمالی سرکار میں ایسی ہی حرکات کے لئے قید کر دیا گیا۔

وہابی مبلغ احمد اللہ کی بنگال میں کاروائیاں: ایک اور وہابی مبلغ جس نے مدراس خاص کر کے مدراس میں مقیم دیسی پیدل فوج کی رجمنٹ میں بہت کام کیا وہ بنگال کا ایک شخص مسمی احمد اللہ تھا۔ اس کی کارروائیوں نے بالخصوص فوج میں کچھ اعلیٰ فوجی حکام کو چونکا دیا۔ چنانچہ مدراس کے ایڈجوٹنٹ جنرل نے کمانڈر انچیف مدراس کی ہدایت پر مدراس کے تمام کمانڈنگ افسروں کے نام حکم جاری کر دیا کہ "وہ ایک کٹر وہابی متوطنِ بنگال احمد اللہ سے ہوشیار رہیں جس کا اصل مقصد سپاہیوں کو بغاوت پر اکسانا ہے . . . . وہ جگہ جگہ جہاں کہیں مدراس کی فوجیں ہیں گھومتا پھرتا اور باغیانہ پیغامات پہنچایا کرتا ہے۔"

احمد اللہ مبلغ کی رائے پور میں گرفتاری: احمد اللہ ۱۸۶۹ء میں رائے پور میں گرفتار کر لیا گیا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے انسپکٹر جنرل پولیس صوبہ جات زیریں کے پاس اس کی گرفتاری کی رپورٹ میں لکھا کہ یہ شخص گذشتہ ستمبر میں رائے پور سے آیا تھا۔ بعض معروف وہابی اس سے ملے۔ پولیس افسر نے جس کے پاس ایڈجوٹنٹ جنرل مذکور کا گشتی حکمنامہ موجود تھا۔ احمد اللہ کو گرفتار کر لیا۔ گرفتاری کے بعد اس نے اقرار کیا کہ ۱۸۶۰ء میں وہ ویزیانگرام گیا تھا اور وہاں ۱۱؁ دیسی فوج کے کچھ جوانوں سے ملا تھا۔ پولیس سپرنٹنڈنٹ نے یہ بھی بتایا کہ اب وہ رجمنٹ رائے پور میں مقیم ہے۔ اس نے مزید لکھا کہ احمد اللہ اسمٰعیل خاں کا پیر ہے جو ایک معروف وہابی ہے اور چند سال ہوئے ۲۸؁ مدراس دیسی فوج کے سپاہیوں میں بغاوت کی تبلیغ کے لئے برہانپور میں گرفتار کیا گیا اور قید عمر کی سزا دیکر کوئم بٹور کے جیل میں مقید کیا گیا۔ احمد اللہ ۱۸۶۲ء میں ایلور (ضلع گوداوری) بھی گیا تھا اور اُس وقت سے وہاں وہابیت روبہ ترقی ہے۔

احمد اللہ نے بیان دیا کہ وہ کپڑے، چمڑے اور ہڈی کی تجارت کرتا ہے۔ بمبئی سے کپڑے خریدتا اور مختلف جگہوں میں بیچتا ہے۔ اس بیان سے اس کی لگاتار سیر و سیاحت کی توجیہ تو ہو گئی۔ یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ وہ تبلیغی کاموں کو اصلی کاروباری کاموں کے ساتھ

Marfat.com

خلط ملط کر دینے کی وہابی چال بھی چلتا تھا۔ کہ ضرورت پڑنے پر اپنی باقاعدہ سوداگری کو تشفی بخش طور پر ثابت کر سکے۔

سپرنٹنڈنٹ پولیس لائے پور نے احمد اللہ کے متعلق مزید تفصیلی معلومات طلب کیں جو اس کے خلاف مقدمہ چلانے کی تیاری میں کام دے سکیں۔ ریلی نے جواب[1] دیا کہ مجھے پٹنہ کے علی کریم سے احمد اللہ کے متعلق کچھ اطلاعات ملی ہیں۔ ۵۹-۱۸۵۷ء کی تحریک میں علی کریم بہار کے مشہور سربراہوں میں تھے۔ وہ جون ۱۸۵۷ء کو بہار سے نکل بھاگے تھے، گورکھپور اور ٹانڈہ میں کئی لڑائیوں میں لڑے تھے۔ اس تحریک کے فرد ہونے کے بعد وہ بھوپال چلے گئے۔ ان کی گرفتاری کا وارنٹ جو بہار میں پڑا رہا بیگم بھوپال کی سفارش سے اٹھا لیا گیا۔ وہ واپس آئے اور پٹنہ میں آباد ہو گئے۔ پٹنہ واپس آکر انھوں نے وہابیوں کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے لئے ریلی کو اپنی خدمات پیش کیں۔ ریلی نے سفارش کی کہ حکومت ان کی پیشکش قبول کرے لیکن نامنظور کر دی گئی۔ ریلی نے لکھا کہ اب علی کریم سے احمد اللہ کے متعلق کسی مزید اطلاع کی توقع نہیں لیکن احمد اللہ کو گرفتار کرنے کے لئے ضابطہ ۳ مجریہ ۱۸۱۸ء کے تحت کافی شہادت موجود ہے۔

انسپکٹر جنرل مدراس نے مدراس میں وہابیوں کی کارروائیوں پر اپنے عام تاثر کا اظہار کرتے ہوئے رپورٹ دی کہ یہ زیادہ تر ان کے مذہبی عقائد سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ کہ اگرچہ انھوں نے کسی فعل کا علانیہ ارتکاب تو نہیں کیا۔ لیکن "ممکن ہے کہ جبری عیسائی قانون کے تحت کبھی کبھی ان کے طبعی جذبات اُبل پڑیں"۔

شہر مدراس میں وہابیوں نے ایک اخبار بلیچی (میٹوک) کے نام سے نکالا جس کے خریدار تمام صوبے پر چھائے ہوئے تھے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہ لوگ دوسری جگہوں میں بھی تحریک کی رفتار سے تعلق رکھتے تھے ورنہ ایک دور دراز کے شہر میں ایک گمنام اخبار کی خریداری نہ کرتے۔

---

[1] جے۔ اتیچ ریلی ڈی آئی جی کی چٹھی بنام آئی جی پولیس ایل پی نمبر ۲۲۴ مورخہ کلکتہ یکم دسمبر ۱۸۶۹ء

Marfat.com

صوبہ بمبئی کے پولیس کمشنروں کی رپورٹیں: حکومت بنگال کے ایک اسی قسم کے سوال کے جواب میں حکومت بمبئی نے رپورٹ دی کہ صوبہ (بمبئی) کے مختلف پولیس کمشنروں نے اپنے اپنے علاقوں کے متعلق مندرجہ ذیل رپورٹ دی ہے:-

شہر بمبئی کے پولیس کمشنر نے رپورٹ دی ہے کہ اس شہر میں ایک سو کے قریب وہابی ہیں کسی شہادت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ بنگال میں ان کے ہم وطنوں سے ان کا کوئی تعلق ہے۔

کیرا کے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے رپورٹ دی ہے کہ چھ مہینے ہوئے کچھ وہابیوں نے نیریاد میں ایک مسجد قائم کرلی تھی، لیکن بوہروں نے ان کو نکال دیا۔ سورت اور بروچ میں بھی وہابی اثر کچھ زیادہ نہیں کیونکہ ان کے فرقے کے عقائد مقامی آبادی کے عقائد سے اتنے مختلف نہیں۔ لیکن جب نربدا کے پاس ریل کا پُل مرمت کیا جا رہا تھا۔ وہاں کے کچھ کاریگر (غیر بمبئی والے) جیسا کہ کہا جاتا ہے وہابی بھی تھے۔ کام ختم ہونے کے بعد چلے گئے۔

جنوبی علاقے کے کمشنر پولیس نے رپورٹ دی کہ ضلع کلا دگھی میں کچھ وہابی خاندان ٹالیکوٹ میں رہتے ہیں۔ وہ زیادہ تر جولاہے ہیں۔

پنچ محل کے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے رپورٹ دی کہ کوئی سات سال ہوئے ۱۸۶۲ء میں وہابیوں کی ایک معتدبہ تعداد اپنے مشرب کی اشاعت کے لئے ٹونک سے گودھرا آئی تھی

پونا میں کچھ عرصہ ہوا ایک شخص برکت اللہ ساکن فراشخانہ دہلی آیا اور جہاد کی تبلیغ کی۔

"پونا میں کسی مولوی کو اس زور شور سے ایسی تیز زبان میں وعظ کہتے نہیں سُنا گیا جیسا اس شخص نے کیا۔ اسے ایک ایسی رجمنٹ کے احاطے سے نکل جانے کی تنبیہ بھی کی گئی۔ وہ مکہ جانے کے بہانے نکل

Marfat.com

تو گیا مگر بمبئی چلا گیا جہاں ایک متمول وہابی عنایت اللہ کے پاس ٹھہر گیا۔ چند وہابی جو شہر اور صدر بازار میں رہتے ہیں وہ اپنے مشغلہ کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے۔ بیجاپور سے بھی رپورٹ ملی ہے کہ مدراس کی طرف سے ایک وہابی مولوی ہاں آیا تھا۔ زیادہ تر مقامی وہابی جولاہوں سے لئے گئے ہیں مذکورہ بالا تحقیقات کے ساتھ صدر مقام پٹنہ میں بھی تفتیش جاری رہی۔

خورشید علی اور مبارک علی کی گرفتاری: ریلی کو ایک مخبر سے معلوم ہوا کہ احمد اللہ کے مقدمے کے سرکاری گواہ الٰہی بخش متوفی کا بھائی خورشید علی جو اب الٰہی بخش کے بچے کی طرف سے اس کی دوکان کی نگرانی کرتا ہے وہ شخص ہے جس کی معرفت مبارک علی دہلی اور سرحد کو روپے بھیجتا ہے۔ الٰہی بخش کی جوتوں کی دوکان متعلق بہ دہلی (جہاں سے جوتے خریدتا اور اس کام کے لئے روپے بھیجا کرتا) ایک بڑا سہل واسطہ تھی اسی دوکان کو جس کی پہلے پولیس تلاشی لے چکی تھی یہ سمجھ کر کہ حکام اب اس پر شبہہ نہ کریں گے منتخب کرنے کے لئے ریلی نے مبارک علی کی ڈھٹائی پر رائے زنی کی خورشید کی دوکان کی تلاشی لی گئی اور کاغذات پر قبضہ کر لیا گیا۔ ان سے مختلف رقوم کے جمع کرنے اور ۱۲۸۴ھ ، ۱۲۸۵ھ ہجری (۱۸۶۶ء) میں دو رقوم ۹۷۲۸ روپیہ اور ۱۱۹۱۴ روپیہ کی ترسیل کا پتہ چلا۔ نہ ان ترسیلات کی کوئی توجیہہ پیش کی گئی نہ کاروبار کے سرمایہ نے ایسے منافع کی تائید و توثیق کی۔ چنانچہ دسمبر ۱۸۶۸ء کو خورشید علی اور مبارک علی دونوں گرفتار کر لئے گئے۔

دہلی میں تحقیقات:

پٹنہ میں تحقیقات کے دوران میں ایشری پرشاد کو معلوم ہوا کہ مبارک علی نے ایک شخص امید علی ساکن باقر گنج (بنگال)، کو جو دہلی میں مقیم تھا چند خط لکھے تھے۔ ایشری پرشاد فوراً دہلی پہنچا، امید علی کا پتہ لگا کر اس کے گھر کی تلاشی کرائی اور کاغذات پر قبضہ کر لیا۔ اس تلاشی سے مفید مطلب نتائج حاصل ہوئے اور پنجاب، سرحد شمالی مغربی اور بہار میں مختلف مقامات میں وہابیوں کے متعلق اہم سراغ ملے۔

Marfat.com

اُمید علی نے اقرار کیا کہ اس کو مبارک علی سے خطوط اور روپے وصول ہوئے تھے اور سرحد سے اس کے نام آئے ہوئے خطوط بھی اُس کے پاس بھیجے تھے۔ اُس نے چند وہابی کارپردازوں کے نام بھی بتائے جو سرحد کو روپے لے جاتے تھے۔ ان میں مبارک علی عظیم آبادی کا بیٹا تبارک علی (معروف بہ قادر بخش) بھی شامل تھا۔ چنانچہ تبارک علی پٹنہ میں گرفتار کر لیا گیا۔

شاہزادہ فیروز شاہ: امید علی نے ایک اور معنی خیز اطلاع دی اُس نے کہا کہ ایک روز جب میں اپنے رفیق کار محمد امین کی دوکان پر بیٹھا تھا میں نے کئی آدمیوں کو دیکھا جو محمد امین سے ملنے آئے تھے۔ ان کے بارے میں دریافت کرنے پر اس نے مجھے بتایا کہ وہ شاہزادہ فیروز شاہ[1] کے پاس سے آئے ہیں جو سرحد پر رہتے ہیں۔ وہ فیروز شاہ کی طرف سے دکن کے بعض راجاؤں کے نام خطوط لائے ہیں۔ شاہزادے نے ان کو مدد کے اُن وعدوں کی یاد دہانی کی ہے جو انھوں نے غدر ۱۸۵۷ء میں ان سے (شہزادے سے) کئے تھے اور ان سے درخواست کی ہے کہ دریائے آکسس (جیحون) پر اُن سے آملیں"۔ ان خطوط پر فیروز شاہ کی مہریں لگی تھیں۔ مہر قطر میں بالشت بھر تھی، ایک دائرے میں خانوادۂ تیموریہ کے کل بادشاہوں کے نام تھے اور خود فیروز شاہ کا نام مرکز میں تھا۔ یہ خط فیروز شاہ کے بھائی شہزادہ ایزاد (ایزد) بخش کو پہنچانے تھے جو اپنی ماں کے ساتھ دلی میں ایک جھونپڑے میں رہتا تھا اور ایک کپڑے کی دکان[2] رکھتا تھا۔ سوال کرنے پر ایزاد بخش نے کہا کہ میں بھائی کے قاصدوں کے ہاتھ سے خط لینا نہیں چاہتا۔ آخر نذیر حسین کے ہاں جاتے ہوئے جو دلی میں پھاٹک حبش خاں کے قریب رہتے تھے راستے میں ان سے ملنے پر رضامند ہو گیا۔

---

[1] فیروز شاہ اکبر ثانی کا بھتیجا اور بہادر شاہ ثانی کا چچیرا بھائی تھا۔ ۱۸۵۲ء میں سفر حج کو چلا گیا تھا اور اُس وقت لوٹا جب کہ شورش جاری تھی۔ اس میں اس نے نمایاں حصہ لیا تھا اور اس کے استیصال کے بعد ۱۸۶۸ء میں سرحد کے علاقے میں جا رہا اور کچھ عرصہ تک سید احمد کے پاس رہا۔ [2] ریلی نے شہزادہ ایزاد بخش کے بارے میں لکھا تھا "دلی میں کوئی شخص بھی دلی کے ایک شاہزادے سے گز بھر لٹھا خرید سکتا ہے۔ دنیا کا جاہ و جلال یوں ہی گذر جاتا ہے"۔

Marfat.com

نذیر حسین محدث دہلوی: نذیر حسین تفسیر اور فقہ اسلامی کے مشہور استاد تھے۔ شروع میں سورج گڈھ ضلع مونگیر کے متوطن تھے۔ بعد میں وہ دہلی میں جا بسے۔ شروع میں سید احمد سے ان کی ملاقاتوں نے ان کو کچھ متاثر اور اس تحریک کا ہمدرد بنایا ہوگا گو اس کا کوئی یقینی ثبوت نظر نہیں آتا۔ مگر امید علی کے بیان نے نذیر حسین کو یہ کہکر صاف صاف ملوث کر دیا کہ فیروز شاہ کے قاصد آئے تھے تو وہ بھی موجود تھے۔ نذیر حسین کے گھر کی تلاش سے بہت سے مشتبہ قسم کے خطوط نکلے۔ ان میں سے بعض معروف وہابیوں جیسے جعفر تھانیسوری اور مبارک علی عظیم آبادی کے خطوط بھی نذیر حسین کے نام تھے۔ ایک خط نذیر حسین کا لکھا ہوا سرحد کے وہابی سردار عبداللہ کے نام بھی تھا۔ ریلی نے ضابطہ ۳ کے تحت ان کی گرفتاری کی سفارش کی لیکن وہ ایک مشہور و معروف عالم تھے، اور ان کے خلاف کسی اطمینان بخش شہادت کے بغیر حکومت اس انتہائی اقدام سے متامل تھی۔ حکومت نے اس معاملے کی رپورٹ حکومت پنجاب کو (جس کے ماتحت خطۂ دہلی تھا) بھیج دی اور درخواست کی کہ وہ جو اقدام مناسب سمجھے کرے۔ حکومت پنجاب نے ان کو احتیاطی طور پر چھ ماہ جیل میں قید رکھنے کا حکم نافذ کیا مگر اس کے فوراً بعد ہی ان کو رہا کر دیا۔

دسمبر ۱۸۶۵ء میں عبداللہ نے راولپنڈی میں جو بیان دیا تھا اس کے مطابق نذیر حسین دہلی میں وہابی کارکنوں کے صدر تھے۔ راج محل کے ایک اور گواہ نے بھی شہادت دی کہ نذیر حسین نے اس کو سرحد جانے پر آمادہ کیا تھا۔ ریلی نے سفارش کی کہ نذیر حسین کے معاملے کی دوبارہ جانچ کی جائے اور گواہوں سے ان کا مقابلہ کرایا جائے۔ کاغذات حکومت پنجاب کو پھر بھیجے گئے مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی گئی۔ مگر بعد کی تحقیقات میں وہ نمایاں طور پر نظر آئے۔

امید علی کی گرفتاری: اُمید علی کی بعض اور آدمیوں کے ساتھ احتیاطی نظر بندی کی گئی۔ ایک اور ملزم محمد امین یا امین الدین بھی جو باقر گنج کا باشندہ تھا اور اُمید علی کی گرفتاری کے بعد بھاگ کر ڈھاکہ چلا گیا تھا گرفتار کر لیا گیا۔

دہلی کے مجسٹریٹ کار اسٹیفن نے جس نے امید علی اور دوسروں کے بیان قلمبند کئے

Marfat.com

تھے رپورٹ دی کہ امید علی نے دوسرے صوبوں میں وہابی کارپردازوں کے متعلق جو سراغ بہم پہنچائے ہیں ان پر کام کرنا چاہیے اور اس دوران میں امید علی کو قید رکھنا اور باقی کو رہا کر دینا چاہیئے۔

امیرالدین ساکن مالدہ:

ریلی جب ابراہیم منڈل کی گرفتاری کے سلسلے میں مالدہ میں تھا اس کو معلوم ہوا کہ مالدہ کے سب سے با اثر لوگوں میں ابراہیم منڈل کے بعد دوسرا نمبر ایک شخص امیرالدین ساکن موضع سندیپا نراین پور رہے۔ اس کی کاروائیاں بہت عرصے سے جاری ہیں اور حکام ان سے ناواقف نہیں۔ مارچ ۱۸۶۹ء میں گھوش کو ہدایت کی گئی کہ مالدہ جائے۔ وہاں جا کر اُس نے ۳۰ مارچ ۱۸۶۹ء کو امیرالدین کو گرفتار کر لیا۔ یہ بات معنی خیز ہے کہ اس موقعہ پر بھی یہ اطلاع کہ جس ضلع میں گرسے (متذکرہ بالا) کے کارخانے واقع تھے وہاں نیل والوں کے جھگڑوں میں امیرالدین ایک نہایت مستعد کارکن پایا گیا تھا جو برسوں کام کر رہا تھا۔ اس پر مقدمہ چلانے کے لئے حکومت کی منظوری کے انتظار کے دوران میں ہی وہ گرفتار کر لیا گیا۔ مالدہ کے مجسٹریٹ نے رپورٹ دی کہ سردست اُس پر الزام عائد نہیں کیا جا رہا ہے اور اس کے خلاف تحقیقات ابتدائی کارروائی سمجھی جائینگی تاکہ بعد میں اس پر باقاعدہ مقدمہ چلانے کے لئے حکومت حلفیہ شہادت مہیا کر لے۔

لفٹننٹ گورنر بنگال نے مختلف مقامات میں ان تمام تفتیشوں پر حکومت ہند کو رپورٹ دیتے ہوئے ایک چٹھی میں رائے ظاہر کی کہ "وہابی تحریک نہایت پیچیدہ شاخ در شاخ ہے۔ اس کے کارپرداز سہارنپور، جہلم، روڑکی، دانا پور، اور متفرق جگہوں میں پھیلے ہوئے ہیں"۔ لفٹننٹ گورنر کو شبہ تھا آیا ان مشتبہ لوگوں کے خلاف مقدمہ کی کارروائی فوجداری عدالتوں میں کامیابی سے چل سکیگی۔ اس کی رائے تھی کہ تعزیرات ہند میں بصورت موجودہ کوئی ایسی دفعہ نہیں جس کی رو سے اس قسم کے افعال کا جو وہابیوں سے سرزد ہوئے مقابلہ اور توڑ کیا جا سکے۔ ہنٹر حکام کی درگت کی ان لفظوں میں تشریح

ہوتا ہے"۔ فساد اتنا وسیع وہمہ گیر ہے کہ یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کارروائی کہاں سے شروع کی جائے۔ ہر ضلعی مرکز ہزاروں خاندانوں میں بے چینی پھیلا دیتا ہے۔ ملزم کے خلاف ممکن الحصول گواہ اُسی کے وہ نئے عقیدتمند ہیں جو اپنے مالک کے ساتھ دغا کرنے پر مرنے کو ترجیح دیتے ہیں"۔

پٹنہ اور دانا پور میں تحقیقات:

تحقیقات کے دوسرے منظر میں مشعل کی شعاع پٹنہ اور دانا پور کی طرف مڑ گئی۔ تحقیقات سے ظاہر ہوا کہ دانا پور بھی ایک بڑا مصروف کا مرکز ہے۔ زیادہ اہم انکشاف یہ تھا کہ بعض معتوت افراد ۱۸۵۷ء میں بھی سرگرم کارکن پائے گئے تھے۔ پتہ چلا کہ اردلی بازار دانا پور کے ایک باشندے پیر محمد کو راولپنڈی سے خطوط لکھے گئے تھے۔ دانا پور کے ایک اور باشندے حاجی دین محمد کو اور کچھ اور آدمیوں کو وہابی قائد سرحد عبداللہ نے راولپنڈی میں متعین کر رکھا تھا۔ راولپنڈی وہابی کارپردازوں کا ایک اہم مقام تھا اور دین محمد کے ذمہ یہ کام تھا کہ پٹنہ سے آنی والی رقوم وصول کر کے ان کو سرحد منتقل کر دے۔ دین محمد کے خط میں دوھر لیا گیا مرموز زبان میں روپے کی خلاف قانون ترسیل کے متعلق اشارات تھے۔ ریلی نے حکومت کی توجہ اس بات کی طرف منعطف کی کہ" دانا پور جیسے اہم مقام میں جہاں انگلیسی رجمنٹوں کی چھاونی ہے مناسب ہے کہ وہابی سازشیوں کے پورے جتھے کو گرفت میں لے لیا جائے"۔ اس نے پیر محمد کو ضابطہ ۳ کے تحت گرفتار کر لینے کی درخواست کی۔ صوبائی حکومت زیادہ محتاط تھی اور پیر محمد کے ماضی کے رویہ پر کمشنر سے رپورٹ مانگی۔ پٹنہ کے مجسٹریٹ نے ریلی کی درخواست کی تائید کرتے ہوئے رپورٹ دی کہ پیر محمد کی کوئی اپنی آزادانہ کمائی نہیں اور وہابیوں کا کام کرنے کے لئے جو رقمیں وصول ہوتی ہیں انھیں پر گذارا کرتا ہے۔ اُس نے چھاونی کے مجسٹریٹ ایمرسن کا قول بھی نقل کر دیا کہ پیر محمد پر ۱۸۵۷ء میں شبہہ کیا گیا تھا۔ اگرچہ اُس وقت ٹیلر نے اُسے چھوٹی مچھلی صید حقیر سمجھکر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن اُس پر حکومت کے خلاف کسی سازش میں شریک

Marfat.com

ہو جانے کا احتمال ظاہر کیا تھا۔ وہ تبارک علی ولد مبارک علی کا خسر بھی تھا اور دونوں کے دونوں جانے بوجھے وہابی تھے اور گرفتاروں میں تھے۔ چنانچہ ضابطہ ۳ کے تحت اس کے خلاف گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا گیا اور ۱۴ر جون ۱۸۶۹ء کو اُسے گرفتار کر کے دیگھا جیل میں ڈال دیا گیا۔ بعد میں انسپکٹر جنرل پولیس کی درخواست پر وہ بھاگلپور جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ اس کے کچھ ہی بعد حاجی دین محمد جب سرحد شمالی مغربی سے داناپور آیا ہوا تھا تاکہ وہاں کے مقامی آدمیوں کو تحصیل زر کے کام میں غفلت سے چونکائے اُسے گرفتار کر لیا گیا۔ مگر جب وہ دو کانسٹبلوں کی حراست میں دہلی بھیجا جا رہا تھا چلتی ریل سے کود کر نکل بھاگا۔

امیر خاں اور حشمت داد خاں:۔

پیر محمد کے متعلق جو اطلاعات فراہم ہوئیں ان میں کئی آدمی ملوث ہو گئے۔ ان میں پٹنہ کے مشہور و معروف سوداگران چرم امیر خاں اور حشمت داد خاں بھی شامل تھے۔ حکام بہت پہلے سے ان کی طرف سے مشکوک تھے۔ ان کے بارے میں رپورٹ تھی کہ جب برادران علی کو نیک چلنی کے مچلکے دینے کو کہا گیا تھا تو یہی لوگ ضامن ہوئے تھے اب صاف صاف ثبوت بھی ہاتھ آ گئے جن میں امیر خاں کا ایک خط بھی تھا۔

ترسیل زر کے لئے وہابیوں کا طریقہ کار: پیر محمد کی گرفتاری کے موقع پر بہت لوگوں نے شہادت دی تھی۔ ان میں سے شیخ جھگڑو کا بیان خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس سے روپے کی ترسیل میں وہابیوں کے طریق کار اور بعض مخصلوں کو سونپے ہوئے علاقوں کے انکشافات ہوتے ہیں۔ گواہ نے اور باتوں کے ساتھ یہ اظہار بھی دیا کہ روپے عورت کارکنوں کی معرفت بھی بھیجے جاتے تھے (ان پر اشتباہ کا امکان کم تھا۔ آدمی اور روپے دستوں اور رجمنٹوں کے سپاہیوں کے ساتھ کوچ کے دوران بھیجنا بھی ایک عام ترکیب تھی۔ ایسے موقعوں پر یہ وہابی کارکن لشکروں کے شاگرد پیشہ کی سی روش اور طور طریقے اختیار کر لیتے۔

Marfat.com

وہابی منصوبوں میں دیسی رجمنٹوں کا کردار: یہ بیان اس بات کا بھی مزید ثبوت مہیا کرتا ہے کہ عملی منصوبے میں دیسی رجمنٹیں اہم مقام رکھتی تھیں۔ سپاہیوں پر ہوشیاری سے اپنے اعتقاد تو ٹھونستے ہی تھے رجمنٹوں کی نقل و حرکت سے بھی ایک نہایت دشوار اور خطرناک کام میں مدد لیتے تھے۔ وہابی دلیرانہ چالوں کے قائل تھے، فوجی دستوں کے ساتھ کوچ کرتے ہوتے تو فوج کے ساتھ ساتھ دشمن کے کارکن (مخبروں) اور غداروں سے چوکنے رہتے۔

جھگڑو نے مزید بتایا کہ حاجی دین محمد اور کریم بخش حاجی پور اور علی گنج سیوان میں، عبدالرحمن داناپوری مہنپورا، سلطانپور اور شکا میں (جو سب پڑوسی گاؤں ہیں) اور خدا بخش پرانے داناپور اور رسلی گنج میں تحصیل کرتے۔ بھولے خاں اور عمدو خاں بھی آس پاس کے علاقوں میں چندہ جمع کرتے تھے۔

داناپور، مالدہ اور کلکتہ میں گرفتاریاں ان تفتیشوں کے بعد داناپور کے تقریباً ایک درجن اشخاص اور سوداگران چرم امیر خاں اور حشمت داد خاں ضابطہ ۱۸۱۸ء کے تحت گرفتار کر لیے گئے۔ مالدہ کے امیرالدین پر بھی جو پہلے گرفتار کیے جا چکے تھے ضابطہ ۱۸۱۸ء عائد کیا گیا۔ حشمت داد خاں اور ان کے مختار آلہی بخش اُس وقت پٹنہ میں تھے لیکن فوراً گرفتار نہیں کیے گئے تاکہ کلکتہ میں پرانے شریک کاروبار امیر خاں چوکنے نہ ہو جائیں۔ اُن کو ۹ جولائی ۱۸۶۹ء کو کلکتہ میں گرفتار کیا گیا۔ اور گیا جیل میں لایا گیا مگر جلد ہی ان کو علی پور کلکتہ جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ بعد میں حشمت داد خاں اور ان کے مختار کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

کرامت علی کے نام خطوط کی جانچ پڑتال تحقیقات کے دوران ایشری پرشاد کو یہ بھی معلوم ہوا کہ سرحد شمالی مغربی میں وہابیوں کے خفیہ خطوط کرامت علی داناپوری کے نام روانہ کیے گئے تھے۔ کرامت علی کو ان خطوط کی وصولی اور بہار میں متعلق اشخاص (المکتوب الیہم) تک پہنچانے کے لئے بارہ ٹکی لاادو ڈھا میں تعینات کیا گیا تھا۔ شبہہ تھا کہ بٹھا، بہیا اور بکسر (واقع ضلع شاہ آباد) کے ڈاک خانوں کے

Marfat.com

علاقوں میں کئی گاؤں میں ایسے لوگ ہیں جن کے نام ایسے خطوط آتے ہیں۔ انسپکٹر جنرل پولیس نے ان خطوط کی جانچ پڑتال کے اختیار کی درخواست کی مگر صوبائی حکومت نے اس انتہائی اقدام کی ضرورت کو تسلیم نہیں کیا۔ مگر جب اس سوال پر صوبائی حکومت ہند سے رجوع کیا گیا تو اس نے پولیس کے افسر اعلیٰ کی درخواست منظور کر لی اور پوسٹ ماسٹر جنرل کو ہدایت کی کہ وہ متعلق پوسٹ ماسٹروں کو حکم دے کہ ان کے ڈاک خانوں سے گذرنے والے خطوط کا سنسر (جانچ پڑتال) ہونے دے۔ اسی طرح کمشنر اودھ کو اختیار دیا گیا۔ اس مدت میں بہت سے خطوط پر قبضہ کیا گیا اور ان کی جانچ پڑتال کی گئی۔

واعظ الحق کی گرفتاری: واعظ الحق جن کو ٹیلر نے ۱۸۵۷ء میں گرفتار کیا تھا اب پھر وہ شبہہ میں پکڑے گئے۔ اپنی پہلی رہائی کے بعد وہ مکہ چلے گئے اور گھر واپس آگئے تھے۔ چونکہ روپے سرحد شمالی مغربی کو زیادہ تر مکہ ہی کے راستے سے بھیجے جاتے تھے اس لئے واعظ الحق پر شبہہ کیا گیا۔ واعظ الحق کے خلاف ان کے بھتیجے عزیز الحق نے اطلاع درج کرائی تھی۔ کمشنر نے ان الزامات کی پوری تحقیقات کی مگر ان کی شرکت کے متعلق وہ پوری طرح متیقن نہ ہوا۔

ایلی کی روانگی پنجاب: بہار اور بنگال میں تحقیقات کی اصل تصویر اب تک مکمل ہو چکی تھی اور تحریک کے اکثر سربرآوردہ سردار گرفتار کیے جا چکے تھے۔ مگر دوسرے مقامات خصوصاً پنجاب اور سرحد شمالی و مغربی میں تفتیشیں اب بھی جاری رکھنا تھیں۔ اس لئے ریلی پنجاب روانہ ہوا۔

بہار اور بنگال میں گرفتار شدہ اشخاص کے خلاف مقدمات دائر نہیں کئے گئے تھے کیونکہ اس سے پہلے شمال و مغرب میں تفتیشوں کی تکمیل ضروری سمجھی گئی۔ تمام تنظیمیں ایک دوسرے میں گھتی ہوئی تھیں، اور حکومت چاہتی تھی کہ مقدمے چلانے سے پہلے جتنی اطلاعات مہیا ہو سکیں ان سے اپنے آپ کو مسلح کر لے۔ اس سے ان لوگوں کی دسمبر ۱۸۶۸ء سے جولائی ۱۸۶۹ء تک گرفتاری اور ان کے خلاف اکتوبر ۱۸۷۰ء سے مارچ ۱۸۷۱ء تک کے درمیان غیر معمولی تاخیر کا سبب واضح ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

اس مدت میں بہت سے قیدی اپنے بیانات دینے اور مختلف مقامات میں جہاں ایک ہی وقت میں تفتیشیں جاری تھیں مشتبہ اشخاص سے مواجہہ و مقابلہ کرنے کے لئے ایک سے دوسرے جیل میں منتقل کر دیئے گئے۔

مرتضیٰ کی نشان دہی: ریلی ستمبر ۱۸۶۹ء میں اپنے سفر پنجاب میں اپنے ساتھ ایک شخص مرتضیٰ نامی باشندہ مالدہ کو جو کبھی سرحد شمالی مغربی کے وہابی مرکز میں رہا تھا اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ ریلی اُس کو اس خاص مقصد سے لے گیا تھا کہ اُن لوگوں کی نشان دہی کرے جن کو اُس نے وہابیوں کے ساتھ ان کے مرکز میں دیکھا ہو یا جن کے بارے میں اُسے علم ہو کہ وہابیوں کے شریک کار ہوں۔ مرتضیٰ نے ریلی کی توقع سے زیادہ اس کا مقصد پورا کیا۔ اُس نے پشاور میں متعدد آدمیوں کو وہابیوں کا کارکن بتایا۔

پشاور میں وہابیوں کی گرفتاری: ان میں مفتی حسینی (معروف بہ محمد حسین و غلام حسین وغیرہ) احمد علی داناپوری، وہ معروف قاصد جو بار بار پٹنہ سے پشاور تک ہماری پولیس کے گھیرے سے کامیابی کے ساتھ نکل بھاگتا رہا ہے، غلام ربانی شہر پشاور میں عطر اور شربت کا بساطی، سید خان، مقامی کمانڈر جنرل ہیلی کا خانساماں جس کی گرفتاری نے شہر میں سنسنی پھیلادی، فیاض علی داناپور کا ایک نومسلم (پہلے ہندو تھا) اور کئی اور آدمی تھے۔ مفتی حسینی کا مقدمہ بہت دل چسپ ہے۔ بہت دنوں تک وہ اپنے آپ کو حکومت کا جاسوس ظاہر کرتا رہا اور اس فریب کو اس کامیابی سے نبھاتا رہا کہ حکام کو اس پر کبھی شبہہ نہ ہوا۔ اس کے برعکس جب وہ گرفتار کیا گیا اور جامہ تلاشی ہوئی تو اس کے قبضے سے بڑے بڑے اعلیٰ عہدہ داران فوجی و ملکی کی دی ہوئی نیک چلنی کی سرٹیفکٹس نکلیں۔ لیکن آخر بیک بیک مرتضیٰ کے مواجہے نے اس کا راز فاش کر دیا۔ اس کے گھر سے جو کاغذات پکڑے گئے ان میں سے ایک شخص امداد علی کا خط تھا جو کبھی فرخ آباد یوپی کا ڈپٹی مجسٹریٹ تھا اور ۱۸۵۷ء میں باغیوں میں شریک تھا بھاگ کر سرحد چلا گیا تھا اور اُس وقت شہزادہ فیروز شاہ کے ساتھ تھا۔

عبداللہ کی گواہی: اسی مہینے ریلی مرتضیٰ کو لیکر اور بالائی حصے قبائلی علاقے میں چلا گیا جو وہابی مرکز سے بخط مستقیم (کوّے کی پرواز سے) تیس میل پر واقع تھا۔ وہاں سے اُس نے جو اطلاعات بھیجیں وہ اس ریاست کی تاریخ کی دوبارہ ترتیب میں بڑی گرانقدر ہیں جس کا ذکر ابھی آتا ہے۔ اسی درمیان میں ریلی کو ایک اور اہم گواہ عبداللہ ساکن حاجی پور مل گیا جس نے ۱۲ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو راولپنڈی کے اسسٹنٹ کمشنر کے ساتھ ایک بیان دیا جس

Marfat.com

کا پہلے ذکر ہو چکا اس بیان نے شمالی بہار خصوصاً ضلع ترہت میں جسے بقول ریلی اب تک پولیس افسروں نے ہاتھ نہیں لگایا اور جہاں سے معتدبہ رقوم ارسال کی گئیں، وہابی تنظیم کے متعلق قیمتی اطلاعات بہم پہنچائیں، اور پنجاب وغیرہ میں بھی وہابی کارپردازوں کے بارے میں اطلاع مہیا کی۔

عبداللہ نے اور باتوں کے ساتھ یہ اظہار بھی دیا کہ احمداللہ ساکن مظفرپور، ولایت علی کا ایک خلیفہ، ترہت کا ایک بااثر وہابی ہے۔ اور بارہ سو روپے سالانہ چندہ دیا کرتا ہے، ضلع میں اس کے بہت سے مرید اور کارکن، مولا بخش اور حافظ جعفر علی ساکن ... مظفرپور، مصطفیٰ علی ساکن دربھنگہ، عابد حسین ساکن موضع شیوہر (دربھنگہ) اور شیخ سبحان علی ساکن موضع مہنا (دربھنگہ) وہ مقامی سردار ہیں جو باقاعدہ پابندی کے ساتھ مرکز پٹنہ کو روپے بھیجے رہتے ہیں۔ مظفرپور اور شیر گھاٹی (گیا) کے روپے پیر محمد فراہم کرتا ہے۔ ان کارپردازوں میں جو یہ رقوم سرحد کو پہنچاتے ہیں مولا بخش، احمد علی عظیم آبادی اور نظام الدین لکھنوی سب سے زیادہ معتبر اور تجربہ کار ہیں۔ عبدالحق ساکن سورج گڑھ (مونگیر) بر ... عبدالغنی ایک اور معتمد کارپرداز ہیں۔

تحریک کے سرپرستوں میں امیر خاں اور زور آور خاں عظیم آبادی سب سے زیادہ ممتاز ہیں۔ اول الذکر کے چندے کی رقم بارہ سو روپے سالانہ ہے عبداللہ (میں) جب سرحد کو ہجرت کر رہا تھا تو امیر خاں نے اُسے (مجھے) سات ہزار روپے دئے تھے۔ تحریک کے زیادہ مہتم بالشان سرپرست نواب ٹونک ہیں سید احمد کے بھانجے محمد اسمعیل اور عبدالرحمن نواب ٹونک سے روپے لیتے اور سرحد کو چلا دیتے ہیں۔

اس سے پہلے مئی ۱۸۶۹ء میں حکومت پنجاب نے حکومت بنگال کو کمشنر راولپنڈی کی ایک چٹھی بھیجی تھی جس میں ایک شخص مسمی فخر اللہ (فقیر اللہ ؟)، کی گرفتاری کی خبر دی تھی جس پر وہابی کارکن ہونے کا شبہہ تھا۔

پنجاب میں وہابی کارکنوں کی گرفتاری: عبداللہ کے بیان متذکرہ بالا میں پنجاب کے کارکنوں کا ذکر حسب ذیل ہے:۔

Marfat.com

فخر اللہ کی راولپنڈی میں گرفتاری کے بعد ایک اور کارکن عبدالعزیز کو ہدایت کی گئی کہ وہ روپوش ہو جائے، چنانچہ وہ دانا پور بھاگ گیا۔ مفتی حسین پشاوری اس کی جگہ لینے چلے گئے اور راولپنڈی میں لال کوٹھی میں رہنے لگے۔ وہاں ایک اور کارکن پکی مسجد کے امام علیم الدین تھے۔ ان کے ذمہ یہ کام تھا کہ لال کوٹھی اور دوسرے مقامات سے تحصیل کردہ رقوم سرحد پار کے قاصدوں تک پہنچا دیں ان قاصدوں میں ایک مراد علی تھے جو ہزارہ کے ایک ویران قبرستان میں تارک الدنیا بنکر رہا کرتے۔ جہلم کا کارکن محمد نعمان تھا۔ وہ بھی روپے مراد علی ہی کی معرفت بھیجا کرتا۔ اس نے دین محمد عظیم آبادی سے دو کتابیں بھی، صراط مستقیم و بلوغ المرام (مجموعۂ احادیث) طلب کی تھیں جس کی اس نے فوراً تعمیل کی۔

غلام شاہ حاجی کی گرفتاری یہ ساری تفتیشیں جو ۱۸۶۹ء میں سارے ملک میں لگاتار چلتی رہیں، دوسرے سال بھی جاری رہیں۔ اوائل مارچ ۱۸۷۰ء میں سنتھال پرگنہ کے ڈپٹی کمشنر نے غلام شاہ حاجی کو آٹھ اور آدمیوں کے ساتھ جن پر وہابی ہونے کا شبہہ تھا گرفتار کر لیا۔ رپورٹ کی گئی تھی کہ غلام شاہ حاجی ساکن راج محل ابراہیم منڈل کی گرفتاری کے بعد سردار بننے میں کامیاب ہو گئے اور اپنا کام جاری کر لیا۔ کمشنر بھاگلپور نے حکومت کو یہ اطلاع دیتے ہوئے اپنا خیال ظاہر کیا کہ اس علاقے میں وہابیوں کی جدوجہد دوبارہ شروع ہو گئی ہے اور بہتر ہوگا کہ ریلی ایک بار پھر راج محل آئے۔ اس نے یہ اطلاع بھی دی کہ میں نے وونکو ڈپٹی کمشنر کو ہدایت کر دی ہے کہ حکومت کی اس پالیسی کے مطابق کہ صرف سرداروں کو گرفتار کیا جائے اور چھوٹی چھوٹی گرفتاریوں اور تفتیشوں کے جال میں نہ الجھا جائے، صرف غلام شاہ کو گرفتار کرے اور باقی کو چھوڑ دے۔

ریلی کی راج محل کے وہابیوں کے متعلق رپورٹ، چنانچہ ریلی راج محل آیا اور رپورٹ دی "کہ اکتوبر ۱۸۶۰ء میں جب میں پچھلی بار اس حصہ ملک میں آیا تھا اس وقت سے اب میں ان مذہبی دیوانوں میں نمایاں تغیر پاتا ہوں۔ بے شبہہ وہ اب بہت زیادہ دلیر اقدامات کے لئے تیار ہیں"۔ اس نے تشویش کے ساتھ دیکھا کہ جو لوگ فراہمی چندہ میں حصہ لینے

Marfat.com

یا تحریک کے کام میں عام طور پر تعاون کرنے میں شرکت نہ کریں اُن کے خلاف سماجی مقاطعہ کی دہشتناک سزا موثر طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ سماجی مقاطعہ کی دھمکی جسے اُس نے حقہ پانی بند کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاہل دیہاتیوں میں تخویف کا ایک ہیتناک آلہ کار ہے۔ اور وہابی اس سے پورا کام لے رہے ہیں۔ بالخصوص غلام شاہ کے بارے میں ریلی نے لکھا کہ پہلے وہ کلکتہ کا باشندہ تھا، عبدالجبار کا مرید ہوگیا اور سترہ برس ہوئے کہ راج محل کے علاقے میں تعینات کیا گیا، جب سے وہ یہاں مقیم ہے، ورزی کی دوکان کھول رکھی ہے۔ مگر درحقیقت وہ ابراہیم منڈل کے سب سے قابل نائبین میں سے ہے اور روپیہ تحصیل کرنے اور ہم عقیدہ بنانے میں اُس کی بڑی مدد کی ہے"۔ ابراہیم منڈل کی گرفتاری کے بعد سے وہی مقامی سردار تھا۔ ....

ابراہیم کا بھتیجا مولا بخش (جو غلام شاہ کے ساتھ گرفتار ہوا اور بعد میں کمشنر کے حکم سے رہا کر دیا گیا) ایک دوسرا اہم وہابی کارپرداز تھا۔ وہ صرف سنھالی پرگنہ میں سرگرم کارکن نہ تھا بلکہ ضلع مالدہ میں بغاوت کی تبلیغ کرتا تھا۔ ریلی نے نہ صرف غلام شاہ کے ضابطہ ۳ کے تحت گرفتار کرنے کی سفارش کی بلکہ مولا بخش کے دوبارہ گرفتار کر لینے پر بھی زور دیا۔

موضع ہنس پوکھر کے متعلق رپورٹ: ریلی مالدہ بھی گیا اور رپورٹ دی کہ اس ضلع کا موضع ہنس پوکھر بغاوت کا دوسرا سرگرم مرکز ہے۔ اُس نے یاد دلایا کہ ۱۸۶۵ء ہی میں اس گاؤں کے وہابیوں کی کارروائیوں کی طرف حکومت کی توجہ منعطف کی جاچکی ہے۔ اب تک گاؤں کی مسجد میں جہاد کے لئے تحصیل جاری ہے۔ یہاں کے باشندے مرکز سرحد سے جہاں اس گاؤں سے رنگروٹوں کی بہت بڑی تعداد مقیم ہے کثرت سے مراسلت رکھتے ہیں۔ امانت منڈل مقامی سردار ہے۔ میرے خیال سے اس کی گرفتاری سے باغیانہ کارروائیوں کا خاتمہ ہو جائیگا"۔ اس نے ضابطہ ۳ کے تحت اس کی گرفتاری کی سفارش کی۔ اس نے لکھا میں چاہتا ہوں کہ عام باشندوں کی تنبیہ کے لئے اس گاؤں پر ایک ...

مشتبہ وہابیوں کی نظر بندی: آئندہ چند مہینوں تک بہار اور بنگال میں اور بہت سے مشتبہ وہابیوں کو نظر بند کر دیا گیا۔ مئی ۱۸۷۰ء میں لال محمد مقدمہ انبالہ کے ایک گواہ

Marfat.com

استغاثہ سے ریلی کو اطلاع ملی کہ تین آدمی شرف اللہ، نظیر محمد ساکن موضع دھنار و ضلع رنگپور اور نظیر محمد ساکن بوگرا جو سرحد پر وہابی رنگروٹوں کو فوجی تربیت دیتے تھے اور سرحد پر انگریزوں کے خلاف کئی معرکوں میں شریک رہے ہیں، اب ہندوستان واپس آگئے ہیں اور اپنے گاؤں میں رہتے ہیں۔ ریلی نے ان کے خلاف ضابطہ ۱۲۱ کے تحت گرفتاری کی درخواست کی لیکن اس کو ہدایت کی گئی کہ ان لوگوں کے بیانات کسی مجسٹریٹ کے سامنے قلمبند کرائے اور اگر مجسٹریٹ سمجھے کہ ان کے خلاف بدیہی طور پر مقدمہ چلایا جا سکتا ہے جبھی اس کو ضروری کارروائی کرنا چاہیے۔

بکسر میں وہابیوں کے متعلق تحقیقات: ریلی کی توجہ بکسر اور اس کے مضافاتی علاقوں کی طرف بھی منعطف کی گئی۔ پہلے جب وہ مرتضیٰ کے ساتھ شمالی مغربی سرحد پر کام کر رہا تھا تو مرتضیٰ نے اسے خبر دی تھی کہ ضلع شاہ آباد وہابیوں کے بھرتی کے اہم ترین مرکزوں میں سے ہے۔ معلوم ہوا کہ اس علاقے کے رنگروٹ سرحد جایا کرتے اور وہاں وہابی سپاہ کی ناک (چیدہ جزو) بن جاتے۔ ریلی نے سوچا کہ تفتیشیں جو اب تک صرف پٹنہ اور داناپور تک محدود رہی ہیں اُن کو صوبہ کے اور حصوں تک وسعت دی جائے اور جون ۱۸۶۵ء کو ایشری پرشاد کو بکسر جانے کی ہدایت کی۔

اب تحقیقات کا رخ بکسر اور اس کے قریب بہت سے قریوں کی طرف ہوگیا جو ضلع غازی پور (یوپی) تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس گاؤں کا معائنہ کر کے ایشری پرشاد نے رپورٹ دی کہ سیداحمد اپنے سفر میں بہار سے گزرتے ہوئے اس علاقہ کے ایک گاؤں برا چوسا بھی پہنچے تھے۔ اس گاؤں میں پٹھانوں کے ۵۰۰ گھر ہیں اور مشرقی و مغربی دو نصف میں بٹا ہوا ہے۔ ان میں سے ہر ایک چار چار پٹیوں میں منقسم ہے۔ مغربی پٹی کے باشندوں نے سیداحمد سے بیعت کی تھی۔ وہ صادقپور کے مولویوں کے پیرو ہیں اور اپنی آمدنی کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں پابندی سے پٹنہ بھیجا کرتے ہیں۔ یہ اطلاع ایک لڑکے محمد علی خاں نے ایشری پرشاد کو پہنچائی۔ وہ مشرقی پٹی کا باشندہ ہے جہاں کے لوگ ایک دوسرے حریف حنفی مولوی، محمد غازی پوری (نصیح) کے پیرو ہیں۔

Marfat.com

محمد اسحاق کی مخبری: ایک اور نوجوان مخبر محمد اسحاق[1] ساکن موضع ڈہری تھانہ موڑھی ضلع پٹنہ نے ایشری پرشاد کو دو اور وہابی کارکنوں محمد عمر دانا پوری و مشرف علی دانا پوری کے بارے میں خبر دی ..... کہ یہ دونوں کارکن بہار کے مختلف حصوں سے چندے کے روپے جمع کرتے ہیں۔ اس نے ایک کتاب بھی پیش کی جو اس کے قول کے مطابق محمد عمر کی تھی اور جس میں پچھلے کئی سال سے تحصیل کردہ چندے کی تفصیلات درج تھیں۔ ابتدائی تحقیقات سے ظاہر ہوا کہ مشرف علی کے خلاف کوئی زیادہ شہادت نہیں اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی گئی۔ مگر محمد عمر کے گھر کی تلاشی لی گئی اور مختلف اشخاص نے اس کو جو خطوط لکھے تھے، اور ان میں کچھ رجمنٹ ۳۲ کی پلٹنوں میں لفٹی اور نینی تال میں متعین سپاہی بھی شامل تھے، پکڑے گئے۔ ان کے کاتبوں نے عمر سے خواہش ظاہر کی تھی کہ ہمارے ان اعزا و متوسلین کی جنھیں ہم ہندوستان میں چھوڑ جائیں امداد کی جائے یا ان کے سرحد جانے کے لئے مالی اعانت کی جائے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو سرحد سے لوٹے تھے راستے میں رک جانا پڑا۔ اور مدد کے طالب تھے۔ ان تمام خطوط نے اس اطلاع کو موثق کر دیا کہ پیر محمد کی گرفتاری کے بعد وہی سردار تھا۔ اور اسی لئے اس سے مدد کی درخواست کی گئی تھی۔ ۲۲ جولائی ۱۸۷۰ء کو محمد عمر گرفتار کر لیا گیا حوالات میں ڈال دیا گیا اور حکومت ہند سے درخواست کی گئی کہ ضابطہ ۳ کے تحت اس کے خلاف گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا جائے۔ مگر حکومت بنگال نے ضابطہ ۳ کے اجرا کے لئے وجوہ ناکافی سمجھیں اور حکومت ہند سے درخواست کرنے سے پہلے عمر کے متعلق مزید جزئیات طلب کیں۔

محمد عمر کی گرفتاری و رہائی: اس درمیان میں ریلی اور ایشری پرشاد سے کہا گیا کہ متذکرہ خطوط کے کاتبوں کا کھوج لگائیں۔ بعد میں حکام کو معلوم ہوا کہ محمد عمر راحت علی کا بھانجا ہے جو ۱۸۴۵ء کی سازش پٹنہ کے سرکردہ منتظموں میں سے تھا۔ اس تازہ اطلاع نے مزید

---

[1] یہ مشرف علی کا بیٹا تھا جس کے خلاف اس نے کسی سرکاری نوکری کی امید پر مخبری کی۔

Marfat.com

سرکاری تحقیقات کی رفتار تیز کر دی۔ یہ پتہ بھی چلا کہ عمر کی قرابت اور بہت سے بااثر اشخاص سے تھی۔ جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی تحریک میں عملی حصہ لیا تھا۔ مجسٹریٹ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ چونکہ صوبہ کی قریب قریب تمام عدالتوں میں عمر کے قرابتمند موجود ہیں اس لئے اگر وہ مقید بھی کیا گیا تو اس کے خلاف شہادتوں کو تلف کرنے کے لئے زبردست اثرات کام کرنے لگیں گے۔ وہ صرف ایک ہفتے کے لئے حوالات میں رکھا گیا تھا اور ایک عرصے سے یہ مدت تمام ہو چکی تھی۔ اب وہ ضابطہ ۱۸۱۸ء کے اجرا کے بغیر مزید قید میں نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ اس لئے مجسٹریٹ نے اس کو ضمانت پر رہا کر دینا، اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا اور اس کے خلاف شہادتیں جمع کی جانا زیادہ مناسب سمجھا۔ عمر کے کسی مزید ذکر کی غیر موجودگی سے قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار ضابطہ ۱۸۱۸ء اس کے خلاف نافذ نہ ہوا۔

ہند میں وہابیوں کی وسیع پیمانے پر گرفتاری: ۱۸۷۰ء کے وسط تک سارے ہند میں اکثر ممتاز وہابی قائدین ڈھونڈ نکالے گئے اور گرفتار کر لئے گئے تھے مگر باوجودیکہ ایک سال سے زیادہ عرصے تک زبردست تفتیشیں جاری رہیں، حکومت اب تک غیر متیقن تھی آیا اس کے قبضے میں جو شہادتیں ہیں وہ قانونی عدالت میں گرفتار شدہ قائدین کے خلاف چارہ جوئی کے لئے کافی ہیں۔ اگرچہ زیادہ تر گرفتاریاں ۱۸۶۹ء میں عمل میں آئی تھیں اور اس وقت سے برابر اکثر قیدی قید رہے لیکن ۱۸۷۰ء کے وسط تک نہ ان کو گرفتاری کی وجوہ کی اطلاع دی گئی نہ ان پر کسی معین جرم کا الزام عائد کیا گیا۔ بیشتر قیدی ادنی اوسط طبقے کے تھے جن کی معمولی مالی حالت نے اس غیر قانونی ایذا رسانی کو چیلنج کرنا ناممکن کر دیا تھا۔ مگر ان میں سے دو، امیر خان اور حشمت داد خاں، اونچے سماجی رتبے اور مادی وسائل رکھتے تھے۔ انھوں نے اس جبر و ستم کو یونہی درگذر نہیں کر دیا انھوں مسلسل و متواتر قانونی تنازعات میں حکومت کے کرتوت کو چیلنج کیا جس نے ان کے معاملے کو زمانہ کا معرکۃ الآرا مقدمہ بنا دیا۔

امیر خاں اور حشمت داد خاں کا حکومت سے مطالبہ!

دونوں بھائی ایک میوات کے پٹھان خاندان کے ممتاز ارکان تھے جن کی جڑیں بابر کے

Marfat.com

عہد تک پہنچتی ہیں وہ عالم گنج[۵] پٹنہ سٹی کے باشندے تھے، کلکتہ میں چمڑے کی ایک چلتی ہوئی آڑھت کے مالک تھے اور جن کا سرمایہ دس لاکھ سے زائد کا ہوگا۔ دونوں پختہ عمر کے تھے۔ گرفتاری کے وقت امیر خاں پچھتر سال کے اور حشمت داد خاں ۶۷ سال کے تھے اور دونوں امیرانہ معاشرت کے پروردہ اور خوکردہ تھے۔ دونوں ایک سال سے زیادہ سخت ایذاؤں میں رکھے گئے۔ ان کی طویل مدت قیدان کی صحت کو متاثر کرنے کے علاوہ ان کے کاروبار کو بھی جس کا اب کوئی نگراں نہ تھا غارت کر رہی تھی۔ اس زمانہ میں انھوں نے حکومت کو کئی عرضداشتیں بھیج کر گذارش کی کہ خواہ ان کو گرفتاری کی وجہ بتائی جائے یا جلد ان پر مقدمہ چلایا جائے مگر سب کوششیں بے سود ثابت ہوئیں،

امیر خاں اور حشمت داد خاں کے مقدمے کا آغاز: آخر اگست ۱۸۷۰ء میں قانون کی رو سے جو آخری علاج ان کے سامنے تھا اس کا سہارا لیا۔ انھوں نے کلکتہ ہائی کورٹ میں تحریک کی کہ . . . . عدالت اجرائے پروانہ کرے۔ اس وقت ہندوستان کے تین چوٹی کے بیرسٹر انسٹی، انگرام اور ایوانس مستغیثوں کی طرف سے کھڑے ہوئے۔ حکومت کی نمایندگی ایڈوکیٹ جنرل گراہم اور مستقل مشیر حکومت پال نے کی۔ دعووں کی سماعت جسٹس نارمن کی عدالت میں ہوئی۔ پہلے امیر خاں کا دعویٰ پیش ہوا لیکن چونکہ دونوں دعووں کے واقعات ایک سے تھے۔ ایک کے دعوے پر جو بحث کی گئی وہ دوسرے کے دعوے پر بھی صادق آتی تھی۔ بحثوں کی تفصیلات میں اور باتوں کے ساتھ اساسی سوال بھی اٹھا یا کہ برطانوی رعایا مع ہندوستانی، کو بے قاعدہ گرفتاریوں سے آزادی کا وہی حق حاصل ہے جو انگلستان میں میگنا کارٹا، بل آف رائٹس اور پارلیمنٹ کے دوسرے پاس کردہ قوانین کے تحت انگلستان میں نافذ ہیں، اس سے ہم یہاں بحث نہیں کرتے۔ سائلوں کے بیرسٹروں کی بالخصوص انگرام کی بحثیں جو آج بھی کسی فرد کی مدافعت میں جذباتیت اور عصبیت سے پاک، فصاحت کا اعلیٰ نمونہ معلوم ہوتی ہیں کچھ بھی کام نہ آئیں۔ ۲۹ اگست کو فیصلہ ہوا اور اجرائے پروانہ نامنظور کر دیا گیا۔

---

[۵] ان کے ہم جد اور اولاد خلاف ابھی تک محلہ پٹھان ٹولی عالم گنج پٹنہ سٹی میں موجود ہیں۔

Marfat.com

جسٹس نارمن کے قتل کا واقعہ: بے محل نہ ہوگا اگر یہاں جسٹس نارمن کے قتل کا ذکر کر دیا جائے جو لارڈ میو کے قتل کے مشہور افسانے کی طرح غلط طور پر وہابیوں کے سر تھوپا گیا تھا۔ امیر خاں کے مقدمے کے فیصلے کے اعلان کے ایک سال بعد نارمن پر حملہ وقوع میں آیا تھا۔ قاتل ایک پنجابی مسمّیٰ عبداللہ تھا جس کا وہابیوں سے کوئی تعلق نہ تھا اور سرکاری طور پر جسے پاگل قرار دیا گیا تھا۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا، امیر خاں کا مقدمہ اس وقت کا ایک مشہور و معروف مقدمہ تھا۔ اور حملہ اس کے اتنا جلد بعد واقع ہوا کہ حکام کے مخالف وہابی گروہ اور کچھ عام آدمیوں نے اس گندہ فعل کے ارتکاب میں وہابیوں کو ملوث کر دینے کا اچھا موقع تاک لیا۔

جس دوران میں اجرائے پروانہ کے مسئلہ کی سماعت جاری تھی، انگلستان کی ایک عدالت میں لارڈ میو گورنر جنرل اور لارڈ گرے لفٹیننٹ گورنر کے خلاف مستغیثوں کی طرف سے ان کی ایذا رسانی اور جسمانی حملہ کے لئے ایک مقدمہ دائر کیا گیا تھا۔ مگر خبر نہیں کہ اس کا کیا ہوا۔

جسٹس نارمن کے فیصلے کے اعلان کے فوراً بعد انیسٹی نے چیف جسٹس اور جسٹس مارکبی کی عدالت میں اس فیصلہ کے خلاف اپیل کی درخواستیں دیں۔ چیف جسٹس نے درخواست قبول کرنے سے انکار کیا مگر اپیل کرنے والوں کو ہدایت کی کہ اگر مناسب سمجھیں تو عدالت کے دستور کے مطابق ان کو رجسٹرار کے دفتر میں داخل کریں۔ چونکہ ہائی کورٹ کا ایک جج مصروف ہوگا اس لئے اس نے اپیل کی کوئی قریب تاریخ مقرر کرنا بھی منظور نہ کیا۔

۱۴ ستمبر کو انیسٹی نے جسٹس نارمن اور چیف جسٹس دونوں کے فیصلوں کے خلاف پریوی کاؤنسل میں اپیل کی اجازت طلب کی۔ اسی تاریخ کو اسے بھی نامنظور کر دیا گیا۔ اس طرح حکومت اور ایک فرد کے درمیان قانونی کشتی کا پہلا دور ختم ہوا جو اندھا دھند گرفتاری سے آزادی کے ناقابل انقطاع حق کا مدعی تھا۔

امیر الدین اور ابراہیم منڈل کو سزائیں: ایک لحاظ سے امیر خاں کی مساعی کامیاب ہوئیں جن قیدیوں کے خلاف اتنے زمانے سے مقدمہ کے بغیر کارروائی رکی ہوئی تھی اس کو جلد انجام دینے کے لئے ان کوششوں نے حکومت کو مجبور کر دیا۔ امیر الدین

Marfat.com

اور ابراہیم منڈل کے مقدمات کی سماعت پہلے شروع ہوئی۔ اکتوبر ۱۸۷۰ء میں امیرالدین کا مقدمہ مالدہ میں اور ابراہیم منڈل کا راج محل میں مسموع ہوا۔ دونوں کو جزیرہ انڈمان میں عمر قید کی سزا دی گئی اور ان کی جایدادوں کی ضبطی کا حکم صادر ہوا۔

امیرالدین مارچ ۱۸۷۲ء میں انڈمان پہنچے۔ بعض رعائتیں جو جزیرہ کے قیدیوں کو دی گئی تھیں، جن کا ذکر ہو چکا، وہ اب منسوخ کر دی گئی تھیں اور زیادہ سخت قاعدے نافذ کر دیئے گئے تھے۔ اس لئے بعد کے چند سال تک امیرالدین کو سخت .. سخت مصائب جھیلنا پڑے۔ بعد میں انھیں ایک مقامی مدرسے میں معلم مقرر کر دیا گیا۔

۱۸۸۳ء میں اور وہابی قیدیوں کے ساتھ انھیں بھی رہا کیا گیا۔ اپنے مولد شہر میں رہنے کی اجازت کی منظوری کے وقفے میں وہ عبدالرحیم کے ساتھ پٹنہ میں رہے۔ چند اور آدمیوں کی طرح مہینے میں ایک بار مقامی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے سامنے حاضری دینا ہوتی تھی، اور پولیس کو اطلاع دیئے بغیر کہیں باہر نہ جا سکتے تھے۔

اگرچہ ابراہیم منڈل کو بھی عمر قید کی سزا دی گئی تھی معلوم نہیں کہ وہ واقعی انڈمان بھیجے گئے یا نہیں اس بارے میں جعفر کا بیان واضح نہیں۔ ایک مقام پر وہ ایک عام خیال ظاہر کرتے ہیں کہ امیرالدین تبارک علی اور ابراہیم سب گرفتار کئے گئے اور "وہ" انڈمان بھیج دیئے گئے مگر یہ واضح نہیں ایا "وہ" میں ابراہیم بھی شامل تھے۔ کیونکہ جعفر اگرچہ بعد میں پہلے دو کے جزیرے میں پہنچنے اور ۱۸۸۳ء میں ان کے رہا ہونے کا ذکر کرتے ہیں، وہ ابراہیم کا ذکر کہیں نہیں کرتے۔ ایک دوسرا مولف[۵] لکھتا ہے کہ ابراہیم فی الواقع انڈمان نہیں بھیجے گئے۔ وہ ۱۸۷۸ء میں امیر خاں کے ساتھ رہا کر دیئے گئے تھے اور اس صدی کے اوائل میں وفات پا گئے۔ یہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

ملزمان پٹنہ کے مقدمہ کا آغاز: وہابی قائدین کے مقدمات کی سماعت کا دوسرا دور مارچ ۱۸۷۱ء میں پٹنہ میں شروع ہوا۔ اس میں سات آدمیوں کا چالان ہوا تھا جو تعزیرات

---

[۵] ہندوستان کی پہلی اسلامی تاریخ ۱۵۵

ہند کی مختلف دفعات کے تحت ملزم قرار دئے گئے تھے۔ ملزمین تبارک علی، پیر محمد، دین محمد، امیرالدین، امیرخاں، حشمت دادخاں اور مبارک علی تھے۔ امیرخاں اور حشمت دادخاں پر تحریک کی مالی امداد کا جرم عائد کیا گیا۔ مبارک علی پر چندے کی رقوم کی تحصیل و ترسیل کا الزام لگایا گیا۔ ان کے بیٹے تبارک علی پر یہ الزام تھا کہ وہابی فوج کے ایک دستے کی انگریزوں کے خلاف معرکۂ امبیلہ میں قیادت کی تھی۔ ان پر یہ الزام بھی تھا کہ وہ فوجی تعلیم دیتے اور سرحد پر لنگروٹوں کو قواعد کراتے تھے۔ باقی تین پر باغیوں کی مختلف طریقوں سے اعانت کا الزام تھا۔

یہ ملزمین مختلف وقتوں میں اور مختلف جگہوں میں گرفتار کئے گئے تھے۔ ان میں سے بعض جیسے مبارک علی، کو وقفے کے دوران میں رہا کر دیا گیا۔ دوسرے ملزمین جلد جلد تمام صوبہ بنگال کے ایک جیل سے دوسرے میں منتقل ہوتے رہتے تھے لیکن بعض اور جیسے برادران خاں اور غالباً تبارک علی بھی جولائی ۱۸۶۹ء سے برابر قید رہے، لیکن سماعت مقدمہ کے وقت وہ سب اکٹھے حاضر کئے جاتے تھے۔ اور مبارک علی کو بھی دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔

وہابیوں کے املاک کی ضبطی اور سزائیں:۔ تجویز سزا کی کارروائیاں ڈی ایم بار بر جائنٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں منعقد ہوئیں۔ ۲۷ مارچ کے سارے ملزمین کو عدالت سشن کے سپرد کیا گیا۔ پرنسپ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں مقدمہ کی سماعت ہوئی جو ۲۹ مئی ۱۸۷۰ء کو شروع ہوئی، سماعت کے دوران میں سارے ملک سے بلا کر لائے جانے والے ایک سو سے زیادہ گواہوں کے اظہار لئے گئے۔ سماعت وقفوں کے ساتھ ۱۹ جولائی ۱۸۷۰ء تک جاری رہی۔ اینسٹے اور انگرام جو اجرائے پروانہ کے مسئلہ کی سماعتوں میں برادران خاں کی طرف سے وکالت کر چکے تھے اس مقدمہ میں بھی ان کی نمائندگی کی۔

سارے ملزمین کو وہی بندھی ٹکی سزائیں عمر قید در جزیرۂ انڈمان اور تمام جائیداد کی ضبطی[۱] سنائی گئیں بہ استثنائے حشمت دادخاں جو رہا کر دئے گئے۔ کیونکہ ان کے خلاف

---

[۱] ان کی قیمتی جائدادیں جن میں کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ کی شاندار عمارت بھی تھی فروخت کر دی گئیں اور املاک جن کی مالیت لاکھوں لاکھ کی تھی منضبط کر لی گئیں۔

Marfat.com

کوئی بدیہی شہادت نہ ملی اور مقدمہ قائم نہ کیا جا سکا۔ پیر محمد بعد میں ہائی کورٹ سے اپیل پر رہا ہوئے۔

امیر خاں و حشمت داد خاں کا انتقال: امیر خاں کی عمر اب ۸۰ برس سے زیادہ ہو چکی تھی۔ ان کی جان توڑ کوششوں سے ان کو انڈمان نہ بھیجا گیا۔ نو برس سے زیادہ جیل کاٹنے کے بعد نومبر ۱۸۷۸ء میں گورنر جنرل لارڈ لٹن کی سفارش سے رہا کئے گئے۔ رہائی کے جلد ہی بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بھائی حشمت داد خاں نے کچھ پہلے ۱۸۷۸ء میں وفات پائی دونوں پٹنہ میں مدفون ہیں۔ مبارک علی مقدمہ کے دوران شدید زد و کوب کے نتیجے میں فوت ہو گئے۔ باقی قیدی انڈمان بھیج دئے گئے۔ تبارک علی امیر الدین کے ساتھ مارچ ۱۸۷۲ء میں وہاں پہنچے کئی سال سخت مصائب جھیلنے کے بعد وہ اسٹیشن محرر مقرر کئے گئے۔ ۱۸۸۲ء میں عام معافی کے وقت رہا کئے گئے، اور عبدالرحیم کے ہمراہ پٹنہ واپس آئے۔

یہ تھا انجام وہابیوں کے خلاف کارروائیوں کے آخری دور کا۔ وہابی سربراہوں کو گرفتار کر کے اُن کو انڈمان کی دور افتادہ قیدیوں کی نوآبادی میں طویل المعیاد سزائے قید دیکر اور ان کی مادی املاک کو ضبط کر کے تحریک کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے حکومت کے بس میں جو کچھ بھی تھا سب کر گزری۔ مگر سید احمد نے جو شعلہ روشن کیا تھا وہ بالکل نہ بجھا سطح کے نیچے نیچے چنگاری سلگتی رہی اور کبھی کبھی شرارے بھڑک اُٹھتے۔

۱۸۷۵ء: وہابی بھوپال اور رنگون میں۔

بہار میں پرنس آف ویلز کی آمد کے وقت حکومت کو وہابیوں سے کچھ گڑ بڑ پھیلانے کا اندیشہ ہوا۔ ان کے موجودہ تنظیمی مرکزوں اور کارروائیوں کی تحقیقات کی گئی۔ ایشری پرشاد نے دسمبر ۱۸۷۵ء میں ذیل کی خفیہ رپورٹ تیار کی۔

اس نے ظاہر کیا کہ "اس ملک میں وہابیوں کی کارروائیوں کے تین مرکز ہیں جو پٹنہ بھوپال اور رنگون میں واقع ہیں۔ ان میں سے پہلا مرکز مقامی وہابیوں کی گرفتاریوں اور قید و بند سے بہت کمزور ہو گیا ہے اس لئے انھوں نے اپنی جد و جہد وسیع تر خطوں

Marfat.com

میں پھیلادی ہے۔ پٹنہ میں دو مستعد کارکن ولایت علی کے بیٹے محمد حسن اور عبداللہ ہیں
آخرالذکر نے افغانی قومیت اختیار کرلی ہے۔اول الذکر کے ایک بیٹے کے بارے میں رپورٹ
کی گئی کہ وہ لارڈ میو کے قتل کے وقت انڈمان گیا اور اس پر ارتکاب قتل میں ملوث ہونے
کا شبہہ کیا گیا۔[۱] دوسرے کارکن عبداللہ کی گذری پٹنہ سٹی میں پھلوں کی دوکان ہے مگر
یہ محض نمائش ہے۔ وہ قیمتی موتی کی فروخت کے بہانے سے مختلف دیسی ریاستوں کا چکر
لگاتا پھرتا ہے مگر اس کا اصل مقصد ریاستوں سے چندہ جمع کرنا ہے۔پٹنہ کے
مرکز سے بہت ملتا جلتا سورج گڑھ کا مرکز ہے جو نذیر حسین کی جائے پیدائش ہے۔ یہ
اب بھی ہندوستان میں وہابیوں کا ایک ممتاز قائد سمجھا جاتا ہے اور "مدارالمہام کہلاتا ہے"۔

دوسرا مرکز بھوپال تھا جس کے سردار منشی جمال الدین تھے جنھوں نے بھوپال کی ایک
سابقہ بیگم سے شادی کرلی تھی۔ وہاں دوسرے ممتاز وہابی صادق حسن، عبدالجبار، عبدالرحمٰن
اور علی کریم تھے۔آخرالذکر شخص خاص طور پر ایک بیباک و بے اصول کردار تھا۔

تیسرا مرکز رنگون تھا۔وہاں کے وہابیوں کی بھوپال کے مرکز سے کثرت سے مراسلت
تھی۔ محمد حسین کے ایک بیٹے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں بھی گیا تھا۔[۲]

۱۸۸۲ء: وہابیوں کی جدوجہد شاہ آباد میں

۱۸۸۱ء میں بہار کا ضلع شاہ آباد وہابی اثر کے ایک اہم مرکز کی حیثیت سے بہت
نمایاں ہوا۔ وہاں کے سربراہ ابراہیم ولد حکیم عبدالعلی تھے، جو غدر کے زمانے میں آرہ کی
عدالت میں ناظر فوجداری تھے۔ ابراہیم کے بڑے بھائی علی نے ۱۸۵۷ء کی شورش میں نمایاں
حصہ لیا تھا۔ بعد میں وہ گرفتار ہوئے اور موت کی سزا کا فیصلہ ہوا۔ ناظر کی حیثیت سے

---

[۱] لارڈ میو کے قتل میں وہابی ملوث نہ تھے (اوپر دیکھئے) یہ خیال غالباً ایشری پرشاد کے وہابیوں کو قتل میں ملوث کرنے کی دھن کا نتیجہ ہے [۲] غالباً یہ بیان غلط ہے۔ کیونکہ اُس زمانہ میں محمد حسن کے کسی بیٹے کے وہاں جانے کی اصلیت معلوم نہیں ہوتی۔

Marfat.com

باپ پر فرض عائد ہوتا تھا کہ بیٹے کی پھانسی کے انتظامات کرے اس لئے انھوں نے ملازمت سے استعفا دے دیا۔ اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد کچھ جایداد غیر منقولہ جس کی سالانہ آمدنی تین ہزار تھی، چھوڑ کر انتقال کیا۔

کلکتہ پولس کی وہابیوں کے متعلق رپورٹ: کلکتہ پولیس کی رپورٹوں[۱] سے ۸۱-۱۸۸۰ء میں ابراہیم کی جدوجہد کا حال معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۸۰ء میں ڈھاکہ کے ایک شخص بدیع الزماں نے ممتاز وہابیوں کا ایک جلسہ کرنے کی کوشش کی تھی جس میں نذیر حسین دہلوی بھی شامل کئے گئے تھے۔ چونکہ وہ پولیس کے زیر نگرانی تھے۔ نذیر حسین نے دہلی میں جلسہ کرنے سے اختلاف کیا۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے کوئی دور دراز کا اندرونی قصبہ منتخب کرنے کی رائے دی۔ ابراہیم نے مشورہ دیا کہ یہ جلسہ مظفر پور کے قریب ایک گاؤں تاجپور میں منعقد کیا جائے۔ جلسے میں کوئی تیس ہزار وہابی مولوی جمع ہوئے۔ جلسے کا اصل مقصد یہ تھا کہ بغاوت پھیلانے کے لئے حکمت علی تیار کی جائے۔ یہ بھی طے پایا کہ مختلف فرقہ وارانہ اغراض کے لئے چندے فراہم کئے جائیں، دہلی، پٹنہ اور آرہ میں مدرسے کھولے جائیں جن میں وہابی عقائد کی تعلیم دی جائے۔ تقسیم کے لئے کتابیں اور رسالے چھاپے جائیں۔ چندے کے لئے مطبوعہ اپیلیں جلسے میں تقسیم کی گئیں اور دوسری جگہوں میں شائع کی گئیں۔" رپورٹ کے بیان کے مطابق "اپیل کی پذیرائی بہت حوصلہ افزا ہوئی۔ اور غریب طبقوں نے بھی جیسے درزیوں دھوبیوں اور سقوں نے بھی مستعدی سے چندے دئے۔ کئی مولویوں کو جو حاضر تھے رسالے دئے گئے اور ان سے تبلیغی دوروں کے لئے نکلنے کو کہا گیا۔ ابراہیم نے کلکتہ، دہلی، لکھنو غازی پور، بنارس وغیرہ کے دورے کئے اور ان جگہوں میں تقریریں کیں۔"

وہابیوں کے خفیہ اجلاس پر پولس کا چھاپہ: اس کے بعد کی ایک پولس رپورٹ[۲]

---

[۱] کلکتہ پولیس کی خفیہ اطلاعات سے ملخص، جو ڈپٹی کمشنر پولیس کلکتہ لیمبرٹ نے کمشنر پٹنہ کو بھیجی تھیں۔ دیکھئے میمو ۶۵۲ء مورخہ ۲۳؍ فروری ۱۸۸۱ء [۲] ایضاً میمو ۱۴۶۲ء مورخہ ۵ مئی ۱۸۸۱ء

Marfat.com

میں کمشنر پٹنہ کو اطلاع دی گئی کہ ممتاز وہابیوں کا ایک اور جلسہ سراج گنج میں منعقد ہوا، جہاں نذیر حسین بھی اپنی بھانجی کی شادی کی شرکت کے بہانے سے گئے ہوئے تھے۔ اس تقریب نے وہابیوں کے اجتماع کے لئے ایک آسان حیلہ مہیا کر دیا۔ سربرآوردہ حاضرین میں نذیر حسین، محمد حسین لاہوری اور ابراہیم آروی تھے۔ جلسہ کے بانی و مہتمم ابراہیم تھے اور مقصد یہ تھا کہ ان کا تعاون حاصل کیا جائے اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس ملک کے دارالحرب ہونے کا اعلان کر دیا جائے۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ سرحد پر وہابی ریاست کا ہندوستان سے رابطہ اور اعانت نسبتہً بہت کمزور پڑ گئی ہے، ہندوستان سے مزید رضا کاروں اور امداد کی ترسیل کی کوششیں کرنا چاہئیں۔ خفیہ اجلاس کی خبر حکام کو ملی اور مجسٹریٹ مولویوں کو اچانک جا لینے کے لئے جھپٹے، لیکن اس جگہ نہ کوئی قابل مواخذہ چیز دستیاب ہوئی نہ کوئی گرفتار کیا جا سکا۔

ابراہیم آروی کی تبلیغی مہم: جولائی ۱۸۸۱ء میں پی نولن سپرنٹنڈنٹ پولیس پٹنہ نے کمشنر کو رپورٹ کی[۱] کہ ابراہیم نے اپنے کلکتہ کے ایک دورے میں تبلیغ کی ہے کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ سرکاری ملازمت سے مستعفی ہو جائے اور یہ کہ کسی غیر سرکاری شغل میں آدھے معاوضے پر کام کرنا حکومت کے ماتحت اس قسم کے کام پر دونے معاوضے پر کام کرنے سے بہتر ہے۔ نولن نے ابراہیم کی تقریر کے بعض خاص خطرناک پہلوؤں پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا کہ ابراہیم نے احتجاج، شورش، مقدمہ بازی، فراہمی چندہ سرکاری ملازمین کو استعفا کی ترغیب و اغوا، اس طور پر کہ فوجی سپاہیوں پر اثر انداز ہوں، کے تمام طریقے استعمال کئے۔ نولن نے مزید اظہار رائے کیا کہ ابراہیم یقیناً ایسا آدمی معلوم ہوتا ہے جس پر نگرانی رکھنا چاہیئے۔ اس نے یہ رپورٹ بھی کی کہ ابراہیم ایک طور کا آمدنی ٹیکس روپے میں ایک پیسہ لگا کر روپے جمع کر رہا ہے۔ بیگم بھوپال اس فنڈ میں چندہ

---

۱ کلکتہ پولیس کی خفیہ اطلاعات سے ملخص، جو ڈپٹی کمشنر پولیس کلکتہ لیمبرٹ نے کمشنر پٹنہ کو بھیجی تھیں۔ دیکھئے میمو نمبر ۶۵۳ مورخہ ۲۳ فروری ۱۸۸۱ء

Marfat.com

دہندگان میں نمایاں حصہ لیتی تھیں جو بظاہر جمع تو کیا جاتا تھا ایک دیوانی مقدمہ[1] میں مالی اعانت کے لئے جس میں ضلع آرہ کے وہابی الجھے ہوئے تھے مگر دراصل یہ ستھانہ کے مذہبی دیوانوں کے لئے مقصود تھا۔

مندرجہ بالا بیانات سے ظاہر ہے کہ ۱۸۸۱ء تک وہی طریق کار جاری تھا جو برادران علی یا ان سے بھی پہلے شروع کیا گیا تھا۔ ابھی تک رنگروٹ جمع کرتے، روپے فراہم کرنے اور سپاہیوں کو ورغلانے پر زور دیا جاتا تھا۔ تنظیم کی عظیم تر بیتی و تادیبی طاقت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے۔ اگرچہ پے در پے ضربوں سے پرانے ڈھانچے میں سے بہت کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا پھر بھی بے جھجک پرانے طریق عمل پر کام ہوتا تھا۔

ابراہیم آروی کے خلاف تحقیقات: دوسرے سال بھی ابراہیم کے خلاف تحقیقات جاری تھی۔ "پولیس انسپکٹروں نے سپرنٹنڈنٹ پولیس شاہ آباد کو ان کے بارے میں ایک مفصل رپورٹ بھیجی جس میں خبر دی کہ محمد عمر کی طرح ابراہیم کے تعلقات بھی اعلیٰ درجے کے ہیں اور طاقتور اور ذی اثر رشتہ داروں سے مربوط ہیں۔ شادیوں کے ذریعہ سے ان کا رابطہ خاندان صادقپور سے بھی ہے۔ وہ عبدالعزیز ساکن رحیم آباد ضلع دربھنگہ، عظمت حسین مختار کلکتہ، عبدالرحیم کے (بھائی) عبدالرؤف، لطیف حسین اور اُن کے بھائی عبدالغفور (عبدالغفار) ساکن مہداواں[2] کی شمولیت سے روپے کی تحصیل میں مشغول ہیں۔ اس سال جو روپے جمع ہوئے ان کی میزان دس ہزار سے زائد ہے۔ اس کی تقسیم ابراہیم نے کی مگر معلوم نہ ہوا کہ انھوں نے اس کو جمع کہاں کیا۔ ان تحصیل کردہ رقوم میں سے بہت قلیل حصہ مدرسہ اور دوسرے ظاہر کردہ رقوم میں سے بہت قلیل حصہ مدرسہ اور دوسرے ظاہر کردہ مدات پر صرف ہوا۔ باقی رقم کثیر غیر محسوب اور نامندرج رہی کیونکہ غالباً

---

[1] اس کا تعلق آرہ کے سنیوں (حنفیوں) اور وہابیوں کے درمیان عام مسجد میں نمازوں میں آمین بالجہر سے تھا۔ یہ سنیوں (حنفیوں) اور وہابیوں کے درمیان نہایت بے حقیقت و مبالغہ اختلافات میں ایک ہے اور اکثر جھگڑوں اور بلووں کا باعث ہوا ہے۔ مذکورہ مقدمہ میں سنیوں (حنفیوں) کو عدالت زیریں میں کامیابی حاصل ہوئی تھی لیکن وہابیوں نے ہائی کورٹ میں اپیل کی تھی۔ [2] مہداواں پٹنہ اور داناپور کے درمیان شارع عام پر ایک گاؤں ہے۔ خاندان صادقپور کی ایک شاخ (الہی بخش کے اسلاف) پہلے مہداواں کے باشندے تھے۔

Marfat.com

سرحدی کو بھیج دی گئی ۔

وہابی تحریک کے خلاف مؤثر کارروائی ۱۸۷۰-۷۱ء: آخر میں رپورٹ میں دکھایا گیا کہ وہابی بالعموم میں اور اس سے پہلے ۱۸۶۴-۶۵ء میں اپنے سربراہوں کی سزایابی سے سخت تنگ حال ہیں لیکن ان سزاؤں کے خلاف اندر اندر سخت بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ مزید متنبہ کیا گیا کہ جب کبھی ان کو طاقت ہو جائے تو یہ بے چینی حکومت کے خلاف پھوٹ پڑ سکتی ہے۔

گذشتہ صدی کے آخری عشرہ میں یہ بات ہندوستان میں وہابیوں کی صورتِ حال کا صحیح اندازہ تھا۔ حکومت کی زبردست پولیس کی تنظیم کا بے رحمانہ نشانہ بنکر اور پے در پے سزاؤں اور اخراج ملک کی ضربوں سے بے دست و پا ہو کر وہابی بالعموم بے ضرر مفلوج ہو گئے اور ان کے پیروؤں کی عام جماعت بے شک بہت کمزور اور مجبور ہو گئی۔ پھر بھی پچھلی نصف صدی میں انھوں نے جو کچھ کیا تھا اُس کا اثر یہ تھا کہ حکومت ۱۸۷۰ء سے بہت عرصہ بعد تک اس کمزور جماعت سے خائف رہی۔ یہ وہ تاریخ ہے جو عموماً ہندوستان میں وہابیوں کی کشمکش کے اختتام کی نشان وہ سمجھی جاتی ہے۔

سرحد پر وہابی ریاست ۱۸۶۳ء-۱۹۰۲ء :

آخوند سوات: معرکہ امبیلہ (۱۸۶۳ء) کے بعد زیادہ تر وہابی عبداللہ کی سرکردگی میں دریائے برندو کے شمالی جاگیرزئی ملک میں جا رہے۔ آخوند سے ان کے تعلقات اب تک مخلصانہ تھے، اُس علاقے میں ان کے قیام کے لئے اُس نے کچھ انتظامات کر دیئے۔ کچھ عرصے کے بعد وہابیوں نے جاگیرزئیوں سے دو گاؤں ٹنگورا اور پٹوڑا کی بستیاں حاصل کر لیں اور ۱۸۶۸ء کے آغاز تک امن و امان سے وہاں ٹھہرے رہے۔ لیکن وہاں وہ بعض ہمسایہ قبائل کی پوشیدہ عداوت کے سائے میں بسر کرتے تھے۔ اس صورت حال کے پیدا ہونے کے اہم اسباب میں سے ایک سبب آخوند سوات اور علاقہ کے ایک دوسرے روحانی اقتدار والے کوٹھا کے ملّا[1] کے مابین اختلاف رائے اور کشیدگی تھا۔ یہ ملّا کبھی سید احمد

---

[1] سید امیر معروف بہ کوٹھا ملّا سوات اور بنیر کے علاقوں میں ایک بااثر پیر تھا۔ کوٹھا یوسف زئی علاقے میں جنوبی مغربی گوشے میں واقع ہے۔

Marfat.com

کے رفقا میں سے تھا اور اب تک اس کے پیرو کھلم کھلا وہابی کہکر ہی پکارے جاتے تھے یہ نام ایک قسم کا مذہبی دشنام ہو گیا تھا، وہابیوں کے ساتھ آخوند کے تعاون میں کچھ ذہنی قیود داخل تھیں، وہ کوٹھا ملا کا کھلم کھلا مخالف تھا کیونکہ ملا کوٹھا اور سوات ہی کے علاقوں میں خاصہ اثر اور اتباع حاصل تھا۔ آخوند کو اپنے حریف کے بڑھتے ہوئے اثر سے اندیشہ رہتا تھا۔ مگر علاقہ کے سیدھے سادھے اور بے تعصب مسلمانوں میں وہابیت کا داغ کوٹھا ملا پر ضرب لگانے کے لئے ایک آسان ڈنڈا بن گیا اور اس کے متبعین وہابی کی حیثیت سے مبغوض و مردود قرار دیئے گئے۔ آخوند کے متبعین کی نظروں میں ہندوستانی زیادہ مشتبہ تھے۔ وہ اب بھی ایک ایسی طاقت کی نمائندگی کرتے تھے جس کی بنا سید احمد نے ڈالی تھی علاوہ بریں وہ ایک مسلح اور ترتیب یافتہ جماعت تھی جو اس کے حریف کوٹھا کے ملا کے لئے طاقت کا ذریعہ ثابت ہو سکتی تھی۔

وہابی اور نج کٹا : ——— اس زمانے میں بعض حالات اور آخوند کی پوشیدہ عداوت نے وہابیوں کو بعض ایسے اقدام کے لئے مجبور کر دیا جس نے آخوند کو زیادہ مشتبہ کر دیا۔ اب تک وہ چیگارزئی علاقے میں رہتے رہے لیکن مقامی لوگوں نے پناہ دینے اور سامان مہیا کرنے کے معاوضے میں ان پر اتنے لگان لگائے اور سخت محاصل ادا کرنے پر مجبور کیا کہ ان کی زندگی بہت دشوار ہو گئی۔ چیگارزئیوں پر آخوند نے دباؤ بھی ڈالا کہ وہابیوں کو نکال باہر کریں کیونکہ عبداللہ اور ان کے متبعین کو ان کے درمیان نکو بنا دیا گیا۔ ان حالات میں وہابیوں نے بنیر میں نج کٹا کے عظیم خاں کی اس کے علاقے میں منتقلی اور سکونت کی پیشکش کو فوراً قبول کر لیا۔ چنانچہ وہابی مٹورا کو ترک کر کے نج کٹا کے عظیم خاں کی اس کے علاقے میں منتقلی اور سکونت کی پیشکش کو فوراً قبول کر لیا۔ چنانچہ وہابی مٹورا کو ترک کر کے نج کٹا کو منتقل ہو گئے جہاں شاہزادہ فیروز شاہ ان سے آملا۔ اس جماعت کی بنیر میں آمد کو جسے آخوند اپنا رقبۂ اثر تصور کرتا تھا، اور ساتھ ہی اس حقیقت کو کہ ان کا سرپرست عظیم خاں ملا کوٹھا کا زبردست حامی تھا آخوند نے اپنے اثر کے لئے صاف خطرہ تصور کیا۔ اس نے جرگہ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ ہندوستانیوں کو بنیر سے خارج کر دے۔ اپنے آپ کو

Marfat.com

اقلیت میں پاکر ہندوستانی عظیم خاں کے ساتھ نج کٹا کو چھوڑ کر اپنے قدیم مرکز ملکا کو لوٹ گئے جہاں انھوں نے اپنے قدیم متروک مکانات اور استحکامات کی از سرِ نو تعمیر شروع کر دی۔ اس کے کچھ ہی بعد عبداللہ آخوند سے ملے اور غلط فہمیوں کو دور کر دیا، اور ہندوستانیوں کے نج کٹا واپس آنے کے لئے اُس کی رضا حاصل کر لی۔ لیکن وہاں زیادہ عرصے تک اُن کو رہنا نصیب نہ ہوا۔ عظیم خاں اور مقرّب خاں پنج تار کے محروم کردہ سردار نے پھر آخوند کے اثر کو توڑنے اور مقرب خاں کو اس کی غصب کردہ ملکیت واپس دلانے کے لئے کچھ بنیر کے قبائل اور امزیئوں کی ایک لیگ قائم کرنے کی کوشش کی۔ عبداللہ کو بھی اس گٹھ جوڑ میں شریک ہونے کی ترغیب دی گئی۔ ستمبر ۱۸۶۳ء میں اخوند نے اپنے متبعین کو جمع کیا، نج کٹا کے سامنے آکھڑا ہوا اور ہندوستانیوں کو اُس جگہ سے فوراً نکل جانے کا مطالبہ کیا۔ پہلے انھوں نے مدافعت کا ارادہ کیا اور حملہ آور گروہ سے کچھ گولیاں چلانے کا مبادلہ بھی ہوا، مگر عظیم خاں نے انخلا پر راضی ہو جانے کی صلاح دی دوسرے ہی روز انخلا شروع ہو گیا۔ عورتیں اور بچے آگے بھیج دیے گئے اور عقبی صفیں پچاس ساٹھ رائفلوں سے مسلح مردوں پر مشتمل تھیں۔ جب یہ تارکین مٹورا اور نج کٹا کے درمیان ایک تنگ گھاٹی سے گذر رہے تھے آخوند کے متبعین نے دھوکے سے اُن پر حملہ کر دیا۔ صدر دستے نے جس میں عظیم خاں اور عبداللہ تھے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور درے سے گذر گئے مگر عقبی دستہ شجاعانہ مقابلے کے بعد بالکل کٹ مرا۔

وہابیوں کا پلوسی میں قیام: اس ادبیزش کے بعد ہندوستانی کچھ عرصہ تک جگار زئی کے علاقہ گوبھا بوری میں ٹھہرے جہاں امزائی قبیلہ والوں اور جگار زئی کے ایک طبقے نے ان سے آخوند کے مزید دباؤ کے خلاف اعانت کا وعدہ کیا۔ مگر اخوند کی طاقت اپنے حریف پر فتحیابی سے اور بڑھ چکی تھی۔ اُس نے جگار زئیوں پر زور دیا کہ ہندوستانیوں کو اپنے علاقے سے بھی نکال دیں۔ اس لئے وہابی پھر کسی پناہ گاہ کی تلاش میں نکلے۔ دریائے سندھ کے داہنے کنارے پر بہار[۱] میں کچھ دن قیام کیا، پھر ۱۸۶۸ء کے اواخر میں تبد ہائی پہنچے ٹکاری[۲] کے مردار نے

۱؎ یہ ہندوستان کا صوبہ بہار نہیں [مترجم] ۲؎ ایک ٹکاری بہار ضلع گیا میں ہے۔ یہ وہ نہیں [مترجم]

Marfat.com

اُن سے امداد کا وعدہ کیا، اپنے قلعہ میں پناہ اور وادی میں کچھ زمین پیش کی۔ تھاکوٹ کے سردار اللائی جرگے نے بھی انگریزوں کے خلاف مدافعت کے اقدامات پر ان سے صلاح مشورے کئے۔ لیکن حکام بھی ان جنگی تیاریوں پر نگاہ رکھتے تھے۔ چنانچہ قبل اس کے کہ یہ حلیف اپنے اجتماع سے قوت پیدا کریں میجر جنرل وائیڈ ۱۸۶۸-۶۹ء میں اچانک اُن پر آپڑا، اور حلیف پھرتی سے منتشر ہو گئے۔ تب ہندوستانی پلوسی میں جو دریائے سندھ کے پار کے حسن زائیوں کا ایک گاؤں تھا جارہے ہندوستانیوں کے آفات میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہنے کا لامتناہی سلسلہ یہاں ختم ہوا۔ اس وقت سے ایک کافی طویل مدت تک پلوسی وہابیوں کا مرکز رہا۔

وہابی نو آبادی: وہابی نو آبادی کی ریاست کا مفصل بیان، ان کی حربی طاقت کی ساخت اور تعداد اور آخوند کے ساتھ ان کے تعلقات ہمیں ریلی کی بعض رپورٹوں سے معلوم ہوتے ہیں جو اُس نے اُس وقت بھیجی تھیں جب وہ متذکرہ بالا امور کی تفتیش کے لئے سرحد گیا تھا۔ اُس نے رپورٹ کی تھی کہ ہندوستانیوں کی جماعت جو تین سو[۳] قابل محاربہ افراد پر مشتمل ہے دریائے سندھ کے پار بہار میں رہتی ہے اس کے خاص سربراہ عبداللہ کے علاوہ فیاض علی برادر احمد اللہ اور عبداللہ کے تین بیٹے امان اللہ، مطیع اللہ اور عبدالقدوس ہیں۔ ایک اور وقیع شخص اسحاق برادر مقصود علی اس وقت مکہ میں تھے ان کو اپنے رفقا کو چھوڑ کر ہندوستان واپس آنے کی ترغیب کی کوششیں کی گئیں۔ محارب فوج آٹھ دستوں میں منقسم ہے، ہر ایک دستہ ایک جمعدار کے زیر کمان ہے اور وہ یہ ہیں: مالدہ کے رجب اور دیانت اللہ حکیم پور کا عبدالغفور رامپور بولیہ کے معین الدین اور شریعۃ اللہ جسور کا نور الدین، عظیم گڑھ کا محمد اکبر، اور زینۃ اللہ۔ محاربین یا سپاہیوں کی تعداد ۳۶۳ ہے جن میں ۷۵ آرہ اور غازیپور سے آئے ہیں۔ عورتوں اور بچوں کی تعداد ستر ہے۔ انکے پاس ۲۷ گھوڑے اور ۲۷ خچر ہیں جو بلوآہ میں رکھے جاتے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق ان کے پاس دو چھوٹی توپیں، ٹوپیوں والی گزدار بندوقیں اور سنگینیں ہیں اور ان کے لئے ٹوپیاں بھی بہم پہنچائی ہیں۔ مگر ان میں امداد کے رک جانے سے عام بدحالی پھیلی ہوئی ہے۔" ریلی کی رپورٹ کے مطابق اس صورت حال نے عبداللہ کے کچھ متبعین کو وہاں سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ لیکن عبداللہ نے ان کو متنبہ کر دیا ہے کہ ان میں سے جو اب واپس آئیں گے ان کے لئے زندان اور پھانسی ہے۔ ریلی نے سفارش کی کہ اگر یہ اعلان کر دیا جائے تو بہت مناسب ہوگا کہ فیاض علی

Marfat.com

اور عبداللہ کے سوا جو لوگ واپس آئیں ان کو معاف کر دیا جائیگا۔ اس تدبیر سے عبداللہ کے آدمیوں میں غداری کی لہر دوڑ جائیگی، وہ تنہا رہ جائیگا اور غالباً مکہ کو ہجرت کر جائیگا۔"

حسن زئیوں کی وہابیوں کو پیشکش: آخر میں ریلی نے اپنی رپورٹ میں مزید لکھا کہ حسن زئیوں نے ہندوستانیوں کو آباد ہونے کے لئے اراضی کی پیشکش کے ساتھ دعوت دی ہے بہار میں عبداللہ کی علالت کے سبب سے اس دعوت کے ایجاب میں کچھ تاخیر واقع ہوگئی ہے۔ ریلی کہتا ہے کوئی شک نہیں کہ صحتیاب ہوتے ہی وہ ہمارے خلاف لڑنا شروع کر دینگے۔ ریلی کو تعجب ہوتا ہے کہ اس حقیقت کے لئے ثبوت ڈھونڈا جا رہا ہے کہ یہ مذہبی دیوانے ملکہ (وکٹوریہ) سے برسرِ جنگ ہیں۔ وہ تو انگریزوں کے خلاف برابر مصروفِ پیکار رہے ہیں۔ ان کا علانیہ مقصد انگریزوں کو ملک سے نکال باہر کرنا ہے اور ان کا رویہ دائمی مخاصمت رہا ہے۔ (ریلی نے یہ اُس وقت لکھا تھا جب وہ مالدہ اور پٹنہ کے مقدمات سے متعلق تفتیش میں مصروف تھا۔)

فیض اللہ کی وہابیوں کے متعلق رپورٹ: ریلی نے اپنی رپورٹ کے ساتھ ایک شخص فیض اللہ کی رپورٹ بھی منسلک کی تھی۔ اس شخص کو ایبٹ آباد کے ڈپٹی کمشنر نے ہندوستانیوں پر نگاہ رکھنے پر متعین کیا تھا۔ اس کے روزنامچے کا خلاصہ دسمبر ۱۸۶۸ء سے اپریل ۱۸۶۹ء تک پر حاوی ہے۔ اس سے ہندوستانیوں کے خلاف آخوند کی مخاصمت ظاہر ہوتی ہے۔ جس کا کچھ ذکر اوپر ہو چکا۔

۳۰ مارچ ۱۸۶۹ء کے ذیل میں فیض اللہ کی رپورٹ ہے کہ فیاض علی نے اعلان کر دیا ہے کہ اگر اس کے بھائی احمداللہ اور یحییٰ علی جو انڈمان میں قید ہیں رہا کر دئے جائیں اور ان کو پٹنہ واپس آنے کی اجازت دی جائے، اور اگر اسلامپور کے ابراہیم منڈل کو بھی جو اس وقت قید میں ہے رہا کر دیا جائے تو وہ اپنے تین سو متبعین کے ساتھ جنگ ترک کر کے مکہ چلے جائینگے، اور ان کے سفرِ مکہ کے اخراجات حکومت کو ادا کرنا پڑینگے۔ اس اطلاع میں ریلی نے ابراہیم منڈل کے خلاف توجہ دلائی کہ وہ نمایاں طور پر وہابیوں میں ایک اہم شخصیت تھا اور اس کی گرفتاری عبداللہ کے لئے ایک شدید ضرب ہے۔ چنانچہ اس

Marfat.com

کیونکہ یہ اس کے وقار کے خلاف متصور تھا۔ اس کے علاوہ حکومت یہ بھی نہ چاہتی تھی کہ کچھ معمولی سپاہیوں اور شاگرد پیشوں کو مراجعت کی اجازت دیدے اور سربراہوں کو سرحد ہی پر رہنے دے۔ اس سے حکومت کے خیال میں زخم میں مواد فاسد بھر جاتا۔

بلو سی میں نسبتہً طویل المدت قیام نے وہابیوں کو اپنے منتشر و پراگندہ وسائل کو دوبارہ مجتمع کرنے کی مہلت دے دی جس کی سخت ضرورت تھی۔ پچھلے دس سال میں اکثر قبائل نے زیادہ تر آخوند کے مخاصمانہ اثر کے تحت ان کو بہت پریشان رکھا تھا۔ اس صورت حال نے اور مضر نتائج سے قطع نظر ان کی زوال پذیر صفوں میں مزید شگاف پیدا کرنا شروع کر دیا۔ شکایت کرنے لگے کہ انھوں نے اپنے گھر بار قبائلیوں سے نہیں بلکہ انگریزوں سے لڑنے کو چھوڑے تھے۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ یہ لڑائیاں وہ اپنی مرضی سے نہیں لڑے بلکہ یہ قلیل اور شجاع جماعت بالکل تنگ نظرانہ فرقہ وارانہ اختلافات کا شکار ہو گئی جنھوں نے اُس کے عظیم مقصد کو ڈبو کر رکھ دیا۔

یہ ہندوستانی جماعت اب تک ایک بڑی صلاحیتوں والی محارب طاقت تھی اب بھی وہ ہمسایہ قبائل سے زیادہ مسلّح تھی۔ اس حقیقت نے اس کے افضل علم و دانش کے ساتھ مل جُل کر اسے بہت حد تک اثر بخش دیا تھا۔ چالاک قبائلی اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے۔ عبداللہ قبائلیوں کے ساتھ ان افسوسناک خانہ جنگیوں کو ختم کر دینے اور اپنے متبعین کو اصلی مگر عارضی طور پر ترک کئے ہوئے مقصد عظیم کی راہ پر واپس لانے کے لئے سخت جدوجہد کر رہے تھے۔

کوہ سیاہ کی مہمات میں وہابیوں کا کردار ؛ بعد میں (۱۸۸۱-۸۸ء میں)

انگریزی فوجوں کی کوہ سیاہ والی مہموں میں وہابیوں نے نمایاں کردار ادا کئے۔ اس زمانے میں کئی جھڑپوں میں وہ بڑی بہادری اور جوش سے لڑے۔ مگر ان جھڑپوں میں ان کا کردار نمایاں طور پر ثانوی تھا۔ وہ زیادہ تر مظلوم قبائلیوں کے حلیف کی حیثیت سے نظر آئے۔ وہ ایک ایسی کمزور جماعت ہو گئے تھے کہ انگریزوں کے لئے کوئی بڑا خطرہ نہ ہو سکتے تھے۔ لیکن اُس پر بھی وہ ایک مضمحل مگر

Marfat.com

جوشِ آزادی کے ایک زندہ نمونہ تھے۔ اپنے ہندوستانی ہموطنوں کے دلوں میں مردہ امیدوں میں جان ڈالنے کے علاوہ نیم آزاد قبائلی علاقوں میں انگریزوں کے اثر کے نفوذ کے خلاف مدافعت کی گاڑی میں ایک مضبوط دُھرا ثابت ہوئے۔ اب بھی اُن میں یہ صلاحیت باقی تھی کہ قبائلیوں میں انگریزوں کے خلاف مستقل جذبے کو منظم کر کے ایک متحد اور زبردست تحریک کی شکل دے دیں، اس لئے آگے بڑھتی ہوئی انگریزی فوجوں کے جارحانہ حملوں کا بار بار شکار رہی ہوتے تھے اور اُس زمانہ میں ان کا طرزِ مقابلہ مدافعانہ ہوتا تھا۔

امیر عبداللہ کی فیروز شاہ سے درخواست: کوہ سیاہ کی چوتھی مہم ۱۸۹۱ء کے بعد حسن زئی کو بھی مجبور کیا گیا کہ ہندوستانیوں کو اپنے علاقے سے خارج کر دیں۔ عبداللہ کے لئے یہ سخت مصیبت کا زمانہ تھا۔ دوسرے قبائل سے کچھ اراضی پٹے پر دینے کی درخواست کی تاکہ ان کے لوگ اپنی ایک بستی بسا سکیں، مگر انگریزوں کے دباؤ سے یہ درخواست منظور نہ ہوئی۔ آخر میں عبداللہ نے اپنے پرانے سرپرست اور حامی فیروز شاہ ولد مبارک شاہ سے درخواست کی کہ وہ اپنا ایک گاؤں نلوائی آباد کرنے کے لئے دیدے۔ کچھ تامل کے بعد اس نے یہ درخواست منظور کر لی۔ مرکز میں جماعت کا یہ غیر مستقل وجود ۱۹۰۱ء میں عبداللہ کی رحلت تک باقی رہا۔

امیر عبداللہ کی عظیم قیادت: ان کی قیادت کی مدت چالیس سال سے زیادہ تھی۔ ان کی قیادت کا سب سے مہتم بالشان کارنامہ نمایاں طور پر غزوۂ امبیلہ کے دوران وقوع پذیر ہوا لیکن ان کی ہمت، استقلال اور قیادت کی اصل آزمائش اس کے بعد ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب وہ پیہم مصائب اور قبائلیوں کی مخاصمت کے سلسلہ لامتناہی میں جکڑے ہوئے تھے، اور یہ کسی شخص کے ایمان کے ڈانواڈول کر دینے کے لئے کافی سے زیادہ تھا۔ مگر ان کی زبردست قوت ارادی میں کبھی نرمی نہ آئی

Marfat.com

انھوں نے قبولِ اطاعت کی ہر تجویز یا دہم کو بھی سختی سے ٹھکرا دیا۔ قوتِ ارادی میں روئی سے ادنیٰ ضعف جو ان کے بعض متبعین میں تھوڑی دیر کے لئے بھی ظاہر ہوجاتا اس کا موثر طور پر مقابلہ کرتے اور دفع کر دیتے۔

ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی عبدالکریم سردار منتخب ہوئے۔ ان کے عہد (۱۹۰۲ء) میں مرکز اسمست میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ برنڈو ندی کے کنارے ایک زرخیز گاؤں تھا۔ اس وقت تک ہندوستان سے ہر قسم کا فائدہ بخش تعلق منقطع ہوچکا تھا اور مرکز، (ہر چند اب بھی موجود ہے)، مقامی سیاسی ماحول میں مدغم ہو گیا۔

Marfat.com

باب ۱۰

وہابی تحریک کا جائزہ

(۱) وہابی تحریک کی نوعیت :

وہابی تحریک کا آغاز تو ایک سماجی مذہبی جذبہ کے تحت ہوا تھا لیکن جلد ہی اس نے خصوصاً برادران علی کی قیادت میں اور بعد میں سیاسی رُخ لے لیا۔ بعد میں بعض بندۂ غرض مصنفوں نے پوشیدہ اغراض سے اس کے مذہبی پہلو کے دکھانے میں بالقصد مبالغہ اور غلو سے کام لیا۔ اس تحریک کے متعلق جو غلط خیالات پھیلے ہوئے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ خالص مذہبی تحریک تھی اور خالصتہً سکھوں کے خلاف چلائی گئی تھی۔ یہ اُس کی تمام تاریخ کے درخت کو حد سے زیادہ کاٹ چھانٹ کر ننگا کر دینا ہی نہیں بلکہ اس کے اصلی اغراض و مقاصد کا جان بوجھ کر حلیہ بگاڑ دینا ہے۔

وہابی انگریزوں کے خلاف جو لڑائیاں لڑے ان میں سے بعض کا بیان اوپر کیا گیا۔ یہ بھی دکھایا جا چکا کہ جب سکھوں کا وجود ایک سیاسی وحدت کی حیثیت سے ختم ہو چکا تھا اس کے بعد بھی مدت دراز تک ان کی حربی کشمکش جاری رہی، گو یہ بھی صحیح ہے کہ سید احمد کے حین حیات میں سرحد شمالی مغربی کو بنیادِ عمل منتخب کر لیا گیا تھا اور پہلا دور سکھوں ہی کے خلاف پیکار سے شروع ہوا تھا۔

Marfat.com

عقیدۂ ہجرت کی توضیح: ان دونوں پہلوؤں کو کماحقہ سمجھنے کے لئے اسلامی عقیدۂ ہجرت کی مختصراً توضیح ضروری ہے۔ یہ لازمی شرط قرار دیتا ہے کہ اگر کسی ملک پر جو پہلے اسلامی حکومت میں ہو کوئی غیر مسلم طاقت مسلط ہو جائے یا جب وہاں کی اندرونی حالات ایسی ہو جائیں کہ احکام شریعت کی پیروی ناممکن ہو جائے تو ایسے ملک کے رہنے والے مسلمانوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ کسی اسلامی ملک میں یا جہاں ان کے مذہبی حقوق میں کوئی مداخلت نہ ہو ہجرت کر جائیں۔ اول الذکر قسم کے ملک کو دارالحرب اور دوسری قسم کو دارالاسلام کہتے ہیں۔ دارالحرب میں اپنے حقوق کی بازیابی کے لئے جنگ کرنا بھی مسلمان کا فرض ہے۔ یہ جنگ کسی امام کی رہنمائی اور سربراہی میں ہونا چاہیئے اور اُسے اعلیٰ روحانی اور انتظامی قابلیتوں کا آدمی ہونا چاہیئے۔ ہندوستانی علماء کے ایک طبقے نے بہت دقیق اور پیچیدہ مباحث کھڑے کئے ہیں۔ آیا ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جا سکتا ہے اور آیا ایک امام کی صحیح اہلیتیں کیا ہونا چاہئیں۔ ان جھگڑوں میں اُلجھے بغیر اتنا بتا دینا بہتر ہوگا کہ سید احمد نے اپنے ضمیر کی روشنی میں محسوس کیا کہ انگریزوں کے برسر اقتدار ہو جانے اور پھر ہندوستان کے آزادی سے محروم ہو جانے کے بعد یہ ملک دارالاسلام باقی نہ رہا۔ اس لئے اُنھوں نے اپنے لئے فرض سمجھ لیا کہ وہ کسی آزاد علاقے میں جو انگریزوں کے احاطۂ اقتدار سے باہر ہو ہجرت کر جائیں اور وہاں سے جہاد شروع کریں۔ اس نتیجے پر پہنچ کر سید احمد کے لئے ایسے مناسب مرکز کا انتخاب کرنا رہ گیا تھا۔

ہندوستان اس وقت تک بہت حد تک یا تو انگریزوں کے براہِ راست قبضے میں آ چکا تھا یا مقامی ریاستوں کے زیر حکومت تھا، جو ذیلی اتحادات کے لئے ایک جال کے بندھن میں بندھی ہوئی انگریزوں سے وابستہ اور زیر نگیں تھیں وہ معدودۂ چند ریاستیں بھی جو انگریزوں کے زیر اثر نہ تھیں کسی طور سے بھی ان کی مخالفت سے خائف رہتی تھیں۔

شمالی مغربی سرحد کو مرکز بنانے کی وجہ: شمالی مغربی سرحد ہی ایک علاقہ تھا جو اُس وقت تک انگریزوں کے اثر سے باہر تھا۔ یہاں کے لوگ اپنی جنگجوئی اور آزادی کی محبت کے لئے مشہور تھے۔ وہ سکھوں کے متشددانہ نیم فوجی تسلط سے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ وہ کسی شخص سے بھی ہاتھ ملانے کو تیار رہتے جو ان کو آزادی کی راہ پر لانے کی معقول اُمید دلا سکے۔ اس علاقے کی ہیئت کذائی بھی ایسی

Marfat.com

تھی کہ سید احمد اپنے پیچھے کسی مخالفانہ کارروائی کے خطرے سے محفوظ تھے۔ اس کے پیچھے بعض ریاستوں کا بلا مداخلتِ غیرے ایک محفوظ خطہ تھا جس کے سرداروں سے وہ کئی سال سے مراسلہ ومرابطہ کر چکے تھے اور اپنا مقصد عظیم ان پر واضح کر چکے تھے، اور جنوب اور مشرق کی طرف اپنی مجوزہ پیش قدمی کی صورت میں وہ بلوچستان، بہاولپور اور سندھ کی ریاستوں سے جو ان کے مجوزہ راستے میں پڑتی تھیں دوستانہ تعاون کی امید رکھ سکتے تھے۔

وہابی تحریک کا بنیادی مقصد: سید احمد کا سرحد کو مرکز منتخب کرنا زیادہ تر انھیں خیالات کے زیر اثر تھا۔ لیکن اس انتخاب سے ناگزیر ہو گیا کہ پہلی جھڑپ سکھوں سے ہو جن کا علاقہ سید احمد کی مشرق کی طرف پیش قدمی میں پڑتا تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ وہابیوں کو انگریزوں کے خلاف سکھوں سے ملکر ایک متحدہ محاذ قائم کرنا تھا، لیکن کسی فریق نے یہ سیاسی پختگی نہیں دکھائی۔ اس کے برخلاف، سکھ انگریزوں سے دوستی کا معاہدہ کر چکے تھے۔ سکھوں سے تصادم ایک ناگہانی واقعہ تھا اور اس سے تحریک کا اصل مقصد ظاہر نہیں ہوتا۔ یہ انگریزوں کے ساتھ طاقت کی آزمائش ابتدائی قدم تھا۔ کیونکہ خود سید احمد کی تحریر اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ ان کے دماغ میں یہ خیال رچا ہوا تھا کہ ان کے اصل دشمن "سوداگر اور بنیے" (انگریز) ہیں۔

سید احمد نے اپنے مکتوب میں بار بار اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان میں سے بعض کے اقتباسات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ سید احمد سکندر جاہ حیدرآباد کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں "مشیت ایزدی سے ہندوستانی مشرکین اور یورپی کفار نے کئی معزز و موقر لوگوں کی زمینوں پر تغلب و تصرف کر لیا ہے۔ اہلِ علم واہلِ صدق کی شان اور وقار کو خاک میں ملا دیا ہے"۔ ایک اور خط میں دولت راؤ سندھیا کے بہنوئی ایک ہندو راو کو لکھا ہے "دور دراز ممالک کے اجنبی، ملکوں کے حکمراں بن گئے ہیں اور سوداگر اور بنیوں نے سلطنت کا درجہ حاصل کر لیا ہے"،

Marfat.com

ایک اور مکتوب میں "میرا اصل مقصد جہاد قائم کرنا اور جنگ کو ہندوستان لے جانا ہے، خراسان کی سرزمین میں پڑا رہنا نہیں"۔ شاہ اسمٰعیل نے جو کمان میں سید احمد کے دوسرے نمبر پر تھے تحریک کے اصل مقاصد کے متعلق چند سوالات کے جواب میں زیادہ وضاحت سے تشریح کی ہے۔ میر شاہ علی کے جواب میں لکھتے ہیں "ہماری طاقت رنجیت سنگھ اور کمپنی کے برابر تو نہیں مگر یہ تم سے کس نے کہا کہ امام کا ارادہ اس چھوٹی سی فوج کے ساتھ لاہور اور کلکتہ کی طرف پیش قدمی کرنے کا ہے؟ اس کے برعکس وہ دن رات مسلم فوج کی تکثیر و ترقی میں مصروف ہیں ......" یہ اقتباسات اپنی دلیل آپ ہیں اور کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔

یہ امر قابل غور ہے کہ سید احمد کے مکتوب کے طوماروں میں ہندوؤں کی طرف کوئی معاندانہ اشارہ یا کوئی ایسا حوالہ جس سے اس تحریک کا ہندوؤں کے من حیث ہندو ہونے کے، خلاف ہونا ظاہر ہو۔ اس کے برخلاف اُن کا ایک معنی خیز مکتوب ایک بااثر ہندو سردار ہندو راؤ گوالیار کے نام ہے جس میں اُسے یقین دلایا ہے کہ جب انگریزوں کو شکست ہو جائیگی تو کچھ شرائط کے ساتھ ہندو حکمران سرداروں کے اختیارات بحال کر دئیے جائینگے۔ سید احمد نے لکھا تھا "جوں ہی ارض ہندوستان غیر ملکی دشمنوں سے پاک ہو جائے اور اہل ہند کی جدوجہد سے ان کا مقصد حاصل ہو جائے، ریاست اور منتظمہ کے عہدے اور ملازمتیں مستحقین کو دے دی جائینگی اور ان کی طاقت اور اختیارات کی بنیاد مستحکم ہو جائیگی"۔ سید احمد نے اُس کو مزید فہمائش کی کہ ان رضاکاروں کے خاندان کی نگرانی کرے اور مدد دے جو ان کے ساتھ سرحد کو ہجرت کر کے آگئے ہیں۔ سید احمد کا ہندو راؤ کو تذکرہ یقین دہانی ہی نہیں بلکہ ٹھوس امداد کا مطالبہ نہایت معنی خیز اور غور طلب ہے۔

متعدد ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ وہابیوں نے جو چندے جاری کئے تھے ان میں ہندوؤں نے بھی شرکت کی۔ رہنا نیکسن نے بمبئی کے ایک جلسے کے واقعے پر تعجب کا اظہار کیا ہے "جس میں ایک وہابی مقرر کے سامعین میں زیادہ تر ہندو تھے اور مقرر نے عیسائی مذہب کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا"[1]

---

[1] جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی جلد ۱۴ صفحہ ۳۶۳

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سرحد کو روپیہ بھیجنے کا نہایت رازدارانہ اور خطرناک کام اُن ساہوکاروں کی معرفت ہوتا تھا جن میں بہت سے ہندو تھے۔

وہابی تحریک کا دینی پہلو: ان تمام باتوں کے معنی تحریک کے دینی پہلو سے چشم پوشی نہیں۔ درحقیقت تحریک کی بڑی کمانی کم سے کم سید احمد کے حین حیات میں دینی تھی، مگر مذہبی پہلو کا منشا قوم کی حیاتِ ملّی سے بعض سماجی مذہبی برائیوں کی اصلاح تھا نہ کہ دوسرے فرقوں کے خلاف مذہبی تعصب کے بیج بونا۔ سید احمد غیر خدا کے پرستار اور منافق وریاکار مسلمانوں کی مذمت میں بہت بیباک تھے۔ حقیقتاً سکھوں کی مخالفت سے زیادہ وہ ایسے مسلمانوں کی مخالفت پر زیادہ وقت صرف کرتے تھے۔ امت مسلمہ میں سماجی مذہبی اصلاحات کی ضرورت کا یہ پرچار اسی لئے کیا جاتا تھا کہ اسے آنے والی سیاسی کشمکش کے لئے قوی تر اور لائق تر بنایا جائے۔ جیمس اوکینلی، سر سید اور ان کے بعد کچھ اوروں نے اس کے مذہبی پہلو کی نشان دہی میں (جو کھلی چیز ہے) ہی نہیں بلکہ پوری تحریک کو مذہبی اور صرف سکھوں کے خلاف قرار دینے میں غلطی کی ہے۔ ایسی رائے قائم کرنا جرح و دلائل کے مقابلے میں تحریک کی پوری تاریخ سے آنکھیں بند کر لینا ہے۔

وہابی تحریک کے متعلق ہنٹر کا نظریہ: وہابی تحریک کی تاریخ کی ستم ظریفیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی اصلی غرض وغایت کی غلط ترجمانی کرنے والے صرف ہنٹر اور دوسرے یورپی مصنفین جیسے نقاد ہی نہیں بلکہ بہت سے ہندوستانی بھی ہیں اور زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ خود اس کے کچھ متبعین بھی ہیں۔

جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ تحریک کے سب سے پہلے اور سب سے بسیط حالات لکھنے والا اور شائع کرنے والا ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر تھا۔ اُس نے لکھا کہ بعض سیاسی اقتصادی اسباب کی بنا پر سارے مسلمان من حیث مسلمان حکومت (برطانوی) کے مخالف ہیں۔ یہ خیال اُس کی کتاب کے نام ہی سے ظاہر ہے "ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ ایا وہ ایمان سے ملکہ کے خلاف بغاوت کے لئے مجبور ہیں؟" وہابی تحریک کی تاریخ کی جدید تدوین اور بالخصوص اس کے طرز تنظیم کے سمجھنے میں ہنٹر کی تحریریں بے شک بڑی

Marfat.com

قدر و قیمت رکھتی ہے۔ اس نے اپنے غور و فکر سے تحریک کی علت غائی مخالفت انگریز ہونے کا جو نتیجہ نکالا ہے وہ ہے تو بالکل ٹھیک مگر اس موضوع پر اس کے عام طرز بیاں میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اُس نے تحریک کے فرقہ وارانہ پہلو پر مبالغہ کے ساتھ زور دیا ہے۔ اُس نے ہر بات کو ہندو مسلم فرقہ وارانہ تصادم اغراض سے تعبیر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کوشش میں اس نے تحریک کے زیادہ وسیع سیاسی مذہبی پس منظر سے اغماض کیا ہے۔

ہنٹر کے استدلال سے مسلمانوں کے ماتھے پر مخالفت حکومت کا جو ٹیکہ لگتا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے ایک طبقے نے بُرا مان کر اس کی تردید کی۔ اس طبقے کے لکھنے والوں نے حکومت کی وفاداری کے بلند بانگ اعلانات میں نگارشات کا ایک ڈھیر لگا دیا ہے اور وہابی تعلیمات کی تردید میں وہابیوں کو مسلمان ماننے سے بھی انکار کیا ہے، اس کی مقدار اتنی ہے اور صاف طور پر ایسی فدویانہ و غلامانہ ہے کہ یہاں تفصیل سے اُس پر بحث کرنے کی گنجائش نہیں۔ اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ خود ہنٹر[۵۱] اس بلند بانگ اعلان وفاداری کے متعلق مشتبہ ہو گیا۔

ہنٹر کے نظریہ کی تردید: ہندوستانی مسلمانوں کے اور زیادہ ذمہ دار طبقے نے بھی ہنٹر کے نظریہ کی تردید کی۔ ان میں سر سید احمد خاں سب سے زیادہ اہم ہیں۔ اور ہنٹر کی کتاب پر ان کا تبصرہ و تنقید اس طبقے کی تحریرات کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ انھوں نے یہ تنقید[۵۲] ہنٹر کے دعاوی کی صاف صاف تردید میں لکھی۔ انھوں نے ثابت کیا کہ وہابی نہ انگریزوں کے خلاف ہیں نہ حکومت کے۔ اُنھوں نے اس نکتے پر زور دیا کہ وہابی تحریک خالصۃً سکھوں کے خلاف چلائی گئی تھی۔ تحریک پر ان کی بعض رائیں قابل توجہ ہیں۔ شاہ اسمٰعیل کے بارے میں اُنھوں نے لکھا کہ اس مبلغ نے اپنی تمام زندگی میں ....

---

۵۱ اور انڈین مسلمانوں صفحہ ۱۴۲ ۵۲ یہ تنقید جو علیحدہ شائع کی گئی ہے وہ گراہم کی "سر سید احمد کی زندگی اور کارناموں" میں ۱۸۸۵ء لندن میں دوبارہ مفصلاً شائع کی گئی ہے، ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰۵ تا ۲۴۴۔ یہ اقتباسات اُسی سے ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکالا جسے اس کے ہم مشربوں کو انگریزوں کے خلاف اکسانے سے تعبیر کیا جا سکے۔" ایک اور مقام پر انھوں نے ظاہر کیا کہ انھوں نے کہا تھا کہ "انگریزی حکومت میں مسلمانوں پر کوئی ظلم نہیں ہوتا"۔ برادرانِ علی کے متعلق انھوں نے لکھا کہ "ولایت علی اور عنایت علی اور ان کے ادنیٰ متبعین نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے مترشح ہو کہ انھوں نے ہندوستان میں انگریزی طاقت کے خلاف کوئی سازش کی ہو۔ آخر میں انھوں نے نتیجہ نکالا کہ وہابی جہاد جسے ہمارے مؤلف (ہنٹر) نے انگریزوں کے خلاف ظاہر کیا ہے دراصل صرف سکھوں پر فتحیابی کے لئے مقصود تھا"۔

سرسید احمد خاں کا طرزِ اصلاح: مسلمانوں کی سماجی اور تعلیمی احیا میں سرسید کی خدمات رہنمائی اتنی مسلّم ہیں کہ یہاں ان کے تذکرے کی ضرورت نہیں لیکن وہابی تحریک کے سیاسی پہلو کے متعلق ان کا نظریہ حقیقت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اگر ہم قوم میں مغربی خیالات کی نشر و اشاعت کرنے اور تعلیم عامہ کے لئے ان کی جدوجہد کے پس منظر میں اس موضوع پر ان کے نظریوں کو دیکھیں تو ہم ان کی توجیہ کو سمجھ سکتے ہیں۔ انھوں نے ایک نیا مکتب فکر پیش کیا جس نے ثابت کیا کہ ہندوستانی مسلمانوں کا مستقبل مغربی خیالات سے کنارہ کش رہنے یا مخالفت کرنے میں نہیں بلکہ ان خیالات کے اپنانے اور اپنے آپ کو ان کے مطابق کر لینے میں مضمر ہے۔ انگریزی حکومت اور مغربی خیالات کے خلاف کسی سیاسی تحریک کا اجرا و قیام ان کے مکتبِ فکر سے متضاد تھا اسی لئے انھیں اس تحریک کی نوعیت کی یہ عجیب تاویل و تعبیر کرنا پڑی ایسا کے ساتھ ہی بعض نہایت ضروری سماجی مذہبی اصلاحات جاری کرنے کے لئے وہابیوں کی مساعی سے ہمدردی اور تحسین کا احساس بھی اس تنقید کے اکثر حصوں میں صاف نمایاں ہے۔

حریف سکھ تھے یا انگریز؟: مصنفوں کے ایک گروہ میں خود وہابی بھی ہیں جنھوں نے معلوم اسباب کی بنا پر یہی لنگڑی لولی تاویل پیش کی ہے۔ ان میں سب سے پہلے جعفر تھانیسری تھے۔ اپنی تصنیف کے آخری حصے میں انھوں نے سید احمد کے کوئی ۵۹ مکتوبات کا متن اور بعض اور اصحاب جیسے شاہ اسمٰعیل کی تحریر شایع کی۔ واضح رہے کہ سید احمد کے مکتوبات کے کئی اور مجموعے بھی موجود تھے۔ مگر یہ سب مخطوطات تھے اور آسانی سے دستیاب نہ تھے، ان کے مطبوعہ نسخے سہل الحصول تھے۔ اور تحریک کے ایک سرکردہ رکن کے قلم سے نکلی ہوئی

Marfat.com

تحریر کی حیثیت سے اس کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ مطبوعہ مکتوبات کی اصلیت بلا تاخیر مان لی گئی تھی یہاں تک کہ فی الحال محفوظ نسخوں سے مقابلہ کیا گیا[۱۵] اور یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ بعض مکتوبات میں کئی دقیق تبدیل الفاظ اور دوسرے تصرفات کئے گئے ہیں[۱۶]۔ یہ ترمیمات یا انحرافات ایسے ہیں کہ بعض بنیادی باتوں میں پورے مفہوم کو بدل دیتے ہیں۔

واقعات کے متعلق عمداً تحریف: جعفر کے اس طریق کار پر یہ عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ ان کی تالیف ایسے وقت میں شائع ہوئی جب انگریز پوری طاقت سے برسر اقتدار آچکے تھے اور ان کو یہ حقیقت پیش نظر رکھنا تھی۔ لیکن وہ ان مکتوبات کی اشاعت سے قطعی احتراز کر کے اپنے ضمیر کو سلامت رکھ سکتے تھے۔ الفاظ میں عمداً تحریف کر کے وہ واقعات کے توڑ مروڑ یا غلط بیانی اور تحریک کی ضرر رسانی کے مجرم بھی ٹھہرتے ہیں۔ ایک دوسرے مؤلف جو اسی تذبذب کا شکار ہوئے وہ عبدالرحیم عظیم آبادی تھے۔ وہ اپنی بیش بہا کتاب تذکرہ صادقہ میں بالقصد غلط بیانی کے مرتکب تو نہ ہوئے مگر انگریز حاکموں کی رواداری عدل گستری اور رحمدلی کی مدحگوئی ہی نہیں کی ہے بلکہ برادران علی کے انگریزوں کے خلاف جدوجہد کو خفیف کر کے دکھایا ہے۔

تحریک پر خود وہابیوں کی ان نگارشوں کے ساتھ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا اگر کچھ انگریز سولفول کے تبصروں کا ذکر بھی کر دیا جائے جنھوں نے خود سید احمد کے زمانے میں تحریک کی انگریز دشمنی کے اظہار میں زیادہ صاف گوئی سے کام لیا ہے۔ بیلو، یوسف زئیوں پر اپنی رپورٹ میں سید احمد کے بارے میں لکھتا ہے: "یہ شخص کوئی اور نہ تھا بلکہ میر سید احمد بریلوی ہی تھا جو ان علاقوں میں سید پادشاہ کے نام سے معروف تھا۔ . . . . جس کا کردار ایک مختصر عرصے تک کامیاب رہا جب کہ وہ مختلف ہمسایہ سنّی مسلم حکومتوں کے حکمرانوں اور لوگوں کو اکسایا کرتا تھا کہ اُس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں جو اسلامی سلطنت کے

---

۱۵ مہر جلد اول ص ۲۵-۳۲۶ نیز ملاحظہ ہو مقالہ انگریزی از میر حسن عسکری بعنوان "سید احمد بریلوی کی تحریک کا سیاسی مفہوم"، روداد جلد ۱۳ ۱۹۵۵ء ص ۱۶۴-۱۸۱

۱۶ دیکھئے تتمہ ۷

دوبارہ قیام کے لئے اور جزیرہ نما سے ہندکو کفار انگریزوں اور سکھوں سے آزاد کرانے کے لئے بلند کیا گیا ہے۔" ایک اور مصنف سرحد پر سولھویں صدی کی روشنیہ تحریک کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ روشنیہ کا سربراہ بایزید پیر روشن اور اس کے متبعین اکبر کے حق میں وہی ہو گئے تھے جو وہابی سکھوں کے حق میں، اور ہندوستانی مذہبی دیوانے برطانوی حکومت کے حق میں ہو گئے تھے"۔ یہی مصنف ایک دوسرے مقام پر یوں رائے زنی کرتا ہے۔ "بایں ہمہ سید احمد کے نائبین نے جو نوآبادیاں چھوڑی تھیں . . . . وہ برطانوی حکومت کو ورثہ میں ملیں۔ پنجاب کے ساتھ ہمیں جو متروکات ملے ان میں شاید یہ سب سے زیادہ دردسر کا باعث تھے"۔ سکھوں کا مشہور مورخ کننگھم جو سید احمد کے نسبتی بھائی اور رفیق خاص سے ذاتی تعلقات رکھتا تھا، یہ معنی خیز فقرے لکھتا ہے: "چار سال کی غیر حاضری کے بعد وہ دہلی لوٹے اور مسلمانوں سے کہا کہ کافروں کے خلاف جنگ میں ان کی متابعت کریں۔ ان کے تیور سے ایسا ظاہر ہوا کہ کافروں سے ان کی مراد صرف سکھ ہیں لیکن واقعی مراد صحیح طور پر سمجھی نہ گئی [1]"

سید احمد کا خلوص اور جاں نثاری: سید احمد کی زندگی میں تحریک کے بعض خاص پہلوؤں کا عام جائزہ کچھ تشنہ رہ جائیگا اگر ان کی شخصیت کا ایک اور اہم پہلو جو تحریک کی روش پر ایک حد تک اثر انداز ہوا سامنے نہ لایا جائے۔

مقصد کے ساتھ ان کا خلوص اور جاں نثاری ان کے قریب قریب تمام مکتوبات سے صاف نمایاں ہے۔ وہ ایک مستحکم تنظیم اور تربیت یافتہ فوج کے مانے ہوئے بلا اختلاف قائد اور ایک معنا بہ علاقے کے کماندار تھے۔ پھر بھی انھوں نے اپنے لئے کوئی دنیاوی اقتدار اختیار نہیں کیا۔ انھوں نے ایک امام اور ایک سلطان کے درجوں کے درمیان ایک خط امتیاز کھینچ رکھا تھا۔ وہ اپنے اس پختہ فیصلے کا بار بار اعادہ کرتے تھے کہ وہ اپنا فرض ادا کرنے کے بعد یعنی فرنگیوں کو ملک سے باہر کرنے کے بعد تمام والیان ملک کو ان کے اپنے علاقے کے انتظامی اختیارات لوٹا دینگے۔ ہندو راجاؤں کے نام ان کا منقولہ بالا مکتوب اس دعوے کی دلیل ہے۔ ایک اور خط میں خان پشاور یار محمد کے بھائی سعید احمد کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں "نہ مجھے جاہ و حشمت اور جھوٹے وقار کی

[1] کننگھم صفحہ ۲۶۵۔

تمنا ہے، نہ انتظامی اختیارات کی آرزو، نہ کبھی دولت جمع کرنے کا خیال میرے دل میں آیا،' یہ بار بار دہرایا جانے والا دعویٰ محض خالی خولی عجز وانکسار کی نمائش نہ تھی، فتح پشاور کے بعد ان کا کردار اس کی صداقت کی بیّن دلیل ہے۔ سلطان محمد صاف طور پر جنگ میں (وہابیوں سے) شکست کھا چکا تھا لیکن سید احمد نے حکومت اُس کو واپس کردی۔ انھوں نے اپنا اقتدار یہیں تک محدود رکھا کہ قاضی اور اخلاق عامہ کے محتسب مقرر کئے۔ اس سلسلہ کی ایک اور مثال یہ ہے کہ کچھ پہلے رنجیت سنگھ نے جو پیشکش کی تھی کہ وہ اپنی مخالفانہ کش مکش ترک کردیں تو ستلج کے پار علاقے میں انکو آزاد ریاست عطا کر دیجائیگی۔ اسے اُنھوں نے ٹھکرا دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ سید احمد کا عزم اپنے لئے کسی ریاست کا حصول نہ تھا بلکہ اس سے بہت اعلیٰ وارفع۔

سید احمد کے ریاست کا تخیل بھی ایک خاص رنگ کا تھا۔ ان کا خاص نقطۂ نظر یہ تھا کہ سلطان کا دنیاوی اقتدار اور امام کے مذہبی فرائض ساتھ ساتھ چلیں۔ انھوں نے سلطان کے میدانِ عمل کی مبہم طور پر تعیئن کردی تھی، مگر ساتھ ہی امام کے لئے ایک طور کے مجموعی نگراں (گو غیر مُخل) کے تقرر کی سفارش کی۔ مگر یہ نظریہ ان کی زندگی میں خوابیدہ سا رہا۔ نہ نافذ کیا جا سکا نہ پوری طرح عمل میں لایا جا سکا۔

سید احمد پر بعض سماجی مذہبی صورت حال اور غیر ملکی اقتدار کے روز افزوں خطرات کا بہت سخت اثر تھا۔ وہ ان مفسدات کو دفع کرنے کے لئے اپنے نسبتہً ادنیٰ ولپست درجۂ زندگی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کا مقصد مخلصانہ اور بے غرضانہ تھا۔ وہ اپنے مشن کی تکمیل کے بعد شاید اپنے قدیم مشغلہ کی طرف لوٹ آنے کا قصد رکھتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ کئی اعتبار سے کسی قدر ایک ہندوستانی گیری بالڈی نظر آتے ہیں۔ مگر گیری بالڈی کے برخلاف زندگی میں اپنے مقصد کا کامیاب انجام دیکھنا ان کے نصیب میں نہ تھا۔

وہابی تحریک کا سیاسی پہلو: تحریک کے سیاسی حصے نے جو سید احمد کی زندگی میں صاف عیاں تھا بعد کے دور میں غلبہ پالیا۔ خالص مذہبی اور اخلاقی تعلیمات کا زور سیاسی تبلیغ میں منقلب ہو گیا۔ ہنٹر بھی اس غیر محسوس تغیر پر یوں تبصرہ کرتا ہے: "احیاء میں مذہبی عنصر کا زور گھٹنے لگا۔ تحریک کے قدیم ترقائدین کے تحت ہی اس کے انحطاط کے آثار نظر آنے لگے

Marfat.com

تھے .... پٹنہ کے داعیوں نے بھی اس کو صاف طور پر محسوس کر لیا تھا اور اپنی تعلیمات کو زمانے کے نئے تقاضوں کے مطابق ڈھال لیا تھا" اس دور میں وہابی داعیوں کی تعلیمات سے متعلق رودادوں میں خالص مذہبی مباحث کا کوئی حوالہ مشکل سے ملتا ہے۔ بے شک اب بھی اسلام کے ان فرائض کا جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کی بجا آوری پر زور دیا جاتا تھا مگر وہابی کارکنوں کا اصل کام چندے جمع کرنا اور سرکاری فوجوں میں سپاہ کا اغوا رہ گیا تھا۔ ان کی تعلیمات کا نچوڑ غیر ملکی حکام سے جہاد کا فرض رہ گیا تھا۔ ۱۸۴۵ء سے لیکر غزوۂ امبیلہ کے اختتام تک انگریزوں کے خلاف لڑائیوں کے سلسلے میں شاید ہی کوئی مذہبی مسئلہ سامنے آیا ہو۔ اس کے برخلاف اُس زمانے میں اور اس کے بعد تک بھی وہابی انگریزوں کے لیئے خالصتہ سیاسی خطرہ بنے رہے۔ وہ مخالفت و مخاصمت کے مستعد کارمحور بنے رہے، اور ہمیشہ مقامی قبائل کی معمولی معمولی بے چینی کو ہوا دیکر انگریزوں کے خلاف عام جنگ کی شکل دے دینے کے لئے تیار رہتے تھے۔

یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ اس زمانے میں وہابیوں کی جدوجہد کا رقبہ اور ان کے اثر کی حدود بھی بہت کچھ وسیع ہو گئی تھیں۔ وہابیوں کی سازشوں کا جال جو کچھ پہلے ہنٹر نے تمام بنگال تک پھیلا ہوا پایا تھا۔ اب ۱۸۶۷ء–۱۸۶۵ء کی تحقیقات کے دوران میں ملک کے زیادہ حصوں پشاور سے بجاپور تک اور ڈھاکا سے پونا تک پر چھایا ہوا تھا۔

غیر وہابی عناصر کی شمولیت ظاہر ہے کہ ایسی وسیع الذیل تحریک بیشتر غیر وہابی عوام کی عملی اعانت و حمایت کے بغیر زیادہ دیر تک ٹھیر نہیں سکتی تھی۔ سرحد کو روپے کی خفیہ ترسیل کے کام میں ہندوستانی ساہوکاروں کا تعاون جو پہلے سے جاری تھا اس زمانے میں اور بڑھ گیا۔ اس زمانہ کی سرکاری رودادوں میں ہندو ساہوکاروں کے بارے میں اکثر حوالے ملتے ہیں جن کا کاروبار سارے شمالی ہند میں پھیلا ہوا تھا۔ اگر سب نہیں تو کچھ ساہوکاروں کو ضرور معلوم ہوگا کہ جن لین دین کے معاملوں میں یہ حصہ لے رہے ہیں وہ کوئی سیدھا سادا کاروباری نہیں بلکہ ان کے پیچھے کوئی زیادہ گہرا اور شاید خطرناک مقصد پوشیدہ ہوگا۔ روپے کی ترسیل ہنڈیوں کے بھنانے کے کمیشن اور زرمبادلہ کے حصول کا محض لالچ اس خطرناک کام

Marfat.com

میں اتنے ساہوکاروں کی مستعدی سے شمولیت کی توجیہ نہیں ہو سکتی۔

وہابی تحریک کا قومی رنگ: غیر وہابی عناصر کی زبردست اعانت اور اسی قسم کی دوسری تدبیروں نے اس تحریک کو قومی رنگ دے دیا۔ قدرتاً ان کو مذہبی جھگڑوں یا فرقہ وارانہ موشگافیوں سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی۔ ہندوستان میں اس تحریک کا روزنامچہ نویس ریہاتسیک اس غور طلب مسئلہ کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلاتا ہے: "بغاوت کی یہ خبریں رفتہ رفتہ وہابیوں کی اصلی تعلیمات پر جیسے اخلاق، پاکبازی، مشرکانہ رسوم کا قلع قمع، جن کی شروع میں بڑے جوش و خروش سے تاکید کی جاتی تھی ایسی چھا گئیں کہ ان سب کو انھوں نے پس پشت ڈال دیا[1] ایسی مثالیں جہاں ان کے داعی و مبلغین صرف دینی امور پر بحث کرتے اور سیاسی مسائل سے اجتناب کرتے اب قریب قریب معدوم ہیں۔ ایسے مسائل پر گفتگو سے سامعین آہستہ آہستہ مجلس سے کھسک جاتے۔ ہنٹر بھی تحریک کی روش میں اس تغیر پر یوں تبصرہ کرتا ہے: "اختلافیات کی سخن تروتیج سے آغاز کرنے کے بعد انھوں نے اپنے پیغام کے روحانی عنصر کو بتدریج ترک کر کے اور فطرت انسانی کے بدترین جذبے کو ابھار کر اپنے روبزوال مقصد کو قوت دینا شروع کیا[2]"۔

اس سے معلوم ہوگا کہ قدرتاً عوام کو تحریک کے مذہبی پہلو سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ اس کی سیاسی اور مخالف حکومت اپیل ہی زیادہ عملی اور معقول دکھائی دی جس پر چلنے کے لئے وہ تیار ہو گئے۔ اس طرح تحریک کی روش میں تغیر نے عوام میں اس اپیل کو وسیع تر کر کے اس کی حمایت و مقبولیت میں اضافہ کر دیا۔

ایک جدید مصنف اٹھارہویں صدی کے نصف دوم اور انیسویں صدی کے اواخر میں ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف مختلف شورشوں کی نوعیت کا جائزہ لیتے ہوئے وہابی تحریک کے متعلق رائے زنی کرتا ہے: "وہابی تحریک کی مقبولیت عام نے اپنی مضبوط

---

[1] جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی جلد ۱۴ صفحہ ۲۶۲۔

[2] اور انڈین مسلمان صفحہ ۷۹

و مربوط تنظیم سے ملک کے طول و عرض میں ڈھاکا سے پشاور تک کے رنگروٹ اور روپے حاصل کر کے اپنا بول بالا کر لیا۔ یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت نے جن تحریکوں کو جنم دیا اُن میں وہابی تحریک سب سے زیادہ بیدردی اور سختی سے مخالفِ انگریز تھی اور ان کی تمام جدوجہد میں یہ صورت قائم رہی ......۔ ۵ل"

وہابی تحریک کے دو خاص پہلو تھے، سماجی مذہبی اور سیاسی۔ اول الذکر اسلامی معاشرے کی اصلاح سے متعلق تھا اور آخر الذکر کا تعلق انگریزوں کے ساتھ جہاد سے تھا۔ قابل توجہ امر یہ ہے کہ ان دونوں پہلوؤں نے نیز بعض اور حالات نے تحریک کی رفتار ترقی کو متاثر کیا۔ اس کی تمام مدتِ رفتار میں ان پہلوؤں کی علیحدہ علیحدہ افادیت بدلتی رہی۔ اس لئے مجموعی طور پر تحریک کی عام نوعیت پر رائے زنی گمراہ کن ہوگی۔ پھر بھی نمایاں طور پر صاف نظر آتا ہے کہ سید احمد کی شہادت کے بعد کے دور میں تحریک کا سیاسی پہلو رفتہ رفتہ غالب آ گیا اور اس کی تاریخ پر چھا گیا۔ زیادہ تر اسی دوسرے پہلو سے چشم پوشی کے سبب سے ہی عموماً اس کی نوعیت پر غیر متوازن نظر ڈالی جاتی ہے۔

(ب) وہابی تحریک کی کچھ خدمات اور اس کی ناکامی کے اسباب

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے وہابی تحریک کے کئی رُخ تھے۔ تحریک کے الگ الگ میدانوں میں اس کی کامیابی اور ناکامی کی مقدار بہت حد تک مختلف رہی ہے۔ اس لئے ان پر جدا جدا غور کرنا ہوگا۔ تحریک کی ناکامی پر عمومی طور پر یہ کہہ دینا کہ اس کا سبب سیاسی مقصد (انگریزوں پر فتحیابی) حاصل کرنے میں ناکام ہو جانا تھا، گمراہ کن ہے۔ سیاسی میدان میں اس کی ناکامی پر بحث کرنے سے پہلے بہتر ہوگا کہ غیر سیاسی عالم میں اس کی بعض خدمات کا مختصراً ذکر کر دیا جائے۔

سماجی مذہبی اصلاح: سماجی مذہبی میدان میں اس کی کامیابی کی مقدار بہت کچھ ہے اس تحریک کے ہندی مسلم معاشرہ اور مذہب کے ساتھ تصادم اور کشمکش کا مطالعہ ایک پُرمعنی

۵ل ایس بی چودھری مصنف CIVIL DISTURBANCES DURING THE BRITISH RULE IN INDIA کلکتہ 1955 صفحہ ۵۰۔

Marfat.com

بحث ہے جو علیحدہ اور پوری طرح مذاکرہ اور استقصا کا متقاضی ہے۔ ہم یہاں اس کے بعض خاص پہلو پیش کرتے ہیں۔ ہندوستان میں اس تحریک کے نشوونما کے وقت جو سماجی مذہبی صورت حال تھی وہ مفصلاً بیان کی جا چکی ہے۔ بعد کی صورت حال پر ایک سرسری نظر وہابیوں کے آدرہ فرق ہی کو نہیں بلکہ ترقی کو نمایاں کر دیگی۔ بیواؤں کے نکاح ثانی کی ترویج و تبلیغ نمائشی رسوم، بعض تیوہاروں اور تقریبوں میں تباہ کن فضول خرچی کا ترک، سیدھے سادے عوام کی گردنوں کو ملاؤں کے پنجے سے چھڑانا، قبروں کی پرستش، مُردوں سے مرادیں مانگنے کے عام رواج کا ترک، اور پاک وصاف پیشہ اختیار کرنا، یہ تھے وہابیوں کے آدرہ بعض اصلاحات کے کچھ درخشاں پہلو۔

اردو کی خدمت: وہابی تحریک کا ایک اہم اور نظروں سے پوشیدہ ضمنی فیضان وہ زوردار جنبش ہے جو اس نے اُردو زبان خصوصًا نثر نگاری کی رفتار ترقی کو دی۔ اپنے پیغاموں کو عوام تک پہنچانے کی کوشش میں اور تبلیغی تحریکوں کی طرح اس نے مقامی زبانوں کے استعمال پر بہت زور لگایا۔ اگرچہ اعلیٰ طبقہ کی عام زبان فارسی تھی، وہابی قائدین نے اُردو کا زیادہ استعمال کیا اور اسی زبان میں بہت زیادہ رسالے لکھے۔

سیاسی تنظیم کا نمونہ: وہابی تحریک نے اپنے پیچھے انگریزوں کے خلاف دلیرانہ اور پایدار کشمکش کی ایک حوصلہ افزا روایت اور ایک مستحکم و مربوط عمومی ہندوستان گیر سیاسی تنظیم کا ایک نمونہ بھی چھوڑا۔ اکثر حکمت عملیاں اور سیاسی چالیں جن کی ابتدا اور عمل درآمد وہابیوں سے ہوئی بعد میں ابتدائی سیاسی جماعتوں خصوصًا انڈین نیشنل کانگریس نے اختیار کر لیں اور ترقی دی۔ بجھول عدم موالات یا عدم تعاون، پنچایت کی ترویج۔ وفادار عناصر کا سماجی بائیکاٹ، حقہ پانی بند" جیسا کہ ریلی نے تعبیر کیا ہے، یہ تمام حربے آزادی کے لئے کش مکش کے دوران میں کمال کو پہنچا کر سیاسی احتجاج کے زبردست وسیلے بنائے گئے۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کی ابتدا وہابیوں ہی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ سر نیدرا ناتھ بنرجی نے ایک عام جلسے کی تقریر میں وہابیوں کے ایجاد کئے ہوئے چندوں کی تحصیل کے ایک غیر نمایاں اور موثر طریقہ کا ذکر خاص طور پر نمونہ کے طور پر کیا تھا۔ ضروری خبروں کے اعلان اور تمام ملک سے آدمی اور روپے کے بھیج بھیجاؤ کے لئے

Marfat.com

وہابیوں کی پیچیدہ اور نہایت خفیہ تنظیم آج بالکل جدید اور نہایت موثر معلوم ہوتی ہے۔ انگریزوں کے خلاف کشمکش میں فوج کے دیسی دستوں کی موثر کارگذاری کی اہمیت کا سب سے پہلے وہابیوں نے ادراک کیا اور اُن کو ملا لینے، یا جیسا کہ اُس وقت کی سرکاری رپورٹوں سے ظاہر ہے، اُن کو اطاعت سے منحرف کرنے کی معقول کوششیں کیں [1]۔

وہابی تحریک کا سرسید پر اثر: وہابی تحریک کی ایک اور معنی خیز خدمت یہ تھی کہ سرسید کی مسلمانوں میں مغربی تعلیم اور ثقافت اختیار کرنے کی حمایت کی تحریک کے ردعمل کو متوازن بنا دیا۔ وہابی تحریک انگریزوں کے خلاف صرف سیاسی طور سے چلائی نہیں گئی تھی بلکہ دوسری جدت پسند تحریکوں کے ساتھ ساتھ اس کی تعلیم کا ایک لازمی عنصر دلنواز ماضی کے اعادے پر زور دینا بھی تھا۔ لازمی طور پر اس کے معنی جدید طور طریقوں سے اغراض اور ان کا مقاطعہ بھی تھے۔ جہاں سماجی اور مذہبی میدانوں میں پاک صاف ماضی کی طرف لوٹنے کی ضرورت مسلّمہ طور پر شدید تھی، وہاں وہابیوں نے معاشرہ و وقت کی بہت سی اہم حقیقتوں سے روگردانی کی۔

انگریزوں کا سیاسی تفوق: ان حقیقتوں میں سے ایک انگریزوں کا سیاسی تفوق تھا جو مغرب کی مادی اور ذہنی تفوق کی محض ایک علامت تھا اور جو ہندوستان میں آکر جم گیا تھا۔ اس کا مقابلہ کرنا تھا۔ مگر کیسے؟ اس کا مقاطعہ اور مخالفت کرکے یا جاپانیوں کی طرح جذب اور ہضم کرکے؟ وہابی تحریک نے اس اہم سوال کا کوئی صاف جواب تو نہ دیا لیکن مجموعی حیثیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اول الذکر طرز عمل اختیار کیا جس سے مدعا بر نہ آیا۔ سرسید کی تحریک جو مسلمانوں میں تمام جدید سماجی اور تعلیمی اصلاحات کا ہراول تھی وہابی تحریک کے ردعمل کے طور پر ہی وجود میں آئی اور ایک حد تک اس کی بنا وہابی تحریک کی مرہون منت ہے۔

اسباب ناکامی قبائلیوں کی غداری: رہا اس تحریک کی ناکامی کا سوال، تو سیاسی حیثیت سے اس کا خاص سبب قبائلیوں کی مسلسل غداری اور آئے دن کی مخاصمت تھا۔ سید احمد نے بعض

---

[1] کھو گیا، چھوڑ کے صحرا میں نشانِ منزل میں یہ میدان تو جیتا نہیں، مارا بھی نہیں [مسلم]

Marfat.com

ملحوظات سے جن کا ذکر ہو چکا سرحد کے علاقے کو اپنی کارروائیوں کا صدر مقام منتخب کیا تھا۔ ان میں سے اکثر ملحوظات نظری اعتبار سے بالکل معقول و مناسب تھے۔ مگر ان کے قیاسات کی ایک اہم کڑی، یعنی قبائلیوں کا صرف سہارا نہیں بلکہ عملی تعاون کے حصول کی امید بعد کے واقعات سے خاک میں مل گئی۔ قبائلیوں کی متوقعہ ہمدردی اور اعانت کے عوض انھیں ان کی پوشیدہ عداوت بلکہ کھلم کھلا مقاومت و مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

وہابی تحریک کا سب سے بڑا المیّہ یہ تھا کہ قبائلیوں نے تحریک کی اصل غرض و غایت کو نہ سمجھا اور اس کے سربراہوں سے حقیقی اور مستقل اعانت دریغ رکھی اس میں وہابیوں کا کوئی قصور نہ تھا۔ سید احمد کے دور سے ہی انھوں نے قبائلیوں کے ساتھ غیر معمولی تحمل اور رواداری کا برتاؤ کیا۔ قبائلیوں نے بار بار ان کے ساتھ بدعہدی و غداری کی جو جان و مال کی بربادی کا موجب ہوئی مگر وہ سب کو نظر انداز کرتے رہے۔ وہ نصف صدی سے زائد تک پند و نصائح اور عمل سے اتحاد مقصد اور آزادی کے لئے قربانیوں کے جذبے کو ان کے ذہن نشیں کرتے رہے مگر سب لاحاصل رہا۔ زیادہ تر انگریز مصنفوں نے اور ان کے تتبع میں بعض حالیہ مصنفوں نے بھی یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہابیوں کے شدید دینی جوش نے قبائلیوں کی ہمدردی کھودی۔ لیکن اس فیصلے کی صحت میں کوئی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی کہ اگر یہ مفروضہ تقشف عمل نہ آتا جب بھی قبائلیوں کی روش کچھ اور نہ ہوتی۔ اس کے برعکس شروع ہی سے، جب وہابی متشددانہ اصول نافذ کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے قبائلی وہابیوں کے ساتھ برتاؤ میں تلوّن و تزلزل اور اکثر اوقات غداری کا ثبوت دیتے رہے۔ یہ زیادہ تر نتیجہ تھا تحریک کے متعلق وہابیوں اور قبائلیوں کے مختلف بنیادی نقطۂ نظر کا۔ قبائلی صرف اپنے سردار کے وفادار ہوتے ہیں اور عموماً دین و مذہب یا کسی عظیم تر تخیل سے زیادہ نسلی رشتوں سے متاثر ہوتے ہیں، قبائلیوں میں کبھی وہ بے غرضانہ للّٰہی گرمجوشی نہیں دیکھی گئی جس سے وہابی سرشار رہتے تھے۔ وہ ہمیشہ دل سے موقع پرست اور زرپرست رہے۔ اگر وہ اس جدوجہد کی اصلی غرض و غایت کا ذرا بھی احساس رکھتے تو وہابیوں کے نافذ کردہ تشدد و تقشف کے عام عائد کردہ الزام کو مان کر بھی با اپنے اوپر

تھوپے ہوئے منقشفانہ دیندارانہ اقدامات کے متعلق کچھ نہ کچھ تو کرتے۔ لیکن وہابیوں کی اصلی ناکامی یہ تھی کہ وہ اپنا وہ جوش اور بلند نظریہ جس نے خود ان کو متحرک کیا۔ قبائلیوں میں پیدا نہ کرسکے اور ان کو اپنے اعلیٰ معیار عمل تک اٹھا نہ سکے بیشک یہ سچ ہے کہ ہر تحریک میں عام افراد متعلقہ میں اتنا جوش و جذبہ نہیں ہوا کرتا جتنا ان کے قائدین میں ہوتا ہے لیکن بصورت موجودہ ایک سادات ستھانہ کے تنہا اور درخشاں کردار کے سوا قبائلیوں نے تحریک کی اصل روح کو کبھی کسی مدت کے لئے واقعی طور پر اخذ نہیں کیا۔ اسی صورت حال نے وہابیوں کو اپنے ہندوستانی مرکز کا زیادہ محتاج بنادیا۔

امدادی مراکز سے دوری۔ واقعتہً وہابیوں کی ہر قسم کے مادی سہارے کے لئے اپنے ہندوستان کے مرکزوں کی قطعی محتاجی ان کی ناکامی کا دوسرا اہم سبب تھا۔ یہ مرکز بالکل انگریز حکام کے رحم و کرم پر مبنی تھا اور بلا زحمت دبادیا یا بیخ و بُن سے اکھاڑ بھی دیا جاسکتا تھا۔

فوجی تدابیر کے ابتدائی اصول میں سے ایک یہ ہے کہ ذخیرہ اندوزی کی ایک محفوظ مختصر راہ نکال لی جائے سامان ذخائر کے بھیج بھجاؤ کا راستہ جو صرف یہی نہیں کہ ہزاروں ہزار میل طویل ہو بلکہ سیدھا دشمن کی سرزمین سے گذرتا ہو لابدی ہے۔ وہابیوں نے ایسے راستے کے خطرات کا اندازہ ضرور کرلیا ہوگا۔ صرف وفاداری اور رازداری خواہ کتنی ہی احتیاط برتی جائے زیادہ عرصہ تک اسے محفوظ نہ رکھ سکتی تھی۔ وہابی اسے محسوس تو بہت کرتے تھے مگر ان کے پاس کوئی چارۂ کار کم سے کم اُس وقت کچھ اور نہ تھا۔

وہابی تحریک نے ہر صحیح القویٰ فرد پر سرحد کو ہجرت کے فریضہ پر بہت زور دیا۔ قریب قریب سارے وہابی رسائل اس کی ترغیب و تاکید کے مضامین سے بھرے پڑے ہیں۔ ساتھ ہی انھوں نے ان لوگوں کو جو کسی عذر سے فی الوقت ہجرت نہ کرسکیں رخصت دی کہ جب تک وہ ہجرت کے قابل نہ ہوں تحریک کی مالی اعانت کرتے رہیں۔ اس طرح ہندوستان میں تحریک کے مالی معاونین کا ایک طاقتور گروہ پیدا ہوگیا۔ وہابیوں کا مقصد شاید یہ تھا کہ جیسے ہی سرحد پر ان کے قدم مضبوط جم جائیں گے وہ ہندوستان کے مرکزوں

Marfat.com

سے استمداد کے محتاج نہ رہینگے ۔ مگر وہ منزل کبھی نہ آئی ۔

قدیم اسلحہ سے جدید آلات حرب کا مقابلہ: آخر میں وہابیوں کا مادی وسائل میں اپنے حریفوں کے مقابل میں کچھ مہیا نہ کرسکنا ان کی ناکامی کا دوسرا اہم سبب تھا۔ خالی خولی جوشِ جانبازی کسی مقصد کی کامیابی کے لیے کتنی ہی ضروری ہو مادی وسائل کا کامل بدل نہیں ہوسکتا۔ اس اعتبار سے اٹھارہویں اور انیسویں صدیوں میں تمام مشرق کی طرح وہابی بھی حالات و ماحول کے مجبور اور بے بس شکار ہو کر رہ گئے۔ صنعتی انقلاب اور پھر فنی ترقیات نے مغرب کو وہ مادی وسائل خصوصًا ایسے اعلیٰ درجہ کے آلات حرب مہیا کر رکھے تھے جن کے حصول کی اہلِ مشرق مستقبل قریب میں توقع نہ رکھ سکتے تھے۔ ملکہ میں وہابیوں کا بارود کا دقیانوسی کارخانہ اور اس سے بھی زیادہ دقیانوسی بانس کے نلکوں کی دستی توپیں، نوایجاد، انفیلڈ رائیفلوں کا کیا بدل ہوسکتی تھیں جو ۱۸۵۸ء کی مہم کاٹن میں پہلی بار سرحد پہ استعمال کی گئی تھیں آخری جائزے میں مغرب کا یہی مادی تفوق وہابیوں کے خلاف محاربہ میں فیصلہ کن چیز تھا اور اور یہی چیز مشرق و مغرب کے درمیان چین کی راہ کشائی اور زوال پذیر سلطنت مغلیہ کی شکست سے لیکر ۱۸۵۷ء کی تحریک کی پامالی تک بہت سے بڑے بڑے اور مہتم بالشان معرکوں میں بھی فیصلہ کن ثابت ہوا کی۔ وہابی بھی اسی کا نشانہ بن گئے۔ اس صورت حال کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ یہ زبردست حوادث جو اٹھارہویں صدی ہی سے بار بار رونما ہوتے رہے، ان کے اسباب و نتائج کو نہ ۱۸۵۷ء کے قائدین پوری طرح سمجھے نہ وہابی۔ جب واقعات و حوادث کے اسباب و نتائج ہی نہ سمجھے جائیں تو ان کے خلاف علاج و تدابیر کے اقدامات کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

تمت

اخلاف مجاہدینِ صادقپور کا تاثر

آنکھ جب کھولی تو دیکھا میکدہ لوٹا ہوا ۔۔۔ مے سبو سے بہہ چکی تھی اور خم ٹوٹا ہوا
ہر طرف بکھرے ہوئے تھے پارۂ جام و سبو ۔۔۔ مست رکھتی تھی انھیں ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کی بو
مُغبچے زنداں میں، ساقی غائب، اور محفل خموش ۔۔۔ محتسب کے خوف سے سہمے ہوئے تھے بادہ نوش

ہائے وہ اک سید احمد کی شراب لالہ رنگ ۔۔۔ اور اک سرسید احمد خاں کی صہبائے فرنگ
وہ جنونِ سرفروشی اس نے سر سے دھو دیا ۔۔۔ دی توانائی خرد کو، زورِ ایماں کھو دیا

(سلیم عظیم آبادی)

Marfat.com

ضمیمہ جات

Marfat.com

(۱)

بعض اہم ارکانِ صادقپور کے سوانحی خاکے

وہابی تحریک کی بنا وارتقا میں خاندان صادقپور کے ارکان کا حصّہ معتد بہ اور بہت نتیجہ خیز تھا۔ ان میں سے سب کے نہیں تو کچھ چند نمایاں ترین اصحاب کے نام جو اس سلسلہ میں بہت معروف و مشہور ہیں قابل ذکر ہیں وہ ولایت علی، عنایت علی، احمد اللہ، یحییٰ علی، عبدالرحیم اور عبداللہ ہیں۔ ساتھ ہی خاندان کے بہت سے اور ارکان نے اس تحریک کی جو خدمات انجام دیں اگرچہ وہ کم معروف اور کم نمایاں ہیں مگر بے غرضانہ اور مخلصانہ جذبے میں کسی سے کم نہیں۔ ان کے زمانے مختلف تھے اور ان کی اعانت کی غایت اور نوعیت بھی مختلف۔ ان میں سے بعض کے سوانحی خاکے تذکرہ صادقہ پر مبنی پیش کئے جاتے ہیں۔

الٰہی بخش ولد شیخ ہدایت علی ساکن مہداوان (متصل منیر)۔ وہ ۱۲۰۱ھ (۱۷۸۵) میں متولد ہوئے۔ ان کی شادی بی بی لطیفن دختر شاہ معز ساکن نمونیہاں۔ شہر پٹنہ سے ہوئی۔ ان کے ماموں عبدالعلی کی کوشش سے ان کو نواب مرشد آباد کی ملازمت میں ایک اعلیٰ عہدہ مل گیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد مستعفی ہو کر وطن واپس آ گئے۔ ان کی خدمات کے صلے میں ان کو دو بڑے بڑے مواضع بھوئی اور گو یا لپور عطا ہوئے۔ انھوں نے سید احمد کو اپنے ہاں مدعو کیا اور اپنے بیٹوں کی ان کے ہاتھ پر بیعت کرائی۔ مگر بعض اسباب سے خود بیعت نہیں کی۔ بعد میں انھوں نے ولایت علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اپنی بیوہ بیٹی جمیلۃ النساء (زوجۂ قمرالدین جو سرحد پر شہید ہوئے) کا عقد ثانی ولایت علی سے کر دیا۔ سید احمد کے رخصت کے وقت انھوں نے اپنے تین بیٹوں، فیاض علی، اور اکبر علی کو ان کے ہمرکاب روانہ کر دیا۔ باقی دو احمد اللہ اور رحمت اللہ پٹنہ میں رہ گئے۔ الٰہی بخش کو کمشنر پٹنہ ٹیلر ۱۸۵۷ء میں وہابیوں کا سردار بتاتا ہے۔ وہ ۷۴ برس کی پختہ عمر میں ۱۲۷۵ھ (۱۸۵۹ء) میں رحلت کر گئے اور مسجد نمونیہ سے متصل مقبرے میں مدفون ہوئے۔

وہ شہر کی ایک اہم شخصیت، معروف محبّ خلق اور کتابوں کے شائق تھے۔ ان کو

Marfat.com

ایک کتب خانہ ورثہ میں ملا تھا جس پر انھوں گرانقدر اضافہ کر رکھا تھا۔ یہ کتب خانہ ان کے بڑے بیٹے احمداللہ کو ورثہ میں ملا۔ مگر ان کی گرفتاری کے موقع پر کچھ حصّہ ضبط اور کچھ ضائع ہوگیا۔ آلہی بخش ایک مشہور طبیب تھے مگر طبابت کو کبھی پیشہ کی طرح اختیار نہ کیا البتہ وہ دوائیں مفت تقسیم کرتے تھے۔ وہ فوجی تربیت میں بھی مہارت رکھتے تھے۔

احمداللہ الٰہی بخش کے بڑے بیٹے ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ء) میں متولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ولایت علی اور خاندان کے دوسرے افراد سے پائی۔ محمد حسین کی ایک بیٹی سے ان کی شادی ہوئی اس پہلی شادی سے ان کے چھ بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ پھر دوسری شادی سے ایک بیٹا ہوا۔ ان کے بڑے بیٹے حکیم عبدالحمید اپنے زمانہ میں ہندوستان کے مشہور ترین اطبّا میں سے تھے۔ اپنے باپ کی طرح عبدالحمید بھی شہر کے سماجی اور سرکاری حلقے میں بہت موثر تھے۔ پٹنہ میں مطبوعہ تصانیف اور علمی ذوق رکھنے والوں کی ایک فہرست جو حکومت ہند نے طلب کی تھی اس کے جواب میں پٹنہ کے کلکٹر اے لٹل نے لکھا تھا کہ "میں شہر کے ایک فاضل ترین شخص سے ملا میں ان کو اس سلسلہ میں ایک اعلیٰ سند سمجھتا ہوں۔ اور میری رائے میں اب علم وفضل کا ذوق بہت کم ہوگیا ہے"۔ مقامی حکام اور عمائد شہر سے ان کے تعلقات دوستانہ تھے۔ مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ کچھ مدت تک ڈپٹی کلکٹر اور انکم ٹیکس کے اسیسر دن کے بورڈ کے ممبر بھی رہے۔ وہ پٹنہ کی تعلیم عامہ (پبلک انسٹرکشن کی کمیٹی کے ممبر بھی مقرر کئے گئے تھے ۱۸۵۷ء میں ٹیلر نے اُن کو اور عمائدین شہر شاہ محمد حسین اور واعظ الحق باشندہ گورہٹہ (پٹنہ) کے ساتھ وہابیوں کے ایک قائد ہونے اور حکومت کے خلاف سازش کے شبہہ میں گرفتار کرلیا۔ مگر تین ماہ کی نظر بندی کے بعد رہا کردیئے گئے۔ یہ تمام واقعات اور آخر کار ان کی گرفتاری اور ۱۸۶۵ء کے مقدمہ کے حالات بیان ہوچکے۔

فیاض علی آلہی بخش کے دوسرے بیٹے تھے جو ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۸ء) میں پیدا ہوئے۔ ان کی شادی بھی شاہ محمد حسین کی ایک لڑکی سے ہوئی تھی۔ انھوں نے اپنی ابتدائی تعلیم ولایت علی کی وفات کے بعد فرحت حسین نے اُن کو پٹنہ بلا لیا۔ کچھ عرصہ تک بہار میں تنظیمی کام میں اُن کا ہاتھ بٹایا۔ فطرۃً وہ خاموشی پسند اور تنہائی پسند تھے۔ عام وعظ بہت کم کہا کرتے۔

Marfat.com

کام ان کے چھوٹے بھائی یحییٰ علی کے سپرد تھا۔ فرحت حسین کی وفات کے بعد وہ پھر سرحد شمالی مغربی چلے گئے اور تا دمِ حیات وہیں مقیم رہے۔ انھوں نے لاولد انتقال کیا۔

یحییٰ علی آلٰہی بخش کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ فیاض علی سے دس سال چھوٹے تھے۔ ان کا قد اوسط، رنگ گورا، اور جسم گٹھا ہوا۔ ڈاڑھی چھوٹی اور چہرے پر چیچک کے چند نشان تھے۔ ان کی شادی بھی شاہ محمد حسین کی ایک لڑکی حمیدہ سے ہوئی تھی۔ انھوں نے بھی ولایت علی سے بیعت کی تھی اور ان کے خلفا میں سے تھے۔ سرحد کے دونوں سفروں میں وہ ولایت علی کے ساتھ تھے اور ۱۸۵۲ء میں ان کی وفات کے بعد پٹنہ واپس آئے۔ وہ ایک بڑے منچلے غازی تھے۔ اور بڑے بڑے خطروں کے مقابلے میں ان کی شجاعت و جرأت کے واقعات تذکرہ صادقہ میں مذکور ہیں۔

بارہ سال (۱۸۵۲ء-۶۳ء) پٹنہ کے قیام کے دوران میں انھوں نے اپنی زندگی کے سب سے بڑے کارنامے انجام دئے۔ شاہ محمد حسین کی وفات کے بعد انھوں نے پٹنہ کی زمام تنظیم اپنے ہاتھ میں لی۔ وہ ہر جمعہ کو نتھوپیہ جاتے (جو محمد حسین کی جائے قیام تھا)، اور صادقپور سے تھوڑی ہی دور واقع ہے۔ وہاں وہ نماز جمعہ پڑھاتے، مریدوں سے ملتے اور مختلف مسائل پر گفتگو کرتے۔ رات میں دیر سے صادقپور لوٹتے۔ ہر منگل کو ولایت علی کے مکان میں وعظ کہتے۔ دور دور سے آنے والے رنگروٹوں کو دینیات اور دوسرے مسائل پر درس دیتے۔ اس زمانے میں وہ سرحد کو آدمی اور سامان کی ترسیل کے لئے پٹنہ کی نہایت خفیہ اور پیچیدہ تنظیم کے سربراہ تھے۔ اس زمانہ میں احتیاط کے پیش نظر ان کے مراسلات محی الدین کے فرضی نام سے ارسال کئے جاتے۔ پہلی بیوی سے ان کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی، اور دوسری سے ایک بیٹا تھا۔

تذکرہ صادقہ کا جو نسخہ میرے استعمال میں ہے اس میں ان کے ایک مکتوب مورخہ اتوار ۲۱ جمادی الاول ۱۸۶۶ء[۱] کا جو انھوں نے صادقپور کے گھر کے انہدام و بربادی کی خبر سن کر اپنی بیوی کو لکھا تھا منقول ہے۔ یہ اس نوع کا تنہا مکتوب ہے جو بچ رہا ہے اور انسانی نقطہ نظر سے

---

[۱] تعجب ہے کہ مہینہ کا نام قمری تقویم کے مطابق اور سال عیسائی کی تقویم سے درج ہے

بڑی قدر و قیمت کا حامل ہے۔ معمولی سلام دعا اور سابقہ خطوط کے حوالے کے بعد لکھتے ہیں
ایک اہم بات قابل تحریر یہ ہے کہ محمد حسن سلمہ ہی کے خط سے دونوں مکانوں کے انہدام کی
خبر معلوم ہوئی۔ یہ معلوم کر کے میرے دل کو سخت کرب ہوا اس لئے کہ دونوں ہمارے
آبائی مکان تھے اور زیادہ تر اس لئے کہ وہاں اللہ کا ذکر ہوتا اور ہمیشہ اس کے احکام بجالائے
جاتے، اور اس لحاظ سے مومنین صادق ان کو اپنے اعزا و اقارب کی طرح عزیز رکھتے تھے
اس کے بعد خط میں وہ اپنے ایک خواب کا ذکر کرتے ہیں جس میں انھوں نے آنحضرت (صلعم)
کی زیارت کی آپ نے ان کو تسکین دی کہ "اللہ تعالیٰ اپنے سچے مومنوں کی اطاعت اور ایمان
کا امتحان کرتا ہے۔ جو اس میں پورے اترتے ہیں اُن کو راحتِ جاوید نصیب ہوتی ہے۔ جیسے
دشمنان خدا نے عارضی طور پر مسجد اقصیٰ کو تباہ کر دیا تھا مگر آخر اس کی دوبارہ تعمیر ہوگئی اور
اس کے تباہ کرنے والے مغلوب ہو گئے اُسی طرح ان کے (مومنوں کے) گھروں کے تباہ کرنے
والے مغضوب و مقہور ہونگے اور گھر دوبارہ تعمیر ہو جائینگے"۔

ولی اللہ: الٰہی بخش کے دوسرے بیٹے تھے۔ مگر وہ اپنے تینوں بھائیوں کی طرح تحریک پر
زیادہ کام نہ کر سکے، کیونکہ ابتدائے عمر میں ہی ان کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔ پچاس سال
کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا۔

فتح علی: الٰہی بخش کی طرح جن کے یہ معاصر تھے ان کے بھی متعدد فرزند تھے جنھوں نے
تحریک کی تاریخ میں اعلیٰ امتیاز حاصل کیا۔ وہ وارث علی کے بیٹے اور ننہال کی جانب
سے بہار کے ایک مشہور ولی حضرت احمد چرم پوش کی اولاد میں سے تھے۔ وہ چودھویں صدی میں
بہار کے مشہور ولی حضرت شرف الدین (مخدوم) سے نسلاً مربوط تھے۔ خانقاہوں کے عام
دستور کے مطابق فتح علی کے مکان پر بھی پیری مریدی کی بہت دھوم رہتی تھی۔ لیکن سید احمد کی
پٹنہ میں تشریف آوری کے موقع پر انھوں نے سید احمد کو اپنے گھر دعوت دی اور اپنے تین بیٹوں
کے ساتھ ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور یہ زیادہ تر ان کے بڑے بیٹے ولایت علی کی ترغیب
سے انجام پایا۔ انھوں نے سید احمد کے ہمراہ سرحد کے سفر کی خواہش بھی ظاہر کی مگر ان کی
کبر سنی کی وجہ سے ان کو گھر ہی کی اقامت پر آمادہ کیا گیا۔ وہ غزوہ بالاکوٹ (۱۸۳۱ء)

Marfat.com

کے فوراً بعد رحلت کر گئے۔

ان کی پہلی بیوی دختر شیخ ہدایت علی مہدانوی شادی کے فوراً بعد لاولد قضا کر گئیں۔ دوسری بیوی رفیع الدین حسین خاں کی دختر تھیں آخرالذکر مغلپورہ پٹنہ سٹی کے ایک متمول رئیس سے ہوئی۔ اس محل سے ان کے چھ بیٹے ہوئے۔ ان میں سے دو کم سنی میں قضا کر گئے پہلے دو ولایت علی، و عنایت علی کی زندگی پر بحث ہو چکی۔ تیسرے بیٹے طالب علی سرحد گئے اور وہیں وفات پائی۔ چوتھے فرحت حسین گھر کے مرکز پٹنہ کے سربراہ رہے اور ہمیشہ یہیں مقیم رہے۔

فتح علی کے پاس بھی کتابوں اور مخطوطات کا ایک گراں بہا ذخیرہ تھا جو ان کے پوتے عبدالرحیم کی گرفتاری کے زمانہ میں ضبط کر لیا گیا۔

طالب علی: ولایت علی کے چھوٹے بھائی تھے۔ انھوں نے بھی سید احمد کے ہاتھ پر بیعت کی اور انھیں کے ہمرکاب سرحد چلے گئے۔ وہاں ابتدائی معرکوں میں شریک رہے اور جنگلائی میں بعارضہ ذات الجنب وفات پائی۔

فرحت حسین: ۱۲۲۶ھ (۱۸۱۱ء) میں متولد ہوئے وہ پست قامت، لاغر اندام، اور رنگ کے گورے تھے۔ ڈاڑھی چھوٹی، بھویں جڑی ہوئی۔ اور ان کے درمیان پیشانی پر ایک سرخ تل تھا۔ ان کی شادی بھی شاہ محمد حسین کی ایک بیٹی سے ہوئی۔ جس کے بطن سے عبدالرحیم مؤلف تذکرہ صادقہ پیدا ہوئے۔ بعد میں انھوں نے دو اور شادیاں کیں۔ وہ ۱۲۷۲ھ (۵۸-۱۸۵۷ء) میں ۴۸ سال کی عمر میں رحلت فرما ہوئے۔

وہ پٹنہ کے مرکز کی تنظیم کے سربراہ ہوئے اور وقتاً فوقتاً ولایت علی کی پٹنہ سے غیر حاضری میں ان کے خلیفہ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ان کے گھر میں روزانہ جلسے ہوتے جہاں سماجی مذہبی مسائل پر تقریریں ہوتیں۔ ان میں مستورات بھی حاضر ہوا کرتیں۔ اُن سے علیحدہ تقریریں کی جاتیں، اور کبھی ان کی بیوی بھی وعظ کہتیں۔ اس گھر سے مدرسہ کا مصرف بھی لیا جاتا۔ طلبہ کی ایک کثیر تعداد مختلف موضوعات پر درس لیتی۔ اکثر کلاسیں یحییٰ علی لیا کرتے۔ طلبہ کے طعام و قیام کے اخراجات بیت المال سے پورے کئے جاتے۔

پٹنہ کی شورش کے موقع پر پیر علی اور شورش کے دوسرے سربراہ، وہابیوں کے سربراہ

Marfat.com

فرحت حسین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ان کے ساتھ شریک ہوجائیں۔ ان کے انکار کے اسباب اور ۱۸۵۷-۵۸ء کی تحریک میں وہابیوں کی عام روش پر اوپر بحث کی جا چکی۔

عبداللہ: ولایت علی کی دوسری محل مراد النساء سے ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۰-۳۱ء) میں حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے والد ولایت علی کے سرحد کے متعدد سفروں میں ان کے ساتھ رہے اور وہاں مختلف معرکوں میں حصہ لیتے رہے۔ ۱۸۴۷ء میں پٹنہ کی مراجعت کے بعد وہ اپنی تعلیم میں مصروف رہے۔ اسی زمانے میں فرحت حسین کی بیٹی سے ان کی شادی ہوگئی۔

ان کے والد کی وفات کے بعد ان کے چچا عنایت علی سے ان کے تعلقات خوشگوارانہ رہے اور پٹنہ چلے آئے چند سال فرحت حسین کے پاس رہکر تنظیمی امور میں ان کا ہاتھ بٹایا۔ فرحت حسین کے انتقال کے بعد اپنے دو بھائیوں اور دو بیٹوں کے ساتھ سفر حج کو روانہ ہوگئے۔ حجاز سے افغانستان آئے اور وہاں سے سوات سید اکبر شاہ کے پاس چلے گئے جو سرحد پر وہابیوں کے پرانے سرپرست اور میزبان رہے تھے۔ وہاں وہ وہابی نو آبادی کے سردار منتخب ہوئے۔ غزوۂ امبیلہ انھیں کی قیادت میں لڑا گیا۔ ۱۳۲۰ھ (۱۹۰۲ء) میں ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے بھائی عبدالکریم ان کے جانشین ہوئے۔ قلعہ کی تعمیر، توپ اندازی اور سواری کے فنون میں ان کی مہارت مسلم تھی۔

عبدالرحیم: فرحت حسین کے بیٹے تھے۔ ۱۴ر شعبان ۱۲۵۲ھ (۱۸۳۶ء) میں متولد ہوئے ابتدائی تعلیم خاندان کے متعدد بزرگوں جیسے فیاض علی و عبدالحمید وغیرہ سے، حاصل کی۔ ان کے والد کی وفات اور عبداللہ کی سرحد پر تعیناتی کے بعد گھر میں تنظیمی کاموں کا سارا بوجھ ان کے اور یحییٰ علی کے کاندھوں پر آپڑا۔ انبالہ کے مقدمے میں یحییٰ علی کے ساتھ یہ بھی مدعا علیہ تھے اور حبس دوام کے سزایاب ہوئے۔ اٹھارہ سال سزا بھگتنے کے بعد ۱۸۸۴ء میں ان کی میعاد سزا ختم کی گئی، پٹنہ واپس آئے۔ اور اپنا آبائی مکان ایسا منہدم پایا کہ اس کی شناخت بھی ناممکن تھی، تمام افراد خاندان منتشر تھے۔ خاندانی مقبرہ بھی جو گذشتہ چودہ پشتوں سے مستعمل تھا باقی نہ چھوڑا گیا تھا۔ رہائی کے بعد بھی ان کی نقل و حرکت پر سیاسی پابندیاں برقرار تھیں۔ ہر دو ہفتے پر پولیس میں حاضری دینا پڑتی تھی۔

Marfat.com

قید میں بیس برس وطن سے غیر حاضری کے بعد اب انھوں نے اپنے عزیزوں اور تمام شہر کی زندگی میں ایسا انقلاب پایا کہ تمیز و شناخت ناممکن معلوم ہوتی تھی۔ اس نئی دنیا اور متغیر ماحول میں جوان کی نگاہ میں غیر دینی اور غیر اخلاقی ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو تنہا اور افسردہ پاتے تھے۔ اس لئے انھوں نے حکومت سے سفر حج کی اجازت طلب کی جو بڑی بڑی مشکلوں سے منظور ہوئی۔ بمبئی اور حجاز تک پابندیاں برقرار رکھی گئیں حجاز میں بھی ان کو برطانوی قنصل میں حاضری دینے کا حکم تھا۔ بعد میں ۱۳۱۰ھ میں ایک اور حج کیا۔

انڈمان سے مراجعت کے بعد انھوں نے اپنی خانگی زندگی کے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو پھر جوڑا۔ اس زمانے میں ان کے کچھ اولاد ہوئی اور اپنی کئی اولاد کی شادیاں کیں۔ اسی زمانے میں انھوں نے اپنے خاندان کے ارکان کی سوانحی روداد یں تیار کیں جو تذکرہ صادقہ کے نام سے زیادہ معروف ہیں اور جو تحریک کے اہم ترین مطبوعہ ماخذ میں سے ہے۔ وہ ۹۲ سال کی پختہ عمر میں ۱۹۲۳ء میں رحلت فرما ہوئے۔

باقر علی فتح علی کے بھائی بشارت علی کے بیٹے اور ولایت علی کے چچازاد بھائی تھے۔ ان کی کم سنی میں ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور چچا نے ان کی پرورش کی۔ سید احمد کے سرحد کے ابتدائی قیام کے دوران میں وہ رسد کی تقسیم پر متعین تھے۔ ذخائر کے حصول، تحفظ اور تقسیم کے عام کاموں میں محمد ولی پھولتی کے معاون تھے۔ ان کو یہ امتیاز نصیب تھا کہ وہ پہلے مجاہد تھے جس نے اپنے مقصد معینہ کے لئے جان دی۔ وہ ۳۰ دسمبر ۱۸۲۶ء کو معرکہ اکوڑہ میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر صرف انیس سال تھی۔

قمر الدین حسین رکن الدین حسین کے بیٹے اور مغلپورہ (پٹنہ سٹی) کے رفیع الدین حسین خاں کے پوتے تھے۔ ان کی شادی احمد اللہ کی بہن سے ہوئی تھی۔ سید احمد کے ہمرکاب سرحد گئے تھے۔ اور مظہر علی جب پشاور کے قاضی مقرر ہوئے تھے تو یہ بھی وہیں متعین کئے گئے تھے اور مظہر علی کے ہی ساتھ سلطان محمد والے ناگہانی مسلح انقلاب کا شکار ہوئے۔ ان کی بیوہ کا عقد ثانی ولایت علی سے ہوا۔

عبد العلی ارادۃ اللہ صادقپوری کے بیٹے تھے۔ وہ بنگال کے نواب مظفر جنگ کے عہد نظامت

Marfat.com

میں پٹنہ میں جج کے عہدے پر مامور تھے۔ وہ زاہدانہ فقیرانہ اور فیاضانہ طبیعت رکھتے تھے۔ نواب نے اُن کو اعزازی خلعت اور بہت کچھ انعامات بخشے، سب مسکینوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیئے خود قرآن مجید کی نقلیں لکھکر ان کی فروخت سے گذارا کرتے۔ سید احمد جب پٹنہ میں وارد تھے تو انھوں نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ صادقپور کے قائدین کے نام سید احمد کے مکتوبات میں ان کے نام بھی ایک مکتوب تھا۔ وہ ۱۲۴۵ھ (۳۰-۱۸۲۹ء) میں تقریباً ایک سو سال کی عمر میں رحلت فرما ہوئے۔

منظہر علی اگرچہ خاندان صادقپور کے رکُن نہ تھے مگر تحریک کے اہم مقامی قائدین میں سے تھے۔ اور ان کی ابتدائی زندگی کا ایک مختصر تذکرہ یہاں بے محل نہ ہوگا۔ انھوں نے غالباً سید احمد کے دورۂ پٹنہ سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔ کہاجاتا ہے کہ سید احمد اپنے پٹنہ کے دورہ کے دوران میں کچھ دن ان کے ہاں رہے۔

منظہر علی تحریک کے ایک جوشیلے اور بہادر کارگذار تھے۔ ایک جلوس کے تعزیئے کو نقصان پہنچانے کے الزام میں ان پر مقدمہ قائم کیا گیا تو بھاگ کر گورکھپور چلے گئے۔ بعد میں جب سید احمد سے ان کی ملاقات ہوئی تو فرار ہوکر اپنے ضامنوں کو پریشانی میں ڈالنے پر اُن کو سرزنش کی اور واپس جانے کی ہدایت کی جس کی انھوں نے تعمیل کی، مگر ان کے پٹنہ پہنچنے سے پہلے مقدمہ اُٹھا لیا گیا تھا۔

وہ سید احمد کے ہمراہ سرحد گئے اور بہت سے معرکوں میں حصہ لیا۔ شاہ اسمٰعیل نے غزوۂ مردان میں ان کی بہادری کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے، ۱۸۳۰ء میں جب پشاور پر قبضہ ہوا اور اُس کے شکست خوردہ سردار سلطان محمد کو لوٹا دیا گیا تو سید احمد نے منظہر علی کو اپنے نمایندہ کی حیثیت سے وہاں چھوڑ دیا تھا۔ وہ قاضی اور اخلاق عامہ کے محتسب بھی مقرر کیے گئے تھے۔ وہابیوں نے جو ادھورا عارضی نظام حکومت قائم کر لیا تھا اس میں یہ عہدے کلیدی اہمیت رکھتے تھے۔ اُن کا یہ تقرر دلیل تھا ان کی پرہیزگاری، علمی فضیلت اور اُس اعتماد کا جو سید احمد ان پر رکھتے تھے۔ پشاور کے قیام میں ان کو سلطان محمد کے غدارانہ منصوبے اور متوقع اچانک حملے کی بھنک ملی، شاہ اسمٰعیل کو پوری صورت حال لکھ بھیجی شاہ صاحب نے ایک

Marfat.com

طویل مراسلے میں سلطان محمد کے طرفداروں کے متعدد اتہامات کا جواب دیا جن کی مظہر علی نے ان کو اطلاع دی تھی۔ وہ اپنی جان بچانے کے لئے وقت پر پشاور سے نکل جا سکتے تھے لیکن وقت ہاتھ سے نکل جانے سے پہلے اس زبوں صورتِ حال کا پورا اندازہ کرنے اور اپنے سردار کو رپورٹ دینے کے لئے وہیں ٹھہر گئے۔ آخر وہ سلطان محمد کے اچانک غدارانہ حملے میں نہایت بے رحمی سے قتل کئے گئے۔

---

(۲)

سید احمدؒ کا ایک نایاب غیر مطبوعہ مکتوب

سید احمدؒ کے مکتوبات کے شائع شدہ اور مخطوطہ مجموعے بہت سے موجود ہیں۔ مگر یہ مکتوب کسی مجموعے میں موجود نہیں۔ یہ بالخصوص خاندان صادقپور کے ارکان کے نام ہے اور اسی کی ایک نقل اسی خاندان کے ایک[1] رکن کے پرانے کاغذات سے دستیاب ہوئی۔

اس کے مکتوب الیہ خاندان صادقپور کے سارے اہم ارکان اور ضلع پٹنہ کے دوسرے مومنین ہیں۔ سوءِ اتفاق سے اس میں تاریخ تحریر درج نہیں۔ مگر اس کے وقت کا کچھ اندازہ اس کے مضمون سے لگایا جا سکتا ہے۔ یہ سرحد سے ولایت علی اور عنایت علی کی رخصت کے کچھ بعد لکھا گیا۔ اور یہ واقعہ ۱۸۲۸ء کے بعد کا ہو سکتا ہے۔ یا ۱۸۲۷ء کے آخر کا۔ کیوں کہ ولایت علی . . . . کی محل ثانیہ حیدر آبادی سے عبداللہ کی پیدائش ۱۲۴۶ھ (۳۱-۱۸۳۰ء) کے کسی مہینے میں ہوئی۔ ولایت علی کے سرحد سے دکن پہنچے، حیدر آباد میں قیام کرنے اور شادی کرنے میں جو وقت کا اندازہ کر کے ہم حیدر آباد میں اُن کے پہنچنے کا اندازی وقت دیر سے دیر وسط ۱۸۲۸ قرار دے سکتے ہیں۔

---

[1] یہ مولوی عبدالغفار صادقپوری متذکرہ بالا کے بیٹوں کے پاس ہے۔

Marfat.com

پورے مکتوب کا انگریزی ترجمہ درج ذیل ہے۔

از امیر المومنین سید احمد بخدمت جامعین علم وفضل، مخازن صدق وایمان .... مولانا عبد العلی، فتح علی، الٰہی بخش، اکرم الحق، واعظ الحق، منعم الحق، محمد حسین، شیخ علی جان، سید جمال علی و دیگر مومنین عظیم آباد[1]

بعد تحیاتِ سلام ودعائے حسنات واضح باد۔

آپ کے خطوط ملے اور ان کے مضامین سے تمام حالات مجھ پر منکشف ہوئے۔ الحمد اللہ میں مع الخیر ہوں، دن رات مقصد کی ترقی کے لئے مصروف کار رہتا ہوں۔ اللہ کے فضل وکرم سے جہاد کے قیام اور کفار کے خلاف جنگ کرنے کے لئے بہت کچھ امداد حاصل ہو گئی ہے۔ اس ملک کے مومنین، شرفا، عوام اور سادات، سب کے سب جہاد اور اپنی جانیں نثار کرنے کے لئے تیار ہیں اور میری اطاعت کا عہد قبول کر لیا ہے، انشاء اللہ فتح کی خبر آپ کو جلد مل جائیگی۔

ہر زندہ مخلوق، اللہ کی رضا جوئی اور خالق کے لئے جان سپاری میں مصروف ہے۔ اس کی محبت ہر ماسوا کی محبت سے اعلیٰ وارفع ہے۔ گو اس اعلیٰ درجے کے اخلاص ایمان اور اس بلند (روحانی) مرتبے کا حصول عوام الناس کے لئے دشوار ہے۔ مگر ہر شخص پر جو دین (اسلام) کا متبع ہے اتنا تو فرض ہے کہ نور وظلمت کے درمیان کشمکش اور کفر و اسلام کے درمیان جنگ میں اسلام کی آبرو کے جذبے کو بروئے کار لائے۔ ہر وہ شخص جو ایسے نازک موقع پر انصار کی صف میں شامل نہ ہو وہ فسق کا مجرم ہے، اور جو شخص جان کے خوف سے اس نازک گھڑی میں کترا جائے اپنی بدبخت پیشانی پر اللہ سے علیحدگی کا داغ لگانے کا مرتکب ہے[2]

---

[1] مکتوب الیہم میں عبد العلی، فتح علی، الٰہی بخش اور محمد حسین خاندان صادقپور کے ارکان ہیں جن کے سوانح پیش کئے جا چکے۔ اکرم الحق اور واعظ الحق پہلے باڑھ کے باشندے تھے۔ سید احمد کے باڑھ کے دورے کے موقع پر اکرم الحق نے ان سے بیعت کی تھی۔ علی جان داناپور کے باشندے تھے اور سید احمد کے داناپور کے دورے کے موقع پر ان سے بیعت کی تھی اور بہت بعد تک تحریک کے لئے کام کرتے رہے۔ [2] یہاں ایک خط کھینچا ہوا ہے۔ عبارت کا تسلسل منقطع سا ہے کیونکہ اس کے بعد کی عبارت میں عام اصول کے بیان سے یکایک ایک خاص مراسل کا ذکر شروع ہو جاتا ہے

مجاہدین کی فتوحات مومنوں کے لئے ایمان افروز اور منافقوں کے لئے دل سوز ہیں، اطمینان رکھئے۔ آپ نے ۲۱۶۸ روپے کی ہنڈی کے بارے میں جو لکھا تھا کہ شیخ عبداللطیف کو بھیج دی گئی ہے وہ مجھے پہنچا دیں، اُس کی کیفیت یہ ہے کہ :- اسی مضمون کا شیخ عبداللطیف کا ایک خط مجھے ملا جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ انھوں نے ایک سات ہزار کی ہنڈی بھی مجھے روانہ کی ہے۔ مگر یہ رقم اب تک مجھے نہیں ملی ہے۔ انشاءاللہ جلد ہی مل جائیگی۔ اس طرح جو رقمیں آپ حضرات نے ارسال کیں وہ معناً مل گئیں۔ مگر واضح رہے کہ اب سے پہلے روپے کی ترسیل بند رہی اور کچھ وصول نہ ہوا تھا۔ اب اللہ کے فضل سے ترسیل زر کا ایک آسان تر ذریعہ دریافت کر لیا گیا ہے۔ مومنین مخلصین کو چاہیئے کہ روپے مولانا اسحاق کے نام دہلی بھیجا کریں۔ وہاں سے مجھے مل جایا کرینگے۔ میں نے اُن کو (اسحاق کو) ایک آسان اور محتاط (آنکھوں میں خاک جھونکنے کا) طریقہ لکھ بھیجا ہے۔ چنانچہ مجاہدین کے اخراجات کے لئے دو یا تین ہزار روپے وصول بھی ہو چکے۔ لہذا جو کوئی رقم بھیجنا چاہے وہ اس کی ہنڈی مولانا اسحاق کو دہلی بھیج دیا کرے، وہاں سے مجھے مل جایا کریگی۔

مولوی ولایت علی، محمد زکی، شیخ باقر علی، قمرالدین حسین اور شیخ علی جان نے بھی خط لکھے ہیں۔ ان کی رسیدیں مرسلہ رقوم کی وصولی کے بعد بھیج دی جائینگی، اطمینان رکھئے۔ میں نے (پہلے) ولایت علی کو مفوضہ کام کے لئے دکن بھیجا تھا۔ مولوی عنایت علی بھی میرے کہنے سے اُس ضلع (پٹنہ) کو روانہ ہو گئے۔ اُس ضلع کے باقی لوگ مع الخیر ہیں، بجز مولوی طالب حسین کے جو طبعی موت سے انتقال کر گئے، (ان کے عزیزوں کے لئے) یہ صبر و تحمل کا وقت ہے۔ حافظ قطب الدین مومنین اور مخلصین کی تعلیم کے لئے اُدھر (؟) تعینات کر دئے گئے ہیں۔ اگر وہ اُس ضلع (پٹنہ) میں پہنچ جائیں تو ان کی اعانت و تعاون کی کوشش کرنا۔

والسلام

Marfat.com

(۳)

وہابی مراسلات میں مستعمل اصطلاحات اور سازشیوں کے عرفی ناموں کی

کلید[1]

زنگروٹوں کو جہادی، خدمتگار، بیوپاری، مسافر، نرگاو کہتے تھے۔ زنگروٹوں کی ٹولیوں کو قافلہ، ملکہ وستھانہ کو بڑا گودام اور پٹنہ کو چھوٹا گودام کہتے تھے۔

جھڑپ یا معرکے کو مقدمہ، خدا کو مختار۔ اشرفی کو بڑا سرخ لعل، بڑے سنہرے جوتے اور بڑی چڑیاں۔ نصف اشرفی کو چھوٹے سرخ دانے اور چھوٹے سنہرے جوتے کہتے۔

اشرفیوں کے ارسال کو سرخ دانوں کی تسبیح۔ ہنڈی کو سنگ سفید کہتے، اور رقوم کی تعداد کو تسبیح کے سفید دانوں کے عدد سے ظاہر کرتے۔

روپے کے ارسال کو کتابوں اور سودے کی قیمت ظاہر کرتے

پٹنہ میں صادقپور کے مولویوں کی عمارات بالخصوص اُس حصے کو جو ولایت علی اور عبدالرحیم کا تھا قافلہ کہتے تھے۔

اسمائے عرفی : —

احمداللہ کے : احمد علی، محمد علی، یا احمد خاں۔

عبداللہ کے : بابو صاحب، بابو جان، خاں صاحب، یا بابو، میاں جان، خاں صاحب۔

فیاض علی کے : بصیرالدین یا فیاض عالم

عیسیٰ کا : روح اللہ

حافظ عبدالمجید کا : حافظ صاحب۔ عبدالکریم کا : کریم بخش

یحییٰ علی کا : محی الدین عبدالرحیم کا : مرزا رحیم بیگ

محمد شفیع کا : شفاعت علی قاضی میاں جان کا قاضی محمد شکور یا عبدالرحمٰن۔

عیسائی یا برطانوی سپاہ ورثائے حضرت روح اللہ (عیسیٰ مسیح) کہلاتے۔

---

[1] حکومت بنگال کی دستاویزات سے انتخابات۔ جلد ۴۲ صفحہ ۱۶۱، ۱۶۲

Marfat.com

(۴)
غزوۂ امبیلہ کے موقع پر عبداللہ اور سید عمران کا مشترک مکتوب ایک سرحدی قبائلی سردار کے نام

(انگریزی ترجمہ)

سلام کے بعد، کفار کی ایک بڑی فوج سلیم خاں، یار حسین اور شیخ جانا پر اس ملک کی غارتگری کی غرض سے آئی ہے۔ اس لئے تم کو لازم ہے کہ اس خط کے ملتے ہی اپنی کمر کس لو اور چملا کی طرف روانہ ہو جاؤ، اور درہ (امبیلہ) کے دوسرے حلیفوں میں اعلان کر دو کہ سرٹی اور لنڈائی یعنی وادیٔ جنگلاتی پر قبضہ کر لیں اور اپنی (دفاعی) طاقت کو مستحکم بنا لیں۔ اس ہدایت کی تعمیل میں تمھیں ایک لحظہ بھی دیر نہ کرنا چاہئے۔ اگر اس میں تاخیر یا سستی ہوئی تو مفسد کفار تمام پہاڑی خطے، حصوصًا چملا، بنیر، سوات وغیرہ کے صوبے لوٹ کر غارت کر دینگے اور اپنے علاقوں سے ان کا الحاق کر لینگے۔ تب ہمارا دین و مذہب اور دنیاوی املاک سب کچھ تحس نحس ہو جائیگا۔ اس لئے اسلام اور ایمان کے تقاضے اور دنیاوی مفاد کو مدنظر رکھکر تم کو اس موقع پر غفلت نہ برتنا چاہئے۔ یہ کفار انتہائی دھوکے باز اور غدار ہیں، جس طرح بھی ممکن ہوگا ان پہاڑوں پر آجائینگے اور ملک کے عوام میں اعلان کرینگے کہ "ہمیں تم سے کوئی پرخاش نہیں، ہماری لڑائی ہندوستانیوں سے ہے ہم تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچائینگے اتنا بھی نہیں کہ کسی کے سر کا ایک بال بھی بیکا ہو، ہندوستانیوں کو فنا کر کے فورًا واپس چلے جائینگے اور تمہارے ملک میں ہم کوئی مداخلت نہ کرینگے۔" وہ عوام کو مال و دولت کا لالچ بھی دینگے اس لئے تمھیں واجب ہے کہ ان کے فریب میں نہ آؤ ورنہ جیسے ہی وہ موقع پائینگے وہ تمھیں بالکل تباہ و برباد کر دینگے آزار پہنچائینگے طرح طرح کی رسوائیاں دینگے۔ تمھارے تمام مال و املاک پر قبضہ کر لینگے اور تمھارے دین کو بھی ضرر پہنچائینگے۔ اس وقت تمھیں یاس و حسرت کے سوا کچھ نہ ملیگا۔ ہم اس معاملے کو تمھارے ذہن نشیں کئے دیتے ہیں[1]

مہر عبداللہ	مہر سید عمران

---

[1] پیگٹ اینڈ میسن متذکرہ بالا

Marfat.com

(۵)

جے ایچ ریلی، این گھوش ڈی آئی جی اور سب انسپکٹر پولیس اسپشل ڈیپارٹمنٹ صوبہ جات زیریں کے عیارانہ اور من مانے طریق کار کی روداد

اگست ۱۸۶۷ء میں نوبوکسٹو گھوش سب انسپکٹر پولیس کے خلاف ایک نالش کی گئی کہ اس نے ایک شخص نلوک سنگھ پر کچھ تھالیوں کی چوری کا الزام لگا کر مستغیث کو دق کرنے اور نقصان پہنچانے کی غرض سے اور عداوت سے ناجائز طور پر فوجداری مقدمہ قائم کر دیا تھا۔ ای ڈرمونڈ مجسٹریٹ پٹنہ کی عدالت میں نالش کی سماعت ہوئی۔ اس نے ۱۹ اگست کو ملزم گھوش کو عدالت سشن کے سپرد کر دیا۔

ڈبلیو اینلی سشن جج کی عدالت میں اس کی سماعت[۱] ہوئی۔ جج کی اعانت کے لئے ایک جوری بھی مقرر ہوئی۔ ملزم پر مستغیث کو نقصان پہنچانے کی غرض سے اس کے خلاف ناجائز مقدمہ قائم کرنے کا الزام عائد کیا گیا۔

جیوری نے بھی اسے مجرم قرار دیا اور اسے ایک سال کی قید سخت اور ایک سو روپے جرمانہ کی سزا دی۔ جج نے بھی جیوری کی تجویز سے اتفاق کیا۔

اس مقدمے میں اینلی کا فیصلہ اس آزادانہ اور دلیرانہ طرز عدالت کی بہترین روایات میں سے ہے جن میں قانون کے آگے تمام انسان امیر و غریب کی مساوات یکساں قائم رکھنے کے لئے نہایت مستعدی اور باریک بینی سے کام لیا جاتا تھا۔ اس فیصلے کے کچھ ضروری اقتباسات ذیل میں اس لئے پیش کئے جاتے ہیں کہ یہ ریلی اور اس کے ماتحت پٹھوؤں کے عیارانہ اور من مانے طریق کار کی نشان دہی کرتے ہیں:۔

"اس مقدمے میں کوئی حکم، خواہ وہ حکومت ہی کا کیوں نہ ہو، کسی ایسے فعل کے لئے سند نہیں ہو سکتا جو ملک کے تحریری قانون کے خلاف ہو چہ جائیکہ وہ حکم کسی ادنیٰ حاکم کا ہو۔ اگر مسٹر ریلی نے ملزم کو بے داغ ٹھہرانے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے تو وہ اسے پورا کرے اس

---

[۱] محافظ خانہ عدالت ڈسٹرکٹ جج پٹنہ۔ بنڈل ۱/۲ (س ۱۸۶۷ء) مقدمات سشن ۱-۵۶

سے مجھے کوئی بحث نہیں۔ مجھے جس چیز سے بحث ہے وہ یہ ہے کہ قانون کو اپنے راستے پر چلنا ہے، اور یہ کہ اس عدالت میں ملزم کے خلاف جو الزام پیش کیا گیا ہے وہ اس عدالت کے احاطۂ اختیار میں ہے اور اس کی جانچ کو آخر حد تک پہنچانا ہے .... مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ مقدمہ کے زور یا کمزوری سے ملزم سزایاب ہو یا رہا ہو جائے۔ میرا فرض ہے کہ میں اس عذر کی جانچ کروں جس کی بنا پر اس عدالت کو کارروائی روک دینے کی درخواست کی گئی ہے۔ میں نہیں مانتا نہ کوئی ہوشمند انسان مان سکتا ہے کہ حکومت نے مسٹر ریلی اور ان کے ماتحتوں کو کبھی ہدایت کی ہوگی یا اختیار دیا ہوگا کہ وہ جس کو چاہیں لاکھا دو سادھو جیسے مخبر کی اطلاع پر بے لاگ شہادت سے یہ اطمینان کئے بغیر کہ بقرینۂ غالب الزام درست ہے گرفتار کر لیں.... ....اس کے بعد، نہ کہ قبل، ایسا اقدام کریں جس میں ان کے ہموطن رعایا کی جو قانون کے آگے ان کے برابر ہیں آزادی ہی نہیں بلکہ جان کا خطرہ بھی متصور ہو..........

اب میں اس کا جائزہ لیتا ہوں کہ اسپیشل پولیس قانون کے ان حقوں کی پابند نہیں جن کا تعلق تھانے کے پولیس افسروں سے ہے ..... مسٹر ریلی کہتے ہیں کہ ان کے محکمہ کو کیا اختیارات ملے ہیں وہ نہیں بتا سکتے، نہ وہ حکومت کے کسی ایسے حکم کا حوالہ دے سکتے ہیں جس سے یہ اختیارات ظاہر ہوں میں یہ نہیں مان سکتا کہ اگر وہ چاہتے تو مجھے اس سے آگاہ نہ کر سکتے تھے یا یہ کہ ان کا حافظہ اتنا کمزور ہے جیسا کہ اس مقدمے کی سماعت میں معلوم ہوتا ہے۔ ایسے محکمہ کے صدر ہونے کے پیش نظر میں اسے باور نہیں کر سکتا.....[1]

---

[1] یہ روداد سماعت سشن سے متعلق ہے جس میں گھوش سزایاب ہوا، لیکن بعد میں غالباً وہ رہا کر دیا گیا ورنہ ۱۸۶۸ء اور بعد میں وہ ملازمت میں نہ ہوتا۔ مگر ان کاغذات میں اس کی رہائی کا کوئی ذکر نہیں۔

Marfat.com

اس مقدمے کا کوئی تعلق وہابیوں سے نہ تھا۔ مگر یہ ۱۸۶۸ء میں ٹھیک وہابیوں کی تفتیشوں کے آغاز میں وقوع میں آیا۔ اس ڈراما میں دو ایکٹر تو وہی ہیں جو وہابیوں کی تحقیقات میں تھے۔ اس مقدمے میں ان کے حسب من مانے اور انتقامی طریق کار پر جج نے اس سختی سے تازیانے لگائے ہیں وہ ان کی بعد کی کارروائیوں کا بھی ٹھیک نمونہ ہیں۔ یہ مقدمہ ریلی کے جابرانہ مزاج کا کچھ پتہ دیتا ہے، جس کا خیال تھا کہ اس کا اسپیشل محکمہ ملک کے عام قوانین سے بلند ہے اور اس کو کامل اختیار حاصل ہے کہ جس کسی کو چاہے گرفتار کرلے اور اس پر مقدمہ چلادے۔

یہ مقدمے پٹنہ کے ڈویژنل کمشنر کے غصے اور غیر معمولی برافروختگی کی وضاحت بھی کرتا ہے کہ ریلی نے ایسے بدنام آدمی کو پٹنہ میں (جہاں وہ سزایاب ہوا) وہابیوں کے خلاف تفتیشوں کے لئے متعین و ندیر مسلط کیا تھا۔

Marfat.com

(۶)

سید احمدؒ کے بعض مکتوبات شائع کردہ محمد جعفر و مندرجہ نسخۂ مخطوطہ کی مختلف تعبیرات

(ترجمہ بہ انگریزی)

سوانح احمدی

(۱) رنجیت سنگھ کی طرح ہمیں طاقت اور وسائل میسر نہیں، مگر تم سے کس نے کہا کہ امام اس قلیل طاقت سے لاہور پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟ اس کے برعکس وہ دن رات مسلمانوں کے وسائل میں اضافہ کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ (صفحہ ۲۸۹-۹۰)

(۲) میرا اصل مقصد پنجاب کے سکھوں کے خلاف جہاد قائم کرنا ہے اور افغانستان اور باغستان کے ملکوں میں بیٹھے رہنا نہیں۔ صفحہ ۲۴۸

(۳) دراز مو کفار (سکھ) جو پنجاب پر مسلط ہیں وہ بڑے کار آزمودہ، چالاک اور دغاباز ہیں صفحہ ۲۶۱

(۴) بدنہاد سنگھ اور بدبخت مشرکین نے دریائے سندھ کے سواحل سے دارالحکومت دہلی تک ہندوستان کے مغربی حصوں پر تسلط جما رکھا ہے (صفحہ ۲۵)

نسخۂ مخطوطہ پٹنہ یونیورسٹی

(۱) رنجیت سنگھ اور کمپنی جیسی طاقت اور وسائل ہمیں میسر نہیں مگر تم سے کس نے کہا کہ امام اس قلیل طاقت سے لاہور اور کلکتہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے (بعد کی عبارت وہی ہے۔ صفحہ ۹۹)

(۲) میرا اصل مقصد جہاد قائم کرنا اور جنگ کو ہندوستان میں جاری رکھنا ہے اور سرزمین خراسان میں بیٹھے رہنا نہیں صفحہ ۸

(۳) عیسائی کفار جنھوں نے ہندوستان پر قبضہ کر رکھا ہے بڑے عیار اور دغاباز ہیں (صفحہ ۳۹)

(۴) بدنہاد عیسائیوں اور بدبخت مشرکین نے ہندوستان کے بہت سے حصوں پر دریائے سندھ کے ساحل سے سمندر کے سواحل تک جو چھ مہینوں کی مسافت ہے، تسلط جما رکھا ہے (صفحہ ۳۹)

واضح رہے کہ نمبر ۱ میں دو معنی خیز الفاظ "کمپنی" اور "کلکتہ" "رنجیت سنگھ" اور "لاہور" کے بعد حذف کر دئے گئے ہیں۔ نمبر ۲ میں "ہندوستان میں جہاد" کے عوض "سکھوں کے خلاف جہاد" درج کیا گیا ہے نمبر ۳ میں "عیسائی کفار" کی جگہ "دراز مو کفار" (سکھ) درج کیا گیا۔ نمبر ۴ میں "سمندر کے سواحل" کے عوض "دہلی" درج کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کا توضیحی فقرہ "چھ مہینے کی مسافت" بالکل حذف کر دیا گیا ہے ورنہ عبارت میں تضاد واقع ہو جاتا۔

Marfat.com

(۷)

وہابی اور خلاف وہابی نگارشات پر تبصرہ

وہابی نگارشات :-

وہابی تحریک نے اردو نثر نگاری کی رفتار کو بالخصوص بہار میں[۱] بہت ترقی بخشی کیونکہ بہار ایک مدت دراز تک برطانوی ہند میں اس کا صدر مقام رہا۔ تحریک اصلاً تبلیغی تھی اور ایسی تمام تحریکوں کی طرح اس نے عوام کے زیادہ وسیع حلقوں تک پہنچنے کے لئے زیادہ تر مقامی زبانوں سے کام لیا جن کو عوام زیادہ سمجھ سکیں۔ وہابی سربراہوں نے مختلف کثیر التعداد اور کتابچے تحریر کئے۔ ان میں سے زیادہ تر مذہبی اور سماجی موضوعات پر ہیں جن میں مختلف مذہبی نظریات کی تشریح آسان زبان میں کی گئی ہے تاکہ عوام الناس ان کو بلا امداد غیرے سمجھ سکیں۔ انھوں نے اکثر مذہبی اور سماجی رسوم پر بھی لکھا ہے جن میں کچھ رسوم کی نمائشی پیروی کے عوض ان کے حقیقی مفہوم اور روح معنے کو سمجھنے پر زور دیا گیا ہے۔

وہابی مصنفین اپنی تحریروں میں باغیانہ مضمون سے بہت احتیاط برتتے تھے۔ ایسے مضامین وہ دورہ کرنے والے واعظین کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔ اس پر بھی بعض جوشیلے سرکاری افسر خالص مذہبی رسالوں میں بھی غلط معنی پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ تاہم بعض وہابی تصانیف جیسے جہاد نامہ اور حارق الاشرار میں دین اور آزادی کے لئے جہاد کی فضیلت کی تعلیم دی گئی ہے۔

اکثر وہابی رسائل اب ناپید ہیں۔ وہابی خود حکومت کے مخالف سمجھے جاتے تھے اس لئے ان کی تحریریں بھی مشکوک تصور کی جاتی تھیں۔ لوگ اس بات سے خوف زدہ رہتے تھے کہ یہ خطرناک تصنیفات ان کے پاس پائی جائیں اس لئے ان کو علیحدہ کر دینے کی کوشش میں رہتے تھے چنانچہ رفتہ رفتہ یہ ضائع ہو گئیں۔

اپنی اس کتاب کی تالیف کے دوران میں پٹنہ کے ڈویژنل کمشنر کے دفتر میں مجھے

---

[۱] پروفیسر اختر احمد اریوی نے اپنی کتاب "بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا" میں اردو نثر کی ترقی میں وہابیوں کی خدمات کا مفصل جائزہ لیا ہے۔ مطبوعہ پٹنہ ۱۹۵۷ء

Marfat.com

کچھ وہابی رسالے اور چند گمنام رسائل ملے جن پر یہ شبہ تھا کہ پھلواری شریف کے سجادہ نشین کے تحریر کردہ ہیں۔ ان سے متعلق کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے ان کو قابل اعتراض قرار دیا اور غالباً ممنوع بھی۔ کچھ اور رسائل مطبوعہ و مخطوطہ، دونوں، پٹنہ اور دوسرے مقامات کے لوگوں کے نجی کاغذات سے دستیاب ہوئے۔ ان میں سے اکثر خاندان صادقپور کے اصحاب کے لکھے ہوئے ہیں اور کچھ بے نام ہیں۔

کچھ وہابی کچھ مخالف وہابی رسالوں کی مختصر توضیحی فہرست ذیل میں دی جاتی ہے[۵۱]۔

۵۱۔ نیز ملاحظہ ہو آور انڈین مسلمان صفحہ ۶۶-۶۷ بعض وہابی رسائل کی فہرست کے لئے۔

Marfat.com

اکابر صادقپور کی تحریرات کا سب سے مشہور مجموعہ جو عام طور پر دستیاب[1] ہے وہ رسالہ تسعہ مطبوعہ مکتبہ فاروقی دہلی ہے۔ صفحات ۵۶

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ نو رسالوں کا ایک مجموعہ ہے جو ولایت علی، عنایت علی اور فیاض علی نے مختلف موضوعات پر لکھے تھے۔ ان میں سے کچھ اردو میں اور کچھ فارسی میں ہیں (جن کا اردو ترجمہ بھی شامل کر دیا گیا ہے) ایک عربی میں ہے۔ اس مجموعہ میں حسب ذیل رسالے ہیں :-

ا۔ رسالہ ردّ شرک فارسی صفحات ۱-۲۹۔ یہ ولایت علی کی تالیف ہے مع ترجمہ از الٰہی بخش (بڑاکری) دونوں کے متن پہلو بہ پہلو ایک ہی ایک صفحے میں ہیں اور ان کے درمیان میں ایک خط کھنچا ہوا ہے۔ زبان آسان اور بامحاورہ ہے۔ یہ شاہ اسمٰعیل کے مشہور رسالہ تقویۃ الایمان کا خلاصہ ہے جو ہدایۃ التوحید کے نام سے ۱۳۱۴ھ میں مطبع دارالسلطنۃ کلکتہ سے علیحدہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ صفحات ۴۷

ب رسالہ عمل بالحدیث فارسی۔ صفحات ۳۰-۴۵۔ مولفہ ولایت علی مع ترجمہ اردو از الٰہی بخش (بڑاکری) آسان اور شستہ اردو میں۔ دونوں کے متن اسی طرح ایک ہی صفحے پر درج ہیں۔ یہ فقہ اسلامی کے مختلف مسائل پر ہیں۔

ج۔ اربعین فی المہدیین۔ عربی مع ترجمہ اردو۔ صفحات ۳۰-۴۵۔ مولفہ ولایت علی۔ یہ مہدی یا مسیح کے ظہور سے متعلق ۴۰ احادیث کا مجموعہ ہے۔ یہ رسالہ سید احمد کے ظہور ثانی کے عقیدے کا اظہار ہے جو کچھ عرصے تک وہابیوں کے ایک گروہ میں پھیلا ہوا تھا۔

د۔ رسالہ دعوت اردو صفحات ۶۴-۸۰، مصنفہ ولایت علی۔ یہ ہندوستانی مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو سید احمد کی تعلیمات قبول کرنے اور بیعت کرنے کی دعوت دیتا ہے اور ظہور ثانی کے عقیدے کا بھی کچھ بیان ہے۔

ھ۔ رسالہ تیسیر الصلوٰۃ، ۸۷-۷۹، ۹۴ مصنفہ ولایت علی۔ اس میں مختلف قسم کی

---

[1] اب دستیاب نہیں ہے۔ مترجم۔

نمازوں کا ذکر ہے۔

اس رسالے کا ایک غیر مورخہ مخطوط نسخہ مجھے فی الحال سورج گڑھ کے ایک صاحب کے نجی ذخیرے سے دستیاب ہوا ہے۔ سورج گڑھ ضلع مونگیر بہار میں وہابیوں کا ایک اہم مرکز رہا ہے۔

و۔ رسالہ شجرہ باثمرہ[2]۔ اردو۔ صفحات ۸۸ - ۹۴۔ مصنفہ ولایت علی، بعض مروجہ صوفی طریقوں اور پیروں کی تعظیم میں غلو کے رد میں لکھا گیا ہے

ز۔ رسالہ بت شکن اردو۔ صفحات ۹۴ - ۱۰۶ مصنفہ عنایت علی۔ یہ طنزیہ طرز پر لکھا گیا ہے اور ان لوگوں کی تضحیک کی گئی ہے جو تعزیے نکالتے اور ان کی پرستش کرتے ہیں۔ اسی موضوع پر کچھ اردو اشعار بھی ہیں۔

ح۔ رسالہ منبع الفیوض۔ فارسی۔ صفحات۔ ۱۰۶ - ۱۳۸ یہ مکالمہ ہے جس میں مختلف مذہبی مسائل پر فیاض علی سے سوالات اور ان کے جوابات ہیں پہلے یہ فیض الفیوض کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ بعد میں فارسی متن مع ترجمہ اردو از الٰہی بخش (بڑاکرمی) منبع الفیوض کے عنوان سے شائع ہوا اور اس مجموعہ میں شامل کر لیا گیا۔

ط۔ تبیان الشرک، اردو صفحات ۱۴۲ - ۱۵۶ مؤلفہ ولایت علی۔ یہ دراصل رسالہ[1] کی نظر ثانی اور کچھ اضافہ ہے۔

مولوی عبدالغفار صادقپوری کے ذخیرہ کتب میں مختلف مسائل جیسے ادائے عبادات، نکاح بیوگان، جہاد وغیرہ پر کچھ رسالے ہیں۔ افسوس ہے کہ ان میں سے بعض نا تمام ہیں اور ان کے لکھنے والوں کے نام اور مقام و تاریخ اشاعت کی دریافت ممکن نہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) رسالہ نماز، اردو صفحات ۱ - ۱۴ و تفسیر سورہ فاتحہ، اردو صفحات ۱۸ - ۲۸ دونوں

---

[1] [اب دستیاب نہیں۔] مترجم۔ [2] شاید یہ شجرہ بے ثمر ہے] مترجم

ایک ساتھ مجلد ہیں اور محرم ۱۲۶۸ھ میں مصری گنج پریس کلکتہ سے شائع ہوئے۔

(۲) رسالہ نماز بامعنی[۵] اردو۔ صفحات ۱۔۴ نماز ادا کرنے کے طریقے سے متعلق ہے۔

رسالہ جہادیہ۔ اردو نظم صفحات ۵۔۷ اوکنیلی نے اس نظم کا پورا ترجمہ انگریزی میں کر کے اپنے متذکرہ صدر مقالہ کے ساتھ کلکتہ ریویو جلد ۵۱ (۱۸۷۰ء) میں شائع کیا۔

رسالہ نکاح بیوگان۔ ناتمام، ایک صفحہ

(۳) حازق الاشرار مطبوعہ مطبع محمدی دہلی ۱۲۸۳ھ صفحات ۳۲۔ اس میں ۱۵۶ بندوں کے خمسے ہیں، آڑی سطروں میں لکھے ہوئے ہیں اور ہر خمسہ کے نیچے ایک سیدھی لکیر ہے، ہر صفحے پر چھ خمسے ہیں۔ ان کے موضوع مختلف ہیں۔ توصیف جہاد، شاہ اسمٰعیل کی شجاعانہ جنگ، دھوکے باز پیروں اور باطل مرشدوں کی مذمت وغیرہ۔ غالباً حکومت نے اس کتاب کی اشاعت کو ممنوع قرار دیا تھا۔ اس کا ایک نسخہ پٹنہ کے ڈویژنل کمشنر کے دفتر میں ممنوعہ وہابی رسالوں میں پایا گیا۔

(۴) ظہور الحق عظیم آبادی کا ایک بے نام مخطوطہ رسالہ بھی ہے۔ یہ کوئی حرفہ یا پیشہ سیکھ کر اپنی روزی آپ کمانے کی فضیلت پر زور دیتا ہے۔ یہ احادیث کی رو سے مسلمانوں میں پھیلے ہوئے اس خیال کی تردید کرتا ہے کہ بعض پیشے جیسے پارچہ بافی، حنا ملی وغیرہ گھٹیا اور غیر شریفانہ ہیں۔ مصنف اس غلط خیال کی تردید کرتا اور دعویٰ کرتا ہے کہ خدا کی نگاہ میں سارے پیشے یکساں شریف ہیں۔

واضح رہے کہ اس تحریک کی تاریخ میں بار بار یہ ذکر آتا ہے کہ وہابی تحریک کے متبعین کی بھاری اکثریت پیشہ وروں یا کاشتکاروں کے طبقے سے تھی۔ یہ رسالہ ان طبقوں کی حمایت میں نہایت دلچسپ تحریر ہے اور اپنی قسم کی ایک ہی ہے۔

---

[۵] مہر جلد ۲ صفحہ ۴۷۵ میں ایک ہی نام کے دو رسالوں کا ذکر کرتے ہیں جو سید احمد کی تصنیف تھیں، مگر وہ ان کی کوئی تشریح نہیں کرتے نہ کوئی اقتباس دیتے ہیں اس لئے ان رسالوں کو عین وہی قرار دینا ممکن نہیں۔

Marfat.com

وہابی اور خانقاہ پھلواری شریف

یہ نکتہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ قدیم اور مشہور و معروف مرکز صوفیہ پھلواری شریف، بھی ۱۸۷۵ سنہ ۱۸۶۴ء کے دوران وہابیوں سے ہمدردی کے شبہہ میں مبتلا رہا۔ ترکوں کی اعانت کے لئے سجادہ نشین کے بعض اعلانات اور خالص مذہبی امور سے متعلق ان کی بعض مطبوعہ تصانیف بھی معرض اشتباہ میں آئیں یہاں تک کہ وہابیوں کے ساتھ علمائے پھلواری کی ساز باز پر حکومت کے استعمال کے لئے ایک بسیط یاد داشت تیار کی گئی۔ اس میں بتایا گیا کہ "پھلواری والوں کی روش وہابیوں کی روش سے بہت مشابہت رکھتی ہے اور یہ کہ پھلواری نے بھی بالکل صادقپور کے قدم بقدم چلنا شروع کر دیا ہے" اس نے یہ سفارش بھی کی کہ پھلواری کو بھی ایک سب ڈویزن بنا دیا جائے۔ اور ایک تجربہ کار ڈپٹی مجسٹریٹ بابو ایشری پرشاد جیسا (وہابیوں کا شکار کرنے والا) وہاں متعین کیا جائے۔

علمائے پھلواری کی بعض تصانیف جنھوں نے حکومت کو برانگیختہ کیا یہ تھیں:۔

تحفۂ محبت۔ فارسی۔ پہلے کسی "سنی حنفی مسلم" کی لکھی ہوئی ایک کتاب مسمّےٰ تحفۂ محبت میں وہابیوں کے خلاف کچھ مذہبی الزامات عائد کئے گئے تھے۔ یہ کتاب اُسی کے رد میں لکھی گئی۔ اس کتاب کی اشاعت میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ ۱۸۶۷ء کی دفعہ ۲۵ کی خلاف ورزی تھی۔ اس پر نہ مصنف کا نام درج تھا نہ شائع کنندہ کا۔ لیکن حکومت نے پھلواری شریف کے ایک بڑے عالم پر اس کے مصنف ہونے کا شبہہ کیا۔ اور ایک اعلان شائع کیا کہ جو کوئی کتاب کے مصنف اور شائع کنندہ کی اطلاع دیگا اُسے اشخاص متعلقہ کے جرمانہ کی (ایک ہزار روپے کی) رقم کا نصف عطا کیا جائیگا۔

معیار المذہب فارسی مصنفہ مولانا سید علی اعظم قادری پھلواروی پہلی بار ۱۲۵۵ھ میں اور دوسری بار

۱۲۹۱ھ میں مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوئی۔

اسوۂ حسنہ۔ فارسی۔ مصنفہ شاہ محمد علی حبیب پھلواروی۔ ۱۲۹۲ھ میں مطبع محمدی سے شائع ہوئی۔

یہ ساری تصنیفیں خاص طور سے مذہب اور فقہ کے مسائل پر ہیں۔ لیکن یہ بات قابل اعتراض ٹھہرائی گئی کہ آخری دونوں کتابوں کے مصنفوں نے وہابیوں کے سرغنہ کو "آفتاب روحانیت"، "عماد متقین" اور ماہتاب آنہیں کی صفات سے یاد کیا تھا۔

وہابیوں کے خلاف نگارشات:-

انبالہ اور پٹنہ کے مقدمات کی سماعت کے دوران میں جن لوگوں پر وہابیت کا شبہہ ہونا ان کی دھر پکڑ اور جستجو شروع ہو گئی۔ مشتبہ وہابیوں کی نشان دہی ایک زرخیز مشغلہ بن گیا۔ بعض لوگوں نے یہ شیوہ اختیار کر لیا کہ بظاہر وہابی تعلیمات پر سنجیدہ تنقید کے ساتھ کتابیں شائع کرتے مگر درحقیقت گندہ مذاق کے ساتھ وہابیوں پر دشنام طرازیاں ہوتیں۔

اس قسم کی تحریرات کا ایک خاص نمونہ امداد علی جج عدالت خفیفہ ترہٹ وسکریٹری بہار سائنٹیفک سوسائٹی کی کتاب "وہابیوں کی تاریخ کا خلاصہ"[۱] ہے اس میں مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوششیں کی ہیں کہ "وہابی اسلام سے خارج ہیں" "اسلام سے ان کا کوئی واسطہ نہیں" اور "بے ایمان، شریر، دھوکے باز اور باغی" لوگ ہیں اس طبقہ کے مصنفین کی شامت یہ تھی کہ ان کی درپردہ نیت اتنی صاف اور نمایاں ہوتی کہ خود سرکاری حکام جن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے یہ لکھی جاتیں ایسے لوگوں اور ان کی تحریروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے۔ پٹنہ کے کمشنر نے امداد علی کی وہابیوں کے خلاف مجسٹریٹ کو یاد داشت لکھتے ہوئے رائے زنی کی "میرا اپنا خیال یہ ہے کہ امداد علی پھر فریب دے رہا ہے اور وہابیوں اور وہابیت کا پردہ کشا بنکر اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی کوشش کر رہا ہے[۲]۔

---

۲ مجسٹریٹ مظفر پور کے ایک خط مورخہ ۲۸ فروری ۱۸۷۱ء پر کمشنر پٹنہ کا نوٹ

۱ یوسف علی مترجم ہائی کورٹ نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا تھا۔ اصل کتاب موجود نہیں مگر ترجمہ کا ہاتھ سے لکھا ہوا نسخہ موجود ہے۔

Marfat.com

بعض مقامی اخبارات ورسائل نے بھی وہابیوں پر گندگی اچھالی۔ ایسا ایک اردو اخبار سورج مل ڈپٹی انسپکٹر پٹنہ نارمل اسکول نے چشمۂ علم کے نام سے شائع کیا تھا۔ اس کے شمارہ مورخہ ۱۶ راپریل ۱۸۷۵ء میں ایک مضمون "وہابیوں کی نئی چالیں" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس کی ابتدا اس جملے سے ہوئی "آجکل وہابیوں نے چوہوں کی طرح بلوں سے سر نکالنا شروع کر دیا ہے......"

ایک اور وہابیوں کا شکاری ایک مقامی رئیس نجم الدین بید رقطب الدین اور (نواب) ولایت علی گذری پٹنہ سٹی کا عزیز دوست تھا۔ اس نے جواب دوازدہ گنا" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی تھی جو ۱۸۷۸ء میں محمڈن پریس پٹنہ سے شائع ہوئی۔ اس میں وہابیوں کے دعاوی کے رد میں بارہ جوابات درج ہیں۔

اس کا ایک نسخہ ما کونی کمشنر پٹنہ کی نذر کرتے ہوئے مصنف نے دعوی کیا کہ اس نے اسے "وہابیوں کی برائی کو روکنے کے لئے لکھا ہے" اور کمشنر کو یقین دلایا کہ میں وہابیوں کے سردار کے متعلق سب کچھ معلوم کرنے کی کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا.......... (نواب) سید ولایت علی اور میں ہمیشہ یہی کرتے رہینگے۔"

Marfat.com

(۸)

مکتوب سید احمدؒ بنام راجہ ہندو راو برادر نسبتی مہاراجہ دولت راو سندھیا گوالیار

از امیر المومنین سید احمد بمطالعہ عالی تبار، اعلی جاہ، منبع جود و کرم ملاذ اہل سیف و قلم، مالک خزائن و دفاتر، صاحب افواج و حشم، بانی مصالح و حکم ریاست و نظام حکومت۔ خدا اس کی طاقت و اقتدار قائم رکھے اور اپنی زندگی میں خوش وخرم رہے۔

جذبات اتحاد و وداد کے اظہار کے بعد واضح ہو کہ میں ایک غریب آدمی رب العالمین کے کچھ بندوں کے ساتھ پشاور کے اطراف میں دین اسلام کی خدمات کی بجا آوری اور سید المرسلین کی امت کے مقصد کی حمایت میں مصروف ہوں۔ اور اپنی مساعی کے ثواب کا منعم حقیقی کی بارگاہ سے متوقع و آرزومند ہوں۔

آپ کی نظر عالی میں ظاہر ہے کہ دور دراز ممالک سے اجنبی لوگ زمان و مکان کے فرمانروا ہو گئے ہیں، اور سوداگروں اور بنیوں نے حاکمیت و سلطنت کا مرتبہ حاصل کر لیا ہے۔ انھوں نے بڑے بڑے امراے ذی شان کی زمین اور عالی جاہ رئیسوں کی ریاستیں برباد کر دی ہیں اور ان کے وقار و اقتدار کو بالکل خاک میں ملا دیا ہے۔ چونکہ صاحبان مملکت و ریاست گوشۂ خمول میں جا بیٹھے ہیں اس لئے چند غریب اور عاجز لوگوں نے مجبور ہو کر کمر ہمت باندھ لی ہے۔ عاجزوں کی یہ جماعت رب العالمین کے دین کے مقصد کی انجام دہی کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی ہے، نہ کہ مال و دولت کے لالچ سے۔ جوں ہی ہندوستان کی سرزمین ان اجنبی دشمنوں سے پاک ہو جائے اور اس جماعت کی مساعی اس کے مقاصد کے حصول میں کامیاب ہو جائیں، ریاست اور نظام حکومت کے عہدے اور دفاتر ان کے طلبگاروں کے حوالہ کر دے جائینگے اور ان کی طاقت و اقتدار کی جڑیں مضبوط ہو جائینگی۔ یہ عاجز جماعت عالی مرتبہ مقتدر روسا و امراے صرف یہی چاہتی ہے کہ وہ دل و جان سے اسلام کے مقصد کی اعانت و حمایت کریں اور اپنے

Marfat.com

تخت حکومت پر قابض دیر قرار رہیں۔

اگرچہ بظاہر درویشوں کا یہ گروہ ساز و سامان سے قطعاً محروم ہے تاہم رب العالمین کی ربوبیت وحفاظت سے جو اُسے حاصل ہے راضی و مطمئن ہے۔ وہ جاہ و وقار کی خواہشوں اور آرزؤں سے متنفر اور مال و دولت کی غرض و طمع سے آزاد ہے وہ حال یا مستقبل میں ذاتی اور نفسانی خواہشوں کی تسکین کی ہوس نہیں رکھتا۔ وہ اُن تمام پرانے رؤسا و امرا کی جو اس کی اعانت وحمایت کرینگے حکومت کی جڑیں مضبوط کردیگا۔

چونکہ حامل مکتوب ہذا مقبول بارگاہ الہی حاجی بہادر شاہ اس عاجز کے رفقاے قدیم میں سے ہے اس لئے ان معروضات کی تفصیلات عرض کرنے کی خدمت اس کی زبان صادق البیان کے سپرد کردی گئی ہے۔ اب کچھ عرض کرنا باقی نہیں بجز اس تاکید مکرر کے کہ آپ ان معروضات کی تہہ تک پہنچیں اور صورت حال کی اہمیت کا احساس کریں۔

مزید گذارش یہ ہے کہ حاجی صاحب ایک مدت سے اللہ تعالی کے دین کی خدمت میں مصروف ہیں اس لئے اپنے گھر والوں کی ضروریات اور آسائش کی طرف توجہ نہیں کر سکے ہیں۔ انھوں نے مستقبل میں بھی اسلامی فوج میں شامل رہنے کا عزم مصمم کرلیا ہے اس لئے امید نہیں کہ وہ آیندہ بھی اپنے خاندان کی دستگیری کے لئے لوٹ سکینگے۔ اس لئے خدمت عالی میں گذارش کی جاتی ہے کہ ان کے بھائی اور بیٹے کو آپ کی ریاست میں کوئی خدمت سپرد کی جائے تاکہ حاجی صاحب خدا کے کام میں دل جمعی سے مصروف رہ سکیں۔

تمام شد

Marfat.com

مآخذ

مخطوطات :-

۱۔ امیر نامہ (سوانح نواب امیر خاں والی ٹونک) مولفہ بساون لال ۔ ۳ جلدیں ۔ نسخہ کتب خانہ کلکتہ یونیورسٹی

۲۔ مخزن احمدی مولفہ محمد علی او پی آئی ۔ منقولہ سنہ ۱۲۶۲ ھجری

۳۔ مثنوی شہر آشوب از حکیم عبدالحمید ۔ میرا ذاتی نسخہ

۴۔ صراط مستقیم نسخہ صادقپور مورخہ سنہ ۱۲۴۳ھ

۵۔ تاریخ ہزارہ مولفہ مہتاب سنگھ مورخہ سنہ ۱۸۵۴ میرا ذاتی نسخہ

۶۔ مکتوبات سید احمد کا بے نام مجموعہ ۔ نسخہ کتب خانہ پٹنہ یونیورسٹی ۔ مورخہ سنہ ۱۲۶۲ھ

۷۔ وقائع احمدی ۔ ۲ جلد ۔ نسخہ کتب خانہ رامپور

۸۔ نیشنل ارکیوز (قومی محافظ خانہ) خارجی سیاسی اور خارجی خفیہ محکمہ جات کے مجموعوں سے حسب ضرورت جلدیں ۔ سنہ ۱۸۳۱ سے آگے ۔

۹۔ سنٹرل ریکارڈز آفس کلکتہ ۔ محکمہ عدالت کا مجموعہ دستاویزات سنہ ۱۸۳۱-۵۹

۱۰۔ سنٹرل ریکارڈز آفس پٹنہ ۔ محکمہ عدالت کا مجموعہ دستاویزات (مطبوعہ) سنہ ۱۸۵۹ سے آگے

۱۱۔ دفتر ڈویژنل کمشنر پٹنہ :-

(۱) مجموعہ منجانب و بنام مجسٹریاں سنہ ۱۸۲۱ سے آگے ۔

(۲) "غدر" اور اہم عدالتی کاغذات (بنڈلوں میں) سنہ ۱۸۴۵ سے آگے ۔

(۳) کچھ غیر منسلک کاغذات ایک الماری میں علیحدہ رکھے ہوئے ۔ یہ سب کاغذات ایک دفتی میں "وہابی خفیہ کاغذات" کے عنوان سے رکھے ہوئے ہیں ۔

مجموعے (۱) اور (۲) اب پٹنہ سنٹرل ریکارڈز آفس میں منتقل کر دئے گئے ہیں ۔

Marfat.com

مطبوعات فارسی و اردو

یہ علیحدہ اور اہم مگر فراموش کردہ ماخذ ہیں۔ ان میں سے اکثر کتابیں اور رسالے اشاعت کے فوراً بعد سے ممنوع الاشاعت قرار دیئے گئے تھے۔ اور مختلف سرکاری دفاتر سے ان کی بازیابی کی گئی ہے۔ ان میں کچھ صوبہ کے مختلف مقامات خصوصاً سورج گڈھ (ضلع مونگیر سے جو تحریک کا ایک اہم مرکز رہا ہے) نجی ذخیروں میں پائے گئے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تتمہ

۱۔ اختر احمد اُرنیوی۔ بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا۔ پٹنہ ۱۹۵۷ء

۲۔ اے احمد۔ ہندوستانی ماحول میں اسلامی ثقافت آکسفرڈ ۱۹۶۴ء

۳۔ مرزا حیرت۔ حیات طیبہ۔ طبع ثالث۔ لاہور ۱۹۵۸ء

۴۔ عبدالحق۔ در مقال

۵۔ فضل حسین۔ حیات بعد الممات۔ آگرہ ۱۹۰۸ء

۶۔ جعفر تھانیسری۔ سوانح احمدی دہلی ۱۳۰۹ھ۔ و تواریخ عجیب (کالا پانی) طبع ثانی انبالہ ۱۳۰۲ھ

۷۔ ایس آر۔ کوہلی (پبلشر) ظفر نامہ رنجیت سنگھ مولفہ دیوان امرناتھ۔

۸۔ غلام رسول مہر۔ سید احمد شہید وغیرہ ۴ جلدیں۔ لاہور ۱۹۵۲-۵۶ء

۹۔ اے۔ ایچ۔ اے ندوی سیرت سید احمد شہید طبع ثالث۔ لکھنؤ ۱۹۴۵ء

۱۰۔ ایم اے ندوی۔ ہندوستان کی پہلی اسلامی تاریخ۔ طبع ثانی۔ راولپنڈی ۱۹۵۸ء

۱۱۔ ایم عبیداللہ (مرحوم)۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک

۱۲۔ عبدالرحیم۔ تذکرہ صادقہ۔ طبع ثانی۔ الٰہ آباد (حکیم عبدالخبیر نے ۱۸۶۴ء میں مع تتمہ طبع جدید شائع کیا)

۱۳۔ ایضاً۔ رسالہ تسعہ (مجموعہ مقالات)۔ فاروقی پریس۔ دہلی

Marfat.com

نفیس ترین لٹریچر

نایاب ونادر کتابوں کا بیش بہا خزانہ

وہ کتابیں جن کے بغیر کوئی لائبریری مکمل نہیں کہلا سکتی

پروپرائیٹر:—— چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری

مہتمم :—— چوہدری خالد اقبال گاہندری

نفیس اکیڈمی

اسٹریچن روڈ، بالمقابل ایس ایم آرٹس کالج کراچی نمبرا
فون:۔ ۵۱۳۳۰۳

Marfat.com

تاریخ الامم مصنفہ علامہ ابن جریر الطبری

تاریخ طبری

مکمل سیٹ ۲۲۷/۰

مکمل گیارہ حصوں میں

تاریخ طبری حصہ اول سیرت النبی صلعم

ولادت رسول ؐ سے وفات رسول ؐ ۱۱ ھ تک

ترجمہ: سید محمد ابراہیم ایم اے ندوی

زیر نظر حصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کی تمام تفصیلات معتبر اور اصل راویوں تک مکمل سلسلہ اسناد کے ذریعہ بیان کی گئی ہیں یہی وہ نایاب تاریخ ہے جو زمانہ قدیم سے لیکر عصر حاضر تک سیرت مبارکہ کی مستند اور معتبر ماخذ رہی ہے اور تاریخ اسلام کے تمام مورخین نے اسی سے خوشہ چینی کی ہے۔ قیمت ۲۲/۰ روپے

تاریخ طبری۔ حصہ دوم

خلافت راشدہ حصہ اول ۱۰ ھ تا ۱۶ ھ

ترجمہ: سید محمد ابراہیم ایم اے (ندوی) سید رشید احمد ارشد ایم اے

اس میں عہد صدیقی کا مکمل دور خلافت اور عہد فاروقی کے ابتدائی دور (۱۶ ھ) کے مفصل حالات حضرت ابوبکرؓ کے عدل و انصاف اور نظام سلطنت کے حالات نہایت دلکش انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ قیمت ۲۰/۰ روپے

تاریخ طبری۔ حصہ سوم

خلافت راشدہ حصہ دوم

خلافت حضرت عمر فاروق اعظمؓ و حضرت عثمان غنیؓ ۱۶ ھ تا ۳۵ ھ

ترجمہ: مولانا رشید احمد ارشد ایم اے

اس میں سلطنت کسریٰ کے خاتمہ کا حال ہے اور مصر و شام، ایران و خراسان، ترکستان اور کابل کی وسیع فتوحات کے مجاہدانہ کارناموں کا تذکرہ ہے اور اس میں حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی بے نظیر تدبر و سیاست، بحری جنگوں، انتظام سلطنت اور ان کی ایثار و قربانی کے سبق آموز حالات مذکور ہیں نیز حضرت عثمانؓ کے دور خلافت کے نہایت اہم حالات بیان کئے گئے ہیں

صفحات ۵۱۲۔ قیمت ۲۲/۰ روپے

تاریخ طبری۔ حصہ سوم کا حصہ سوم

خلافت راشدہ (حصہ سوم)

حضرت علیؓ تا حضرت امام حسنؓ ۳۵ ھ تا ۴۰ ھ

ترجمہ: مولانا حبیب الرحمٰن کاندھلوی۔

جس میں حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کے دور کے تمام واقعات مذکور ہیں۔ نیز جنگ جمل و صفین اور خارجیوں کی جنگوں کے تمام حالات بیان کئے گئے ہیں اور حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے باہمی اختلاف کے اسباب و علل بیان کئے گئے ہیں اور کیا گیا ہے۔ صفحات ۵۱۲۔ قیمت ۲۲/۰ روپے

تاریخ طبری۔ حصہ چہارم

امیر معاویہؓ سے شہادت حسینؓ تک ۴۱ ھ تا ۶۶ ھ

ترجمہ: علامہ سید حیدر علی طباطبائی

حضرت امیر معاویہؓ کے بیس سالہ دور حکمرانی کے حالات جب مسلمان فاتحین کابل اور افغانستان کو فتح کر کے درہ خیبر کے قریب پہنچ گئے تھے۔ افریقہ

Marfat.com

میں قیروان فتح ہوا اور تونس و سوڈان میں فتح و کامرانی کا پرچم لہرایا یہ کشور کشائی و تمدن آفرینی کی حیرت انگیز تاریخ ہے۔ امیر معاویہؓ کی وفات کے سات ماہ بعد کربلا کا خونی حادثہ پیش آیا۔ اور تاریخ اسلام کے صفحات پر خون شہادت کی مقدس مہر ثبت ہوئی۔ حضرت امام حسینؓ اور حکومت یزید کے تفصیلی حالات۔ صفحات ۵۴۴، قیمت ۲۲/- روپے

تاریخ طبری ۔ حصہ پنجم

اُموی دور حکومت ــــــ ۶۷ھ تا ۹۶ھ

ترجمہ: سیّد محمد ابراہیم ایم اے (ندوی)

جس میں عبد الملک بن مروان، ولید بن عبد الملک اور سلیمان بن عبد الملک کے زرین عہد حکومت کی تفصیل ہے، اسی عہد میں موسیٰ بن نصیر، قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد کی فتوحات ہوئیں خوارج کی بغاوت، حجاج بن یوسف کی خون آشامیاں اور عبد اللہ بن زبیرؓ کی خلافت بھی اسی دور میں ظہور پذیر ہوئی۔

صفحات ۵۴۴۔ قیمت ۲۲/- روپے

تاریخ طبری ۔ حصہ ششم

عمر بن عبد العزیز سے مروان ثانی تک

۹۶ تا ۱۳۲ھ

ترجمہ: سیّد محمد ابراہیم ایم اے (ندوی)

تاریخ طبری کی یہ چھٹی جلد عظیم الشان عہد بنو اُمیہ کے آخری ۳۴ سال کے عبرت انگیز حالات پر مشتمل ہے۔ یہ دور وسعت پذیری اور کمال عروج کے بعد زوال کا دور ہے حضرت عمر بن عبد العزیز جنہیں بجا طور پر ثانی ابن الخطاب کہا جاتا ہے ان کے دور سے شروع ہو کر مروان ابن محمد سلسلہ مروانیہ کے آخری فرمانروا کے حالات پر مشتمل ہے اور اُموی خلفاء کی لغزشوں کے ردِ عمل کا ظہور، ابو مسلم خراسانی کی فتنہ سامانیاں بنو اُمیہ اور بنو عباس کے نسلی تعصبات اور اموی دور حکومت کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ قیمت ۲۰/- روپے

تاریخ طبری ۔ حصہ ہفتم

عباسی دور حکومت

خلیفہ ابو العباس تا خلیفہ مہدی

۱۳۲ھ تا ۱۷۰ھ

ترجمہ: سیّد محمد ابراہیم ایم اے (ندوی)

قیمت ۲۲/- روپے

تاریخ طبری ۔ حصہ ہشتم

ہارون الرشید اور اس کے جانشین

ہارون الرشید تا واثق باللہ

۱۷۱ھ تا ۲۳۱ھ

ترجمہ: سیّد محمد ابراہیم ایم اے (ندوی)

قیمت: ۲۲/- روپے

تاریخ طبری ۔ حصہ نہم

خلافت بغداد کا دور انحطاط (حصہ اول)

صفحات ۴۰۰، قیمت ۱۵/- روپے

تاریخ طبری ۔ حصہ دہم

جعفر المتوکل تا المقتدر باللہ (حصہ دوم)

قیمت ۱۶/- روپے

مکمل سیٹ: ۲۲۳/- روپے

Marfat.com

کتاب العبر و دیوان المبتداء والخبر من احوال العرب والعجم والبربر ومن عاصر هم من ملوک السلطان یعنی علامہ ابن خلدون کی کتاب التواریخ کا اُردو ترجمہ

تاریخ ابنِ خلدون (مکمل گیارہ حصے)

اُردو ترجمہ : علامہ حکیم احمد حسین الہ آبادی — مکمل سیٹ ۹۲/۰ روپے

مقدمہ ابن خلدون ۔ حصہ اول

اُردو ترجمہ : مولانا راغب رحمانی ۔ قیمت ۱۸/۰ روپے

مقدمہ ابن خلدون ۔ حصہ دوم

اُردو ترجمہ : مولانا راغب رحمانی ، قیمت ۱۸/۰ روپے

تاریخ ابن خلدون قبل اسلام

تاریخ الانبیاء ، (حصہ اول)

اس میں حضرت نوح علیہ السلام سے جناب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بعد تقریباً چھٹی صدی عیسوی تک کے حالات اور انساب درج ہیں ۔ انبیاء ، بنی اسرائیل و عرب اور ملوک یمن و بابل و نینوے و موصل و فراعنہ مصر و عمالقہ وغیرہ وغیرہ کے انساب و حکومت اور ان کے سچے اور صحیح واقعات بیان کئے گئے ہیں ۔

بڑا سائز ۔ اعلیٰ سفید کاغذ ۔ صفحات : ۳۰۴ مجلد

قیمت : گیارہ روپے پچاس پیسے

تاریخ ابن خلدون ۔ قبل از اسلام

تاریخ الانبیاء (حصہ دوم)

اس میں دولت فارس و یونان و روم و لاطینی و ملوک قیاصرہ کیتم و قیاصرہ تمنرہ ، قسطنطنیہ و شام و قوم قوط ، ملوک اندلس کے حالات و انساب اور عرب کے طبقہ ثالثہ (یعنی عرب مستعربہ)

بنو حمیر ، بنو کہلان بنو قضاعہ ، ملوک حیرہ و کندہ و غسان اور اوس و خزرج ملوک ، یثرب اور قبائل بنو عدنان و مضر ، قیس ، الیاس قریش وغیرہ کے انساب اور احوال اور آنحضرت صلعم کا نسب نامہ نہایت تحقیق سے لکھا گیا ہے

بڑا سائز ۔ اعلیٰ سفید کاغذ ۔ صفحات : ۳۰۴

قیمت : گیارہ روپے پچاس پیسے

تاریخ ابن خلدون حصہ اوّل

رسولؐ اور خلفائے رسولؐ

قبل ولادت باسعادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ۴۰ ھ تک کے حوادث و واقعات حیات طیبہ کے مبارک حالات ، خلفائے راشدین کی تابناک زندگیاں مسلمانوں کے حوصلہ مندانہ کارنامے اور اس عہد زرین کے تمام واقعات پوری تفصیل و توضیح کے ساتھ ۔

بڑا سائز ۔ اعلیٰ سفید کاغذ مجلد صفحات ۵۶۰ قیمت ۲۲/۰ روپے

تاریخ ابن خلدون ۔ حصہ دوم

خلافت معاویہؓ و آل مروان

۴۱ ھ میں حضرت حسنؓ کی صلح اور حضرت معاویہؓ کی خلافت عامہ سے لیکر ۱۳۲ ھ تک کے مکمل حالات اسلامی تاریخ کے

Marfat.com

سب سے درخشاں دور حکمرانی وکشور کشائی کا بود النعشہ ۴۱ھ میں زمام خلافت اپنے ہاتھوں میں لینے کے بعد سے رجب ۶۰ھ تک حضرت معاویہ حکمراں رہے۔ انہوں نے کس شان سے حکمرانی یہ کتاب میں دیکھیے۔ حضرت معاویہ رضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی معتمد علیہ سیکریٹری اور وحی الٰہی کے کاتبوں میں سے تھے۔ یہ حضرت امیرالمومنین بی بی حبیبہ کے حقیقی بھائی ہیں یہ میدان جنگ میں بہترین فوجی، میدان سیاست میں شہسوار دانش وتدبیر انتظام مملکت میں بے مثال منتظم اور سب سے بڑھ کر وہ ایک بہترین مسلمان ہیں اور آخری صحابی حکمراں ہیں

صفحات ۵۱۲۔ قیمت ۲۲/- روپے

تاریخ ابن خلدون۔ حصہ سوم

خلافت بنوعباس (حصہ اول)

خلافت عباسیہ کے بانی المنصور السفاح کی سفاکی اسلامی سلطنت کے نئے دار الخلافہ عروس البلاد بغداد کی تعمیر ابومسلم خراسانی کی سرکشی، نبوت کے دعویدار ابن مقنع کا خروج، مشرقی دنیا کے نامور خانوادے املہ کی تباہی ہارون کے بیٹوں امین اور مامون کی کشمکش سے لیکر المعتضد مکتفی باللہ تک مسلمانوں کے تمدن آفرین دور کے حالات وواقعات۔ بڑا سائز صفحات ۳۵۲ قیمت ۱۴/-

تاریخ ابن خلدون۔ حصہ چہارم

خلافت بنوعباس (حصہ دوم)

اس جلد میں علامہ ابن خلدون نے زوال بغداد کی ابتداء سے اس وقت تک کے واقعات اور حوادث کو اپنی خداداد قابلیت اور حقیقت شناسی سے بیان کیا ہے جبکہ زوال اپنی انتہا کو پہنچکر ہلاکو خاں کی صورت میں بغداد میں نمودار ہوا اور خواجہ نصیرالدین طوسی کی آتش انتقام بھڑک کر سوا پانچ سو سال کے پرانے تمدن وتہذیب کو خاک سیاہ کر گئی۔ بڑا سائز۔ اعلیٰ سفید کاغذ۔

صفحات ۴۲۴ مجلد۔ قیمت ۱۶/- روپے

تاریخ ابن خلدون۔ حصہ پنجم

امیران اندلس اور خلفائے مصر

امیر عبدالرحمٰن الداخل سے لیکر آخری دور زوال تک گلستان اندلس کی کہانی ایک بیمثال تمدن کی ابتداء وانتہا اور مشرقی خلافت کے اندر فرقوں کی پیداوار ترکوں کی یلغار اور فاطمیوں کے عروج وزوال کی عبرتناک داستان۔ سفید کاغذ صفحات ۵۸۴۔ قیمت ۲۲/- روپے

تاریخ ابن خلدون۔ حصہ ششم

غزنوی اور دور سلاطین

فاتح سومنات سلطان محمود غزنوی اور ہندوستان میں پہلی سلطنت کے بانی شہاب الدین غوری کی فتوحات کے مستند حالات۔ بڑا سائز اعلیٰ سفید کاغذ صفحات ۵۶۸ قیمت ۱۸/- روپے۔

تاریخ ابن خلدون۔ حصہ ہفتم

سلجوقی اور خوارزم شاہی سلاطین

سلجوقی وخوارزم شاہی خانوادوں کے حالات دکوائف غازیانہ جنگجو عیسائیوں کا مقابلہ کفار کرج اور قفچاق کی جدوجہد ترکوں کی یورش تابان اور سلجوقیہ اور ملوک خوارزم کی مدافعانہ کوشش چنگیزی خاں کا خروج تاتاریوں کا عالمگیر طوفان، ممالک اسلامیہ کی تباہی وبربادی کی عبرتناک داستان، بڑی سائز۔ اعلیٰ سفید کاغذ صفحات ۴۴۲۔ بہترین کتابت وطباعت مجلد مع پلاسٹک زیب ورنگین ٹائٹل قیمت ۱۶/- روپے

Marfat.com

تاریخ اسلام کا قدیم ترین ماخذ

طبقات ابن سعد

مکمل آٹھ حصوں میں

مصنف: علامہ محمد ابن سعد المتوفی ۲۳۰ ھ

اُردو ترجمہ : علامہ عبداللہ العمادی

یہ شہرۂ آفاق کتاب چند قدیم ترین کتابوں میں سے ایک مہتم بالشان کتاب ہے مصنف نے بڑی تحقیق کے بعد تمام واقعات حالات کو محدثانہ طور پر بہ سند صحیح لکھا ہے اور ایسے جزئی واقعات بھی تحریر کئے ہیں جو کسی تاریخ میں نہیں ملتے۔ ابن سعد کے معاصرین کے علاوہ علما مشرق و مغرب کے مورخین کے لئے یہ تاریخ مشعل راہ ہے

حصہ اول اخبار النبی صلعم

ترجمہ : علامہ عبداللہ العمادی قیمت ۲۰/. روپے

حصہ دوم اخبار النبی صلعم

ترجمہ علامہ عبداللہ العمادی قیمت ۲۰/. روپے

حصہ سوم سیرت خلفائے راشدین

مصنفہ علامہ عبداللہ العمادی قیمت ۱۶/. روپے

حصہ چہارم مہاجرین و انصار

ترجمہ علامہ عبداللہ العمادی قیمت ۲۰/. روپے

حصہ پنجم تابعین و تبع تابعین

ترجمہ عبداللہ العمادی قیمت ۲۰/. روپے

حصہ ششم اصحاب کوفہ

ترجمہ مولوی نذیر الحق میرٹھی قیمت ۱۸/. روپے

حصہ ہفتم دور آخر کے صحابہ تابعین و فقہا

ترجمہ مولانا راغب رحمانی۔ قیمت ۲۰/. روپے

حصہ ہشتم صالحات و صحابیات ترجمہ مولانا راغب رحمانی
قیمت ۲۰/. روپے

ہماری عظمت پارینہ کے زریں اوراق

تاریخ اسلام

مکمل تین حصوں میں

مصنفہ : مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

یہ عظیم شاہکار تین حصوں پر مشتمل ہے

پہلا حصہ : یہ عہد رسالتمآب سے لیکر خلافت راشدہ تک ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ایک ان پڑھ اور غیر متمدن قوم جب ہلاکت کے سرچشمے سے سیراب ہوتی ہے تو وہ کس طرح فاتح عالم بن کر ساری دنیا کو باغ و بہار بنا دیتی ہے قیمت ۲۲/. روپے

دوسرا حصہ : عہد بنی امیہ سے لے کر خلافت بنی عباس مصر پر ختم ہوتا ہے یہ جلد مسلمانوں کے دور کشائی تمدن آفرینی اور قیادت علمی کے عروج کی مکمل تاریخ ہے اور زوال اسباب کی عبرتناک داستان بھی ہے اس کا مطالعہ سینکڑوں سامان بصیرت اور درس عبرت رکھتا ہے قیمت ۲۲/. روپے

تیسرا حصہ : بنو امیہ اندلس دولت معاویہ سلجوقیہ عثمانیہ مغولان چنگیزی خوارزم شاہیہ اور اس دور کی تمام مسلمان حکومتوں کے تفصیلی حالات پر مشتمل ہے اس طرح مصنف نے مصر میں دولت مملوکیہ کے اختتام اور سلطان سلیم خاں کی فتح مصر اور خلافت تک ۹۲۳ ھ کے حالات شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں۔ یہ ہماری عظمت پارینہ کی دردناک داستان ہے۔ آج جب کہ مسلمان قوم ساری دنیا میں زندگی کی انگڑائیاں لے رہی ہے ماضی کی یہ تابناک داستان مستقبل کے لئے راستہ کو روشن کرنے کا کام دیگی قیمت ۲۲/. روپے

صفحات : حصہ اول (۹۵۲) حصہ دوم (۶۷۲) حصہ سوم (۶۰۸) مکمل سیٹ : ۶۶/. روپے

Marfat.com